رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۹

جلد ۳۲ نمبر (۱)

وَبِالنَّجمِ هُمْ يَهْتَدُوْن

بیادگار حضرت نجم العلماء

ماہانہ مجلہ علمیہ

الواعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر سرپرستی والی ریاست عالیہ محمود آباد سرکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر متوالی منتظم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر نگرانی تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مد ظلہ نبیرۂ سرکار نجم العلماء مجتہد و معتمد تبلیغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ



مدیر

فقیر باب اہلبیت سید آقا مہدی الرضوی



الواعظ صفدر پریس لکھنؤ میں چھپ کے شائع ہوا

مینیجر سید حسن المتخلص بہ اکمال لکھنوی

"پامالِ جفا"

از نتیجہ فکر بلند حضرت مضطر حیدری نجمی "میانوالی" پنجاب

سلام اے سیدِ مسموم کے نورِ نظر قاسمؑ سلام اے معدنِ رحمت کے تابندہ گہر قاسمؑ
مسلماں کو رلائے گا ترا غم عمر بھر قاسمؑ
شہیدِ ظلم، پامالِ جفا خستہ جگر قاسمؑ

دکھایا روزِ عاشورہ عجب زورِ وغا تو نے بساطِ کفر کا تختہ الٹ کر رکھ دیا تو نے
جہانِ ظلم و بدعت کر دیا زیر و زبر قاسمؑ
شہیدِ ظلم، پامالِ جفا، خستہ جگر قاسمؑ

بپھر کر شیر سا تو جنگ کے میدان میں آیا ستم کی آندھیوں تیروں کی بارش سے نہ گھبرایا
وہ تیرے حوصلے وہ یورشِ تیغ و تبر قاسمؑ
شہیدِ ظلم، پامالِ جفا خستہ جگر قاسمؑ

ترے جوشِ وغا نے عزمِ باطل کو کچل ڈالا سیاہ شام کی امید کا نقشہ بدل ڈالا
ہمیشہ حق کرے گا ناز تیری ذات پر قاسمؑ
شہیدِ ظلم، پامالِ جفا، خستہ جگر قاسمؑ

ریاضِ شرع پر قربان کر دی اپنی جاں تو نے اڑا دیں خود پرستی کے چمن کی دھجیاں تو نے
ترے خون سے ہوا سرسبز ایماں کا شجر قاسمؑ
شہیدِ ظلم، پامالِ جفا، خستہ جگر قاسمؑ

ابھی عہدِ جوانی نے کہاں جلوہ دکھایا تھا ابھی تو چہرۂ پر نور پر خط بھی نہ آیا تھا
کیا کس عمر میں تو نے زمانے سے سفر قاسمؑ
شہیدِ ظلم، پامالِ جفا خستہ جگر قاسمؑ

ٹپک پڑتے ہیں آنسو بے تحاشا دیدۂ تر سے چلی آتی ہیں ماتم کی صدائیں قلبِ مضطر سے
رلاتی ہے یہ تیری بے کسی شام و سحر قاسمؑ
شہیدِ ظلم، پامالِ جفا، خستہ جگر قاسمؑ

الواعظ

نمبر (۱) | بابتہ ماہ جنوری ۱۹۴۶ء مطابق ماہ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ | جلد (۱۲)

نمبر	مضمون	مضمون نگاری	صفحہ
۱	اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد	ایڈیٹر	۲
۲	پردہ اور اہلبیت طاہرین	ایک خاتون کے قلم سے	۴
۳	شہادت حسین کے اثرات مابعد	عالیجناب مولانا سعادت حسین خاں صاحب مدرس اعلیٰ وثیقہ اسکول	۷
۴	اشعار	عالیجناب حیات حسین صاحب وفا فیض آبادی دامت معالیہ	۱۱
۵	شہادت حسین حیات اسلام ہے	عالیجناب مولانا شیخ محمد ممتاز صاحب دامت معالیہ	۱۲
۶	اشعار	عالیجناب جعفری اعظم گڈھی	۱۵
۷	"	عالیجناب لائق علی صاحب ہنر	۱۶
۸	"	عالیجناب منظور احمد صاحب بلاسپوری	"
۹	راز شہادت	عالیجناب مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ دامت معالیہ	۱۷
۱۰	یزید قاتل حسین سواد اعظم کی نظر میں	عالیجناب مولانا سید محمد قاسم صاحب الہ آبادی	۲۱
۱۱	اشعار	مضطر حیدری	۳۱
۱۲	"	شرف حیدری	"
۱۳	"	عالیجناب مرزا باقر علی صاحب افسر دام عزہ	۳۲
۱۴	سید الشہداء اور مشاہیر محققین یورپ کی نظر میں	عالیجناب سید محمد اکبر صاحب رضوی سیتاپوری	۳۳
۱۵	اشعار	عالی جناب ہمدرد صاحب لکھنوی	۳۹
۱۶	شہزادی عجم	عالی جناب نصرت بجنوری	۴۰
۱۷	در غزل	عالیجناب خان بہادر سید احمد علی صاحب بہادر رئیس پٹنہ	۴۱
۱۸	ایام عزا کا منفسد	عالیجناب صادق مرزا صاحب بی اے گورکھپور	۴۶
۱۹	اشعار	عالی جناب محمود حسن صاحب کاظمی	۴۸

الواعظ

جلد (۲۲) | بابتہ ماہ جنوری سنہ ۲۶ء مطابق ماہ صفر المظفر سنہ ۶۵ھ | نمبر (۱)

اسلام زندہ ہوتا ہی ہر کربلا کے بعد

عشرۂ محرم گذر گیا اور حسب دستور عزائے حسین کے مظاہرے اقطاع ہند بلکہ ساری دنیا میں ہوئے امیر فقیر بچے بوڑھے مرد و عورت مسلم غیر مسلم ہر طبقہ شہیدوں کی تربت پر عقیدت و ہمدردی کے پھول نچھاور کر چکا اور اب اوس کی توجہ اون پسماندگان کی طرف ہی جنکو حاکم کے سامنے جانا ہی گرفتاری، قید کا سامنا ہی - ان میں کچھ رانڈیں کچھ بے باپ کے بچے کچھ لاوارث عورتیں اور ایک لاغر و ناتوان جوان ہی جسکو رانڈ و ن کا قافلہ سالار بنکر اونٹ کی ننگی پیٹھ پر کربلا سے کوفہ کا راستہ طے کرنا ہی -

یہ ذمہ دار افراد اوسی آغوش تربیت کے پروردہ ہین جس گود مین حسین نے نشو و نما پائی تھی اور اوسی درسگاہ کے تعلیم یافتہ ہین جسمین حسین نے سبق پڑھا تھا فرق اتنا ہی کہ وہان سب مرد تھے اور یہان مرد صرف ایک ہی - اور زیادہ تر عورتیں ہین وہان چند بوڑھے صحابی رسول تھے اور یہان بھی بعض سن رسیدہ خواتین ہین جنھوں نے پیغمبر کا زمانہ بھی دیکھا اور رسل کو اپنا مہمان بناکر دنیا ہی میں بہشت کے عمدہ کھانے کھلائے -

اوس روحانیت نواز فوج کا قائد اعظم حسین بن علی اور اس مظلوم قافلہ کی قیادت حضرت زینب کے ہاتھ میں ہی وہان برابر کے بھائی عباس کا جلال علمداری کے فرض کو پورا کر رہا تھا تو یہان یادگار برادر سید سجاد کا صبر علم شکیب ہاتھ میں لیے اوس فوج مین قاسم و عبداللہ ایسے ماہ پارہ بچے تھے تو اس سپاہ میں سکینہ و فاطمہ ایسی یتیم لڑکیاں ہین جو باپ کے مقصد شہادت کی تکمیل کر رہی ہین -

سچ ہی انھیں خواتین نے بازؤں میں رسّیاں بندھوا کے اسلام کو قید غلامی سے آزاد کیا اور مسلمانوں کو حیات جاوید دی ـــــــ اسلام زندہ ہوتا ہی ہر کربلا کے بعد ـ

"کربلا" کرب وبلا کا مخفف ہے کرب کے معنی انتہائی بیچینی اور تکلیف کے ہیں اور بلا ایک سخت امتحان کا نام ہے جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہی۔ زمین کربلا پر پہونچکر جو بیچینی و ولی غیر معمولی اذیت اور امتحان میں مبتلا ہوا اسلیے اس زمین کا نام کربلا قرار پایا خود مظلوم امام نے کربلا میں پہونچتے ہی زمین کا نام سنکر فرمایا "ارض کرب وبلا" یہی کرب ورا امتحان کا خطہ ہی۔ محرم سنہ ۶۱ھ کے دس دن میں اس زمین کے معزز مہمان پر جو انسانیت سوز مظالم ہوے اوس کی یاد میں ہر سال مسلمانوں کے دلوں پر کرب والم طاری ہوتا ہی۔ اونکی قومی وملی حیات کا ذمہ دار ہی جس کو غیر شیعہ شاعر نے آزادی سے بیان کیا ہی ـ

اسمیں شک نہیں کہ مسلمانوں کو جب کسی کرب واضطراب کا سامنا ہوگا حسینیت کو نصب العین قرار دینے سے اون کو حیات ثانوی مل سکتی ہی اور مظلوم کربلا نے اپنے محیر العقول صبر وتحمل سے یزیدیت کو ایسا کچل دیا ہی کہ اب روز قیامت تک باطل سر اٹھا نہیں سکتا ـ اہل اسلام کو اون کے معاشرتی وتمدنی زندگی میں حسینیت سے بہتر لائحہ عمل مل نہیں سکتا ـ

اطلاع اس مرتبہ مضامین کی کثرت سے ایڈیٹوریل میٹر روک لیا گیا ہی پھر بھی ہمکو صدمہ ہی کہ مولانا سعادت حسین خاں صاحب مدرس اعلیٰ وثیقہ اسکول دامت معالیہ کا مضمون مکمل درج نہیں ہو رہا ہی ناظرین معاف کریں گے ـ

رباعی

از جناب کنور مہندر سنگھ صاحب دہلی

مقصد ہستی جاوید ہی منشائے حسینؑ آئینہ دار وفا دیدۂ بینائے حسینؑ
سر بسجدہ ہی جہاں منزل تسنیم ورضا جادۂ دل پہ ہے وہ نقش کف پائے حسینؑ

رباعی

عالی جناب شدید صاحب لکھنوی نبیرۂ حضرت رشید مرحوم

انسان کو انسان بنانے والے اے ظلم کو دنیا سے مٹانے والے
وہ کام سنہ اکسٹھ میں کیا تو نے حسینؑ تا حشر نہ بھولیں گے زمانہ والے

پردہ اور اہلبیت طاہرین علیہا السلام

از نثار فاطمہ منشی فاضل برادرزادی سید علی نصرت قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ متعلمہ ٹیچرس ٹریننگ کلاس لکھنؤ

واقعہ کربلا ایسا عظیم الشان سانحہ ہے جس کی مثال دنیا آجتک نہ لاسکی اور نہ تا قیامت لاسکیگی حسین مظلوم نے درجۂ شہادت پر فائز ہوکر حقانیت اسلام کی حقیقت کھولدی اور دنیا پر وحدت ورسالت کے اسرار ظاہر فرمادئے۔ صبر ورضا ثبات قدم۔ استقلال۔ حق پرستی خلق اللہ سے محبت امت محمدی سے انتہائی اُنس کی وہ وہ مثالیں چھوڑی ہین جسکو گردش ایام تا قیامت مٹا نہیں سکتی۔ دنیا میں بڑے بڑے مصلح قوم گذرے مگر سب حسینؑ کے نقش قدم پر چلنے پر سعادت سمجھا کیے جسمیں کا ہر ایک نقش قدم مشعل راہ عمل ہے۔ واقعہ کربلا میں صنف نازک کا بہت بڑا حصّہ ہی۔ شہادت حسینؑ بغیر شرکت اہلبیت طاہرین کے پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچ سکتی تھی۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن عباس اور محمد حنفیہ کے انتہائی اصرار اور منع کرنے پر بھی فرزند رسول الثقلین اپنے اہلبیت کو اپنے ساتھ میدان کربلا میں لائے۔ اور ان بزرگوں کا منھ یہ فرماکر بند کردیا کہ خدا کی مشیّت ہی یہی ہی کہ اہل حرم کو بے پردہ دیکھے حسین کی بابند نظر پے انجام سے واقف تھیں مگر حسینؑ کو دنیا میں انقلاب عظیم برپا کرنا تھا اور یہ بغیر شرکت صنف نازک کے ممکن ہی نہ تھا۔ واقعی اہلبیت مصطفےٰ نے بڑا کام کیا اور مستورات عالم کے لیے چراغ جادۂ عمل بنگئیں۔ یوں تو ان مخدرات عصمت نے بہت کچھ کیا مگر میں صرف

بہرحال علامہ ابن حجر یا اون کے ایسے دیگر علماء اہلسنّت کا محض یہ کہدینا کہ یزید کا امام حسین علیہ السّلام کو قتل کرنا ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہی یا صحیح نہیں ہی اور اس بنا پر وہ انھیں کا ایسا مومن ہی۔ قطعاً غلط اور کذب محض ہے جو خود انھیں حضرات کے مسلمات ہی سے ثابت بھی ہوا اور صحیح بھی۔ جس کے بعد پھر یزید کے قاتل امام حسین علیہ السّلام ہونے مین کسی قسم کا نہ شک وشبہہ رہجاتا ہی اور نہ اوس کے کافر ہونے مین۔ ونعم ما قال شارح النسفی فی عقائدہ۔ نحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ۔ لعنۃ اللہ علیہ وعلیٰ اعوانہ

صفحہ ۱۱۷ شرح عقائد نسفی مطبوعہ شوکۃ الاسلام فرنگی محل لکھنؤ

(بقیہ مضمون مولانا سید محمد قاسم صاحب قبلہ الہ آبادی)

پردہ کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتی ہوں کیوں کہ آج کل مغربی تہذیب کا دور دورہ ہے اور اب عالم مادیت میں احکام خداوندی شرع محمدی کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ نئی روشنی والے مغربی تہذیب کو صرف ذریعہ ترقی دنیاوی نہیں بلکہ ذریعہ نجات سمجھنے لگے ہیں۔ شرع محمدی کی مخالفت پر کھلم کھلا تُل گئے ہیں ہندوؤں کے مذہب میں رسم پردہ تو کبھی تھی نہیں۔ لیکن شرم وحیا کی لاج ضرور تھی۔ مسلمان قوم تو شروع ہی سے پابند پردہ رہی۔ اگرچہ ایسا گھرا پردہ جیسا ہندوستان میں رائج ہو پہلے نہ تھا۔ مذہب اسلام نے صاف طور سے اعلان کر دیا قرآن کھلے الفاظوں میں بتا رہا ہے کہ مسلم عورتیں نامحرموں کی نظروں سے بچیں۔ بے پردگی کا بھی اتنا ہی عذاب ہے جتنا کہ اور احکام شرعی کے مخالفت کرنے سے ہوتا ہے بہرحال بے پردگی سخت ترین معصیت ہے۔ پردہ خاندان رسالت سے جاری ہوا۔ انتہا ہو گئی جگر گوشہ رسول کا جنازہ پردہ شب میں اٹھایا گیا تاکہ نامحرموں کی نظریں نہ پڑیں۔ کربلا میں اہلبیت طاہرین نے اپنے طرز عمل سے پردہ کی اہمیت کو روشن کر دیا۔

بعد شہادت شاہ شہدا جب حضرت امام زین العابدین سے دریافت کیا گیا۔ مولا سب سے زیادہ مصیبت کہاں اٹھانا پڑی۔ تو امام نے فرمایا۔ الشام الشام۔ راوی نے پوچھا۔ مولا کربلا سے بھی زیادہ۔ فرمایا ہاں۔ بازار شام خوب آراستہ تھی۔ بہت بڑا اژدہام تھا۔ سرہائے شہدا نیزوں پر بلند تھے۔ پردگان عصمت زینب و کلثوم سر برہنہ با حال پریشاں اونٹوں پر سوار تھیں۔ دشمنان دین سرہائے شہدا لیے ہوئے اونٹوں کے گرد جمع ہو گئے۔ نامحرموں کی نظریں بے محابا بنی زادیوں پر پڑنے لگیں۔ تو زینب و کلثوم شرم وحیا کے مارے گڑی جاتی تھیں اور گریہ کناں فرماتی جاتی ہیں۔ آہ کہاں ہو شیرو آؤ نامحرموں کی نظروں سے بچاؤ۔ اگر بے پردگی ایسی ہی مصیبت عظیم نہ ہوتی تو امام الشام الشام کا نعرہ بلند نہ فرماتے۔

دوسرا۲ واقعہ ہنگام عصر جب حسین مظلوم زخموں سے چور گرم خاک کربلا پر پڑے تھے شمر ملعون بر حسین کو جسم اطہر سے جدا کرنے پر تیار تھا۔ دفعتاً الا قتل الحسین بکربلا کا غل ہوا۔ حسین نے غش سے آنکھیں کھول دیں۔ پیاری بہن کو موجود دیکھا۔ اللہ اللہ حسین کتنے غیور تھے۔ فرمایا۔ بہن خیمہ میں واپس جاؤ۔ میری زندگی میں تو خیمہ سے نہ نکلو۔ اللہ اللہ حسین کو بہن کے پردہ کا خیال تا دم واپسین رہا۔

تیسرا۳ واقعہ شہادت حسین کے بعد فاطمہ بنت الحسین نے تاراجی خیام اپنی پھوپھی جناب زینب سے اپنی پشت پر نیزہ لگنے کی شکایت نہیں کی بلکہ کہا کہ پھوپھی کوئی کپڑا ہو جس سے میں

سر چھپاؤں اہلبیت حسین نے اسیری میں کسی مسلمان سے کوئی امداد قبول نہیں کی مگر کوفہ میں صرف چادروں کا سوال کیا - یہ وہ رویہ ہے جو پردہ کی اہمیت کو آشکارا کر رہا ہے - اہلبیت کی کنیزی کو شیعہ مستورات صرف طرۂ امتیاز ہی نہیں بلکہ ذریعہ نجات تصور کرتی ہیں - وہ تو اسقدر پابند تھیں - اور بے پردگی پر خود بھی گریہ وزاری کریں اور سارا عالم آنسو بہائے مگر مغربی تعلیم و تہذیب کے زیر اثر اہلبیت مصطفےٰ پر جان قربان کرنے والی - بی بیاں پردہ کو قید زندان اور بے کار محض تصور کرنے لگی ہیں - خدا کی پناہ - یہ تو عام فیشن ہو گیا ہے مغرب زدہ مسلمان جنکو خدا کے فضل سے کچھ دنیاوی پوزیشن حاصل ہو گئی ہے وہ تو شرع کے گرفت سے علانیہ نکل گیے ہیں اور ان کی مستورات ملازمین کے سامنے بے تکلف آتی ہیں - ملازمین سے بالکل پردہ نہیں رہا - گویا یہ لوگ نامحرم ہی نہیں رہے بلکہ عزیز دار ہیں جن سے خاصی بے تعلقی بھی جائز ہے - مگر یہی بی بیاں بھلے آدمیوں سے پردہ بھی کرتی ہیں - سبحان اللہ کیا خوب پردہ ہے - مسلمانوں کا یہ طرز عمل نہایت ذلت آمیز ہے - جس کے نتائج بہت برے ہیں - اگر کوئی عورت اپنے والدین یا شوہر کے حکم سے نامحرم ملازمین سے پردہ نہ کرے تب بھی تو وہ کسی صورت سے عذاب سے بچ نہیں سکتی - کیونکہ وہ بالغ ہو گئی ہے اور اپنے فعل کی مختار ہے - والدین ہی بے پردگی کی اجازت دینے کی ذہنیت سے گناہگار ہوتے ہیں - مغربی تعلیم و تہذیب نے مستورات کی ذہنیت میں انقلاب عظیم برپا کر دیا ہے جس کی روک تھام صرف اہلبیت طاہرین کے طرز عمل کی پیروی کرنے ہی سے ہو سکتی ہے - ورنہ کبھی نہیں - کیونکہ دل سے خوف خدا و رسول یک لخت جاتا رہا ہے اور عذاب خدا سے بے پروائی برتی جانے لگی ہے -
میں تعلیم نسواں کے خلاف نہیں ہوں کیونکہ خود تعلیم حاصل کر رہی ہوں مگر پردہ کی دل سے حامی ہوں - اور اپنی بہنوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہتی ہوں - بہنو خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ - اہلبیت طاہرین کی تاسّی ہی ذریعہ نجات ہے - چار دن کی زندگی میں مکروہات دنیا اور عیش پرستوں میں مبتلا نہ ہو - اہلبیت کی پیروی کرو تاکہ عاقبت بخیر ہو - کربلا کے واقعہ سے سارا عالم - ہر طبقہ کے مرد عورت سبق حاصل کر سکتے ہیں - حسین نے سارے عالم کی بہبودی اور ہدایت کے خاطر شہادت قبول فرمائی - جسکا نتیجہ خاطر خواہ نکل رہا ہے -

"شہادت حسینؑ کے اثرات مابعد"

عالی جناب مولانا سعادت حسین خاں صاحب مدرس اعلیٰ وثیقہ اسکول فیض آباد

کربلا کے دردانگیز حادثہ کا ایک جز عصر روز عاشورہ کو ختم ہوگیا۔ بظاہر یزید کامیاب اور امام حسینؑ ناکامیاب رہے۔ اور ایسے ناکامیاب رہے کہ آپ خود اپنے اعزا واقربا واصحاب کے ساتھ شہید ہوگئے۔ خیمے جلے، اسباب لٹا، اہلبیت اسیر ہوئے۔ بیمار فرزند کو بیڑیاں پنہائی گئیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یزید ناکام رہا اور ایسا ناکام کہ آج کوئی بھی اچھائی سے اس کا نام لینے والا نہیں ہے اور یزیدی سیاہ کے ہر ظلم کے بعد امام حسینؑ کی کامیابی میں چار چاند لگتا جاتا تھا جس کا بہت بڑا ثبوت اثرات بعد شہادت امام حسینؑ ہیں۔ آپ کی شہادت نے دشمنوں کے پچاس سالہ مساعی کو خاک میں ملا دیا۔

وہ مساعی ایسے تھے جنکی نیو تو حضرت رسولؐ خدا کے وفات ہی کے وقت ہوگئی تھی۔ اصل میں اجماع سقیفہ بنی ساعدہ ہی نے حالات میں انقلاب پیدا کردیا تھا لیکن خصوصیت سے بنی امیہ نے اپنا اقتدار جمانے اور اہل بیت رسالت کے نام ونشان مٹانے کے لیے جو صورت اختیار کی اس کا زہر کل ممالک اسلامیہ میں پھیل گیا یہ وہ وقت تھا جب حضرت علی علیہ السلام جام شہادت نوش کرچکے تھے، امام حسن علیہ السلام نے کچھ شرائط سے صلح کرلی تھی۔ سنہ ۴۱ھ سے بنی امیہ کے لیے میدان بالکل صاف ہوگیا تھا، کل ممالک اسلامیہ میں وہ جو چاہتے کرتے۔

معاویہ اولاد علی وفاطمہ سلام اللہ علیہما کو اپنے لیے خار سمجھتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اگر فضائل علی نشر ہوتے رہے تو ہمارا اقتدار دنیا سے ختم ہوجائے گا۔ اسکے لے اس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے تمام علاقہ خلافت وحدود سلطنت میں گشتی فرمان جاری کردیا کہ خطبہ نماز جمعہ میں ہر خطیب علی ابن ابی طالبؑ سے علانیہ طور سے تبرا کیا کرتے (نصائح کافیہ) بعض مورخین کا قول ہے کہ سنہ ۴۱ھ میں جسے عام الجماعۃ کہتے ہیں یہ فرمان جاری ہوا تھا اسکے بعد "کان معاویہ وعمالہ یدعون لعثمان فی الخطبۃ یوم الجمعۃ ویسبون علیا" (تاریخ ابو الفدا جلد اول) معاویہ اور اس کے عمال خطبہ روز جمعہ میں عثمان کے لیے دعا کرتے تھے اور حضرت علی پر سب وشتم کرتے تھے اور برا کہتے تھے۔

....

معاویہ کو اسی امر قبیح میں اس قدر مبالغہ تھا کہ اگر کوئی شخص اس سے کہتا تھا کہ اب تو علی کا انتقال ہو گیا ہے ان کو گالی نہ دیا کرو تو معاویہ جواب میں کہتا تھا کہ خدا کی قسم میں ہرگز علی کو گالی دینا ترک نہ کروں گا جب تک کہ لڑکے اسی حالت پر نشو و نما نہ پائیں اور جوان شیخ فانی نہ ہو جائیں تاکہ دنیا میں کوئی بھی علی کی فضیلت بیان کرنے والا باقی نہ رہ جائے (نصائح کافیہ) اسی پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ جھوٹی حدیثیں گڑھی جاتی تھیں۔ چنانچہ اسی کتاب میں ہے کہ معاویہ کا عام حکم تھا کہ جو کوئی بھی کسی طرح سے علی کی فضیلت میں کوئی حدیث سنے تو اس کے جواب میں کسی دوسرے صحابی کے لیے ضرور حدیث وضع کراؤ اس لیے کہ یہ بات مجھکو بہت پسند ہے اور میرے خنکی چشم کا باعث ہے۔

"یہاں تک کہ یہ احادیث واخبار دیانت دار افراد کے ہاتھوں میں نقل ہو کر آتے جو جھوٹ اور بہتان کو جائز نہیں جانتے تھے چنانچہ انھوں نے اسے قبول کر لیا۔ روایت بھی کی وہ تو اسے حق گمان کرتے تھے اور اگر یہ جانتے کہ یہ باطل ہیں تو ان کی روایت نہ کرتے نہ ان کو مذہب کا جزء سمجھ کر تسلیم کرتے برابر یہی حالت باقی رہی یہاں تک امام حسن علیہ السلام نے انتقال کیا تو مصیبت و بلا اور زیادہ ہو گئی"
(نصائح کافیہ)

اس کے ساتھ ساتھ شیعیان علی کے قتل وغارت کا بازار بھی گرم تھا۔ ان کی شہادت نہیں قبول کی جاتی تھی۔ بیت المال سے جو حقوق ان کے لیے معین تھے روک دے گئے تھے۔ ہر محب علی خوف وہراس کی زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن شہادت امام حسین علیہ السلام نے دنیا کی آنکھیں کھول دیں محبان علی کے دبے ہوئے جذبات ابھر آئے اور انھوں نے یزید کے اسلام سوز اعمال وافعال سے بیزاری اور آل رسول سے اظہار الفت و محبت کرنا شروع کر دیا جس سے آل محمد علیہم السلام کے عظیم خدمات پھر منظر عام پر آ گئے۔ یہ عالم عصر روز عاشورہ ہی سے شروع ہو گیا تھا چنانچہ حمید ابن مسلم علیہ اللعن بیان کرتا ہے کہ میں نے قبیلہ بکر ابن وائل کی ایک عورت کو دیکھا جو فوج یزید میں اپنے شوہر کے ساتھ تھی جب اس نے دیکھا کہ لوگ خیام امام حسینؑ پر لوٹنے کے لیے ٹوٹ پڑے اور لوٹنے لگے تو اس نے ایک تلوار ہاتھ میں لی اور خیموں کی طرف بڑھی اور آواز دی کہ اے ابن وائل کے لوگو تم کو کیا ہو گیا ہے رسول اللہ کی بیٹیاں لوٹی جائیں تم دیکھتے ہو حکم تو صرف خدا کے لیے ہے اے رسول خدا کے خون کا عوض لینے والو تم سے فریاد ہے"
(دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۴۴)

(باقی آئندہ)

دنیائے انسانیت پر حسینؑ کے احسانات

از ابو الخلیل مولانا سید راحت حسین صاحب رضوی بھیکپوری حسینی مشنری

ایک دو ہوں تو گنوائے جائیں، دو چار ہوں تو بتلائے جائیں، یہاں تو یہ عالم ہے کہ ہیروآف کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام کی از ابتدا تا انتہا زندگی کے جتنے شعبے ہیں وہ سبق آموز اور انسان کو مکمل انسان بنانے والے اسوۂ حسینی ہیں دنیا نے انھیں انسانیت کا ہیرو اور محسن مان لیا۔

عزم و استقلال، صبر، شجاعت و بہادری اور ایثار کا سبق، شکم سیر ہو کر تو لب سے ہاتھ منھ پونچھکر عیش و طرب کے عالم میں رہ کر دیدینا اور بات ہے۔ اور وطن سے دور اور ہر طرح سے مجبور، تین شبانہ روز بھوکا پیاسا رہ کر انواع و اقسام کے مصائب و آلام جھیل کر غضب کا عزم و استقلال حسینؑ مظلوم نے دکھایا جس کی نظیر نہیں ملسکتی، دنیا کی درسگاہوں میں، کورس کی کتابوں میں، بچوں کو درس دینے کے لئے حسینی شجاعت و بہادری، حسینی عزم و استقلال، حسینی صبر و ایثار کا سبق دو۔ اس سے بہتر کوئی مثال نہیں ملسکتی۔

اسکول میں سالانہ امتحان ہو رہا ہے، تقریری امتحان کے روز کا واقعہ سبق آموز ہو نسنے کے قابل

ممتحن:- اسٹوڈنٹ سے مخاطب کر کے تم جانتے ہو کوئی بھی کام ہو بغیر عزم و استقلال کامیابی کا رُخ روشن دیکھنا نصیب نہیں ہوتا، لہذا استقلال کی عمدہ ترین مثال دو؟

اسٹوڈنٹ:- مورخین کا بیان ہے کہ ایکدفعہ حسین بن علیؑ (پیغمبر اسلام کے نواسے) مع چارسو اصحاب کے مدینہ کے باہر بغرض سیر تشریف لیے جا رہے تھے راستہ میں آپکے پدر بزرگوار (علی ابن ابیطالب علیہ السلام) کا ایک دشمن ملا، جس نے آپکی نسبت دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ حسین بن علیؑ ہیں، اسوقت اُسنے نہایت سخت نازیبا کلمات، آپکی شان مبارک میں کہنے شروع کیے مگر آپ تبسم فرما کر اُس کی طرف مخاطب ہوئے اور نہایت ہمدردی کیساتھ اُس سے گفتگو کی اور حد سے زیادہ اخلاق سے پیش آئے اسوقت آپکے دوستوں اور رفیقوں میں سے ایک شخص نے عرض کی، اگر حضور والا کا حکم ہو تو میں اسے ابھی قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں سنو اور غور سے سنو!

"ہم مضبوط اور محکم پہاڑ ہیں سخت آندھیوں کے جھونکے ہم کو ہلا نہیں سکتے" زمین کربلا (عراق) میں حسینؑ مظلوم نے جو عزم و استقلال کا مظاہرہ فرمایا ہے وہ اہل عرفاں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ایسی مثال دوسری جگہ ناممکن ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے کوئی معمولی کام نہیں کیا تھا کوئی بے سمجھے بوجھے

کارروائی نہیں کی تھی، کوئی اچانک بات نہیں گزرنے کے تھے بلکہ نہایت متانت نہایت استقلال، بڑی مردانگی، کمال شجاعت انتہائی فہم وفراست، غائت دانائی اور بہت بلند تدبیر کے ساتھ اس کام کی ابتدا کی تھی جیسا کہ اسکی انتہا نے بتایا، اور اُس کے خاتمہ نے سبکو سمجھا دیا کہ یہ وہ حکیم تھا کہ اُس سے بڑا عارف فلسفہ تمدن و اخلاق کا نہ اُس سے ماسبق کوئی گزرا اور نہ آئندہ امید کی جاتی ہے کہ اُس سے افضل تدبیر سیاسی کو انجام دینے والا پیدا ہو پس کیا وجہ کہ اس کا اثر کمزور ہو۔ ہرگز نہیں بلکہ حسین علیہ السلام نے جس حوصلہ، جس ہمت، جس مردانگی اور جس دانائی سے اس کام کو شروع کیا تھا اور جس استقلال کے ساتھ اُسے ختم کیا اُسکا یہی نتیجہ ہونا تھا جو آج دکھائی دے رہا ہے اور جس سے سوائے ابلہ۔ کم فہم۔ سفیہ۔ جاہل متعصب دشمن عقل و کور باطن کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ نتائج ایسے واضح ہیں کہ جن کو نظر انداز کرنا کسی باعقل آدمی کے امکان سے باہر ہے۔

ممتحن:۔ (جناب شمشاد علیخاں صاحب قادیانی کلکٹر کے عزیز خاص میں سے تھا) ماشاء اللہ تمنے بہترین مثال دی ہے۔ واقعہ کربلا کا بغور مطالعہ کرنے سے ہر شخص کو اخلاقی سبق ملتا ہے اور دنیا نے تسلیم کر لیا ہے کہ واقعہ کربلا بین الاقوامی واقعہ ہے۔

حق کی حمایت میں آزادی کے قائم و برقرار رہنے کیلئے اور مالک حقیقی کی عبادت و بندگی کی عظمت و اہمیت دکھلانے کے لئے ننگ انسانیت (یزید پلید) کی بیعت نہ کرنا اور اپنے اس بلند پایہ نصب العین پر ثابت قدم رہنے کے لئے سب کچھ قربان کر دینا یہ حسین ہی کا کام تھا واللہ کہ ایسے حسینؑ کارے کردی۔

ایک مرتبہ میں نے سون پور جنکشن اسٹیشن او۔ ٹی۔ آر۔ میں سید اجازت حسین صاحب (آف نگرہ) اسٹیشن ماسٹر کی فرمائش پر مخلوط مجمع میں بین الاقوامی مجلس پڑھی جسمیں یہ عرض کیا اے کاش اس مجمع میں ہٹلر و چرچل۔ اسٹالن روزولٹ وغیرہ بھی ہوتے تو میں ان سے کہتا کہ تم آزادی ہی کے نام سے لڑ رہے ہو۔ دیکھو یہ آزادی ہیرو آف کربلا حسینؑ ابن علیؑ کے صدقہ میں قائم ہے۔ مولانا شاہ عبد الحق دہلوی اپنے رسالہ تکمیل الایمان میں تحریر فرماتے ہیں کہ بیعت کرنے والوں سے اقرار لیا جاتا تھا کہ یزید چاہے ہم کو قتل غلاموں کے سر بازار فروخت کرے یا آزاد رکھے خدا کی عبادت کرنیکا حکم دے یا اس سے روک دے۔

آج اس آزادی کی جنگ میں ہر شخص کو وہ چاہے کسی مذہب ملت سے تعلق رکھتا ہو حسین کو اپنا

ہیر و بھجو۔ ہندو ہو یا مسلمان ۔عیسائی ہو یا موسائی سبھی اپنے اپنے رنگ میں معبود برحق کی بندگی کرنے ۔ مسجد ہو یا مندر۔ گرجا ہو یا صومعہ ۔ ہر جگہ اللہ اللہ رام رام گاڈ گاڈ کی صدائیں بلند ہیں ۔ اور آزادی انسان کا فطری حق ہے دنیا اسی آزادی کی خاطر سب کچھ قربان کر رہی ہے ۔ حسینؑ نے یزید کی بیعت نہ کر کے آزادی کو قائم و برقرار رکھا اور معبود برحق کی عبادت و بندگی ۱۰ محرم ۶۱ھ میں ایسے وقت میں کی جس کی پردۂ دنیا میں مثال نہیں ۔

حسینؑ

(از جناب سید حیات حسین صاحب وفا طباطبائی حسین آبادی)

عالم انسانیت کا محسن اعظم حسینؑ
غمگسار و ہمدم نوع بنی آدم حسینؑ،
کاشفِ علمِ لدنی مظہر راز خدا
قبلۂ دینِ پیمبرؐ کعبۂ عالم حسینؑ
ماہتاب عز و تمکیں کوکب عز و وقار
چرخ قدر و منزلت کا نیر اعظم حسینؑ
نور اسرار الٰہی شمع بزم دین، حق،
رونق عرش معظم زینت عالم حسینؑ
تو وہ کشتہ ہے کہ برپا ہے سر چرخ بریں
حاملان عرش اعظم میں ترا ماتم حسینؑ
آج بھی جب یاد آجاتی ہے تیری تشنگی
دل میں طوفاں خیز ہو جاتا ہے بحر غم حسینؑ
ماتم فرزند میں تو یہ ترا نقشہ نہ تھا
کس کے غم میں ہو گئی تیری کمر یوں خم حسینؑ
سنگریزوں میں بھی ملتا ہے شرارے کا وجود
پتھروں کے دل میں بھی پنہاں ہے ترا غم حسینؑ
ہے کھنچی ہر دل کے پردے میں تری تصویر غم
ہر دلوں میں ہے بچھی تیری صفِ ماتم حسینؑ
موت کو اپنی وفاؔ سمجھے مآل زندگی،
آپ کے روضے پہ نکلے کاش اس کا دم حسینؑ

قطعہ

از جناب کنور مہندر سنگھ صاحب دہلی

زندہ اسلام کو کیا تو نے
حق و باطل دکھا دیا تو نے
جی کے مرنا تو سب کو آتا ہے
مر کے جینا سکھا دیا تو نے

شہادت حسین علیہ السلام احیاء اسلام تھی

از جناب مولانا مولوی شیخ محمد ممتاز صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ حسینیہ بڑا گاؤں گھوسی ضلع اعظم گڑھ

ہمارے رسول جس دین کو لے کر آئے جس کا نام ہے اسلام یہ ہر دلعزیز اور سچا دین جس پر ان الدین عند اللہ الاسلام کی سند لگی ہوئی ہے اسکی اشاعت و ترقی کیواسطے رسول خدا نے اتنی زحمتیں برداشت کیں کہ پاؤں میں چھالے ڈالے غریب الوطنی اختیار کی صرف مقصود یہ تھا کہ دنیا خدا پرستی سیکھ جائے اس سلسلہ میں تمام انسانیت کش خصائل سے جہاد کر کے اسلام کے صحیح قوانین کو بتلایا اور سلمان فارسی کو اہلبیت میں داخل کر کے ایک طرف قوم پرستی کو توڑا اور دوسری طرف عرب کے جاہلانہ غرور کو کچلا بلال کو اذان کی خدمت سپرد کر کے کالے گورے کا فرق مٹایا جناب زید کو سرداری اور اپنے گھر میں جگہ دیکر غلامی کو نیست و نابود کیا غرض کہ قولاً و عملاً تبلیغ کر کے بنی نوع انسان کو ترقی کے آخری زینہ تک پہونچا دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں شرق سے غرب تک اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔"

پیغمبر اسلام کی وفات اسلام کیلئے ایک سخت ترین مصیبت تھی جسکے بعد تاریخ کا ورق سیاہ ہو گیا نوع انسانی کی دینی و دنیوی تباہی کا بدترین وقت وہ ہوا کرتا ہے جبکہ خدا پرستی کے نام پر اور دینداری کے پردہ میں نفس اور ہمارے نفس کی پرستش کی جانے لگتی ہے جب فضائے عالم اس حد تک خراب ہو جاتی ہے تو خالص نفس پرستی اور حقیقی خدا پرستی میں امتیاز عام نگاہوں میں دشوار ہو جاتا ہے اسی وقت خدا پرست اور مخلص بندوں کو اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ خلق خدا کی نگاہوں میں مرات خداوندی و مرضات الٰہی کی برتری قائم رکھنے کیواسطے جان و مال بلکہ عزت و ناموس کو بھی فدا کر دینے پر کمربستہ ہو جائیں اور اگر ضرورت ہو تو حقیقی خدا پرستی کا سبق سکھلانے کیلئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی فدا کر دینے سے دریغ نکریں۔"

تمام تاریخیں اس کا ثبوت دیتی ہیں کہ بنی امیہ کا نوجوان نفس پرست (یزید) جب تخت حکومت پر بیٹھا تو احکام خدا کی بالاعلان مخالفت کی اور نفس امارہ کی حکمرانی ہو گئی مسلمانوں کو ہر امر اور ہر برے فعل میں کامل آزادی دیدی گئی شراب خواری زناکاری قمار بازی کا بازار گرم ہو گیا خدا و رسول پر افترا و بہتان کوئی جرم نہ رہا اور سچ تو یہ ہے کہ الناس علی دین ملوکھم کے اصول کے ماتحت جیسا بادشاہ ہو گا ویسی قدم بقدم رعایا ہو گی اپنے خواہشات نفس کو اتنا عروج دیا کہ اسلام کی

حقیقی روح سلب ہوگئی اسکی اصلی صورت دنیا کی نگاہوں سے مخفی ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عامۃ الناس کے عقائد اسلام کی سچی تعلیمات اور اوس کے صحیح اصول سے منحرف ہوکر جور و استبداد کی پرستش میں اطاعت خداوندی تصور کرنے لگے اور خواہش نفسانی کو عین امتثال اوامر باری تعالیٰ سمجھنے لگے "

تاریخ عالم کا جائزہ ہمکو بتلاتا ہے کہ جب کبھی ایسی معصوم اور خدا پرست ہستیاں اپنے معبود کے احکام کی عظمت اور برتری برقرار رکھنے کیلئے امکانی قربانیاں پیش کرتے ہیں اور خاک و خون میں تڑپ کر مرضات الٰہی کی عظمت وجلالت قائم رکھ لیتے ہیں اور اپنے کارناماہائے سرفروشی سے خدا پرستی و ہوا پرستی میں دنیا کی نظروں میں امتیاز پیدا کرکے دین الٰہی کو حیات دوام کے مرتبہ پر پہونچا دیتے ہیں "

حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ جس دین کو میرے نانا نے انتہائی جانفشانی و مصیبت اٹھاکر اشاعت کی اور اپنے خون کو پسینہ کرکے پایہ تکمیل تک پہونچایا آج وہ دین دنیا سے مٹ رہا ہے لہذا خلافت الہیہ کا حقیقی وارث بانی اسلام کا نواسہ بیعت یزید سے صاف انکار کرکے قتل ہونا گوارا کرتا ہے اور ممات کی شہنشاہی کو حیات کی شاہی پر ترجیح دیتا ہے اور خنجر و تلوار کی دھاروں میں حق کی حفاظت اسطرح کرتا ہے کہ اپنے مقدس خون سے مرجھائے ہوئے درخت اسلام کی آبیاری کی اور اپنے خون کے دریا میں ڈوب کر اسلام کی کشتی کو یزید کے ہاتھوں برباد ہوتے ہوتے بچالیا جیسا کہ خواجہ معین الدین فرماتے ہیں۔ ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ ۔۔۔ دیں است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سرداد نداد دردست یزید!! ۔۔۔ حقا کہ بنائے لاالہ است حسینؑ

جسمیں ذرا بھی عقل ہے وہ اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ وہ حسینؑ جس نے رسولؐ کی آغوش میں پرورش پائی تھی جس کو رسولؐ نے خود تعلیم دی تھی۔ جس نے آنکھیں کھولکر دنیا میں سوائے تقویٰ پرہیزگاری کے کچھ نہ دیکھا ہو جسکی زندگی قرآن پر عمل کرنے اور کرانے میں گزری تھی جو اس بات کا دعویدار تھا کہ وحی اس کے گھر میں نازل ہوئی کسطرح گوارہ کرسکتا تھا کہ وہ یزید کو خلیفہ اسلام مان لے کیونکہ حسین کا یزید کو خلیفہ مان لینا اس بات کی کھلی تصدیق تھی کہ افعال یزید دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہیں اور اس امر کی دلیل تھی کہ اسلام ایسے افعال کو جو یزید کر رہا تھا اجازت دیتا تھا اسلیے کہ خود رسولؐ کا نواسہ یزید کو دینی پیشوا مان لے رہا ہے پس اسکی حکومت دین اسلام کی حقیقی نمایندہ ہوجاتی اور دنیا کی تمام برائیاں اسلامی قوانین میں داخل ہوجاتی لہذا فرزند رسول خدا کیلئے کوئی چارہ نہ تھا کہ اس اسلام کش حکومت کی اطاعت سے انکار کرکے حق و باطل میں تمیز پیدا کریں

اور دین اسلام کی حریت پسندی کو برقرار رکھیں اور انتہائی صبر و استقلال سے کام لیکر دین و ملت کی خاطر ہر طرح کی قربانیاں گوارا کریں جان نثار احباب و اصحاب کا فراق گود کے کھلائے بھائی بھتیجوں بیٹیوں حتی کہ شیرخوار بچوں کا نہایت بے رحمی سے ذبح ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھیں اہل حرم کا اسیر و سر برہنہ ہونا قبول فرمائیں مگر حقانیت اسلام و وحدانیت دین الٰہی کا سکہ دنیا میں اسطرح قائم کردیا کہ تا قیامت برقرار رہے ۔

غزل

از جناب سید حیات حسین صاحب وفا طباطبائی نبیرہ نواب سید غلام حسین خاں صاحب مرحوم

لے گئی رن سے قضا یوں لوٹ کے ۔۔۔ پھر ملے صغرا نہ ماں سے چھوٹ کے
دو پہر میں کردیا برباد کیا ۔۔۔ گلشن زہرا قضا نے لوٹ کے
کیوں تڑپ اٹھتی نہ اکبر بار بار ۔۔۔ رہ گئی ہے دل میں برچھی ٹوٹ کے
کہتی تھی زینبؑ شب عاشور کیوں ۔۔۔ گرتے ہیں یارب ستارے ٹوٹ کے
کہدو بانو سے کہ کر لے خوب پیار ۔۔۔ اب پھر اصغر ملیں گے چھوٹ کے
بیبیاں چہرے چھپائیں کس طرح ۔۔۔ لے گئے ظالم ردائیں لوٹ کے
آبلوں میں جب کوئی چبھتا تھا خار ۔۔۔ روتے تھے غربت پہ عابد پھوٹ کے
اللہ اللہ گھر بھرا شبیرؑ کا ۔۔۔ کردیا خالی قضا نے لوٹ کے
سینۂ اکبرؑ میں برچھی دیکھ کر ۔۔۔ رہ گیا شہ کا کلیجہ ٹوٹ کے
مل گیا تجھ کو بتا کیا اے قضا ۔۔۔ بانوئے سرور کی دولت لوٹ کے

دست حیدر سے سر محشر وفا
حوض کوثر پر پئیں گے چھوٹ کے

قطعہ

از جناب مہندر سنگھ صاحب دھلی

نغمۂ ربط کونین ہے فریاد حسینؑ ۔۔۔ جادۂ راہ بقا، مسلک آزاد حسینؑ
شوخئ لالۂ رنگین ہے کہیں خون شفق ۔۔۔ کسقدر عام ہوئی سرخئ روداد حسینؑ

خطاب بہ حضرت زینب صلوٰۃ اللہ

از جناب سید حسین علی صاحب جعفری۔ جعفری اعظم گڈھی

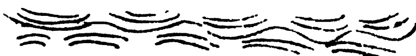
اے زینبؑ حزیں اے دل و جان مصطفیٰؐ نور نگاہ مرتضیٰ دلبند فاطمہؑ
روح حسینؑ۔ بوئے گلستان سیّدہ شان بتول فخر شہیدان کربلا،
اے بی بی تجھ میں صبر شہ کربلا کا تھا
سیرت علی کی اور چلن فاطمہؑ کا تھا

ساتھی حسین کی تھی غم و انتشار میں رنج و بلا میں۔ گردش لیل و نہار میں
صحرا میں۔ ریگ گرم میں۔ گرد و غبار میں غربت میں۔ بیکسی میں۔ پرائے دیار میں
رنج و الم کا دور مصیبت کا سامنا
لیکن نہ چھوڑا ہاتھ سے دامن حسینؑ کا

اے بی بی تو نے دین پر احسان کر دیا ایماں پہ اپنے بچوں کو قربان کر دیا
نذر حسینؑ بڑھ کے دل و جان کر دیا مرنا خدا کی راہ میں آسان کر دیا
پروا تھی جان کی تجھ کو نہ کچھ غم تھا مال کا
دل میں فقط خیال تھا زہراؑ کے لال کا

وہ دوپہر کا وقت اور وہ جنگ کا سماں جنبش زمین کو تھی لرزتا تھا آسماں
امن و اماں کا جب کہیں ملتا نہ تھا نشاں تو ہاتھ اٹھا کے کہتی لے رب دوجہاں،
تیرا ہزار شکر مرے دل کو چین ہے
کیا غم ہے جب زمانے میں زندہ حسین ہے

اے خواہر حسینؑ اے زینب شکستہ حال سینے میں تیرا رنج ہے۔ دل میں ترا ملال
تا حشر پیدا ہو نہیں سکتی تیری مثال نازاں ہے تیری ذات پہ معبود ذوالجلال
اب تک جہاں میں ہے یہی اعلان کربلا
تجھ سی بہن نہ ہوگی نہ بھائی حسینؑ سا



مہمانوں پہ بند پانی ہے

از جناب سید لائق علی صاحب منیر
سکریٹری بنیادی کمیٹی انجمن تذکرۃ الصالحین لکھنؤ

آہ کیا طرز بے زبانی ہے
مہمانوں پہ بند پانی ہے
کربلا کیوں نہو شباب ترا
تجھ میں قاسم کی نوجوانی ہے
یہ ستم ہائے آل احمد پر
بند بے شیر پر بھی پانی ہے
مستورات رو رہی ہیں اکبرؑ کو
نوحہ زن مرگ نوجوانی ہے

کربلا سن کے روئے دشمن بھی
تیری پر درد وہ کہانی ہے
یاد شبیرؑ میں جو دم نکلے
وہ ہنسی موت زندگانی ہے

شمر پڑھتا ہے جبکا تو کلمہ
زیر خنجر اوسکی جانی ہے
اوسکی عترت ہی سر کھلے رہیں
دین اسلام کا جو بانی ہے
لڑکھڑاتے ہیں پاؤں عابد کے
اتنی زنجیر کی گرانی ہے
نام مٹ جائے دین احمد کا
دیں فروشوں کی جاں فشانی ہے

شاہدین کی فتحیابی ایک پنہاں راز ہے

از جناب سید منظور مہدی صاحب منظور خلف الصدق مداح اہلبیتؑ رئیس دلدار حسین صاحب سجاد مرحوم [illegible]

گوش عارف میں شہید ظلم کی آواز ہے
راہ حق میں جو مٹے کونین میں ممتاز ہے
دست ظالم سے فنا کا جام پی لینے کے بعد
شاہدین کی فتحیابی ایک پنہاں راز ہے
جسنے سمجھی ہے حقیقت اپنی ہست و بود کی
مرحبا صد مرحبا وہ قوم کا جانباز ہے
ہر گھڑی رہتا ہے تازہ کربلا والوں کا غم
حق کا فیض خاص ہے شبیرؑ کا اعجاز ہے
اصغر ناداں کا ثانی پیش کرے کوئی قوم
اہل حق کو بے زباں غازی پہ اپنے ناز ہے
اشتر اعدا تھے منبر اور مبلغ اہلبیتؑ
خلق میں تبلیغ دین کا یہ نیا انداز ہے
نغمۂ حمد خدا۔ سینہ زنی اور آہ دل
مرحبا یہ مومنیں کی زندگی کا ساز ہے
آدمیوں کے دلوں میں اب نہیں صدق و صفا
دیکھئے جسکو زمانہ میں وہ دنیا ساز ہے
کان میں اصغرؑ کے شہ کا بات کرنا ہی دلیل
بے زباں بچہ بھی حق کے راز کا ہمراز ہے
زعفر و قنبر سے مخلص اور حر نیک خو
حق کو ایسے ہی گنہگاروں پہ اپنے ناز ہے
دل ہلا دے استغاثہ کیوں نہ سارے خلق کا
وقت کے مارے ہوئے مظلوم کی آواز ہے

مومنیں کہتے ہیں سن سن کر سخن منظور کا
یہ زباں دانی تری شبیرؑ کا اعجاز ہے

رازِ شہادت

ادیب اعظم جناب مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ سرپرست رسالہ نور مراد آباد

بسلسلہ گذشتہ قسط نمبر ۲

(۱۷) یزید کی سیاست کا ایک زبردست عنصر اگر وہی رہنمائی ہوتا تو حسینؑ کو اس سے تصادم کی کوئی وجہ پیدا نہ ہوتی۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ اسلامی شریعت سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ تھا جبکہ وہ وحی اور نزول ملک اور رسالت کو بنی ہاشم کی شعبدہ بازی کہتا تھا جبکہ وہ خواہش و منکرات کا پتلا بنا ہوا تھا اور حلال و حرام میں تمیز نہ تھی۔ جبکہ احکام اسلام میں تبدیلی وہ انتہائی جرأت سے کر رہا تھا اس کو اپنا خلیفہ رسول کہنا اور کہلوانا اسلام کے لئے جتنا مضرت رساں ہو سکتا تھا کون ذی عقل اسکو نہیں سمجھ سکتا۔ حسینؑ اپنی عسرت و تنگدستی کو گوارا کر سکتے تھے اپنے ذاتی حقوق سے دستبردار ہو سکتے تھے۔ لیکن اس اسلام کی تباہی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے جس کو انتہائی جانفشانی سے ان کے نانا نے دنیا میں پھیلایا تھا۔ یزید کی بیعت انتہائی ذلت اور خوفناک غلامی کی مترادف تھی وہ ان الفاظ کے ساتھ بیعت لیتا تھا کہ میں یزید کا آج سے غلام ہوں اسکے ہر حکم کی تعمیل اپنا ایمانی فریضہ سمجھونگا۔ حسینؑ جیسا مقدس اور پاک سیرت انسان اس ذلت کو گوارہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے سینہ میں غیرت مند دل تھا۔ اور وہ انجام تک پہنچانے والی عقل کے مالک تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بیعت کر لینے کے بعد پھر مخالفت کا نہ کوئی موقعہ باقی رہے گا اور نہ میری مخالفت میں کوئی اثر ہوگا۔ درصورت مخالفت نکرنے کے میں خدا اور رسولؐ کی درگاہ سے راندہ ہو جاؤں گا۔ اور درصورت مخالفت یزید میرا دشمن جانی ہو جائے گا اور اس صورت میں اس سے زیادہ خراب نتیجہ نکلے گا جو بیعت نہ کرنے کی صورت میں نکلتا لہذا پہلے ہی وہ کام کیوں نہ کیجائے جو بعد میں کرنا پڑے اور کیوں اس شعر کا مصداق بنا جائے۔

آنچہ دانا کند کند ناداں ۔ لیک بعد از حصول رسوائی

بالاختصار یہی وہ وجہ کہ حسینؑ نے بیعت یزید نکی۔ جان دینا گوارہ کیا مگر اس ذلت کو گوارا نہ کیا اس خیال کی ترجمانی خواجہ اجمیری نے کیا خوب کی ہے۔

سر داد ندا د دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

(ق) اس میں شک نہیں کہ امام مظلوم اگر مدینہ منورہ کو نہ چھوڑتے تو وہاں آپکو عسکری قوت اور انصاری طاقت بہت زیادہ حاصل ہو سکتی تھی اور آپ یزیدی لشکر سے ایک ایسا مقابلہ کر سکتے تھے جیسا کہ دنیوی جنگ میں دو بادشاہوں کے درمیان ہوا کرتا ہے لیکن اس صورت میں چند الزام حسین کی ذات قدسی صفات پر عائد ہو جاتے اوّل یہ کہ آپکی وجہ سے حرم رسولؐ کا احترام کشت و خون ہونے کی بنا پر مٹ جاتا دوسرے منافقوں کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ ہم پر جو مصیبت نازل ہوئی وہ حسین کی بدولت ہوئی۔ تیسرے عالم غربت میں قتل ہو کر جو احترام حسینی شخصیت کو حاصل ہوا اپنے وطن میں قتل ہونے سے وہ حاصل نہ ہوتا علاوہ بریں بنی امیّہ کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ حسینؑ نے اس ہولناک جنگ کی ابتدا کی اور ہمارے موجودہ سیاسی نظام کو اپنے وطن میں چونکہ چلنے نہ دیا لہٰذا ہم نے مجبور ہو کر ان سے جنگ کی حسین نہیں چاہتے تھے کہ یزید یا اس کے ہوا خواہ کوئی موقع اپنی مجبوری کا دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کرنے کا موقع پا سکیں۔ چونکہ مدینہ میں رہکر جو جنگ ہوتی اسکی بہت بڑی ذمہ داری حسین پر عائد ہوتی اور وہ ایک دنیوی جنگ کی صورت میں تبدیل ہونے کا امکان رکھتی تھی۔ آخر میں قتل عام میں جو مصیبت مدینہ کے بچوں اور عورتوں پر نازل ہوتی اس کا ذمہ دار بھی حسین ہی کو قرار دیا جاتا۔

(ز) عورتوں اور بچوں کو ساتھ لینا بہت سے مصالح پر مبنی تھا اول یہ کہ آپ ان سے مانوس بہت زیادہ تھے۔ ان کی جدائی فریقین کے لئے اذیت رساں ثابت ہوئی دوسرے اس کا یقین تھا کہ بنی امیہ آپکو شہید کرنے کے بعد آپ کے اہل و عیال سے وہی سلوک کرینگے جو کربلا میں آپکی شہادت کے بعد کیا پس بہ نسبت وطن کے پردیس میں یہ ذلت برداشت کرنا کسی قدر آسان ہوگی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کو ان بیکس عورتوں و یتیم بچوں سے کربلا سے کوفہ تک اور کوفہ سے شام تک اپنی حقانیت اور یزید کی بربریت کا پرزور پروپیگنڈا کرانا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ بنی امیہ میری شہادت کو سبک بنانے، مجھے مجرم ثابت کرنے اور امر حق کو دبانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرینگے لہٰذا ضرورت ہے کہ میری شہادت کے بعد کچھ لوگ ایسے موجود رہیں جو ان کے غلط پروپیگنڈے کی مؤثر اور پرزور الفاظ میں قلعی کھولدیں۔

(ح) امام مظلوم کو عام اہل کوفہ کی غدّاری کا ضرور تجربہ تھا لیکن دعوت کو آپ چند وجوہ سے رد نہیں فرما سکتے تھے اوّل یہ کہ اکثر دعوت نامے ان لوگوں کے قلم سے لکھے ہوئے تھے جن کی وفاداری پر آپکو اعتماد تھا اور جو بعد میں صحیح بھی ثابت ہوا۔ آپ کو اس امر کا یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ ان لوگوں نے عام لوگوں کی ذہنیت کو ہموار کر لیا ہوگا۔ دوسرے ظاہری حالت پر حکم ہوتا ہے۔

رسولؐ باوجودیکہ منافقوں کی حالت سے بخوبی واقف تھے لیکن پھر بھی ان کو اپنی صحبت سے دور نہ کیا تو آپ کو اور آپ کے خاندان کو ایسے سخت ایذایئں پہنچیں مگر آپ حکم اسلام پر عمل کرنا ان کے مقابل ضروری جانتے تھے۔ جنگ بدر کے بعد جب آنحضرت کے چچا عباس قید ہو کر آئے تو انھوں نے کہا میں تو مسلمان ہوں ان لوگوں کے محض دباؤ سے جنگ کرنے والوں کے زمرہ میں شامل ہو کر چلا آیا ہوں آپنے فرمایا اسلام تو ظاہری صورت کو دیکھتا ہے اسوقت چونکہ آپ کفار کے ساتھ ہیں لہذا آپ اسیر بھی ہیں اور فدیہ دینے پر مجبور بھی۔ باطن کا علم تو خدا کو ہے بس اس پر امام حسین علیہ السلام کی حالت کا قیاس کرو۔ جو لوگ آپ کو بلا رہے تھے وہ بظاہر دائرہ اسلام میں داخل تھے، اور دعوت نامے زور شور کے ساتھ بھیج رہے تھے بس ایسی صورت میں ان کی دعوت کا قبول کرنا آپ کا فریضہ تھا اور درصورت نہ قبول کرنے کے آپ پر بڑا اخلاقی جرم عائد ہوتا تھا۔ اہلبیت رسولؐ کا یہ خاصہ تھا کہ وہ احکام اسلام سے کسی حالت میں تجاوز نہیں کرنے تھے چاہے اسکی قیمت کتنی ہی گراں دینی پڑتی۔

امر اول کی تمام تنقیحات کو ہم نے بلحاظ اختصار بیان کر دیا۔ جن سے ایک حق پسند انسان کو صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں بہت کچھ آسانی ہو جاویگی اب ہم امر دوم کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

(۲) امام مظلوم کی جنگ دنیوی جنگ سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھی بلکہ خالص دینی حمایت اور انسانیت کی ہمدردی میں جنگ تھی دنیوی جنگ انہی ساز و سامان کے ساتھ لڑی جاتی ہے جو عموماً اس کے لیے درکار ہوتے ہیں اور دینی جنگ دنیوی ساز و سامان سے قطع نظر کرکے ان ہتھیاروں سے کی جاتی ہے جن سے وحشت و بربریت اور ضلالت و بدعات کی شہ رگوں کو قطع کیا جا سکتا ہے۔ تلواروں کے زور سے ملک فتح ہوتے ہیں۔ خزانے ہاتھ آتے ہیں لیکن قلوب کی دنیا کبھی تسخیر نہیں ہوتی۔ امام حسین علیہ السلام ملک فتح کرنے کے لئے نہیں بڑھے تھے کہ آپ کو ان تمام سامان کی ضرورت ہوتی جو ایسی جنگ کے لئے درکار ہوتا ہے۔ بلکہ آپ دنیائے دل فتح کرنے کے لئے اٹھے تھے لہذا اسکے لئے جسقدر ساز و سامان کی ضرورت تھی وہ بہترین صورت میں آپنے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ حق گوئی۔ ثبات قدم۔ صبر۔ توکل۔ ایثار۔ مظلومیت وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہتھیار ایسے کارگر ہتھیار تھے کہ ان کا جو وار پڑتا تھا کارگر ہوتا تھا۔ اسلام کے چہرہ پر رونق آتی جاتی تھی۔ ایمان کے مردہ بدن میں زندگی کا خون دوڑنے لگتا تھا اور کفر و ضلالت و ظلم و استبداد کے پیکر ایک ایک قدم پر دم توڑ رہے تھے۔ آخر انہی ہتھیاروں سے حسینؑ نے میدان جیت لیا۔ مادیت باوجود اپنی انتہائی طاقت صرف کرنے کے ناکام و نامراد رہی اور حسینؑ کی روحانیت باوجود اپنی انتہائی بیکسی و بے بسی کے اپنے بشرانہ ہمتوں سے مقابلہ کے لئے سامنے آئی اور جب تک فتح کا سہرا اپنے سر پر نہ باندھ لیا اپنی جگہ

سے ایک انچ نہ ہٹی۔ دنیا نے بہت جلد دیکھ لیا کہ یزیدیت فنا ہو گئی اور حسینیت ہمیشہ کے لئے دنیا میں قایم و
برقرار رہی اور ایسی نیکنامی سے رہی کہ دنیائے انسانیت نے اپنی روحانی قیادت کا قیامت تک اسکو
ذمہ دار بنا دیا ہر سال محرم میں دنیا کی ہر وہ زندہ قوم جو انسانیت کے دایرہ میں بستی ہے اپنے اعتبار و
اعتماد کے رزولیوشن پاس کر دیتی ہے اور کہدیتی ہے "حسینیت زندہ باد" امام مظلوم کی شہادت کا
سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ اسلامی دنیا جو غفلت کی نیند پڑی سو رہی ہے حق و باطل میں تمیز کرنے اور
یزید کی یزیدیت کو سمجھنے کی قابل بن جائے۔ یہ امر اسوقت تک نہیں ہو سکتا تھا جب تک کربلا کا عظیم الشان
واقعہ پیش نہ آتا۔ اس نے تمام عالم میں اس صورت سے ہل چل ڈالی کہ سوئی ہوئی قوتیں یکایک
اس طرح بیدار ہو گئیں جیسے سویا ہوا گھوڑا ڈانس کھی کے ڈنک مارتے ہی اپنی نیند کھو بیٹھتا ہے۔ دنیا
میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ جب تک کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آتا۔ خفتہ قوتیں بیدار نہیں
ہوتیں۔ جنھوں نے قدیم روما کی تاریخ پڑھی وہ جانتے ہیں کہ ایمفی تھیٹر کے تماشے کس درجہ انسانیت
سوز اور رعب آگین تھے۔ وہاں کے سنگدل تماشائی بے گناہ انسانوں کی خونریزی۔ بے زبان جانوروں
کی وحشت انگیز لڑائی وغیرہ وغیرہ بڑی خوشی اور اطمینان قلب سے دیکھتے تھے۔ جب انسانی خون سے
ہولی کھیلی جاتی تھی تو وہ خوش ہو ہو کر تالیاں بجاتے تھے بھول کر بھی کسی کے دل میں یہ خیال نہ آتا تھا
کہ انسان کا خون اس درجہ بیرحمی سے کیوں بہایا جاتا ہے۔ یہ سفاکی اور خونریزی اسوقت تک بند
نہ ہوئی جب تک ایک نیکدل پادری نے اپنی جان کی گرانقدر قربانی پیش نہ کر دی۔ عین اسوقت جبکہ دو سفاک
اپنی خون آشام تلواریں لئے حملے کی تیاری کر رہے تھے وہ اکھاڑے میں کود پڑا اور انکے بیچ میں آکر سمجھانے
لگا کہ ظالموں کیا کرتے ہو یہ انسان کا خون ہے اسکو اتنا سستا نہ سمجھو کہ اس بیدردی سے بہا دیا جائے
مجمع کو یہ مداخلت ناگوار ہوئی اور ہر طرف سے آوازیں آئیں پادری کو مار ڈالو۔ تھوڑی دیر میں وہ ایک
جسم بے جان تھا۔ مر گیا مگر جس کام کے لئے اس نے کمر باندھی تھی وہ بھی پورا ہو گیا یعنی اہل روم
کو ہمیشہ کے لئے ان خوفناک تماشوں سے نجات مل گئی۔ جب تماشے ختم ہوئے اور لوگوں نے ٹھنڈے
دل سے پادری کی نصیحت پر غور کرنا شروع کیا تو ان تماشوں کی مخالفت کا بازار رفتہ رفتہ گرم ہوا
اور ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا کہ ایمفی تھیٹر کے تماشوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ دوسرے
سال مجمع بہت کم تھا۔ تیسرے سال لوگوں نے پکٹنگ کرنا شروع کیا اور چوتھے سال ایمفی تھیٹر میں
ہمیشہ کے لئے تالا لگ گیا۔ یہ ایک خون ناحق کا اثر تھا حسین بھی اپنی شہادت سے یہی چاہتے تھے کہ لوگوں کو
اس پر غور کرنے کا موقع ملے کہ یزید کون ہے اور کیا کر رہا ہے اور حسین کون تھے اور کیا کر گئے۔ چنانچہ

جب اس ظلم کا انکشاف ہوا تو دنیائے اسلام یزید کے مخالف ہوئی اور اس سختی سے ہوئی کہ اس کا وجود مسلمانوں کے لیے لعنت سمجھنے لگی ۔ تمام

یزید قاتل حسینؑ سواد اعظم کی نظر میں

محقق خبیر جناب مولانا حکیم سید محمد قاسم صاحب الہ آبادی دامت معالیہ

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو الواعظ بابت ماہ دسمبر سنہ ۴۵ء)

بشرطیکہ اوسے اوسکی حرمت کا علم بھی پہلے سے رہا ہو جیسے کسیکی قتل کو حلال کر دینا یا شراب کا پینا اور زنا کرنا مثلاً کہ اون کو مباح اور جائز کر دینا۔ (۴) صفحہ ۲۵۰ میں ملاحظہ ہو۔

وکذالک من انکر شیئاً مما نص فیہ القرآن بعد علمہ انہ من القرآن اور اسیطرح سے وہ شخص بھی کافر ہے کہ جو اون چیزوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے کہ جنپر قرآن مجید نے نص کر دی ہے اور اوسے اس کا علم بھی ہو چکا ہو کہ یہ چیز بھی منصوصات قرآن مجید سے ہے۔ ان عبارتوں پر نظر ڈالنے کے بعد یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرات اہلسنت کے نزدیک حسب ذیل امور بھی کافر قرار دیئے جانے کے اسباب میں یقینی طور سے داخل ہین کہ جنمیں سے کسی ایک امر کا وجود بھی اجماعی حیثیت سے مسلمان کو بھی بلا شبہ کافر بنا دیتا ہے۔

(۱) جس نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا ہو۔

(۲) جس نے اون جناب کی کسی طرح بھی ہسکی کی ہو (۳) جس نے اون جناب کو اذیت پہونچائی ہو۔

(۴) جس نے اون جناب سے حرب قتال یعنی جنگ کی ہو۔ (۵) جس نے کسی پیغمبرؑ کو قتل کیا ہو۔

(۶) جس نے کسی شخص کا قتل کر ڈالنا حلال سمجھا ہو (یعنی انبیاء کے علاوہ عوام مسلمین مین سے) باوجودیکہ اوسے علم ہو کہ خدا نے اسے حرام کیا ہے۔ ۷ جس نے شراب پینا مباح کر دیا ہو۔ باوجودیکہ اوسے علم ہو کہ خدا نے اسے حرام کیا ہے۔ (۸) جسنے اوس علم کے ساتھ زنا کو جائز اور مباح کر دیا ہو۔ (۹) جس نے کسی ایسی نص کا انکار کیا ہو جسکے متعلق اوسے علم رہا ہو کہ وہ منصوصات قرآنیہ میں سے ہے۔

۱ نمبر سے آخر کی چار باتوں کے متعلق یہ شرط بھی لگا دی گئی ہے کہ ان کے مرتکب کو پہلے سے اون کی حرمت یا نص ہونیکا علم بھی رہا ہو۔ لیکن علامہ ابن حجر کے ایسے حضرات جو یزید کو مسلمان اور مومن سمجھتے ہین اون کے مقابلہ میں اس امر کے ثابت کرنے کا تو کوئی سوال ہی ہمارے لئے نہیں پیدا ہو سکتا۔ کہ یزید کو محرمات شرعیہ یا منصوصات قرآنیہ کا کوئی علم پہلے سے تھا یا نہیں۔ کیونکہ جب انھیں حضرات کے عقیدہ میں یزید مجمع علیہ در با ضابطہ داصول اہلسنت خلیفہ برحق۔ اور صحابی زادہ۔ خلیفہ زادہ۔ تابعی۔

مسلمان ہونے کی بھی کچھ تھا ۔ تو پھر لامحالہ یہ امر بھی خود بخود انھیں حضرات کے نزدیک مسلم رہیگا کہ وہ شریعت اسلام اور قرآن کے احکام سے بھی بخوبی واقف تھا ۔ ورنہ خلیفہ بننے ہی کے قابل وہ نہ تھا۔ اس لیئے اس چیز کے اثبات میں خواہ مخواہ طوالت دینا منظور ہوگا جس سے ہمیں بھی کوئی مزید فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا ۔ لہذا اسے چھوڑتے ہوئے ۔ ان تمام اسباب موجبۂ تکفیر کے یزید کی ذات میں پورے طور سے موجود ہونے کو خود علامہ ابن حجر اور انھیں کے دیگر مسلم علمار کے اقوال ہی سے ثابت کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے ۔

بہرحال مذکورہ نو باتوں میں سے جو موجب تکفیر ہیں پانچ ابتدائی باتیں تو واضح طور سے نبوت سے متعلق ہیں جو اصول اسلام اور عقائد میں کی دوسری اصل ہے ۔ اور سب سے آخر کی نویں چیز قرآن مجید سے واضح طور سے متعلق ہے جسکا تعلق بھی نبوت اور مسلمانوں کے عقائد سے واضح ہے ۔ بقیہ تین چیزیں یعنی نمبر ۶ و ۷ و ۸ بظاہر فقہ اور عمل سے متعلق معلوم ہوتی ہیں ۔ لیکن درحقیقت ان کے ارتکاب سے بھی شریعت محمدیہ کا اولٹ دینا اور احکام خدا و رسول ہی اور منصوصات قرآنیہ کا بدل دینا یقینی طور سے ہوتا ہے اس بنا پر ان تینوں کے ارتکاب سے بھی حقیقتًا خدا و رسول ہی کی اہانت اور مخالفت ہوتی ہے لہذا اسی حیثیت سے یہ تینوں امور بھی اصول اسلام ہی سے متعلق ہو جاتے ہیں اور ان کا مرتکب بھی بلاشک و شبہ کافر ہو جاتا ہے یزید کے کفریات میں سے ہم بھی پہلے انھیں تینوں چیزوں کے متعلق وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ تینوں اسباب موجبۂ کفر بلاشک و شبہہ یزید میں حسب اقرار و تسلیم علامہ ابن حجر مکی بھی موجود تھے ۔ یعنی (غیر انبیار میں سے) مسلمانوں کا قتل حلال سمجھنا ۔ شراب کا پینا مباح کر دینا ۔ ہر قسم کے زنا کو جائز سمجھنا ۔ لیکن یزید کی محبت اور دوستی نے باوجود ان صریح کفریات کی موجودگی کے بھی علامہ کے قلم سے اوسکے متعلق لفظ کفر کو نکلنے نہ دیا بلکہ جا بجا صرف فاسق کہہ کر اوسے مسلمان بنا گئے ہیں بہرحال ملاحظہ ہو ۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲ ۔

ولاسرافہ فی المعاصی خلعہ اہل المدینۃ فقد اخرج الواقدی من طرق ان عبد اللہ بن حنظلۃ بن الغسیل قال واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی بالحجارۃ من السماء ۔ انہ رجل ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ ۔ وقال الذہبی ولما فعل یزید باہل المدینۃ ما فعل مع شربہ الخمر واتیانہ المنکرات اشتد علیہ الناس وخرج علیہ غیر واحد ۔ ولم یبارک اللہ فی عمرہ ۔ واشار بقولہ ما فعل الی ما وقع منہ سنۃ ثلاثۃ وستین ۔ فانہ بلغہ ان اہل المدینۃ خرجوا علیہ وخلعوہ فارسل الیہم جیشا عظیما وامرہم بقتالہم فجاء الیہم وکانت وقعۃ الحرۃ علی باب طیبۃ وما ادراک ما وقعۃ الحرۃ ذکرہا الحسن مرۃ فقال واللہ ما کاد ینجو منہم واحد قتل فیہا خلق من الصحابۃ ومن غیرہم فانا للہ وانا الیہ راجعون ۔

یزید کی بدکرداریوں کی زیادتی ہی کے سبب سے اہل مدینہ نے یزید کو خلافت سے ہٹا دیا تھا۔ جیسا کہ واقدی مورخ نے بہت سے طریقوں سے اس امر کی روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن حنظلہ بن غسیل نے بیان کیا ہے کہ خدا کی قسم ہم نے یزید پر اوسوقت تک خروج نہیں کیا کہ جبتک ہمکو یہ ڈر نہیں پیدا ہو گیا کہ اب ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسینگے ۔ بتحقیق کہ یزید (اپنے باپ کی تصرف کردہ) کنیزوں اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح کیا کرتا تھا۔ اور شراب بھی پیا کرتا تھا۔ اور نماز اوسنے بہی چھوڑ دی تھی۔ اور امام ذہبی نے بھی یہ بیان کیا ہی کہ جب یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ جو کچھ کہ اوسکا دل چاہا کر ڈالا۔ اور شراب خواری میں بھی منہمک رہا اور ممنوعات شرعیہ کا بھی ارتکاب کرتا رہا۔ تو اوس وقت لوگوں نے بھی سختی کا برتاؤ اوسکے ساتھ شروع کر دیا اور ایک نے اوس پر خروج بہی کیا اور پھر خدا نے بہی اوسکی عمر میں برکت نہ دی۔ علامہ ابن حجر مکی کہتے ہین کہ امام ذہبی کا یہ کہنا کہ جو کچھ اوسکا دل چاہا کر ڈالا یہ اشارہ ہے اوس واقعہ کی طرف جو سنہ ۶۳ھ میں پیش آیا تھا اور وہ یہ ہی کہ جب یزید کو یہ خبر پہونچی کہ اہل مدینہ نے اوس پر خروج کیا ہے اور اوسے تخت سے بہی ہٹا دیا ہی۔ تو یزید نے ایک بہت بڑا لشکر اہل مدینہ سے جنگ و قتال کا حکم دیکر مدینہ پر بھیجدیا جنہوں نے مدینہ میں آن کر جنگ کی اور واقعہ حرہ مدینہ کے دروازہ ہی پر پیش آیا۔ تمہیں کیا خبر کہ واقعہ حرہ کیا عظیم الشان واقعہ تھا ایکمرتبہ اوس کا ذکر حسن بصری نے کیا تھا تو یہ کہا تھا کہ خدا کی قسم اہل مدینہ میں سے کسی ایک کے بہی بچنے کی امید نہیں تھی اور بہت سے اصحاب اور غیر اصحاب بہت کثرت کے ساتھ قتل کر دیے گئے۔ وانا للہ وانا الیہ راجعون ۔ پھر اوسکے چند سطروں کے بعد خود اپنی ہی تحقیقات کی بنا پر علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہین کہ جب مدینہ پر یزید نے جنگ کے لیے لشکر بھیجا ہے تو اہل مدینہ کا کیا حشر ہوا کہ ۔

ووقع من ذالک الجیش من القتل والفساد العظیم والسبی اباحۃ المدینۃ ما ہو مشہور۔ حتی فض نحو ثلثمائۃ بکر۔ وقتل من الصحابۃ نحو ذالک ۔ وممن قرأ القرآن نحو سبعمائۃ نفس ، واُبیحت المدینۃ ایاما وبطلت الجماعۃ من المسجد النبوی ایاما ۔ واخیفت اہل المدینۃ ایاما ، فلم یمکن احدا دخول مسجدہا ، حتی دخلتہ الکلاب والذئاب وبالت علی منبرہ صلی اللہ علیہ وسلم تصدیقا لما اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یرض امیر ذالک الجیش الا بان یبایعوہ لیزید علی انہم خول لہ، ان شاء باع ، وان شاء اعتق ، فذکر لہ بعضہم البیعۃ علی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ ، فضرب عنقہ ، وذالک فی وقعۃ الحرۃ السابقۃ ۔

مدینہ رسول میں یزید کے اس لشکر کے ہاتھوں ۔ جو قتل و غارت اور فساد عظیم برپا ہوا۔ عورتیں اسیر ہوئیں مدینہ کی حرمت برباد ہوئی ۔ یہ تمام واقعات مورخین کے درمیان میں مشہور ہین ۔ یہانتک کہ قریب قریب تین سو کنواری لڑکیوں کی عفت دری کر دی گئی ۔ اور اصحاب رسول میں سے بھی اتنے ہی آدمیوں کو قتل

کر دیا گیا۔ اور قاریان قرآن میں سے قریباً سات سو آدمیوں کے مار ڈالے گئے۔ اور بہت دنوں تک مدینہ کی حرمت برباد رہی۔ عرصہ تک مسجد نبوی میں جماعت کی نماز بھی بند رہی۔ مدینہ والے بہت دنوں تک چھپے چھپے رہے۔ یہ ناممکن ہوگیا تھا کہ کوئی ایک شخص بھی مسجد مدینہ کے اندر جا سکتا۔ البتہ کتے اور بھیڑیے مسجد میں برابر جاتے تھے اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان جانوروں نے پیشاب کیا۔ جس سے اوس حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بھی ہوگئی جو حضرت نے اسکے متعلق بطور پیشین گوئی کے بیان فرمایا تھا اور اس لشکر یزیدی کا سردار (مسلم بن عقبہ) یزید کی بیعت لینے کے متعلق اور کسی طرح سے راضی بھی نہ ہوتا تھا سوائے اس کے کہ اس طرح سے بیعت کیجاوے کہ یہ تمام بیعت کرنیوالے سب کے سب یزید کے غلام ہیں۔ اگر چاہیے گا تو یزید اونہیں فروخت کر ڈالیگا۔ اور اگر چاہے گا تو آزاد کر دیگا۔ بعض لوگوں نے جب خدا کی کتاب ور رسول کی سنت پر بیعت کرنا چاہا تھا تو اونکی گردن مار دیگئی تھی یہ تمام باتیں اوسی واقعہ حرہ میں گزری ہیں جو (مکہ کی ہجرت سے) پہلے ہوا تھا۔

ان عبارتوں کے پڑھنے کے بعد بہت صاف طریقے سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اسباب موجبہ کفر میں سے کتنے اسباب ہیں جو علامہ ابن حجر ہی کے اقرار و تسلیم کے بموجب بلاشک و شبہہ یزید میں موجود تھے۔

۱۔ یزید نے اصحاب رسول اور اہالیان مدینہ محترمہ کا قتل کرنا حلال سمجھا تھا۔ جب ہی تو مسلم بن عقبہ سے ظالم و خونخوار کی سرکردگی میں مدینہ رسول پر لشکر کشی کی تھی۔

۲۔ یزید نے شراب کو بھی مباح کر رکھا تھا۔

۳۔ یزید نے زنا کو بھی عام طور سے جائز کر دیا تھا۔ کہ خود بھی وہ اپنی ماں بیٹی بہنوں سبھوں سے بلا تکلف نکاح کیا کرتا تھا۔ (خود لفظ نکاح اباحت و جواز ہی کی دلیل ہے) اور تمام اوسکا پیرو لشکر بھی مدینہ رسول کی کنواری لڑکیوں کے ساتھ اسی کا مرتکب ہوا۔ اور پھر کسی ایک پر بھی حد شرعی کا اجرا نہ ہوا۔

۴۔ یہ امور سب کے سب منصوصات قرآنیہ کے تحت میں حرام بھی تھے۔ اور یزید نے انہیں خود اپنے لیے بھی اور تمام اپنے فوجی پیرووں کے لیے بھی مباح اور حلال کر رکھا تھا۔

۵۔ مدینہ کی بیحرمتی۔ مسجد رسول کی توہین۔ منبر رسول پر کتے اور بھیڑیوں کا پیشاب کرنا یہ سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا استخفاف تو تھا۔

۶۔ اور انہیں تمام باتوں سے خود جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کو حد سے زیادہ اذیت بھی یقینی طور سے یزید اور اوس کے لشکر نے پہونچائی۔

ہے۔ اگر غور کیا جاوے تو یہی تمام باتیں کہ جن سے رسول اور اون کے احکام کی پوری پوری مخالفت اور شریعت کی تبدیلی اچھی طرح سے تھی۔ اس بات کو بھی واضح کر رہی ہین۔ کہ درحقیقت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت حقہ کا بھی یزید معتقد نہ تھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ حضرت کے ساتھ اسطرح کے مظالم اور اذیت رسانی کو وہ جائز سمجھتا۔ اور اسی کی تائید یزید کے اوس مشہور شعر سے بھی بخوبی ہوتی ہے جسے اوس نے اوسوقت پڑھا تھا کہ جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک اوس شقی کے سامنے طشت طلاء مین رکھا گیا تھا اور ایک چھڑی بھی اوس ظالم کے ہاتھ مین بے ادبی کی غرض سے موجود تھی جسے اگرچہ تمام مورخین اہلسنت نے بہت ہی حتم و جزم کے ساتھ کتب تاریخ و مناقب مین عام طور سے تحریر کیا ہے۔ مگر یزید پرستی کے جوش نے صواعق محرقہ مین اوس شعر کی طرف اشارہ بھی نہ آنے دیا یعنی =

لعبت ہاشم بالدین فلا خبر جاء ولا وحی نزل ۔ بنی ہاشم نے دین کے ساتھ صرف ایک کھیل کھیلا تھا ورنہ حقیقتاً نہ تو خدا کی طرف سے کوئی وحی اوتری تھی اور نہ کوئی خبر ہی آئی تھی =

اب ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد قاضی عیاض صاحب کے لکھے ہوئے اسباب توجبہ کفر مین سے صرف دو باتین ایسی رہ جاتی ہین جنکا ذکر ان مذکورہ عبارتوں مین نہیں آیا۔ ایک یہ کہ رسول سے حرب و جنگ کرنے والا کافر ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی پیغمبرؑ کا قتل کرنے والا کافر ہے۔

شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے رسولؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اون کے تمام حقیقی خلفاء و جانشین جو حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام مین سب کے سب اگرچہ نبی تو نہیں ہین لیکن تمام انبیاء سابقین علیہم السلام سے یقیناً افضل ہین۔ اور جب مفضول کا قاتل کافر ہو جاتا ہے تو بھی افضل کا قاتل تو بدرجہ اولی کافر ہی ٹھہریگا۔ لیکن حضرات اہلسنت اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ اون کے یہان تو صرف جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کے بارے مین اختلاف ہے کہ آیا وہ جناب تمام انبیائے سابقین سے افضل بھی ہین یا نہیں۔ لیکن اس بحث سے ہمکو اسوقت کوئی مطلب نہیں ہے ہمکو تو صرف یہ دکھانا ہے کہ باوجود اس عقیدہ کے کہ امام حسین علیہ السلام جو ہمارے نزدیک تو حقیقی جانشین رسولؐ تھے اہلسنت کے نزدیک پچھلے تمام انبیاء سے ہرگز افضل نہ تھے لیکن پھر بھی خود اونھیں علامہ ابن حجر مکی ہی نے رسولؐ کی وہ صحیح حدیث بھی اسی صواعق مین درج کی ہے کہ جس سے امام حسین علیہ السلام کی فضیلت ایک نبی سے یقیناً خود بخود واضح ہو جاتی ہے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے حدیث تو اپنا مفہوم ہمیشہ بتاتی ہی رہیگی۔ چنانچہ علامہ مذکور صواعق محرقہ کے صفحہ ۱۱۹ پر توان الفاظ میں اوس حدیث کو نقل کرتے ہین اور پھر اوسے صحیح بھی قرار دیتے ہین۔

اخرج الحاکم من طرق متعددۃ انہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم قال۔ قال جبرئیل قال اللہ تعالیٰ انی

قتلت بدم یحیی بن زکریا سبعین الفا و انی قاتل بدم الحسین بن علی سبعین الفا ۔ ولم یصب ابن الجوزی فی ذکرہ لهذا الحدیث فی الموضوعات ۔

امام حاکم نے کئی طریقوں سے اس حدیث کی روایت کی ہے کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جبرئیل امین نے یہ بیان کیا کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ میں نے (جسطرح) یحییٰ ابن زکریا (نبی) کی شہادت اور خون کے عوض میں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ اور (اوسی طرح) حسین بن علی کے خون کے عوض میں بھی ستر ہزار آدمیوں کو ضرور بالضرور قتل کرونگا۔ اسکے بعد اب خود علامہ ابن حجر مکی یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق ابن جوزی کی یہ رائے ہرگز صحیح نہیں ہے جو او نھوں نے اس حدیث کو موضوعات میں قرار دیا ہے ۔ (یعنی یہ حدیث غیر وضعی اور صحیح ہے)

اس حدیث سے یہ شبہہ کسیکو پیدا نہ ہو۔ کہ تمنے تو امام حسین علیہ السلام کی افضلیت کا دعوی انبیاء سابقین سے کیا تھا۔ لیکن اس حدیث سے تو زیادہ سے زیادہ صرف ساوات امام حسینؑ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کی نکلتی ہے کہ دونوں کے قتل کی جہت سے مساوی تعداد میں خداوند عالم نے عوض لینے کا اظہار فرمایا ہے ۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ الفاظ حدیث کا نقل کرنے والا راوی ہمیشہ مورد کلام اور منشاء باری کا ناقل نہیں ہوا کرتا ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں نے حدیثیں تو نقل کردیں مگر منشاء کلام اون سے واضح نہیں ہوتا ۔ جبتک کہ دوسری اور حدیثیں بھی اوسی کے متعلق اوسکے ساتھ ملانہ لیجا دیں ۔ مثلاً وہ حدیثیں ہیں جنمیں اکثر موقعوں پر ایک لفظ اغسل کے ساتھ غسل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ لیکن جبتک اون دوسری حدیثیں اون کے ساتھ ملانہ لی جاویں ہرگز یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ حکم غسل وجوبی کا ہے یا استحبابی کا ۔ اسی طرح سے خداوند عالم نے اپنے رسولؐ سے جو جو باتیں کی ہیں اون کے متعلق ہر ناقل حدیث یہ نہیں بتا سکتا کہ کس محل پر یہ کلام ہوا تھا اور نہ خود ہر حدیث کے الفاظ خدا کے منشار کلام کو ہمیشہ بتا سکتے ہیں ہاں منشار کلام باری اوسوقت البتہ واضح ہو سکتا ہے کہ جب اوسی قسم و مضمون کی دوسری حدیثیں بھی ملالی جاویں ۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ اس حدیث میں منشار کلام باری یہ رہا ہو کہ وہ اپنے رسولؐ پر یہ امر ظاہر کرے کہ اے رسولؐ آپکی حقیقی جانشینی و خلافت یعنی عہدۂ امامت ۔ خدا کے نزدیک سابق کے انبیاءؑ کی (عہدۂ) نبوت کے برابر ہی ۔ کہ جسطرح سے سابق میں ہر ایک نبی کسی نہ کسی رسولؐ کا تابع ہوکر اوسکی شریعت کا دنیا میں پھیلانے والا ہوا کرتا تھا ۔ بالکل اوسی طرح سے آپکی حقیقی خلافت و جانشینی بھی (یعنی امامت) آپ ہی کی صحیح طور سے تابع بنکر آپکی شریعت کی دنیا میں پھیلانے والی رہیگی ۔ اور اسی بناء پر جو وزن سابق کے نبی حضرت یحییٰ کا ہمارے نزدیک تھا بالکل وہی وزن

آپ کے حقیقی خلیفہ اور نائب امام حسین علیہ السلام کا بھی ہمارے نزدیک ہے کہ ان کے خون کے بدلہ میں بھی ہم ستر ہزار آدمیوں کو جو کہ ہم نے قتل کیا تھا اور ان کے خون کے بدلہ میں بھی ہم ستر ہزار آدمیوں کو یقیناً قتل کرینگے۔ اور اس حدیث کے متعلق ہمارے اس خیال کی تائید اور قوت اوس دوسری اسی مضمون کی حدیث سے پورے طور سے ہو جاتی ہے جس میں صاف طور سے امام حسین علیہ السلام کا درجہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہیں زیادہ افضل و بہتر بتایا گیا ہے اور اوسے بھی خود انہیں علامہ ابن حجر مکی ہی نے اسی صواعق محرقہ ہی میں نقل بھی کیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو صواعق صفحہ ۱۵۶۔

و لقد قتل اللہ بسبب یحییٰ بن زکریا علیہما الصلوٰۃ والسلام خمسۃ و سبعین الفًا۔ قال بعض العلماء وذالک دیۃ کل نبی۔ و یقال ان اللہ اوحی الی نبینا صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم انی قتلت بیحییٰ بن زکریا سبعین الفًا۔ و لاقتلن بالحسین ابن بنتک سبعین سبعین الفًا۔

بے شک خداوندعالم نے یحییٰ بن زکریا علیہما الصلوٰۃ والسلام کے سبب سے پچھتر ہزار آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ (جس کے متعلق) بعض علماء نے یہ کہا کہ ہر ایک نبی کا خون بہا اسی قدر ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خداوندعالم نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم پر بھی وحی نازل کی تھی کہ اے رسولؐ ہم نے یحییٰ بن زکریا کے عوض میں تو ستر ہزار ہی آدمیوں کو قتل کیا تھا لیکن تمہارے نواسے حسینؑ بن علیؑ کے خون کے بدلہ میں ہم ضرور بالضرور ستر ستر ہزار آدمیوں کو قتل کرینگے۔

اس حدیث قدسی سے صاف طور سے یہ بات ثابت اور واضح ہو رہی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ حضرت یحییٰ نبی علیہ السلام کے خون کے بدلہ کے بہ نسبت ستر گونہ تعداد مقتولین میں زیادہ ہے۔ جس کے بعد تو پھر کوئی شبہہ ہی نہیں رہجاتا کہ امام حسین علیہ السلام خداوندعالم کے نزدیک حضرت یحییٰ علیہ السلام سے یقیناً بدرجہا (یعنی ستر گونہ حیثیت سے) افضل تھے۔ اور یہ بھی اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ کسی غیر نبی کی دیت نبی کی دیت کے برابر بھی نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ نبی کی دیت سے بھی ستر گونہ زائد امام حسین علیہ السلام کی دیت خداوندعالم کے نزدیک محقق ہو۔ لہذا اگر محض ایک نبی کے قتل کرنے سے کوئی مسلمان کافر ہو سکتا ہے تو پھر اوس کے قتل سے تو بدرجہ اولیٰ کافر ہی ٹھہریگا کہ جس کا وقار خدا کے یہاں ایک نبی سے ستر گونہ زائد ہو۔ اس بناء پر یزید کے کافر ہونے کے لئے یہ سب بھی بحمد اللہ خود علامہ ابن حجر مکی ہی کی تحریر سے بلا شک و شبہہ ثابت ہے۔ رہ گیا نواں سبب جو کفر کا موجب ہے کہ جس نے کسی پیغمبرؐ سے حرب و جنگ کی ہو تو وہ بھی باجماع اہلسنت کافر۔ تو اس سبب کا وجود بھی یزید پلید میں بوجہ اتم موجود ہے۔ اسلئے کہ خود انہیں علامہ ابن حجر مکی ہی نے اپنے متعدد اکابر علماء و محدثین سے فضائل اہلبیتؑ

کے سلسلہ میں انھیں امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام وغیرہما کے متعلق صفحہ ۱۱۲ پر یہ حدیث رسولؐ بھی نقل کی ہے :-

(الحدیث السادس عشر) آخرج الترمذی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم - ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال - انا حرب لمن حاربہم وسلم لمن سالمہم :-

(سولھویں حدیث) امام ترمذی - اور ابن ماجہ - اور ابن حبان اور حاکم - سبھوں نے یہ روایت تحریر کی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حسنین اور اون کے والدین علیہم السلام کے بارہ میں) فرمایا ہے کہ ان سبھوں سے حرب کرنے والا مجھسے جنگ و حرب کرنے والا ہے - اور اون سے صلح کرنے والا مجھسے صلح کرنیوالا ہے

پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی صحیح طور سے موجود ہے - تو پھر تو کسی بھی کوئی شک و شبہہ نہیں رہ جاتا کہ یزید کی جنگ امام حسین علیہ السلام سے جو کربلا کے میدان میں واقع ہوئی تھی درحقیقت وہ خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے جنگ تھی - اور یقیناً یزید نے بمقتضائے حدیث مذکور پیغمبر اسلام ہی سے حرب کیا تھا - اور پیغمبر سے جنگ کرنے والا حسب تصریح قاضی عیاض صاحب باجماع اہلسنت کافر ہے لہذا اوس حدیث اور قول ابن عیاض کے مطابق باجماع اہلسنت یزید کے کافر ٹھہرنے میں کبھی کوئی شک و شبہہ نہیں رہ جاتا -

رہ گیا علامہ ابن حجر مکی یا اون کے ایسے علمائے اہلسنت کا یہ کہدینا کہ ہمارے نزدیک یزید کا امام حسین علیہ السلام کو قتل ہی کرنا ثابت نہیں ہے - یا صحیح نہیں ہے :- تو یہ بھی بالکل غلط ہی - خود ان حضرات کے نزدیک بھی یہ چیز صحیح طور سے یقیناً ثابت ہے اور انہیں حضرات کی تمام مستند کتابیں اور مسلم تاریخیں واقعہ شہادت امام حسین علیہ السلام کو یزید ہی کے حکم سے ہونا بہت صاف لفظوں میں برابر تحریر کرتی چلی آئی ہیں جنکی بنا پر یزید کا قاتل امام حسین علیہ السلام ہونا متواترات میں سے ہی - بس حد تیقن اور صحت یہ ہے کہ باوجود اس انکار کے بھی خود انہیں علامہ ابن حجر ہی نے ایک امام حسین علیہ السلام ہی نہیں بلکہ تمام اولاد رسولؐ کے قتل کا جرم جو کربلا کے میدان میں ہوا ہے - یزید ہی کے سر ہونا صحیح طور سے اپنی اسی کتاب صواعق محرقہ ہی میں تسلیم بھی کیا ہے - لیکن بمقتضائے حب الشئی یعمی ویصم - خود اپنا ہی اقرار و تسلیم بھی علامہ کو دکھائی نہیں دتیا - چنانچہ ملاحظہ ہو صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۴ جہاں انہوں نے ہلاکت یزید کے بعد اوس کے فرزند صالح جناب معاویہ علیہ الرحمہ کا ذکر کیا ہے تو اوسے کس جزم و حزم اور وثوق و اعتماد کے ساتھ تحریر کیا ہے جو اسکی دلیل ہے کہ خود علامہ بھی اس واقعہ کو اوسی طرح سے بالکل صحیح بھی سمجھ رہے ہیں جسطرح سے کہ وہ بیان ہوا ہے اور اسی بیان کو جو حضرت معاویہ علیہ الرحمہ نے کیا ہے -

واضح لفظوں میں انصاف کی بات بھی علامہ نے قرار دیا ہے ۔

ومن صلاحه الظاهر انه لما ولی صعد المنبر فقال ۔ ان هذه الخلافة حبل الله ۔ وان جدی معاویة نازع الامر اهله ومن هو احق به منه علی ابن ابیطالب ورکب بکم ما تعلمون ۔ حتی اتته المنیة فصار فی قبره رهینا بذنوبه ثم قلد ابی الامر وکان غیر اهل له ۔ ونازع ابن بنت رسول الله صلی الله علیه واله وسلم ۔ فقصف عمره وانبتر عقبه وصار رهینا فی قبره بذنوبه ۔ ثم بکی وقال ان من اعظم الامور علینا علمنا بسوء مصرعه وبئس منقلبه ۔ وقد قتل عترة رسول الله صلی الله علیه واله وسلم واباح الخمر ۔ وخرب الکعبة ۔ ولم اذق حلاوة الخلافة ۔ فلا اتقلد مرارتها ۔ فشانکم امرکم ۔ والله لئن کانت الدنیا خیرا فقد نلنا منها حظا ۔ ولئن کانت شرا فکفی ذریة ابی سفیان ما اصابوا منها ثم تغیب فی منزله حتی مات بعد اربعین یوما علی ما مر فرحمه الله انصف من ابیه ۔ وعرف الامر اهله =

معاویہ بن یزید کی واضح صلاحیت میں سے یہ امر ہے کہ حکومت کے ملجانیکے بعد اونھوں نے منبر پر جاکر یہ کہا کہ یہ خلافت ایک خدائی رشتہ ہے کہ جس کے متعلق میرے دادا معاویہ نے اوس شخص سے جھگڑا کیا تھا کہ جو اوس خلافت کا اہل اور مستحق تھا اور بہ نسبت اون کے بہت زیادہ حقدار بھی خلافت کا تھا یعنی علی ابن ابیطالب علیہ السلام (امام) اور تمہارے ساتھ بھی جن جن باتوں کا اونھوں نے ارتکاب کیا ہے اوسے تم خود خوب جانتے ہو ۔ یہاں تک کہ اون کی موت آگئی اور اپنے گناہوں میں رہن ہوکر (یعنی گناہوں کا بوجھ لیکر) اپنی قبر میں وہ چلے گئے =

اون کے بعد میرے باپ یزید نے اوسی خلافت کو اپنے گلے لگالیا ۔ حالانکہ وہ بھی اوسکے اہل اور مستحق نہ تھے ۔ اور رسول کے نواسے سے اونھوں نے جھگڑا کیا ۔ جسکی وجہ سے اونکی عمر بھی گھٹ گئی اور اونکی نسل بھی منقطع ہوگئی =

اور بالآخر اپنے گناہوں میں رہن ہوکر وہ بھی اپنی قبر میں چلے گئے ۔ یہ کہکر معاویہ بن یزید بہت روئے اور کہنے لگے کہ سب سے زیادہ سخت اور عظیم امر ہمارے لئے یہ ہے ۔ کہ ہمکو علم و یقین ہے کہ اونکی عاقبت بھی خراب ہوگئی اور بازگشت بھی بہت بری ہوگئی ۔ (کیونکہ) اونھوں نے رسول صلے اللہ علیہ والہ وسلم کی اولاد و عترت کو قتل کیا تھا ۔ اور شراب کو مباح کردیا تھا ۔ اور کعبہ کو بھی خراب کرڈالا تھا ۔ (ایھا الناس) جب میں نے اس خلافت کی شیرینی کو کبھی نہیں چکھا ۔ تو پھر اوسکی تلخی کو بھی میں ہرگز اپنے گلے نہ لگاؤنگا ۔ تم جانو اور تمہارا کام جانے ۔ اور خدا کی قسم یہ دنیا اگر کوئی خیر کی چیز ہے تو پھر تو ہمنے اس سے بہت کچھ فائدہ اوٹھالیا ہے ۔ لیکن اگر یہ کوئی شر ہے تو پھر تو ابو سفیان کی اولاد کے لئے وہی بہت کافی ہے ۔ جو اونھیں پہونچ چکا ہے ۔

یہ کہکر حضرت معاویہ بن یزید اپنے گھر میں جاکر غائب ہوگئے اور جیسا کہ بیان ہوچکا اونھوں نے

چالیس دن کے بعد انتقال بھی کیا۔ پس خدا اونپر اپنی رحمت نازل کرے کہ اونھوں نے اپنے باپ کے معاملہ میں بہت ہی انصاف کیا ہے۔ اور مستحق خلافت کو بھی خوب پہچان گئے تھے۔

علامہ ابن حجر کی اس تحریر سے جو خود یزید کے بیٹے کی زبانی ہے۔ اور بعد انی اھل البیت اوری بمانی البیت یزید کا اولاد رسول کو قتل کرنا بہت صاف لفظوں میں اس صالح فرزند نے واضح بھی کر دیا ہے اور پھر اس نقل قول کے بعد علامہ ابن حجر کا یہ جملہ خاص طور سے قابل التفات ہے کہ فرحمہ اللہ انصف من ابیہ۔ (یعنی خدا اونپر اپنی رحمت نازل کرے اونھوں نے اپنے باپ کے بارے میں نہایت ہی انصاف سے کام لیا) جس سے صحت قول و اعتبار واقعہ بھی خود علامہ ہی کے نزدیک بلا شبہہ واضح ہو جاتا ہے اور امام حسین علیہ السلام کا مع دیگر اعزا و اقارب کے جو عترت رسول ہیں تھے خود یزید ہی کے ہاتھوں شہید کیا جانا بھی بالکل صحیح طور سے ثابت ہو جاتا ہے۔

لیکن ساتھ ہی اس کے جہاں فرزند یزید کا انصاف سے کام لینا خود علامہ ابن حجر مکّی کی تحریر سے واضح ہو رہا ہے وہیں پر خود علامہ کی حد سے زیادہ بے انصافیاں بھی اونکی اسی تحریر سے بلا تکلف ظاہر ہو رہی ہیں۔ چنانچہ پہلی بے انصافی تو علامہ کی یہ ہے کہ معاویہ بن یزید علیہ الرحمہ نے جہاں اپنے باپ کے معاملہ میں منصفانہ اور حق بات کہی تھی۔ بالکل اوسی کے ساتھ اور اوسی جگہ پر او بعینہ اونھیں لفظوں میں اونھوں نے اپنے دادا کے لئے بھی وہی بات کہی تھی جو باپ کے لئے کہا تھا۔ لہذا علامہ کا صرف باپ کے حق میں نوادن مرحوم کے منصفانہ قول کو تسلیم کر لینا۔ اور دادا کے متعلق اوسی منصفانہ قول کو تسلیم نہ کرنا صریح بے انصافی ہے۔ اور دوسری بے انصافی علامہ کی یہ ہو۔ جو نہایت ہی تعجب خیز اور حیرت انگیز بلکہ طعن و ملامت کے قابل بھی ہے۔ کہ یزید سے کافر اکفر کا بیٹا تو خلافت کے حقدار دوں کو اور اوس کے محض خدائی رشتہ ہونے کو تو بتصریح علامہ ابن حجر اچھی طرح سے پہچان لے۔ مگر نہ پہچانیں تو باوجود اپنے اقرار و علم کے ابن حجر وغیرہ۔ اور تیسری بے انصافی علامہ کی یہ ہے کہ باوجود اس اقرار کے کہ یزید کے اس فرزند صالح مرحوم نے اپنے باپ کے حق میں بہت انصاف سے کام لیا اور اوس مرحوم نے بتصریح یہ بھی بتا دیا کہ تھا کہ اولاد رسول کو یزید ہی نے قتل کیا تھا۔ مگر پھر بھی علامہ ابن حجر یہی رٹ لگائے رہیں کہ لم یصح عندنا انہ قتلہ۔ (یعنی ہمارے نزدیک یہ امر صحیح نہیں ہے کہ یزید نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا تھا۔ لہذا اب سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ۔

بقیہ مضمون صفحہ (۴) پر ملاحظہ ہو

غریب الدیار!

از جناب حضرت مضطر صاحب حیدری

ندا یہ غیب سے آئی بوقت ذبح حسینؑ
شہید کوئی غریب الدیار ہوتا ہے

یہ حق پرستی کا جذبہ صدائے ھل من پر
کہ چھ مہینہ کا بچہ نثار ہوتا ہے

اوٹھایا کرتے تھے کاندھو پہ جسکو ختم النبی
اسی کا راس سناں پر سوار ہوتا ہے

حسینؑ تیرا فسانہ ہے درد کی دنیا
قلم بھی لکھتے ہوئے اشکبار ہوتا ہے

بشر کے بھیس میں قدسی صفت ہے وہ انسان
علیؑ کے لال کا جو سوگوار ہوتا ہے

غم حسینؑ میں جو داغ دل پہ کھاتے ہیں
ضیاءؔ یہ داغ چراغ مزار ہوتا ہے

مبلغ اسلام

از جناب مداح آل نبی حضرت شرف حیدری جنرل سکرٹری انجمن اصغریہ شکار پور ضلع بلند شہر

کرب و بلا میں حسینؑ کام بڑا کر گئے
مذہب اسلام کی بگڑی بنا کر گئے

معنیٔ ذبح عظیم سب کو بتا کر گئے
آئینۂ دیں پر خوں سے جلا کر گئے

راہ میں معبود کی سر کو کٹا کر گئے

دہر میں روشن کیا حق و صداقت کا نام
آپ نے قائم کیا دین خدا کا نظام

درہم و برہم کئے قعر ضلالت تمام
کلمۂ توحید کا کر دیا اعلان عام

مقصد اسلام کو آپ بتا کر گئے

دین خدا کسقدر آپ کو محبوب تھا
بھائی بھتیجے پسر کر دئے حق پر فدا

یاور و انصار کو مرنے کی دیدی رضا
سجدۂ معبود میں اپنا بھی سر دیدیا

نصرت اسلام میں گھر کو فدا کر گئے

راہ میں اللہ کی دی ہیں وہ قربانیاں
یاد رکھیگا جہاں غم کی فراوانیاں

عالم غربت میں وہ ہائے ستم رانیاں
خنجر و پیکاں سے ہوگئیں مہمانیاں

ظلم ہزاروں سہے شکر خدا کر گئے

جس نے ہی باقی رکھا دین محمدؐ کا نام جس نے ہی پورا کیا بخشش امت کا کام
جس نے شرف کر لیا نوش شہادت کا جام اس پہ ہوں جانیں فدا لاکھوں درود و سلام
کفر کے بیڑے کو آپ غرق فنا کر گئے

حُسنِ عمل

از نتیجہ فکر مداح اہلبیت جناب مرزا باقر علی صاحب افسر بی اے منشی فاضل لاہور

سلام سب پہ ہے واجب کلام سے پہلے درود پڑھتا ہوں شہ پر سلام سے پہلے
سلام ہمتِ ہوائے ناصرانِ دینِ خدا ہوئے شہید شہ تشنہ کام سے پہلے
عطش میں سرِ تہِ خنجر جھکا کے دکھلایا کہ آب تیغ ہے کوثر کے جام سے پہلے
مقامِ خلد کا ضامن نہیں فقط گر یہ مقام اور بھی ہیں اس مقام سے پہلے
ہی حسن قول مقدم دیا کہ حسنِ عمل ذرا یہ پوچھ دل مستہام سے پہلے
وہ قول تھا کہ عمل بھی کہ روزِ عاشورا غلام خلد میں پہنچے امام سے پہلے
عمل سے دیکھ کہاں سے کہاں یہ جا پہنچا وہ حُر جو لیٹا تھا تشنہ کی لجام سے پہلے
نہ جانتا تھا لقائی دوام ہے کیا شئے تھا بے خبر شرف مستدام سے پہلے
نہ تھی حقیقت سلام منکشف اُس پر نہ آشنا تھا وہ عترت کے نام سے پہلے
تھی ایک پیروی غول دشت، گمراہی تھا منحرف در دار السلام سے پہلے
جُھکا جو پاؤں پہ شبیرؑ کے وہ ہوئے خجل گناہ شاہ نے بخشے قیام سے پہلے
جو آیا فرض شناسی پہ لے زہے طالع ہوا نثار امامِ انام سے پہلے
ہوا یہ عازمِ عقبیٰ ادھر تو رضوان نے سجایا خلد ادھر اہتمام سے پہلے
تھا اک ہجوم مسرت سے حور و غلماں کا کہ لیں وہ بڑھ کے قدم احترام سے پہلے
مگر زہے قدم و قدر دانیٔ مولا، نبیؐ ملے ہیں حُر نیک نام سے پہلے
پئے سلام گیا سیدہ کی خدمت میں وہ مل کے سید خیر الانام سے پہلے
گلے لگا کے علی نے کہا مرے ناصر، چلو ملو حسنؑ سبز نام سے پہلے

رقم ہے لوح پہ افسر یہ ہر مجاہد کی
ہی پہلے کام سزاوار نام سے پہلے

سید الشہداء مشاہیر محققین یورپ کی نظر میں

از جناب سید محمد اکبر صاحب رضوی سیتاپوری مولف کتاب حسینی دنیا

ناظرین کے ملاحظہ کیلئے میں اختصار کے ساتھ محققین و مفکرین یورپ کے خیالات و آرا پیش کرتا ہوں تاکہ الواعظ کیلئے بہتر ذخیرہ ہو سکے۔ ازبسکہ عدیم الفرصتی مجبور کرتی ہے تاہم بنظر ثواب اس موقع کے لئے مومنین کی توجہ مبذول کراتا ہوں اور اپنی کتاب حسینی دنیا کے مختصر اور بہت ہی مختصر اقتباسات حاضر کرتا ہوں۔

قدیم مورخ موئیس ایچ نیس، وہ مسلم تاریخ کے عابد ترین ہستی اور سب سے بڑے روحانی ہیرو تھے۔

مشہور مورخ مسٹر واشنگٹن ایرونگ، وہ سمجھے کہ میں نے یزید سے باقاعدہ بیعت کر لی تو یقیناً سارا عالم میرے ساتھ بیعت کرلیگا اور تمام ناجائز افعال سنت ہو کر رواج پائینگے۔ نہایت ایمانداری اور بڑی جوانمردی سے تمام مصیبتوں کے مقابلہ میں صاف انکار کر دیا۔

مشہور مورخ مسٹر کارلائل فاتحان کربلا کو خدا کا کامل یقین تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے اس دنیا سے اچھی دنیا دیکھ رہے تھے اس کے علاوہ قومی غیرت اور حمیت کا بہترین سبق ملتا ہے۔ اس لحاظ سے واقعہ شہادت (حسینؑ) پر جس درجہ غور و فکر کیا جائیگا اسی قدر انکے اعلیٰ اور عمیق مطالب روشن ہو جائینگے۔

ایڈورڈ گبن مشہور مورخ خاندان بنی ہاشم کی سرداری اور رسول اللہ کا متبرک چال چلن انکی (حسینؑ) شخصیت میں مجتمع تھے

ایڈورڈ اے فری میں مجھے اس کے کہنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہے کہ تاریخ میں سب سے زیادہ مؤثر واقعہ ہوا ہے۔

سر پرسی سائیکس ایسی بہادری جس کے مقابلہ میں ہمیں آئندہ کے بہادر نظر میں نہیں سماتے۔

مسٹر ڈوزی نے آل رسول (حسینؑ) کے کھلم کھلا دشمن اب رسول کی جانشینی کا دعویٰ کر رہے تھے۔

مسٹر پرائس آکھر (معاویہ) نے اپنے جانشین یزید کو اور نصیحتوں کے ساتھ ساتھ کہا کہ ..... حسینؑ نبی کے نواسے ہیں اور ہم نے ان سے سلطنت چھینی ہے اور جو کچھ اسوقت ہمارے پاس ہے انکا ہی تھا۔

مسٹر اوسبورن اپنی تخت نشینی کے قبل ہی یزید نے مومنین کو بدنام کر رکھا تھا۔ وہ علانیہ شراب نوشی کرتا تھا۔ وہ شکاری کتوں۔ باز اور دیگر جانوران نجس کا بے حد شائق تھا۔

مسٹر جیمس کارکرن مصنف تاریخ چین دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گزرے ہیں جنکے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے ہیں۔ چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ ابن علی کا بہادری میں ہے کیونکہ میدان کربلا میں

ریت پہ تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اسکے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں
ڈاکٹر میسو ماربن مشہور مورخ حسین کے واقعہ نے تمام وقائع پر برتری حاصل کرلی حسینؑ کا واقعہ عالمانہ اور حکیمانہ
اور سیاسی حیثیت کا تھا جسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اے۔ ڈی بیرگیمی۔ مورخ حسینؑ کی جنگ فقط عزت کیلئے ہوگی نہ کہ طمع کیلئے۔

آرتھر این ولٹن حسینؑ کی بہادری اور شجاعت کی مثال شاید ہی دنیا کبھی پیش کرسکے۔ اقوام عالم کی تاریخ
کبھی کوئی ایسا سورما پیش نہ کرسکی جو ہزاروں سے یکہ تنہا لڑا ہو اور بہ رضا و رغبت مرنے پر تیار ہوگیا ہو۔

مسٹر الیف جے گولڈ آتھر اسی طرح بہادر حسین بھی مدنی الطبع تھے۔۔ حسینؑ شجاع اور محب انسانیت حسین نے اپنی
زندگی و موت دونوں کے ذریعہ قلب انسانی کو مسخر کرلینے کی بہترین مثال پیش کی ہے۔

مسٹر چارلس ڈکسن اگر حسینؑ سلطنت کی غرض سے جنگ کرنے تو اپنے ہمراہ مستورات اور ننھے ننھے بچوں کو
نہ لیجاتے۔

پروفیسر براؤن ایسا کوئی متنفس ہے کہ جو دردبھرا دل رکھتا ہو اور پھر حالات کربلا کو پڑھ کر اسکا دل نہ لیجے۔

مسٹر والیئٹر مشہور فرنچ اہل قلم جو بابل دہریہ خیال کا تھا۔ کربلا والے حسینؑ کے علاوہ دور تاریخ میں ایسی کوئی
ہستی دیکھنے میں نہیں آئی جسنے بنی نوع انسان پر ایسے مافوق الفطرت اثرات چھوڑے ہوں۔

مسٹر جان لونگ۔ وہ (حسینؑ) دیندار خداپرست۔ نیرونن۔ خلیق اور بےمثل بہادر تھے۔

مسٹر گبن۔ وہ۔۔۔اپنے ساتھیوں کیواسطے پریشان تھے چنانچہ ان سے فرمایا۔۔۔۔ مجھے میری قسمت پر
چھوڑ دو۔ مگر کسی نے بھی آپ کی مفارقت گوارہ نہیں کی۔

مسٹر رسل پیٹر بریگاب زیکوسلاویکیہ ایک وقت آئیگا جب ان عظیم المرتبت انسانوں کی (ظاہری) شکست
اس مادی دنیا میں بھی فتح سمجھی جائیگی۔ امام حسینؑ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔

مسٹر جے اے جبلیوسس کربلا کا شہید اعظم جو سردار انبیا یعنی محمد مصطفیؐ کی روح و جان تھا اسکے کارنمایاں
کو دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

شہدا کربلا کی سوانح عمریاں

جناب لسان الملتہ والدین زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ لکھنوی کے محققانہ تالیفات میں چند کتابیں اسٹاک میں باقی رہ گئی ہیں۔

سوانح عمری حضرت مسلم بن عقیل مع محصولڈاک ۱۲؍ سوانح عمری حضرت عون مع محصولڈاک ۱۰؍ سوانح عمری حضرت عثمان بن علی ۶؍
عبائر الانوار جلد اول حضرت قاسم کی سوانح عمری کا ایک روشن پہلو ۶؍۔ نوٹ۔ سوانح عمری زہیر بن قین و حبیب بن مظاہر و تاریخ علی اصغر
ختم ہوگئیں اب طلب نہ کیجئے۔ المشتہر:۔ مولوی سید ہادی سکرٹری جمعیت خدام عزا اسید تحسین علیخاں چوک لکھنؤ

حق و باطل کی پہچان

قرآن و وید کی روشنی میں

از جناب اوم پرکاش صاحب از مارواڑ جن کا اسلامی نام غلام حسین صاحب ہے

مجھ سے میرے چند احباب اور بعض برہمنوں نے پوچھا کہ آپ ہندو دھرم کو چھوڑ کر شیعہ مسلمان کیوں ہوئے ہیں میں نے ان کو مناسب و مسکت جواب دیا لیکن اب مناسب یہ سمجھا کہ اصول اسلام اور اصول ہندو دھرم کا مقابلہ کر کے حقانیت اسلام کا ثبوت بہم پہنچاؤں اور اسکو الواعظ جیسے موقر پرچہ میں شائع کرا دوں تاکہ تشنگان راہ ہدایت سرچشمۂ حق و صدق اسلام سے سیر و سیراب ہوکر فلاح دارین حاصل کریں اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہندو دھرم محض اسی وقت تک آخری سانس لے رہا ہے جبتک کہ اسکی تعلیم عام نہیں ہوتی ورنہ اسمیں کچھ دم نہیں شاید یہی وجہ ہے کہ برہمنوں نے بیجا اپنی تعظیم و تکریم کو قایم و برقرار رکھنے کے لئے اسکی تعلیم کو اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے اور عام نہیں ہونے دیا ورنہ یہ کاغذی نام اب تک کب کی ڈوب چکی ہوتی خیراب وقت آچکا ہے کہ اس گورکھ دھندے کو کھولا جائے اور لوگوں کو بتلایا جائے کہ اگر دنیا میں کوئی مذہب انسان کی اخلاقی تمدنی معاشرتی دینی و دنیاوی ہر طرح کی زندگی سنوارنے کا ذمہ دار ہے تو وہ محض اسلام ہی ہے کوئی دوسرا نہیں اور ہندو دھرم تو صرف ایک ڈھونگ ہے کیونکہ اسکے تعلیمات کو عقل سے کوئی لگاؤ ہی نہیں فطرت سے کوئی سروکار نہیں چنانچہ میں اس مضمون میں آپ حضرات کو بھی دکھلانا چاہتا ہوں کہ ہندو دھرم عقل و دانش فطرت و آفرینش سے کوسوں دور ہے اور اسمیں رہکر سوائے ضلالت و گمراہی کچھ حاصل نہوگا۔

ہر وہ شخص جسکو ذرا سا بھی مذہب سے لگاؤ ہے سب سے پہلے مسئلہ توحید کے اثبات کی کوشش کرتا ہے چنانچہ مذہب اسلام نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس کا ایسا ثبوت دیا ہے جسکے مقابلہ میں سارے مذاہب غلط و بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا۔

یعنی اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو یہ باقی نہ رہتے اب تک کب کے ختم ہو گئے ہوتے سبحان اللہ کیسی سچی اور مستحکم عقلی دلیل ہے کیونکہ جب دو خدا ہوتے تو ہر ایک اپنے اختیارات میں تصرف کرتا جس سے سوائے فساد کچھ نہوتا۔ یا دوسرے مقام پر اپنے سچے رسولؐ کی زبانی کہلواتا ہے قل ھو اللہ احد اے ہمارے

رسولؐ ان لوگوں سے کہدنے کہے کہ خدا تو ایک ہی ہے یہ قرآنی تعلیم ہی برخلاف اسکے ھندو دھرم کی تعلیم جس کا دار و مدار وید پر ہے ملاحظہ ہو کہ وہ تو سارے جگ کو خدا بنا رہا ہے جو قطعاً عقل کے خلاف ہے۔

पुरुष एवेदं सर्वं यद् भूतं यच्च भाव्यम् । यजु० ३१ - २

(ایدم) اس دنیا میں (سروم) جو کچھ موجود ہی یا جو (یت بھوتم) اسکے قبل موجود تھا یا (یت) جو کچھ آگے (بھاویم) پیدا ہونے والا ہے وہ سب چیزیں (پورش ایو) ایشور ہی ہے۔

اب ذرا ہندو دھرم کے عقلا اور رہنما غور فرمائیں کہ وید کی تعلیم پر اگر عمل کریں تو خدا ہی سے ہاتھ دھو بیٹھیں کیونکہ خالق و مخلوق عابد و معبود سب جو نظر آرہے ہیں پھر یہ عبادت و پوجا کس کی ہوتی ہے پھر یہ کہ اسمیں اچھے برے کا کوئی فرق ہو جب سب خدا ہیں تو جو دیو خدا ڈاکو بھی خدا ہندو بھی خدا مسلمان بھی خدا گائے بھی خدا گائے کو ذبح کرکے کھانیوالا بھی خدا (جب دونوں خدا ہیں تو اگر خدا اپنی پیدا کی ہوئی گائے کاٹ کر کھا جا تو ہندوؤں کو کیا اعتراض ہوگا) ماں باپ بھی خدا بیٹا بیٹی بھی خدا میاں بیوی بھی خدا تو کیا وید کے خدا کی شادی و بیوی بچے بھی ہوتے ہیں۔ آپ حضرات معاف فرمائیں۔ اسکی فلاسفی تو میری سمجھ میں نہیں آتی کل میں نے ایک دولھا دولھن کو دیکھا دولھا گھوڑے پر سوار دولھن ڈولے میں تو کیا خدا خدا سے شادی کرتا ہے یا خدا خدا پر سوار ہوتا ہے۔ یا کوئی پانی میں ڈوب جائے یا آگ میں جلکر مر جائے تو کیا آپکا خدا ڈوب سکتا ہے۔ یا جلکر مر بھی سکتا ہے۔ اگر وید کا خدا ایسا ہی ہے تو ہم دور ہی سے معافی چاہتے ہیں ایسا خدا تو محض ..... سکاری ہو سکتا ہے۔ دیکھئے یہ ہے سچے مذہب کی تعلیم جسکو عقل کی روشنی میں ہر طرح جانچا جا سکتا ہے۔

اللہ الصمد۔ خدا برحق بے نیاز ہے۔

وید کی تعلیم ملاحظہ ہو

नद्यद्यजुषा करोति यद्देवास्य निरुक्तं परिमितं रूपं ।
शत० १४-१-२-१८

(تت) اس محتاج (یت نرکتم) (پرمیتم روپم یت ابو اسی) اور محدود ایشور کا (دیو شا) یجروید (کر دتی) ذکر کرتا ہے۔

اگر ہم وید کی تعلیم کو صحیح سمجھ لیں اور فرض کرلیں کہ خدا محتاج و محدود ہی بحکم وید تو پھر بہت سی خرابیاں لازم آئینگی منجملہ ان کے یہ ماننا پڑیگا کہ خدا پیدا بھی ہوتا ہے اور مرتا بھی ہے کیونکہ جو محتاج و محدود ہے وہ مخلوق ہے خالق نہیں اور جسکا جنم مرن ہوتا ہے وہ خدا ہونے کا ہرگز مستحق نہیں پس معلوم ہوا کہ قرآن پاک نے جو خدا کی تعریف کی ہے کہ وہ برحق بے نیاز ہے صحیح اور ویدکے مطابق خدا کا محتاج و محدود

ہونا بالکل غلط اور خلاف عقل ہے۔

قرآنی تعلیم ۔ لم یلد ۔ کوئی اس سے پیدا نہیں ہوا (جسطرح بیٹا مار ۔ باپ سے) ویدک تعلیم اسکے اور عقل ( ) دونوں کے خلاف ہی ملاحظہ ہو۔

ब्रह्मादेवानां प्रथमः सम्बभूव विश्वस्यकर्ता भुवनस्य गोप्ता ।
सब्रह्मविद्यां सर्व विद्या प्रति ष्ठाम थर्वाय ज्येष्ठ पुत्राय प्राह ॥

मुण्डक १

ترجمہ ۔ دنیا کو پیدا کرنے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ایشور دیوتاؤں میں سب سے پہلے پیدا ہوا اس نے تمام قسم کے علم اپنے بڑے بیٹے اتھروا کو سکھائے ہندو دھرم کے ماننے والے ذرا تو عقل سے کام لیں اور سمجھیں کہ جب خدا خود ہی پیدا ہوا تو بتلایئے کہ اسکو مخلوق کہیں یا خالق اور اگر اسکو خالق کہیں تو ہم بھی خالق ہوتے ہیں اور اگر مخلوق کہیں تو ہم اور وہ ایک ہیں تو کیا وہ بھی ہماری طرح کھاتا پیتا سوتا بیٹھتا ہے اور شادی بیاہ کرتا اور مرتا جیتا ہے اور وہ بھی ہماری طرح کسی کی پوجا کرتا ہے جب ایسا ہے تو خدا ہونیکے قابل نہیں ۔

آگے سنیئے اس ایشور نے اپنے بڑے بیٹے اتھروا کو تمام علم سکھلائے سبحان اللہ کیا اچھا ایشور ہے جس کا بڑا چھوٹا بیٹا بھی ہے اور جب بیٹا بیٹی ہے تو بیوی بھی ہوگی اور وہ سنیوگ سے مستفید بھی ہوتی ہوگی اور اسکی بیٹی کا کسی دوسرے کے بیٹے سے بیاہ بھی ہوتا ہوگا ۔ جب اسکا بیٹا اور بیوی ہے تو وہ شکل والا ہوگا اور جو شکل والا ہوگا وہ جنم بھی پائیگا اور مرے گا بھی اور جب مرے گا تو ایک جنم سے دوسرے جنم میں بھی جائیگا جو جزا اور سزا کیلئے ہوتا ہے تو کیا خدا سزا بھی پاتا ہے ۔ قرآن پاک واسلام کی تعلیم ۔ ولم یولد ۔ خدا کسی سے پیدا نہیں ہوا

ہندو دھرم کی تعلیم ۔

तदण्डम भवद्धैमं सहसांशु समप्रभम् ।
तस्मिञ्जज्ञे स्वयंब्रह्मा सर्व लोक पितामहः ॥

मनु १-७

وہ بیج سورج کے مانند چمکنے والا انڈا بن گیا جسمیں سے دنیا کو پیدا کرنے والا برما پیدا ہوئے ۔ سمجھدار اور عقلمند حضرات غور فرمایئں کہ مذہب اسلام کی تعلیم صحیح ہے جو خدا کی تعریف کرتا ہے کہ کسی سے پیدا نہیں ہوا یا ہندو دھرم کی تعلیم جو خدا کو انڈے سے پیدا کرتا ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ جب خدا سے پہلے کوئی چیز نہیں تو وہ انڈا مرغی یا بطخ وغیرہ کا تو ہو نہیں سکتا پھر کس کا مانا جائے اسکو تو وہی لوگ جانیں جو عقل کی منزل سے کوسوں دور ہیں اور ایسی متضاد تعلیم کو صحیح و سچے مذہب کی تعلیم ہونے کا بے جا

دعویٰ کرتے ہیں اس موقع پر مجھکو ایک لطیفہ یاد آیا جو ایک مرتبہ ایک پنڈت جی صاحب سے واقع ہوا جنکا نام پنڈت گنپتی جی مصر صاحب تھا مجھ سے ان سے مناظرہ ہوا تو میں نے ان سے پوچھا پنڈت جی ایشور جس انڈے سے پیدا ہوا وہ انڈا کس کا تھا مرغی وغیرہ کا ہو نہیں سکتا کیونکہ ابھی تک دنیا اور دنیا کی چیزیں پیدا ہی نہیں ہوئیں پنڈت نے جواب دیا کہ یہ آپ کا کیا سوال ہے یہ تو بالکل صاف ہے وہ انڈا اسکی ماں کا تھا میں نے کہا کہ پنڈت جی جب اسکی ماں ہے تو اسکا باپ بھی ہوگا پنڈت جی نے کہا کہ ہاں اسکا باپ بھی ہے میں نے کہا کہ پھر تو آپ گرجا گھر میں جاکر بپتسمہ لیجیے کیونکہ اس مسئلہ میں عیسائی بھی آپ کے سگے بھائی ہیں پنڈت سے کوئی جواب بن نہ پڑا ہندو دھرم کے ماننے والو ذرا تو عقل اور سمجھ سے کام لو دیکھو قرآنی تعلیم صحیح اور سچی ہے جو خدا کو کہتا ہے کہ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا یا وید کی تعلیم درست ہے جو خدا کو پیدا شدہ مانتا ہے اسکا فیصلہ ہم آپ ہی کی سمجھ پر چھوڑتے ہیں ۔

ولم یکن لہ کفواً احد ۔ قرآن پاک کہتا ہے کہ خدا کا کوئی مثل نہیں ۔

وید کی تعلیم ۔

द्वावेव ब्रह्मणो रूपे मूर्त्तं चैवामूर्त्तं च
ब्रहदा० ४-३-१-२-३

ترجمہ: دو طرح کے ایشور ہیں ایک مورت اور دوسرا بے مورت ایک شکل والا اور دوسرا بے شکل والا دونوں برابر ہیں ۔

دیکھیے یہ ہے وید کی تعلیم جسکو عقل و دانش سے کوئی لگاؤ نہیں کیونکہ خدا دو بنادئے اور دونوں کو شریک کر دیا بھلا جب خدا کا شریک ہوگیا تو پھر دونوں میں جھگڑا ہونا ضروری ہے جس سے دنیا کو ختم ہو جانا چاہیے اور عالم کا کوئی فطری کام عقل و دانش کے مطابق نہ ہونا چاہیے کیونکہ ایک خدا کچھ کہے گا اور دوسرا کچھ نیز یہ کہ ایک دوسرے کی طاقت کو کوئی روک نہیں سکتا ہے کیونکہ خدا دونوں ہیں ۔

معلوم ہوا کہ ہندو دھرم خدا کی معرفت سے بہت دور ہے ۔ اور ہندو دھرم ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام مذاہب سوائے مذہب اسلام کوئی مذہب صحیح راستہ پر نہیں اور خدا کی معرفت سے کوسوں دور ہیں ہم غیر اسلام تمام مذاہب کے ماننے والوں کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر آپ خدا کی صحیح معرفت حاصل کرکے دین و دنیا کی راحت چاہتے ہیں تو آؤ اور قرآن پاک کی بتلائی ہوئی صحیح و مطابق عقل تعلیم پر عمل کرو آپکو دین و دنیا میں راحت مل جائیگی ۔

وما علینا الا البلاغ

سلام

ازعالی جناب سید مہدی حسین صاحب ہمدم دکنوی تلمیذ حضرت تمنا مرحوم

کتنی کربلا میں عجب انقلاب کی دنیا — بدل دی ہائے بن بوتراب کی دنیا
جواں ہوتے ہی اکبرؑ نے کی قضا افسوس — اجل نے آہ اجاڑی شباب کی دنیا
وہ پانی کس طرح پیتا فرات پر جا کر — تھی جس کے سامنے اک اضطراب کی دنیا
وہ تیر اصغرؑ معصوم کے لگا رن میں — پلٹ کے رہ گئی قلب رباب کی دنیا

کسی کا ساتھ زمانے نے کب دیا ہمدم
رہی ازل سے یونہی نیچ ذات کی دنیا

سلام

ازجناب منشی حکیم عطا علی صاحب مست صوبہ مدراس

سلامی اشک غم شہ میں جو بہاتے ہیں — وہ دفن ہوتے ہی خلد بریں میں جاتے ہیں
کٹائے ہاتھ ترائی میں پیشتر سوتا ہے — حسینؑ نہر پہ پکڑے کمر کو جاتے ہیں
ملی نہ رخصت میداں تو قاسم ابن حسنؑ — چچا کو کھول کے بازو سے خط دکھاتے ہیں
بنا جو شب کو تھا دولھا وہ صبح قتل ہوا — حسینؑ لاشۂ داماد رن سے لاتے ہیں
لگی جو برچھی تو اکبر نے دی صدا شہ کو — شتاب آئیے اب ہم جہاں سے جاتے ہیں
کمر خمیدہ ہے اور ہاتھ پاؤں ہیں لرزاں — حسینؑ پیری میں لاش جواں اٹھاتے ہیں
جگر میں کھا کے سناں مر گئے علی اکبرؑ — حسین خیمے میں بیٹے کی لاش لاتے ہیں
چھدی ہے تیر سہ شعبہ سے گردن اصغرؑ — حسین بانو کو زخم گلو دکھاتے ہیں
علیقہ ہاتھ میں لیکر مریض دختر کا — حسین رنڈیں ہر اک لاش کو سناتے ہیں
حسین چھوٹتے ہیں صدر زیں پہ ہائے غضب — سنان و تیغ و خنجر اشقیا لگاتے ہیں
شہید ہو گئے وارث تو ہائے رانڈوں کو — اسیر کر کے عدو دربدر پھراتے ہیں
کہیں جو چلنے میں ہوتی ہے دیر عابدؑ کو — تو کوڑا پشت پہ بیمار کے لگاتے ہیں
بروز حشر نہ روئیں گی مست آنکھ انکی — جہاں میں اشک غم شہ میں جو بہاتے ہیں

شہزادی عجم

از نتیجۂ فکر سید علی نصرت صاحب قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ

اے مری شہزادی اے بنت شہِ ملکِ عجم اے شہر بانو مری اے گوہرِ بحرِ کرم
اے مہِ برجِ امامت آفتابِ انما اے گلِ گلزارِ زہراؑ شمعِ بزمِ مصطفےٰ
اے بہارِ گلشنِ اسلام اے سروِ رواں مریم و سارا سے بالاتر ہے تیری عز و شاں
خود بھی شہزادی ہے اور شاہِ دوعالم کی بہو موجزن ہے تیری ہر رگ میں امامت کا لہو
اے زہے قسمت کہ وارث ہے ترا سبطِ نبیؐ اللہ اللہ زینتِ پہلو امامت کی ہوئی
چادرِ تطہیر ہے سر پہ ترے جلوہ فگن اے زہے قسمت امامت بن گئی ہے اک دولھن
منزلِ قرآنِ حق ہے دامنِ عصمت ترا تیرے بطنِ پاک سے پیدا امامِ دیں ہوا
تیری ہستی سربسر ہے مظہرِ ذاتِ خدا سجدہ گاہِ قدسیاں ہے تیرا ہر اک نقشِ پا
خانۂ شبیرؑ میں تو نے سہے رنج و محن حشر تک پیدا نہ ہوگی باوفا ایسی دولھن
ختم تیری ذات پر حق کی محبت ہو گئی صبر تیرا دیکھ کر قدرت کو حیرت ہو گئی
سامنے آنکھوں کے دیکھے ذبح ہوتے اپنے لال آہ تیرے دل کے ٹکڑے ہو گئے سب پائمال
تیری پیری کا عصا تھا اکبرؑ غنچہ دہن مر گیا بھوکا پیاسا آہ وہ گل پیرہن
شکر کے سجدے کیے اکبرؑ کی میت دیکھ کر یعنی راہِ حق میں کام آیا ترا لختِ جگر
تیری دنیا ہو گئی برباد لیکن اُف نہ کی گو کہ اجڑی دربدر بلوے میں ننگے سر پھری
کربلا میں ہو گیا جب قتل فرزندِ نبیؐ غل ہوا شہزادیِ کونین لاوارث ہوئی
آہ تو دربار میں اس شان سے لائی گئی سر کھلا زلفیں پریشاں کوکھ اُجڑی دل جلی
انتہا بیداد کی آلِ نبی پر ہو گئی دخترِ شاہِ عجم محتاجِ چادر ہو گئی

اے مری شہزادی کر ہاں اک نظر بس اک نظر
ہو زیارت سے مشرف نصرتِ خستہ جگر

درر عنبر

عالیجناب سید احمد علی صاحب خان بہادر رئیس پٹنہ

اے پر جگر غضنفر دشت وغا حسینؑ　　اے نامور مدبّر بزم رضا حسینؑ
اے شہریار ملک صدق و صفا حسینؑ　　اے تاجدار کشور مہر و وفا حسینؑ
وجہ وجیہہ خلقت کون و مکان حسینؑ
وہ ضامن بقائے زمین زمان حسینؑ

روح روان پیکر ایمان و معرفت　　سرو روان گلشن انصاف و معدلت
دُرِّ ثمین قلزم ایثار و مرحمت　　ماہ مبین منزل اقبال و مرتبت
اے وارث شجاعت خیبر کشا حسینؑ
وے صاحب جلالت خیر الوریٰ حسینؑ

اے بُرد بار حارث دشت دلاوری　　اے زور دار وارث شمشیر حیدریؑ
اے باوقار صاحب خلق پیمبریؐ　　اے نور بار اختر گردون برتری
ابر مطیر و بحر محیط عطا حسینؑ
ماہ منیر و خامس آل عبا حسینؑ

رکن رکین دین و دل محترم حسینؑ　　حصن حصین ملک و ملل محتشم حسینؑ
اصل اصول مذہب والا ہمم حسینؑ　　صدر صدور ملت و شاہ امم حسینؑ
مختار خافقین شہ کربلا حسینؑ
سردار مشرقین امام ھُدا حسینؑ

رخشاں بحر لطف و مساوات اے حسینؑ　　دربار ابر خلق و مواسات اے حسینؑ
بے خار باغ مہر و مراعات اے حسینؑ　　ضو بار مہر فخر و مباہات اے حسینؑ
رخشاں دُر یگانہ درج شرف حسینؑ
ذی شان بہین سلالہ شاہ نجف حسینؑ

اے بہترین نتیجۂ الطاف ذو المنن　　اے شارح صحیفۂ اخیار من د عن
اے بے بہا خزینۂ مکنونۂ سُنن　　اے بے خزاں حدیقۂ انصاف یاسمن

اے مستند ذریعۂ غفران ما حسینؑ
اے معتمد وسیلۂ قرب خدا حسینؑ

اے حافظ خلائق و دارین را قوام | اے باب نہ ائمہ و کونین را امام
اے بادشاہ ہر دو جہاں سرور انام | اے سید شباب جناں عرش احتشام

تاج سر فلک کف پائے تو اے حسینؑ
میکال و جبرئیل گدائے تو اے حسینؑ

اے زور بازوئے حسنؑ مجتبیٰ حسینؑ | اے تازہ نازوی چمن مرتضیٰ حسینؑ
اے نیک اساس لخت دل مصطفےٰ حسینؑ | اے حق شناس خاصۂ ربّ علا حسینؑ

اے جاں نثار ملت و مولائے ما حسینؑ
وے خیر خواہ امت و آقائے ما حسینؑ

اے قاطع بنائے شقاوت چو مصطفےٰ | اے قامع اساس ضلالت چو مرتضیٰ
اے دافع ظلام جہالت چو مجتبیٰ | اے شافع انام بہ دربار کبریا،

روحی فداک راحت جاں علی حسینؑ
قلبی لدیک بہجت قلب نبی حسینؑ

شاہنشہ حجاز امیر عرب حسینؑ | مسند نشیں خلوت خلق و ادب حسین
پیش حبیب خالق اکبر احب حسینؑ | بہتر ز خلیلؑ خدا را سبب حسینؑ

اے بہترین مشیت ربّ علا حسینؑ
وے بے نیاز فدیۂ راہ خدا حسینؑ

نازش مسیح نسل براہیم را شرف | ذبح عظیم ابن ذبیحین را خلف
در صبر و شکر فخر رسولان ما سلف | عطشان شہید ناوک آلام را ہدف

امواج ظلم و جور عدا بے نوا حسین
مظلوم و بے دریار شہ نینوا حسین

در شان اے حسینؑ بہ اعلان و برملا | گفتہ نبیؐ حسینؑ بود از من اے ورا
"ہاشم من از حسینؑ بگفت ان شہدا | چو لحم نست لحم علی لحم مصطفےٰؐ"

قتل تو قتل احمد مختار اے حسینؑ

ذبح تو ذبح حیدرِ کرار اے حسینؑ

اے حاملِ مصیبت بے انتہا حسینؑ — اے فخرِ روزگار بہ صبر و رضا حسینؑ
اے بادلِ دو نیم قتیلِ جفا حسینؑ — در سجدۂ الٰہ ذبیح قفا حسینؑ

چشمِ فلک زیادِ تو گریان است اے حسینؑ
قلبِ ملک بہ ذکرِ تو بریان است اے حسین

شرطِ نجات بر تو بکا ہست اے حسینؑ — واں گریہ را بہشت جزا ہست اے حسینؑ
کان موجب رضائے خدا ہست اے حسینؑ — ..... خصلت جہلا است اے حسینؑ

تاریخ کردہ است چو تصدیق اے حسینؑ
بے بہرہ را چہ حاجتِ تحقیق اے حسینؑ

قبل از وقوع واقعہ خیر الوریٰ گریست — بر ذکرِ حالِ زارِ تو مشکل کشا گریست
بشنید چوں مصائبِ تو فخر النسا گریست — بعد از حدوث حادثہ ارض و سما گریست

در دہر تا دقیقۂ باقیست اے حسینؑ
پایندہ بر تو گریہ و زاریست اے حسینؑ

گرمائے سخت و آہ دو سہ روزہ قحطِ آب — پیشِ نظر شہادتِ اقران و ہم صحاب
دو ضبطِ گریہ در دلِ پر درد پیچ و تاب، — یا بے شمر شدائد و بے انتہا مصاب

در راہِ حق ثباتِ قدم مرحبا حسینؑ
بر ہر قدم خیالِ امم حبذا حسینؑ

اصغر شدہ ذبیح ز پیکاں زدی نہ دم — پامال گشتہ قاسمِ ذی شاں زدی نہ دم
بے دم شد آہ اکبرؑ ظمآن زدی نہ دم — عباسؑ از جہاں شدہ عطشاں زدی نہ دم

شرمندہ شد ز ضبطِ تو یعقوب اے حسینؑ
کرد اعترافِ صبرِ تو ایوب اے حسین

باشد مصائبِ تو جگر سوز اے حسینؑ — پیغامِ تست ناوکِ دل دوز اے حسینؑ
ذکرِ تو بہرِ ما سبق آموز اے حسینؑ — ایں سبق جہاں شرف اندوز اے حسینؑ

راضیست حق ز صبر و رضائے تو اے حسینؑ
باقیست دینِ حق ز عزائے تو اے حسینؑ

پیش حکومت ستم ایجاد و نابکار حاشا نہ سر خمیدی و جنبی نہ زینہار
کردی نہ بیعت اشرو ننگ روزگار کردی تو جان و مال پئے داد و دیں نثار
مرہون ہمت تو جہانست اے حسینؑ
ممنون منت تو زمانست اے حسینؑ

فرمود جدا مجدت آغاز حریت در عہد تو بلند شد آواز حریت
اے سر فروش عاشق جاں باز حریت در ہر لوائے تو جو بدہ ساز حریت
آتش زدی تو در دل احرار اے حسینؑ
حُرِّ جری گواست برایں کار اے حسین

کردی بلند زانکہ تو آواے حریت لبیک گفتہ از پئے اعلائے حریت
انصار بے ریائے تو جویائے حریت اقران با صفائے تو شیدائے حریت
گرد آمدند یک دلہ پیر و جوان حسینؑ
جاں دادہ و فاشدہ خرد و کلاں حسینؑ

ضرغام ابن مالک قاسط بن ظہیر عبداللہ ابن عروہ و اسلم بن کثیر
یحییٰ و بو ثمامہ مصلیٔ بے نظیر جمل و بریر و سیف بن مالک نمیر
سرشار از شراب ولائے تو اے حسین
مشتاق جنگ زیر لوائے تو اے حسینؑ

مسروق با شعور و سوید اے ذی ہمم جابر بن نعیم ابن مطاع نکو شیم
عابس بن شبیب و سلیمان با حشم ابن انس جنادہ و ابن جنادہ ہم
ہر فرد شیر بیشۂ نادر دلے حسینؑ
ہر مرد صاحب دل پر درد اے حسینؑ

نافع بن ہلال و زہیر خجستہ کار مالک انیس و ابن معلائے با وقار
ہم مسلم بن عوسجہ ہم عروۂ غفار قتل حبیب ہر دو تو نازش کبار
جانم نثار بر ہمہ انصار اے حسینؑ
ہر شخص بود صادق الاقرار اے حسین

داد دو داد داد حبیب نکو شیم عباس کردہ ہمہ چوں ضیغم اجم

کردہ جہاد اکبرؑ جانباز وبا ہمم قاسم نمود ہمت مردانہ اتم
با دبدبہ چو قسورہ در ضربہائے حسینؑ
احقاق حق نمودہ بہ ہر ضربہائے حسینؑ

دو دلبراں زینبؑ علیا نکو شعار دو نور چشم حضرت مسلم نکو نثار
اخواں با حمیت عباسؑ نامدار عالی گہر حمیدہ خصائل سپیدہ کار
جاں ہا سپند ایں ہمہ اقراں تو حسین
دنیا نثار ایں ہمہ اخوانِ تو حسینؑ

بودند ایں خیار چو شیدائے دین حق مردند ایں ہمہ بہ نوا جیائے دین حق
روشن چو مہر و مہ شدہ سیمائے دین حق بار دگر بلند شد آوائے دین حق
باقیست کارنامہ تو در جہاں حسینؑ
ہم زندہ ہست تا بہ ابد نام شان حسینؑ

گیتیست پر ز جور و بود قوم بے خبر اغیار با سبالت و ما ہم بے ہنر
در گوش اہل نظم و نسق پند بے اثر ہر سعی رہنمائے اصلاح بے ثمر
اے سرفراز خاصۂ رب صمد حسینؑ
آمد فراز وقت کرم المدد حسینؑ

شد سرد آہ گرمی بازار حریت افسوس گشت در دل ما قلب ماہیت
اموختی بہ خلق تو اسرار معرفت حسن عمل شجاعت و ایثار و مرحمت
ایں درس کردہ ایم فراموش اے حسینؑ
پیدا بکن بہ قوم ہماں جوش اے حسینؑ

احمد بود بدرد گرفتار اے امامؑ بخشندۂ نفس بہ مسیحؑ تکار مقام
حکمت مآب معارج ہم دافع سقام بہر رسولؐ پاک عطا کن شفائے تام
بہر جناب عابدؑ بیمار اے حسینؑ
بنگر سوئے علیم دل افگار اے حسین

ایامِ عزا کا مقصد کیا ہونا چاہیئے؟

شیعوں کیلئے غور طلب بات!

از عالیجناب صادق مرزا صاحب بی اے گورکھپور

الواعظ کے پیش نظر شمارے (سید الشہدا نمبر) میں آپ بیش قیمت نظموں اور بلند پایہ مضامین کا ذخیرہ پائیں گے۔ حسینؑ کی قربانی نے دنیا کے اخلاقی، سماجی معاشرتی اور سیاسی پہلو پر کیا اثر ڈالا ہے اسکا جواب آپکو ان صفحات میں ملے گا۔ میں اسوقت چند ایسی باتیں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جو اس موضوع سے بظاہر ہٹی معلوم ہونگی لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر آپ چند لمحے ان پر غور کرینگے تو ان کی افادیت کو یقیناً محسوس کرینگے۔

عزاخانہ سجائے گئے، تعزیے رکھ دیے گئے۔ مجالس کا سلسلہ دن رات لگا ہوا ہے۔ حسینؑ کی صف ماتم بچھانے کے لئے ہم رات کو رات اور دن کو دن نہیں سمجھ رہے ہیں۔ برابر مجالس، علم تابوت، ذوالجناح میں شرکت کر رہے ہیں۔ ہم دنیا کو بتا رہے ہیں کہ مظلومیت میں کتنی طاقت ہے۔ اور باطل کی عظیم الشان عمارت کو ڈھا دینے کے لئے مظلوم کے چند آنسو اور انکے کمزور ہاتھوں کی چند ضربیں کافی ہو سکتی ہیں۔ کیا ہمارا یہ جذبۂ ایمانی قابل قدر نہیں؟ یقیناً ہے۔ مگر میں پھر بھی شیعوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہم نے درحقیقت حسینی قربانی کی غرض و غایت پر نظر کی یا نہیں؟ کیا محرم کی آمد کا مطلب یہی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ مجالس برپا کریں، حقے کے دو چار کش لگائیں، چند آنسو بہائیں اور زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر چلدیں؟ نوحوں کی نئی نئی طرزیں نکالیں، ماتمی دستوں کی انفرادیت کو قایم رکھنے کے لئے انکی کفنیوں اور وردیوں کو نئے نئے انداز سے سنواریں۔ اپنی مجلس پہلے اور دوسرے کی بعد میں کرنے کی کوشش کریں اور اگر ایسا نہ ہو تو آپس میں تفرقہ اندازی سے کام لیں۔ اپنی ذاتی عداوت کی بنا پر دوسروں کی مجالس اور جلوس میں شرکت نہ کریں۔ بلکہ ان کو ناکامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ کیا یہی ہے معرکۂ کربلا کا سبق۔

مجھے اس سے انکار نہیں کہ آپ اس کشتۂ ظلم و جور پر نہ روئیں۔ حسینؑ اور ان کے

اصحاب کے حالات سنکر روئے اور خوب روئیے کیونکہ ہر غم انگیز داستاں کو سنکر اثر لینا انسانی فطرت ہے یہ نہ سمجھیئے کہ حسین کی قربانی کا مقصد صرف آنسو بہانا ہی ہے۔ ہم بھول گئے ہیں کہ حسین ع نے کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں اپنے چند انصار کے ساتھ ہمیں اتفاق و اتحاد کا سبق دیا ہے۔ نوحہ وماتم کے اس وقتی ہنگامے میں یہ نہ بھول جایئے کہ حسین ع معلم اخلاق تھے۔ حسین ع نے عمل کا سبق دیا تھا لیکن برخلاف اسکے ہم میں ایک طرح کی مذہبی مجہولیت اور نام و نمود کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ہماری مجلسوں اور دیگر امور عزاداری، ہمارے ماتمی دستوں، ہمارے سوگ میں بجائے عقیدت کے نمائش کو دخل ہوتا جا رہا ہے۔ ہم اسیران کربلا کی یاد میں بیڑیاں بھی پہنتے ہیں۔

اور ہاتھوں میں زنجیریں بھی ڈالتے ہیں اور ظاہری طور سے ہم کربلا کے مظلوموں کی مظلومیت کو ہر طرح اپناتے ہیں لیکن کیا ہم باطنی طور سے بھی حسین ع کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہیں۔ محرم میں نوحہ اور مرثیے پڑھنے والے تو بہت ملیں گے لیکن قرآن اور نماز پڑھنے والے کتنے ہیں؟ حسین ع کے قاتلوں پر تو ہم سب لعنت کرتے ہیں لیکن ان کے عمل سے احتراز کتنے لوگ کرتے ہیں؟

یوں تو حسین ع کی زندگی فقط شیعوں کے لئے سبق آموز نہیں بلکہ وہ تمام مسلمانوں بلکہ تمام دنیا کے لئے اصلاح ہے کربلا کے ان چند نفوس نے جس عنوان سے اپنی قربانی پیش کی ہے وہ انداز خود ہی دنیا کی بڑی سے بڑی قربانی پر حاوی ہے۔ لیکن آج ہم اس عظیم المرتبت قربانی کے بنیادی اغراض و مقاصد ہی کو بھلا بیٹھے ہیں۔ مجالس میں ذاکری کی غرض بجائے اصلاح اور تبلیغی ہونے کے تجارتی ہو گئی ہے۔ ذاکرین کی بڑی تعداد ایسی ہے جو اپنی جیبوں کو بھرنے اپنے نام کو اچھالنے کیلئے کیا نہیں کرتے ہیں۔ ان کا مقصد مجلس صرف مال کا رہ ہے۔ جب وہ خود ہی مقصد سمجھ بیٹھے ہیں تو دنیا کے سامنے اس شہادت عظمیٰ کا حقیقی مقصد کیا پیش کر سکتے ہیں۔ اکثر مجالس میں مناظرتی رنگ ہوتا ہے جسکی وجہ سے اکثر مسلمان مجلسوں میں آنے سے پرہیز کرنے لگے ہیں۔ کیا اس طرح ہم اپنے مقصد اور حسینی پیغام کو محدود نہیں کر رہے ہیں۔

ہمارے سوگ منانے میں بھی اہتمام اور نمائش کا عنصر بڑھتا جا رہا ہے۔ کیا میں اپنی قوم کی مخدرات سے پوچھ سکتا ہوں کہ کیا سوگ منانے کے یہی طریقے ہیں جو آپ رائج کرتی چلی جاری ہیں کیا بغیر سیاہ ساڑیوں اور سیاہ شلواروں کے سوگ نہیں منایا جا سکتا؟ کیا یہ ضروری ہے کہ اگر کانوں سے آویزے اور ہاتھوں سے کنگن اتار دئیے جائیں تو ان کی جگہ ریشم کے سیاہ لچھیاں ہیں؟ کیا ضروری ہے کہ بال بکھرے ہوں تو ان میں ایک خاص انداز ہو؟ میں پوچھونگا اپنی قوم کے جوانوں سے کہ کیا ایام

عزا کا مقصد یہی ہے کہ طرح طرح کی انجمنیں بنائی جائیں نوحوں کی نئی نئی طرزیں نکالی جائیں، مجالس میں خوب دھڑلے کا ماتم ہو اور اسکے بعد پھر وہی امور دنیا میں مشغول ہوں؟ کیا میرے محترم بزرگوں کا یہی کام ہے کہ ایام عزا میں وہ مجالس کے جدید و قدیم اوقات کے جھگڑے اٹھائیں اور بنائیں۔ مجالس میں بیٹھ کر رولیں اور بس؟ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ ان باتوں سے اصل واقعہ کی اہمیت کم نہیں ہوتی ہے اور نہ ہو سکتی ہے اور میں ان تمام باتوں کی افادیت کو بھی ایک حد تک تسلیم کرتا ہوں تاہم دوسروں کو ان تکلفات اور نمائشی مظاہروں سے اعتراض اور غلط۔ پروپیگنڈے کے مواقع حاصل ہو جاتے ہیں۔

حسینؑ کا پیغام انسان کے اخلاق کا تعمیری پیغام تھا اس لئے آئیے ہم جو اپنے کو حسینی کہنے کا حق سمجھتے ہیں ان ایام عزا میں اپنے اخلاقی، مذہبی اور سیاسی پہلوؤں میں اصلاحی عنوان پیدا کریں۔ ہم اپنی مجالس اور دیگر امور عزاداری سے پر تکلف اور نمائشی رسوم کو الگ کر دیں۔ اپنی قومی اور انفرادی بقا کیلئے اتحاد و یگانگت نماز و قرآن، عزاداری امام مظلوم کے دامن کو مضبوط پکڑ لیں۔ حقانیت کے اس پیغام کو آج سے تیرہ سو برس پہلے کربلا کے تپتے ہوئے جنگل سے چند آوارہ وطن اور تشنہ لب مسافروں نے نشر کیا تھا۔ بجائے زبان سے پیش کرنے کے عملی صورت سے دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اور یہی ہے عزائے امام مظلوم اور ایام عزا کا سب سے بڑا مقصد۔

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن　　خون فشانی بھی ہے لازم اشک فشانی کے ساتھ

عالی جناب محمود حسن صاحب کاظمی **(شام کے دربار میں زینبؑ نے تقریر کی)** تحصیلدار ریاست محمود آباد

اک قیامت تھی اسیری عابد دلگیر کی　　عرش اعظم ہل گیا سنکر صدا زنجیر کی!
بل نہ پیشانی پہ آیا عترت شبیرؑ کی　　قید کی سختی سہی ایذا سہی تشہیر کی،
جان دیکر دین حق کی روشنی پھیلا گئے　　جل رہی ہے شمع ایماں قبر پر شبیرؑ کی،
کیوں مسلمانو تن اکبرؑ پہ ہو مشق ستم　　ہائے یہ وقعت رسول اللہ کی تصویر کی،
حرملہ نے آب پیکاں سے بجھائی پیاس جب　　چھد گئی ننھی سی گردن اصغر بے شیر کی
بے زباں تھا کس طرح فریاد کرتا شیر خوار　　بند کر لی آنکھ صورت دیکھ کر شبیرؑ کی
منقلب عالم ہوا ہلنے لگے ایوان ظلم　　شام کے دربار میں زینبؑ نے جب تقریر کی
کیا خبر محمود کب آ جائے پیغام اجل　　کاش ہو جاتی زیارت روضۂ شبیرؑ کی

کتاب الدعاء

مذہب اسلام نے آیات قرآن مجید اور دعاؤں کے ذریعہ سے ابناء ملت کو جو
غیر فانی فوائد پہونچائیں ہین اون میں وہ دعائیں ہین جو مہلک امراض اور مختلف
قسم کے درد دکھ کے لیے اکسیر ہین ہر مرض کے لیے خصوصی دعائیں بھی وارد ہین
اور عموماً تمام بیماریوں کے دور ہونیکے لیے بھی دعائیں ہین ذیل میں ہم
ایک دعا لکھتے ہین جو طبیب جسم و روح حضرت امام جعفر صادق ع سے منقول
ہی حضرت فرماتے ہین کہ انسان کے جسم میں کوئی تکلیف ہو تو اوس جگہ ہاتھ
پھیر کر تین دفعہ مریض یہ (مختصر) دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا
بِاللّٰہِ اَللّٰھُمَّ امْسَحْ عَنِّیْ مَا اَجِبُ۔

انجمن مؤید العلوم مدرستہ الواعظین لکھنؤ کی قابل قدر کتابیں

برادران ایمانی! سلام علیکم۔ اس زمانہ پر آشوب میں لامذہبیت کی تیز و تند ہوائیں قصر ایمانی کو متزلزل کیے ہوئے ہیں۔ اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی بنیادوں پر مثل سابق مضبوط و مستحکم کرنیکی ہر سعی امکانی سے دریغ نہ فرمائیں عند اللہ عند الناس ماجور ہوں اسوقت آپ کے لیے یہ امر ضروری ہو کہ آپ دنیا کے مختلف مذاہب کے پورے حالات بہ نظر غائر مطالعہ فرمائیں اور ساتھ ساتھ آپ اپنے مذہب کی استدلالی قوتوں کا بھی نظارہ فرما کر اپنی قوت ایمانی میں بھی اضافہ کریں اگر آپ کو مختلف علوم و فنون میں باکمال اہل قلم کا زور تحریر دیکھنا ہو اگر آپ کو اپنے مذہب سے دلی ہمدردی ہو اور اس کے خصوصیات سے مطلع ہونا چاہتے ہیں تو فہرست منسلکہ میں سے ایک ایک جلد ضرور طلب فرمائیں ادارہ آپ کے حکم کی شکریہ کیساتھ تعمیل کریگا۔

مہتمم انجمن مؤید العلوم مدرستہ الواعظین لکھنؤ

ملنے کا پتہ: کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
انگریزی تراجم و تصنیف		البنوۃ والخلافہ	۴ر	مناظرہ معاد و تناسخ	۱؍۶	کشف حقیقت	۴ر
ترجمہ قرآن مجید حصہ اول		انسانی قربانی	۲ر	الاعجاز	۱؍۶	در تصوف	
غیر مجلد عا؍ مجلد	عہ؍	اعجاز القرآن	۵؍	فلسفۃ المذہب	۱؍۶	اسلامی بچوں	
ترجمہ قرآن مجید حصہ دوم		حقوق نسواں اور		النبی	۱؍۶	کی پہلی کتاب	۱؍۶
مجلد	عا؍	اسلام	۶ر	خصوصیات اسلام	۱؍۹ر	قرآن السعدین	۴ر
صحیفۂ کاملہ حصہ اول		تحقیق البداء	۶ر	اسلام و جہاد	۳ر	شان صبر	۶ر
مجلد	عہ؍	راز شہادت	۴ر	قرآن اور بائبل	۲ر	قاتلان ائمہ کا مذہب	۴ر
صحیفہ کاملہ حصہ دوم مجلد	عا؍	القول الجمیل فی التوراۃ		رد الاباطیل	۱؍۶	اہلبیت المعمور	
المودۃ القربیٰ غیر مجلد	عہ؍	والانجیل	۸ر	رسالہ متعہ	۱؍۶	فی عمارۃ القبور	۳ر
دی پرافٹ اینڈ خلافت	۸ر	اسلام اور رواداری	۱؍۶	سرادق عفت	۴ر	قاتلان ائمہ کا مذہب	۴ر
اسلام از یونیورسٹی اینڈ	عہ؍	کربلا کا مجاہد	۱؍۶	شریعۃ الاسلام		حقیقت سادات	۶ر
یونٹی آف گاڈ	۲ر	سولو جرم	۱؍۶	حصہ اول	۲ر	فریاد مسلمانان عالم	۳ر
اسلام اینڈ دی لائٹ آف شیوعزم	۱۲ر	سردار قریش	۶ر	شریعۃ الاسلام		تجلیات تاریخ اردو	للعہ؍
این اینڈ بل کینگ	۲ر	تعلیم اسلام	۲ر	حصہ دوم	۸ر	ایضاح الاشکال عربی	۴ر
ٹریجڈی آف کربلا	۱؍۶	ید بیضا اور تحقیق		شریعۃ الاسلام	۳ر	ارشاد مفید رح	عہ؍
برسرس	۲ر	سیل موسلی	۶ر	ضمیمہ حصہ دوم		محیط الدائرہ	عہ؍
اسلامہ ز ن .. وس)	۲ر	قرآن اور اقتصادیات کی تعلیم	۸ر	کارنامہ محرم	۳ر	نصر المومنین فارسی	۱۲ر
نماز	۲ر	تنقید قدامت وید	۲ر	اسلامی صحیفہ	۴ر	پردہ پر نظم	۱۰ر

بادشاہ مرزا آثر لکھنوی پرنٹر و پبلشر نے الواعظ صفدر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر مدرستہ الواعظین لکھنؤ سے شائع کیا:—

رجسٹرڈ نمبر ا ے (۳۵۹۱)

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ

بیادگار حضرت نجم العلماء

ماہانہ مجلہ علمیہ

الواعظ



چندہ سالانہ للعہ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر سرپرستی والی ریاست عالیہ محمود آباد سرکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بالقابہ متولی منتظم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر نگرانی تاج العلماء مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مد ظلہ نبیرہ سرکار نجم العلماء مجتہد و صدر مدرسۃ الواعظین

مدیر
فقیر باب اہلبیت سید آغا مہدی

الواعظ صفدر پریس لکھنؤ میں چھپکر شائع ہوا
مینجر...... سید حسن المتخلص بہ اکمال لکھنوی

حال دل

ہمکو یہ دیکھکر بڑا ہی افسوس ہوا کہ بعض محترم خریداران الواعظ کو سال میں صرف وہ پرچہ پہونچتا ہے جو وی۔پی ہونے سے رجسٹرڈ روانہ کیا جاتا ہے اور باقی تمام رسائل مکتوب الیہ کے سوا دوسرے لوگ غائب کر لیتے ہیں، دفتر کو سال تمام ہونے پر اس ستم ظریفی کی اطلاع ملتی ہے۔ الواعظ کی روانگی میں کافی احتیاط سے کام لیا جاتا ہے اور ڈاک کی روانگی میں ہرگز کوئی ایک نام بھی نظر انداز نہیں ہوتا۔

اگر آپ نے اپنے مقامی ڈاکخانہ سے بازپرس نہ کی تو چھٹی رساں کی غفلت سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھاتے رہینگے اور دفتر کا نقصان اور آپ کی بددلی باقی رہیگی الواعظ کا روزانہ یا ہفتہ وار اخبارات پر قیاس صحیح نہیں ہے اگر کوئی روزنامہ ہفتہ میں ایکبار تلف ہو جائے یا کسی ہفتہ وار رسالہ کا ایک نمبر نہ پہونچے تو اخبار پر مضر اثر نہیں پڑتا، الواعظ مہینہ میں صرف ایکبار شائع ہوتا ہے اگر اس کا ایک نمبر نہ پہونچا تو سال کے $\frac{1}{12}$ ناظرین محروم ہے اگر آپ خط و کتابت جاری رکھتے اور کم از کم ہر ماہ میں ایک خط لکھدیا کریں تو ہمارے جوابات سے پرچہ کی روانگی کا ضمنی علم آپ کو ہو جایا کرے اور آپ کی ڈاک غلط فہمی کی نذر نہو۔ پورا سال گذرنے پر دفتر گذشتہ پرچے بھیجنے سے قاصر رہتا ہے ان مشکلات پر آپ غور فرمالیں۔

اگر آپ خاموش رہے اور خریدار ہوتے ہوئے کبھی آپکو ایک کارڈ لکھنے کا بھی وقت نہ ملا تو انصاف سے بتائیے کہ ہمکو آپ کی شکایت کا علم کیونکر ہو سکتا ہے امید ہے کہ ادارہ کو یہ شعر پڑھنے کی نوبت نہ آئیگی۔

غالب تمہیں کہو کہ ملا ہے جواب کیا ۔۔۔ مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

ایڈیٹر

الواعظ کے صفحات میں ایک علمی اور تاریخی اضافہ

سال نو کی خوشی میں دفتر نے یہ طے کیا ہے کہ انشاء اللہ آیندہ نمبر سے الواعظ میں سلف صالحین کے حالات زندگی نذر قرطاس ہونگے، لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی مرحوم سابق مدیر نے علماء اعلام کثر اللہ امثالہم کے حالات پر سب سے پہلے قلم اٹھایا تھا اس نقش کا احیاء قارئین کرام کے لئے افادیت سے خالی نہوگا۔

پریس فضل ایزدی سے اپنے فرائض وقت پر انجام دینے لگا، خبر نہ تھی کہ یہ نمبر الواعظ کے قدیم کاتب کی غفلت کا شکار ہو جائیگا موصوف نے پہلی کاپی ایک مہینہ میں لکھکر دی۔ اس کی آیندہ انشاء اللہ اس بدنظمی کا بھی انسداد کر دیا جائیگا جناب مطمئن رہیں۔

منیجر

الواعظ

چندہ سالانہ للعہ

جلد ۲۷ | بابتہ ماہ فروری سنہ ۱۹۴۶ء مطابق ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۵ھ | نمبر ۲

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	نویں ربیع الاول کی خالص اسلامی عید	اڈیٹر	۲
۲	تبصرہ	؍؍	۴
۳	حیدرآباد کا محرم	حضرت خواجہ حسن نظامی	۵
۴	مقدمۃ القرآن	جناب سید علی صفدر صاحب ایم۔اے	۱۳
۵	معراج	جناب سید افتخار حسین صاحب جج غازیپور	۱۷
۶	ازدواجی زندگی اور مہر	جناب سید جلال الدین حیدر صاحب ایم اے	۲۵
۷	شیعہ بنک بڑھانہ	ڈاکٹر ناظر حسین صاحب	۳۰
۸	جبلپور کا عشرہ	سکریٹری انجمن جعفریہ	۳۱
۹	امامباڑہ سہسرام	شفاء الملک حکیم کریم الدین صاحب	۳۲
۱۰	لکھنؤ کا چہلم	اڈیٹر	۳۳
۱۱	ستاروں سے آگے	ماخوذ	۳۵
۱۲	پیغمبر اسلام کی افضلیت	اڈیٹر کراروی	۳۷
۱۳	مملکت نبوت کا تاجدار	جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب مبلغ الواعظ	۴۱
۱۴	ریویو	جناب مولانا سید جابر حسین صاحب سندالافاضل	۴۴
۱۵	حجاز اور ابن سعود	ماخوذ	۴۸

الواعظ

جلد ۲۷	بابتہ ماہ فروری ۱۹۴۶ء مطابق ماہ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ	نمبر ۲

نویں ربیع الاول کی خالص اسلامی عید

اقوام عالم میں سال نو کی تقریب بڑی دہوم سے منائی جاتی ہے اور ہر مذہب و ملت کے لوگ سال کے پہلے مہینہ میں پہلی تاریخ سامان جشن مہیا کرتے ہیں مسلمانوں میں سال کا نیا دن محرم کی پہلی قرار پایا ہے جو ۶۱ھ میں یزیدی مسلمانوں کے ناعاقبت اندیش دست تعدّی سے کچھ اسطرح ظلم وستم کی آماجگاہ رہا کہ صبح قیامت تک کے لئے اہل اسلام کی خوشی رخصت ہوگئی اور مصیبتوں میں اہلبیت نبوی کا ساتھ دینے والے ان کی تکلیفوں کو سوچ سوچ کر دو مہینہ آٹھ دن پیہم اظہار رنج وملال کرتے رہے اور اس عرصہ میں سوائے انکے دینی کارناموں کی یاد تازہ رکھنے کے کوئی خوشی نہیں کی شہادت حسین کی اہمیت نے ہماری حقوق مسرت کو کسی دوسری وقت پر اٹھا رکھا۔

امام حسینؑ اور انکے ساتھیوں کی شہادت اہلبیت کی اسیری ۶۸ دن تک خون کے آنسو بہانے کے بعد ۹ ربیع الاول نے جو فصل عزا گذرنے کے بعد سال کا پہلا دن ہے نئے دن کی مسرتوں کو یاد دلایا اور ۹ ربیع الاول اہل ایمان کا نوروز کہے جانیکی مستحق ہوئی۔

تاریخ اسلام کا آغاز ہجرت نبوی صلعم سے ہوا لیکن سال کی ابتدا واقعہ ہجرت سے دو مہینہ پہلے محرم سے کی گئی اس موقع پر جو مسرت کا حق تھا شہادت حسینؑ نے اوسکو ملتوی کیا اور لطف سال نو کا باقی نہیں رکھا اس مسرت رفتہ کیلئے محرم کی گذرنے کے بعد جشن عید ہونا چاہئے۔

ولادت پیغمبر اسلام کی تاریخ بھی یہی ہشتم ربیع الاول ہے حضرت خواجہ حسن نظامی اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کی پیدائش ۹ ربیع الاول کو ہوئی مگر رواج ۱۲ ربیع الاول ہوگیا ہے (اخبار منادی صفحہ ۱۰ ۲۵ فروری ۱۹۴۵ء) یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ ربیع الاول ہی کی ابتدائی تاریخوں میں سرور کائنات کا سفر یثرب واقع ہوا ہے جو اسلامی تاریخ کی ناقابل فراموش ہتم بالشان یادگار ہے اسلئے بجائے مہینوں کے صرف چند دنوں کی تاریخی کسر نکالکر ہجرت کی تاریخ شروع ہوتی ہے جو اس مہینہ کے آغاز کا ناقابل

انکار شرف ہے، لہذا یہ ہفتہ وہ مسرت افزا زمانہ ہے جسمیں اہل مدینہ رسول عربی کی میزبانی میں مصروف اور مسجد نبوی کی تاسیس ہو رہی تھی۔

دشمن سے انتقام کا جذبہ تقریبًا ہر دل میں ہوتا ہے اور یہ ایک شرعی حق ہے جو مظلوم کو منتقم حقیقی کی طرف سے دیا گیا ہے معصوم صفت فرشتہ خصلت ہستیاں بھی ظالم کا عروج دیکھ نہیں سکتی اور دل میں انکے استیصال کی آرزو رہتی ہے شہادت عظمیٰ کے بعد اہلبیت اطہار سوگ نشین رہے جب تک دشمنوں کے سر کٹ کے نہیں آئے امام جعفر صادق ع فرماتے ہیں۔

وما اختضبت منا امراة ولا ادهنت ولا اكتحلت حتى اتانا راس عبيد الله بن زياد (لعنه الله)

ہم میں کسی عورت نے خضاب نہیں لگایا اور نہ سر میں تیل ڈالا اور نہ آنکھوں میں سرمہ دیا جب تک ابن زیاد کا سر کٹ کے نہیں آیا سپہ سالار لشکر کوفہ عمر بن سعد بھی قاتلان حسین میں بہت کچھ نمود پیدا کر چکا تھا اسکی ہلاکت کا مژدہ اہلبیت کیلئے فرحت بخش ہونا چاہیئے حضرت سید الشہداء نے اس شقی کے لئے بددعا کی تھی اور فرمایا تھا۔

يا ابن سعد قطع الله رحمك كما قطعت رحمي وسلط الله عليك من يذبحك بعدي على فراشك

اے پسر سعد خدا تیری نسل کو قطع کرے جس طرح تونے (علی اکبر کو قتل کر کے) میری نسل کو قطع کیا اور میرے بعد تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو تجھے تیرے بستر پر ذبح کر ڈالے (ناسخ التواریخ)

نویں ہی کو مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی کی ان تھک کوششوں سے یہ وقت آیا علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

بعضے می گویند کہ عمر بن سعد علیہ اللعنۃ دریں روز بجہنم واصل شدہ اگر چنیں باشد این شرف نیز برائے آن کافیست (زاد المعاد چاپ شاہی ص ۵۸۵)

اس موقع پر بجائے اسکے کہ عام مسلمانوں میں عید منائی جاتی نجانے کیوں عید کا تعلق صرف فرقہ شیعہ سے رہ گیا ہے ورنہ پیغمبر اسلام کا کون کلمہ گو ایسا ہوگا جو اونکے نواسہ کی قاتل کی ہلاکت سے خوش و مسرور نہو۔

نہم ربیع الاول اسلئے عید ہے کہ اسدن امام عصر عجل اللہ ظہورہٗ کا دور امامت شروع ہوتا ہے یہ ہمارا طبعزاد خیال نہیں ہے فخر الاسلام والمسلمین علامہ سید علی بن طاؤس علیہ الرحمہ اس مطلب کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ اذا كانت وفاة مولانا الحسن العسكري لثمان خلون من ربيع الاول فيكون ابتداء ولاية المهدي على الامة يوم تاسع فلعل تعظيم هذا اليوم لهذا۔

جبکہ وفات امام حسن عسکری آٹھویں ربیع الاول کو واقع ہوئی تو امام زماں کی ابتداء ولایت نو ربیع الاول کو ہوتی ہے اس روز کی تعظیم کا سبب یہی ہو (کتاب اقبال)

یہ آخری خصوصیت تمام مومنین کو سامان فرح و سرور کی دعوت دیتی ہے اور یومنون بالغیب پر عمل کرنے

ہونے والوں کی تقوی پر دلیل قائم ہوتی ہے وہ لوگ جو سرور کائنات کی جانشینی کو بارہ میں محدود سمجھتے ہیں بارہویں ہادی ملت کے میدان تبلیغ میں آنے پر خوشیاں مناتے ہیں اور قائم آل محمد کے دور کی ابتدا کے ساتھ مسرتوں کا باب شروع کرتے ہیں رسول و آل رسول سے محبت کرنے والوں کو اس سے اختلاف نہ ہونا چاہیئے۔

العزیز یہ ہفتہ وار اخبار بہاول پور اسٹیٹ سے پانچ سال سے جاری ہے اور زیر نظر نمبر میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو ایک اخبار میں ہونا چاہیئے صفحہ (۱) زیر لوح ایک دلچسپ نظم ہے اسکے بعد افکار و واقعات کے عنوان سے چند اقتباسات ہیں صفحہ ۲ پر پہلے کالم پر شذرات اور پھر مقالہ افتتاحیہ تیسرے کالم میں ظرافت انگیز تبصرے "نمک پارے" کے تحت میں پھر تاثرات اور معلومات وغیرہ کے کالم ہیں پانچ روپیہ سالانہ ادا کرنے پر جاری ہو سکتا ہے۔

سلطان شبیر نمبر یہ جریدہ فتحگڑھ سے ۱۹۳۷ء میں جاری ہو کر اب تک ملک کی خدمت کر رہا ہے زیر نظر نمبر مرزا اشرف علی صاحب جوہر حمانی کے زیر ادارت ہے اڈیٹوریل مقالہ (جو ٹائیٹل کے صفحہ ۲ پر ہے) کی ہر لفظ اخلاص میں ڈوبی ہوئی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار سید الشہداء روحی فداہ کا ایک دیرینہ عقیدت کیش خامہ فرسائی کو فخر سمجھتا ہے، یاقوت گنجوی کا مضمون حیات جاودانی کے عنوان پر از بیگم شاہ نواز

آفتاب ہند شہید اعظم نمبر یہ ہفتہ وار اخبار علیگڑھ سے زیر ادارت حکیم آفتاب احمد خاں صاحب تین روپیہ سالانہ ۱۳ سال سے جاری ہے محترم ایڈیٹر اور پروپرائٹر کو شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم سے دلی عقیدت ہے اور وہ دامے درمے قدمے سخنے خدمت حسینی کو اپنا فخر سمجھتے ہیں ہر سال عشرۂ محرم میں روزانہ امام انام کے نام کا لنگر غریب اور محتاج مسلمانوں کو تقسیم کرتے ہیں شہید اعظم اسی سلسلہ عقیدت کی ایک کڑی ہے جبکو ہم اول سے آخر تک تو لفظ بلفظ پڑھ نہیں سکے اور بعض مقامات سے تاریخی حیثیت سے ہمکو اختلاف ہے لیکن ہمکو یہ کہنے میں عذر نہیں ہے کہ مقالہ افتتاحیہ، حسینیت پر ایک نہایت فاضلانہ اور دلچسپ مضمون ہے واقعۂ کربلا کو چھوٹی چھوٹی مجلسوں میں بیان کیا ہے اور انداز تحریر تمام اخبارات سے جداگانہ ہے، ہمکو یہ دیکھکر دلی مسرت ہوئی کہ اس نمبر میں جابجا شہدائے کربلا کی سہ روزہ پیاس پر تبصرہ، شہادت امام حسن حاکم شام کی ریشہ دوانی کا نتیجہ، خلیفہ ثالث کے قتل میں جناب علی مرتضیٰ کی بیگناہی قابل قدر ہیں منظومات بھی اچھے ہیں۔

"یزید اب بھی ہیں لاکھوں کوئی حسین نہیں" نظم بہت بہتر ہے اخبار میں اس کا بھی اظہار ہے کہ ادارہ کیطرف سے سیرت حسین پر دو مبسوط کتابیں شائع ہونیوالی ہیں جو ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہونگی امید ہے کہ اس اہم خدمت دین کیلئے کافی حزم و احتیاط سے کام لیا جائے اور افراط و تفریط سے بچنے کیلئے کسی زبردست مفکر کی نگرانی ضروری ہے جو حسینیت کو اصلی خد و خال میں پیش کرے۔

خواجہ حسن نظامی کا خلاصہ بیان

حیدرآباد دکن ۱۳۶۵ھ کا محرم اس سال کا محرم حیدرآباد میں گذرا۔ جنوبی ہندوستان میں محرم کی تقریب یکساں منائی جاتی ہے۔

نئے سال کی توضیح آج یکم محرم کو باغ عام کی مسجد میں اعلیٰحضرت حضور نظام نے نئے سال کی نسبت ایک توضیحی ارشاد فرمایا کہ کربلا کا غمناک واقعہ چونکہ محرم کے شروع میں پیش آیا تھا اس واسطے مسلمان قوم نئے سال کی خوشی قمری حساب سے نہیں کرتے بلکہ محرم کے بعد شمسی حساب سے جو نئے سال کی خوشی منائی جاتی ہے اُس میں شریک ہو جاتی ہے کیونکہ شمسی اور قمری دونوں حساب خدا کے ہیں۔ اور مسلمانوں کے لئے یہی موزوں طریقہ ہے کہ وہ نئے سال کی خوشی شمسی حساب سے منائیں تاکہ کربلا کے واقعات غم کا احترام بھی قائم رہے۔

۳ر محرم:- شاہی مجلس اعلیٰحضرت حضور نظام نے اپنی والدۂ ماجدہ مرحومہ (مادر دکن) کی یادگار میں عزاخانہ زہرا کے نام سے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی ہے اور تین سال سے وہاں مجلسیں ہوتی ہیں۔ شام کو چار بجے شاہی موٹر مجھے لینے آئی تھی اور میں حسین کے ساتھ وہاں گیا تھا شیعہ سنی امراء و عہدے دار پہلے موجود تھے، عام شیعہ سنی مسلمان بھی بکثرت شریک تھے، ساڑھے چار بجے اعلیٰحضرت تشریف لائے عزاخانے کی محراب میں سونے کے پانچ علم رکھے ہیں۔ مجلس شروع ہوئی - مولانا سید نثار حسین صاحب نے وعظ کہا۔ وہ مجتہدوں کے سیاہ لباس تھے اور عراقی طرز کا سیاہ عمامہ بندھا ہوا تھا، وہ بڑے وجیہہ عالم ہیں۔ قرآن شریف اور احادیث اور تاریخی کتابوں کے حوالوں سے اُن کا بیان آراستہ تھا۔ انھوں نے اپنے بیان میں میری ایک تحریر اور اخبار منادی کا حوالہ بھی دیا۔ سوا گھنٹہ بیان ہوا پونے چھ بجے مجلس برخواست ہوگئی نواب غازی یار جنگ بہادر نے مجھ سے کہا۔ اعلیٰحضرت کو خدا سلامت رکھے کہ اُن کے دم سے مذہبی مراسم کے چرچے ہیں۔

۶ر محرم:- مجلس ۴ بجے شاہی موٹر آئی تھی اور میں عزاخانہ زہرا میں گیا۔ اور شاہی مجلس میں شریک ہوا تھا۔ آج مجمع زیادہ تھا۔

غم کا نعرہ حیدرآباد کے مشہور مشائخ سید زرد علی شاہ صاحب کے فرزند حضرت سید صمدانی شاہ صاحب روزانہ مجلس میں شریک ہوتے ہیں آج جب مولانا سید نثار حسین صاحب نے حضرت علی اصغر کی شہادت کا بیان کیا تو صمدانی شاہ صاحب نے ایک بتیابانہ پُرسوز غم کا نعرہ لگایا اعلیٰحضرت نے اور تمام حاضرین نے پیچھے مڑ کر شاہ صاحب کو دیکھا۔ ذاکر صاحب کی پشت پر بھی نوحے و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ذاکر کے بیان میں ان آوازوں کی وجہ سے دل گدازی کا اثر بڑھ گیا

اور صمدانی صاحب کے۔ وہ تورے اور بلند ہوئے جب اعلیحضرت نے ان کی حالت دگرگوں دیکھی تو مجلس روک دی آج مجلس ۱۵ منٹ پہلے ختم ہوگئی۔

۷ محرم ۱۳۶۵ھ الم کے علم آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے تمام ہندوستان میں الم اٹھائے جائیں گے حیدرآباد میں بھی بہت سے امام باڑوں میں تاریخی علم موجود ہیں۔

حضرت قاسم کی نیاز آج چمن آرا بیگم صاحبہ نے حضرت قاسمؑ کی نیاز کی قبولی بھیجی تھی شامی کباب اور بیگن کا سالن بھی تھا۔ اور مٹی کی چاٹھلیاں دودھ کے شربت کے بھیجی تھیں، ان ٹھلیوں پر نہایت خوبصورت گل کاری کی گئی تھی۔ دہلی میں ایسی ٹھلیوں کو "جگمگ" کہتے ہیں۔ میں نے تبرک تقسیم کرلیا اور قبولی کھائی۔ اور خواجہ بانو سے کہا یہ ٹھلیاں دلی تک جائیں گی اور میرے گھر میں حیدرآبادی کلچر کی یادگار کے طور پر رہیں گی۔ میں نے چمن آرا کو شکریہ کا خط لکھا تو یہ الفاظ لکھے "محرم کی قبولی آئی۔ میں نے قبولی اور کھائی"۔ مولوی محمد فیاض الدین نظامی نے حیدرآبادی کلچر کا ایک دلچسپ قصہ سنایا کہ حیدرآباد کے گذشتہ زمانہ میں یہ رواج تھا کہ جب کسی لڑکے کی کسی لڑکی سے منگنی ہوتی تھی تو لڑکے والے بکری کا دل تل کر لڑکی والوں کے ہاں بھیجتے تھے اگر لڑکی والے اس رشتہ کو منظور کرنا چاہتے تھے تو لڑکے والوں کے ہاں قبولی پکا کر بھیج دیتے تھے۔

۸ محرم ۱۳۶۵ھ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۵ء جمعہ حیدرآباد حضرت عباسؑ کی حاضری آج محرم کی آٹھویں ہے۔ شیعہ جماعت میں آج کے دن حضرت عباسؓ کی یادگاری مجلسیں ہوتی ہیں۔

میری صحت خدا کے فضل سے کل رات کو نیند بہت اچھی آئی۔ اور بخار بھی نہیں ہوا۔ حالانکہ میں نے حضرت قاسمؑ کی نیاز کی قبولی کھائی تھی۔ اور تیز مرچوں کا دہی اسپر ڈالا تھا۔ سردی بہت بڑھ گئی ہے۔ آجکل یہاں بھی ویسی ہی سردی ہے جیسی دہلی سے چلتے وقت دہلی میں تھی۔

مولانا عبدالقدیر صاحب بدایونی نے کہا ان کی اہلیہ حضرت مولانا سید دلدار علی صاحب مذاق چشتی نظامی بدایونی کی نواسی ہوتی ہیں اور ایام محرم میں ان کے گھر میں بگھاری ہوئی غذا استعمال نہیں ہوتی ابلی غذا کھائی جاتی ہے۔

جمعہ کا خطبہ مولانا عبدالرحمن صاحب خطیب ہر جمعہ میں نیا خطبہ پڑھتے ہیں۔ آج انھوں نے خطبہ میں قرآن کی وہ آیات پڑھیں جن میں اہلبیتؑ کا ذکر تھا۔ اور وہ احادیث بھی پڑھیں جن میں حب اہلبیتؑ کا ذکر تھا نماز کے بعد قاری فخرالدین صاحب نے حسب معمول قرآن شریف کی تلاوت کی۔ اور انھوں نے بھی محرم کے حسب حال آیات تلاوت کیں۔ اعلیحضرت نے فرمایا تم نے مختلف مقامات کی آیات پڑھیں۔

آج مولانا سید نثار حسین صاحب نے حضرت عباسؑ کی شہادت کا بیان کیا تھا، بہت مؤثر بیان تھا۔ شاہ صمدانی صاحب نے آج بھی تین جگر سوز نعرے لگائے تھے۔

۹ محرم:۔ ہجوم کی کثرت آج عزاخانہ زہرا میں بہت زیادہ لوگ تھے۔ عزاخانے کے دروازے میں اعلیحضرت کی آمد سے پہلے امرا وزرا اور بڑے عہدے دار جمع ہو جاتے ہیں۔ اور میں بھی انھیں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں۔ آج ہز ایکسلنسی نواب سر سید الملک صدر اعظم بھی آئے تھے۔ اور نواب سالار جنگ بہادر بھی آئے تھے۔ میں نے صدر اعظم صاحب سے کہا "دنیا میں صدیوں سے بڑے بڑے بادشاہ اور وزرا آتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں مگر ان کی خوبیاں اور برائیاں یاد رہ جاتی ہیں مجھے آپ کی یہ خوبیاں ہمیشہ یاد رہتی ہیں کہ جب آپ یوپی کے گورنر تھے تو اسٹاف سمیت جمعہ کی نماز کیلئے جامع مسجد گئے تھے۔ اور یہاں بھی آپ کو ہر جمعہ کی نماز میں دیکھتا ہوں" نواب صاحب نے جواب دیا:۔ "بیشک دنیا ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ انسان کو اپنے معبود کے آگے جھکا رہنا چاہئے۔

پھر حضرت امام حسینؑ کے صبر و استقلال کا ذکر آ گیا۔ نواب ہوشیار جنگ ہوش بلگرامی نے کہا "حسینؑ سے زیادہ کسی انسان کی قوت صبر آج تک معلوم نہیں ہوئی" میں نے کہا:۔ "بیشک دنیا کی کسی قوم میں حضرت امام حسینؑ کے صبر و استقلال کی مثال موجود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ جن کو ہم مسلمان برگزیدہ پیغمبر مانتے ہیں اور اور قرآن نے ان کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا خطاب دیا ہے۔ ان کی نسبت بھی انجیل میں یہ لکھا ہے کہ جب وہ صلیب کے سامنے لائے گئے تو بشریت کے تقاضے سے انکی زبان پر "ایلی ایلی لما سبقتانی۔ "اے خدا اے خدا تو مجھے کیوں بھول گیا" کے الفاظ آ گئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "اے خدا مجھے موت کے اس پیالے سے بچا لے" مگر حضرت امام حسینؑ کی زبان سے یا کسی جسمانی حرکت اور طرز عمل سے کسی قسم کی بے صبری اور گھبراہٹ ظاہر نہیں ہوتی۔ نواب صاحب چھتاری نے بھی میرے بیان کی تصدیق کی۔ انجیل کا انگریزی فقرہ میری تائید میں پڑھا۔

آج مولانا سید نثار حسین صاحب کا بیان بہت ہی زیادہ غم و الم کا بیان تھا۔ حاضرین مجلس پر بیحد اثر ہوا اور صمدانی شاہ صاحب نے نعرے بھی لگائے۔

نعل صاحب قطب شاہی سلطنت کے زمانے میں حضرت امام حسینؑ کے گھوڑے کا ایک نعل حیدر آباد میں آیا تھا اور اس زمانے سے آج تک اس نعل کا جلوس نکالا جاتا ہے۔ یہ نعل ایک جھنڈے پر لگا ہوا ہے۔ اور اس پر لوگ صندل چڑھاتے ہیں۔ پھولوں کے سہرے باندھتے ہیں۔ اور کپڑے باندھتے ہیں جن کو ڈھاٹی کہا جاتا ہے

عبادت چونکہ آج کی رات میرے دادا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے رفیقوں اور بال بچوں کے ساتھ عبادت کی تھی اسواسطے آج میں نے بھی کچھ شب بیداری کی اور جتنی ہو سکی عبادت بھی کی۔

۱۰ محرم — شاہی موٹر ساڑھے آٹھ بجے خلاف امید شاہی موٹر آئی۔ خلاف امید اس لئے کہ کل میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا تھا کہ عشرے کے دن میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ مگر موٹر آئی تو ڈرائیور نے کہا ظل سبحانی کا حکم

ہوا ہے کہ خواجہ صاحب کو لے کر نواب سالار جنگ کے مکان پر آؤ۔ اور پھر نواب فیروز یار جنگ کے مکان پر لاؤ جہاں مولانا سید محمد پادشاہ حسینی وعظ کہتے ہیں۔ میں نواب سالار جنگ کے مکان پر گیا۔ جلوخانے میں فوجوں کی صف بندی دیکھی۔ موٹر آگے بڑھی تو اعلیٰحضرت اور نواب سالار جنگ بہادر اور شہزادگان اور نواب صاحب چھتاری اور نواب ہوش یار جنگ بہادر اور نواب شہید یار جنگ بہادر اور نواب زین یار جنگ بہادر اور نواب دین یار جنگ بہادر اور نواب رحمت نواز جنگ بہادر وغیرہ میدان میں کھڑے تھے۔ میں نے موٹر سے اتر کر ظلِ سبحانی کو سلام کیا ذات شاہانہ نے قریب آکر دریافت فرمایا "کیوں خواجہ صاحب ہندوستان کے محرم میں اور یہاں کے محرم میں کیا فرق ہے؟ میں نے کہا ہندوستان کے ہر شہر اور قصبے کے محرم میں نے دیکھے ہیں۔ مگر جو مؤثر مراسم حیدرآباد میں دیکھیں وہ کہیں نہیں دیکھیں" ارشاد ہوا کہ ابھی نواب صاحب چھتاری نے بھی یہی مجھ سے کہا ہے۔

ابن زہرا وا ویلا

ہزاروں سیاہ پوش سر برہنہ پا برہنہ بڈھوں جوانوں اور بچوں کا ایک جلوس اندر آ رہا تھا جن کے ہاتھ میں حضرت عباسؑ کا علم تھا اور وہ ابن زہرا وا ویلا کے نعرے لگا رہا تھا۔ اور فارسی میں اعلیٰحضرت کا مرثیہ پڑھتا جاتا تھا اور ماتم کرتا جاتا تھا۔ نواب سالار جنگ بہادر اور شیعہ امرا سیاہ لباس اور سیاہ دستاروں میں تھے جب جلوس نے تمام جلوخانے کا گشت لگا لیا تو علم لے کر وہ امام باڑے کے اندر گیا میں بھی اعلیٰحضرت اور امرا کے ساتھ امام باڑے میں گیا۔ وہاں بکثرت سیاہ پوش بوڑھے جوان اور بچے سر و پا برہنہ سینے کھولے ہوئے جمع تھے۔ ان میں اکثر ایرانی نسل کے معلوم ہوتے تھے یہ نہایت گورے اور خوبصورت اور وجیہہ اندر بھی اعلیٰحضرت کا سلام پڑھا گیا۔ جو نظام گزٹ میں شائع ہوا ہے۔ اور ان سب نے مل کر ماتم کیا۔ آخر میں اعلیٰحضرت کے لئے دعا مانگی گئی اور آمین کے نعرے بلند ہوئے۔

نواب فیروز یار جنگ بہادر کی مجلس

یہاں سے اعلیٰحضرت نواب فیروز یار جنگ کی مجلس میں تشریف لے گئے۔ اور میں بھی وہاں گیا۔ نواب فیروز یار جنگ سنی تھے۔ اور انکی مجلس میں حضرت مولانا سید محمد پادشاہ حسینی صاحب وعظ کہتے ہیں۔ یہاں سنی علما و مشائخ و امرا و عوام ہزاروں کی تعداد میں جمع تھے پہلے ایک صاحب نے اعلیٰحضرت کا فارسی سلام پرسوز لحن کے ساتھ سنایا۔ اسکے بعد مولانا صاحب کا وعظ ہوا انھوں نے آیات و احادیث کے حوالوں سے اہلبیت کی مدح بیان کی۔ اور بیان شہادت کو ایسے مؤثر انداز سے ادا کیا کہ تمام مجلس زار و قطار روتی رہی۔

حضرت بیوی کا علم

کچھ دیر بعد حضرت بیوی کا علم ہاتھی پر اندر آیا۔ اعلیٰحضرت میرے قریب تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ خواجہ صاحب نے کبھی پہلے بھی حویلی قدیم کا یہ جلوس دیکھا ہے۔ میں نے جواب دیا جی نہیں میرے لئے یہ پہلا موقع ہے۔

علم آجانے کے بعد سیاہ پوش سر و پا برہنہ ماتم گزاروں کا ایک بڑا جلوس اندر آیا جو صف بندی کر کے کھڑا ہو گیا ان میں بوڑھے جوان اور بچے ہزاروں کی تعداد میں تھے کچھ دیر مولانا سید نثار حسین صاحب کے آنے کا انتظار رہا۔ اور جب وہ آگئے تو انھوں نے کھڑے ہو کر مختصر تقریر کی جس میں میدان کربلا اور شہداء کا ذکر تھا۔ اس کے بعد ماتم شروع ہوا۔ ماتم کرنے والوں کے دو گروہ تھے۔ اور ہر گروہ کا ایک منتظم تھا۔ پہلے ایک گروہ نے ماتم کیا۔ اور منتظم نے اعلیٰحضرت کیلئے دعا مانگی پھر دوسرے گروہ نے ماتم کیا اور اعلیٰحضرت کے لئے دعا مانگی۔

پریشانی اعلیٰحضرت میدان کے وسط میں کھڑے تھے۔ میری بائیں طرف ولی عہد بہادر وغیرہ اکابر کھڑے تھے۔ یکایک میں نے اپنی بائیں طرف دیکھا کہ لوگوں میں کچھ پریشانی اور گھبراہٹ پیدا ہوئی ہے۔ اور لوگ پشت کی طرف کی صحنچی کے اندر گھبرا گھبرا کر دیکھ رہے ہیں۔ میں بھی اس طرف آہستہ آہستہ گیا۔ دیکھا کہ نواب چھتاری کو غش آگیا ہے، اُن کا چہرہ زرد ہے۔ اور پسینہ آرہا۔ اعلیٰحضرت بھی تشریف لائے اور حکم دیا کہ نواب صاحب کو جلدی قیامگاہ پر لیجاؤ۔

قرآن ناطق آج حیدر آباد کے مشہور و مقبول روزانہ اخبار رہبر میں مولانا ابو الکلام آزاد صدر کانگریس کا ایک مضمون پڑھا جو تین صفحے کا تھا اور جس میں مولانا نے یہ ثابت کیا تھا کہ حضرت علیؑ کو قرآن ناطق کہنا جائز ہے اور انھوں نے جو دعویٰ کیا تھا کہ میں قرآن ناطق ہوں یہ بالکل ٹھیک دعویٰ تھا، مجھے بڑی حیرت کہ مولانا نے موجودہ زمانے میں ایسا مضمون کیونکر بیان کر دیا، مگر نعیم صاحب اور فیاض الدین صاحب نے بتایا کہ یہ مضمون اکتالیس برس پہلے کا ہے جو کلکتے کی مجلس میں ۵ محرم ۱۳۲۴ھ کو پڑھا گیا تھا اور رسالہ "البلاغ" میں شایع ہوا تھا۔

۳ محرم ۱۳۶۵ھ ۸ دسمبر ۱۹۴۵ء منگل حیدرآباد

تیجہ:۔ آج واقعہ کربلا کا تیسرا دن ہے۔ اس لئے اسکو سویم او تیجہ کہتے ہیں۔ آج کے دن تمام شیعہ سنی مسلمانوں میں اپنے عقائد کے بموجب رسمیں ادا ہوتی ہیں سنیوں میں عام طور سے حلیم پر اور حلوے پر نیازیں دلوائی جاتی ہیں میرے رہاں درگاہ میں بارہ دیگیں حلیم کی پکا کرتی تھیں مگر اب حلوے پر نیاز ہوتی ہے۔

شاہی موٹر سوا چار بجے شاہی موٹر لینے آگئی۔ میرا خیال تھا عزا خانہ زہرا کی مجلسیں ختم ہوگئی ہیں۔ اور اب مجھے کہیں جانا نہیں ہے مگر معلوم ہوا کہ اعلیٰحضرت نے چو محلہ مبارک میں بلایا ہے اعلیٰحضرت کی موجودہ سکونت کنگ کوٹھی میں ہے۔ ان کے والد اور تمام اجداد چو محلے میں رہتے تھے۔ مگر بعد میں اسکے والد حویلی قدیم میں رہنے لگے تھے جہاں میں پہلی دفعہ عشرہ محرم کی شام کو بوبی کا علم دیکھنے گیا تھا۔ اور چو محلہ مبارک میں بھی آج پہلی دفعہ آیا تھا۔ یہ شہر کے اندر بہت وسیع اور پرفضا مقام ہے۔ ڈرائیور کہتا تھا بہت دیر ہوگئی ہے جلدی چلنا چاہیے۔ اس لئے وہ ایک ایسے غیر معروف راستے سے لے گیا جس کی سڑک، اچھی نہیں تھی۔ تاکہ

جلدی ہو پہنچ جائے۔ مگر اس بہانے میں نے شہر کے دو حصے بھی دیکھ لئے جو پہلے نہیں دیکھے تھے،

چو محلہ مبارک

پرانے شہر کے اندر یہ ایک بہت وسیع اور شاندار پُر فضا مقام ہے اس مکان میں قدیم زمانے کے نہایت نادر تبرکات اور آثار قدیمہ ہیں جن میں قلمی قرآن مجید بھی ہیں علم بھی ہیں۔ اور سونے کے تعزیے بھی ہیں۔ دہلیز کے اندر کے دو کمروں میں تلاوت قرآن مجید کی آواز آ رہی تھی۔

نواب صاحب چھتاری نے مجھے وہ سب علم دکھائے۔ کچھ علم چاندی کے تھے۔ اور بقیہ زیادہ تعداد میں سونے کے تھے۔ جن پر نہایت خوش قلم طغرے عربی خط میں منقش تھے اور ہیرے موتی یاقوت زمرد ان پر جڑے ہوئے تھے۔ اور برقی روشنی میں جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔ سونے کے دو تعزیے بھی وہاں تھے ایک تعزیہ نجف اشرف کے روضے کی شبیہ اور دوسرا کربلائے معلی کے روضہ کی تمثیل تھا۔ یہ دونوں سونے کے تھے۔ اور تقریباً تین فٹ اونچے اور پانچ فٹ چوڑے چکلے تھے، نواب سالار جنگ بہادر نے کہا یہ دونوں تعزیے ٹھیک پیمائش اور اسکیل کی بموجب دونوں روضوں کی تعمیر کی نقل ہیں۔

اسکے بعد اعلیٰحضرت پھر دہلیز میں تشریف لے آئے۔ اور وہاں اُنھوں نے ان آثار قدیم اور تبرکات کے تاریخی حالات بیان فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ان میں بعض علم میں نے رام پور کے ملازم سناروں سے بنوائے ہیں اور ان سب کی لاگت خود ادا کی ہے۔ اگرچہ نواب صاحب رام پور چاہتے تھے کہ ان کی تیاری کے مصارف وہ ادا کریں۔ مگر اعلیٰحضرت نے صرف ایک علم اُن کا قبول فرمایا۔ باقی سب کی قیمت زیدی صاحب چیف منسٹر رام پور کو ادا فرمائی۔

احترام محرّم

اثنائے گفتگو میں یہ ذکر بھی آیا کہ سابق شاہ ایران نے اپنے بیٹے یعنی موجودہ شاہ ایران کی شادی محرم کی نویں تاریخ مصر کے بادشاہ شاہ فاروق کی بہن سے کی تھی۔ اعلیٰحضرت نے مجھ سے پوچھا اس بے احترامی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ میں نے کہا سنا ہے کہ سابق شاہ ایران اپنے ملک کی شیعہ سنی رعایا کو ملانا چاہتے تھے اسلئے وہ شیعہ جماعت کی روایات اور جذبات کے خلاف بعض کام کرتے رہتے تھے۔ اُنھوں نے مشہد مقدس کے احترام میں بھی خلل اندازی کی تھی اور جن لوگوں نے حضرت امام رضاؑ کی یادگار میں ایرانی روایات امن کے بموجب پناہ لی تھی ان کو بھی قتل کروا دیا تھا۔

اسپر اعلیٰحضرت نے ولیعہد بہادر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تمھارے دادا نے میری شادی کرنے کا ارادہ کیا اسوقت میری عمر اکیس سال کی تھی۔ اور شادی ذی الحجہ کے مہینے میں قرار پائی تھی یکایک میری ایک علاتی بہن نظام النساء کا دق کی بیماری میں انتقال ہو گیا تمھارے دادا نے مجھے لکھ کر بھیجا کہ چونکہ تمھاری بہن کا انتقال ہو گیا

ہے اس واسطے شادی کی تاریخ ملتوی کرنی مناسب ہے اور اُن کا چہلم محرم کے مہینے میں ختم ہوگا اور محرم کے بعد صفر میں حضرت امام حسینؑ کا چہلم ہوگا اس واسطے تمھاری شادی ربیع الاول میں کی جائے گی۔ میں نے تمھاری دادا کو جواب لکھا کہ حضور نے جن وجوہات کی بنا پر تاریخ ملتوی فرمائی ہے وہ بالکل ٹھیک ہیں، بہن کا سوگ بھی ضروری اور غم محرم کا احترام بھی لازمی ہے

حاضرین پر ان دونوں واقعات کا بہت اثر ہوا۔ اور ایک صاحب نے کہا کہ سابق شاہ ایران نے احترام محرم کا خیال نہ کیا تو وہ نتائج دیکھے جن کو ساری دنیا جانتی ہے اور جواب تک پیش آرہے ہیں "

قرآن اور اہلبیتؑ

اعلیحضرت نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا میں اُن آثار قدیم کے سامنے قرآن شریف تلاوت اس واسطے کرتا ہوں کہ قرآن اور اہلبیت دونوں ہم وزن ہیں۔ میں نے کہا ظل سبحانی نے ہم وزن کا لفظ بہت موزوں ارشاد فرمایا کیونکہ حدیث ثقلین میں ثقلین کا لفظ آیا ہے۔ اور قرآن میں ارشاد ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ، اس پر اعلیحضرت نے مجھے داد دی۔

اسکے بعد ارشاد ہوا حضرت علیؑ نے فرمایا تھا "میں قرآن ناطق ہوں" میں نے کہا کانگرس کے صدر مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے چالیس سال پہلے کلکتے میں ۵ محرم ۱۳۳۱ھ کو ایک تقریر کی تھی اور اسمیں دلائل سے ثابت کیا تھا کہ حضرت علی قرآن ناطق تھے اور یہ تقریر اُن کے رسالہ "البلاغ" میں شایع ہوئی تھی جس کو حیدرآباد کے اخبار "رہبر" نے پرسوں عشرے کے دن نقل کر کے شایع کیا تھا۔ ارشاد ہوا، ہاں میں نے بھی "رہبر" میں وہ مضمون تمام و کمال پڑھا ہے۔

حضرت علیؑ کا مزار

میں نے کہا افغانستان میں ایک صوبہ مزار شریف کے نام سے موسوم ہے جس میں مشہور تاریخی شہر بلخ بھی ہے۔ اور بلخ میں حضرت علیؑ کا روضہ بنا ہوا ہے۔ جہاں افغانستان اور ترکستان اور خراسان سے لاکھوں مسلمان زیارت کرنے آتے رہتے ہیں۔

اور اُن کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی کے کچھ تبرکات نجف میں دفن کئے گئے تھے۔ اور بنی اُمیہ خارجیوں کی شرارت کے سبب جسم مبارک بلخ میں لاکر دفن کیا گیا تھا۔ کیونکہ ان ملکوں کے تمام باشندے حضرت علیؑ کے شیعہ تھے۔ اور یہ اعتقاد اتنا پرانا ہے کہ پانسو برس پہلے حضرت جامی رحؒ نے بھی اس کے متعلق یہ رباعی لکھی تھی۔

گویند مرتضیٰ علیؑ در نجف است　　در بلخ بنیا ببیں چہ بیت شرف است

جامی نہ عدن گو مدانہ بین الجبلیں　　خورشید یکے ست و نور او ہر طرف است

میرے بیان کی تائید نواب سالار جنگ بہادر نے بھی کی اور اعلیحضرت نے اس بیان کو نہایت توجہ سے سماعت فرمایا۔

ایسے تبرکات کہیں نہیں ہیں

ظل سبحانی نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا خواجہ صاحب نے تمام اسلامی دنیا کی سیاحت کی ہے ایسے تبرکات اور آثار قدیم کہیں اور بھی دیکھے ہیں؟ میں نے

کہا اتنے زیادہ اور اتنے اہم اور اتنے مستند تبرکات و آثار قدیم میں نے کسی ملک میں نہیں دیکھے۔ یہاں تک کہ قاہرہ (مصر) میں بھی نہیں ہیں۔ جہاں بنی فاطمہ کی صدیوں حکومت رہی۔ اور جہاں حضرت امام حسین کے سر کا مزار ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ چونکہ آپ نے اور آپ کے اجداد نے اسلام اور اکابر اسلام اور احکام اسلام کے احترام اور تعمیل اور ترویج اور حفاظت کے کاموں کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو اور آپ کے گھرانے کو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور آپ کی ذات کو اور آپ کی سلطنت کو ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا اور اُن کے کلچر اور تہذیب اور تاریخ کا مرکز بنا دیا ہے اور ہندوستان ہی نہیں تمام دنیا کے مسلمانوں کی تاریخی تہذیب اور کلچر کی روشنیاں آپ کے ہاں جمع کر دی جو چاند سورج کی طرح جگمگا رہی ہیں۔ اور اسلامی دنیا کی زبوں اور تاریکیوں میں سب کی نظریں اُن روشنیوں کی طرف اٹھ رہی ہیں اعلیٰحضرت نے میرے بیان کی نسبت الفاظ تحسین و آفرین استعمال فرمائے۔

واپسی | مغرب کے قریب رخصت ہو کر قیام گاہ پر آیا۔ (اقتباس از منادی مورخہ ۱۶ و ۲۴ دسمبر ۱۹۴۵ء)

انعام

مبلغ سو روپیہ ماہ بطور انعام اس شیعہ طالبعلم کی خدمت میں حاضر کئے جائینگے جو قرآن شریف حفظ کرنا شروع کریں اور ہر سال جولائی سے پہلے کسی شیعہ معتبر عالم کی تصدیق سے مطلع کرتے رہیں تاکہ نام میں رجسٹر ہو اور ترتیب کا خیال رکھا جائے انشاء اللہ قرآن ختم ہونے پر یہ رقم پیش کیجائیگی۔

داعی خیر:۔ مرزا مظہر الدین عرف پیارے صاحب متولی محلہ بھٹی۔ مراد آباد

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھئے اور آپ کا نام اور پتہ خوشخط مکمل ہو۔ اگر دستخط پر اکتفا کی اور نمبر خریداری نہ لکھا تو تعمیل میں تاخیر ہوگی۔ جواب کے لئے جوابی کارڈ آنا چاہیے۔

منیجر

مقدمۃ القرآن

عالیجناب سید علی صاحب [illegible]

بندگان خدا کا دور دراز سفر طے کرکے حج ادا کرنے کو آنا شاہد ہے اس مطلب کا کہ انسانوں میں مکلّف ہونیکا احساس عام ہے۔

والفجر۔ قسم ہے اُس صبح کی۔ یہاں سے یہ طے کرنا ہے کہ الفجر سے مطلق صبح مراد ہے یا کوئی اور صبح مراد ہے یا اس ہی عشرہ کی ابتدائی صبح مراد ہے علاوہ اور قرائن کے ھل فی ذلک قسم میں ذلک کی ضمیر واحد اس پر دال ہے کہ اوپر کے چار فقروں میں ایک ہی شئی مراد ہے یعنی ایک عشرہ جسکو لیالِ عشر سے تعبیر کیا ہے۔ علاوہ بریں واللیل اذا یسر سے جو آخر میں آیا ہے اس والفجر کا مقابل ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسی عشرہ کی ابتدا اور انتہا مراد ہے کہ اہلِ مکہ اور حاجیوں کے اذہان پر خاص اثر ڈالتے ہیں۔

پس یہ صبح جبکہ اہل حج کا ورود شروع ہوتا ہے عامۃ النّاس میں احساس تکلیف موجود ہونیکی کاشف ہوتی ہے۔

پس والفجر ولیالِ عشر کی مراد معین ہوئی۔

والشفع والوتر۔ وہ جفت اور طاق دن جو اس عشرہ میں سب سے زیادہ اہم ہیں یعنی احساس تکلیف کے کاشف وہ آٹھویں تاریخ اور نویں ہے کہ ارکان حج ان دونوں میں ادا ہوتے ہیں۔

واللیل اذا یسر سے اس عشرہ کی آخری شب مراد ہے کہ اوسکے ختم پر سب جمع ہونیوالے لوگ واپس جاتے ہیں اور ادائے فرض سے جو طمانیت نفس کو حاصل ہوتی ہے اوسکا ظہور ہوتا ہے اور وہ طمانیت بھی مکلف ہونیکے آثار سے ہے۔

ھل فی ذالک قسم لذی حجر اس آیہ کی بلاغت حیرت انگیز ہے۔ پانچ مختلف مطالب پر اس کی دلالت ہے (۱) لفظ ذالک اسپر دال ہے کہ اوپر کے چار فقرہ ایک مفہوم ہیں (۲) قسم سے مراد برہان ہے جیساکہ اوپر ان دونوں مطلبوں پر بحث کیگئی (۳) اس آیہ سے واضح ہے کہ بیان معرفت میں صرف ادلّہ کیطرف اشارہ کیاہے اور ترتیب قضایا اور استنتاج کو مکلفین کیلئے چھوڑا ہے۔ (۴) لہذا انسان پر معرفت کی تحقیق عقلی واجب ہے (۵) ذالک قسم لذی حجر میں عقل سے کام لینے کی مدح وارد ہے۔

الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد کیا نہیں دیکھا تونے کہ کیا کیا تیرے رب نے قوم عاد کیا تھا جو شہر ارم میں جسکو ستونوں سے مستحکم کیا تھا رہتے تھے۔

التی لم یخلق مثلھا فی البلاد وہ کہ جسکی مثل شہروں میں نہ ہوئی قوم عاد اور ثمود کی تباہی اور فرعون اور اسکے لشکر کی ہلاکت عربوں میں مشہور تھے اور اونکی تباہی شدہ شہروں کے آثار مشہور تھے۔ پس یہ واقعات عذاب الٰہی کے نزول کی قوی شواہد ہیں۔

وثمود الذین جابوا الصخر بالواد۔ اور قوم ثمود جنھوں نے چٹانوں کو تراشکر میدانوں میں مکان بنائے تھے۔

وفرعون ذی الاوتاد۔ اور فرعون جو قوت سلطنت کے ارکان رکھتا تھا۔

فاکثروا فیھا الفساد۔ پس اونہیں فساد کی کثرت کردی۔

فصب علیھم ربک سوط عذاب پس برسایا تیرے رب نے اُنپر کوڑا عذاب کا یعنی مسلسل عذاب نازل کیا۔

ان ربک لبالمرصاد۔ کہ بیشک تیرا رب نگاہ رکھنے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ طغیان اور فساد کی ایسی زیادتی جیسے ان لوگوں نے اختیار کی تھی نزول عذاب الٰہی کا سبب ہے۔

ان آیات کی مزید توضیح اور وہ محاسن کلام جو اُنمیں پائے جاتے ہیں تفسیر قرآن میں تفصیل کے ساتھ آئینگے۔ یہاں ہم صرف دو باتیں بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اول یہ کہ جو تفسیر ہم نے یہاں دلیل عقلی سے بیان کی اوسکی تائید احادیث سے بھی حاصل ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) تفسیر قمی میں ہے کہ لیال عشر ذی الحجہ مراد ہے۔

(۲) تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ الشفع سے مراد آٹھویں ذی الحجہ اور الوتر سے مراد روز عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ۔

(۳) تفسیر قمی میں جناب امام محمد باقر سے منقول ہے کہ حجر کے معنی ہیں عقل اور دانائی کے اور یہاں سے جو مقسم علیہ ہے وہ محذوف ہے اوس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا ضرور عذاب کرے گا (یعنی انسان مکلف ہے)

دوم یہ کہ اس سورۃ کا یہ حصہ جس کی ہم نے تفسیر بیان کی ہے اب تک مفسرین کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کیونکہ وہ قواعد عقلیہ جن سے اسکے تفسیر حاصل ہو سکتی تھی انکے اذہان میں نہ تھے۔ چنانچہ فخر الدین رازی نے اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ۔

فجر ولیال عشر وشفع و وتر واللیل اذا یسر کے معنوں میں اختلاف شدید کیا ہے۔ پس ہر شخص نے وہ چیز مراد لی ہے جس کو اوسنے دین میں عظیم المرتبت اور دنیا میں کثیر المنفعت سمجھا، پھر فجر کی مراد میں پانچ قول بیان کئے اور لیال عشر کی مراد میں تین قول بیان کئے اور [redacted] تسہ کی تفسیر میں لکھا

ہے کہ اضطرب المفسرون فی تفسیر الشفع والوتر واکثروا فیه ونحن نروی ماھو الاقرب
اور پھر بہت مختلف قول نقل کئے ہیں۔ اور پھر آخر میں لکھتا ہے کہ بغیر اسکے کہ حدیث سے کوئی معنی متعین
ہوں صرف یہ کہنا جائز ہے کہ اسکے معنی ہو سکتے ہیں

تاثیر کلام کے وجوہ

از انجاکہ قرآن مجید معجزہ ہے اسواسطے اسمیں محاسن کلام کو اسمیں اس مرتبہ پر پیدا کیا ہے کہ مخلوق اسپر قادر نہ ہوسکے۔ اور چونکہ تاثیر محاسن کلام سے ہے۔ قرآن مجید میں تاثیر کا ہونا ضروری ہے۔

علاوہ بریں متوجہ الی التحقیق حق کرنا اوسکے اغراض میں شامل ہے اسواسطے تاثیر ضروری ہوئی کہ کلام جاذب توجہ ہو۔

اسکے علاوہ اختیار خیر کی رغبت دلانا اور شر سے نفرت پیدا کرنا بھی اسکی اغراض میں شامل ہے اسواسطے تاثیر سے کام لیا ہے۔

کلام میں تاثیر جن اسلوب سے پیدا ہوتی ہے وہ حسب ذیل ہیں

اوّل فصاحت کہ جب کلام ثقیل اور غیر مانوس الفاظ اور ترکیب سے پاک ہو تو مطبوع ہوتا ہے۔ اور سامع پر اسکا سننا گراں نہیں ہوتا۔

دوم روانی۔ یعنی فصیح کلام کا اس نہج پر واقع ہونا کہ ایک خبر سننے کے بعد دوسری مترقب ہو۔

سوم ترصیع۔ یعنی کلام کے اجزا کا مقفیٰ ہونا اور ہموزن ہونا یا تقریباً ہموزن ہونا کہ اس سے ایک خوشگوار حیرت سامع پر طاری ہوتی ہے۔

چہارم۔ شوکت کلام۔ یعنی کلام سے نفس پر ایسا اثر پڑے جیسا کہ عظیم المرتبت اور مہیب اشیا کے دیکھنے سے ہوتا ہے۔ یعنی سامع کے نفس میں احترام اور ہیبت پیدا ہو۔

پنجم۔ زور کلام۔ کلام کا اس روشنی پر واقع ہونا کہ متکلم کے لئے ادراک معانی کی زیادتی قوت ثابت ہو اور نفس پر قوی اثر پڑے۔

ششم۔ گرمی کلام خیالات کا سرعت کیساتھ پے در پے آنا اور بیان کا انکی تصویر کھینچتے جانا۔

زور کلام کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ تکرار لطف دیتی ہے اور اسکی تکرار سامع کو منغص نہیں کرتی۔

یہ امر کہ قرآن مجید ان تمام محاسن کلام کے صرف سے اثر کس طرح پیدا کیا ہے بغیر مثالوں کے سمجھنا آسان نہیں اسواسطے چند مثالیں چند سورتوں کے تفسیر کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔

سورة الشمس

والشمس وضحٰها — ہرہاں ہے آفتاب اور اسکی روشنی
والقمر اذا تلٰها — اور چاند جب اسکے بعد جلوہ کرے
والنھار اذا جلّٰها — اور دن جب وہ روشن کر دے
واللیل اذا یغشٰها — اور رات جب کہ وہ چھاجائے۔
والسماء وما بنٰها — اور آسمان اور جس شئے نے اوسکو بلند کیا (بنایا)
والارض وما طحٰها — اور زمین اور جس شئے نے اوسکو پھیلایا
ونفس وما سوّٰها — اور نفس (انسانی) جس شئے نے اوسکو درست کیا یعنی ترقی دی
فالھمها فجورها وتقوٰها — اور پھر نیکی او بدی کی معرفت دی۔
قد افلح من زکّٰها — جس نے اوسے (نفس کو) پاک کیا وہ کامیاب ہوا۔
ناکام رہا وہ جس نے اسکو چھپایا یعنی برائی اختیار کی۔
وقد خاب من دسّٰها — اور جس نے اسے پست کیا وہ ناکامیاب ہوا
کذبت ثمود بطغوٰها — قوم ثمود نے سرکشی کے سبب جھٹلایا (رسول کو)
اذ انبعث اشقٰها — جبکہ انہیں کا شقی ترین اٹھ کھڑا ہوا۔
فقال لھم رسول اللہ ناقة اللہ وسقیٰها — پس کہا انسے رسول اللہ نے کہ یہ خدا کا ناقہ ہے اور اسکو پانی پلانے دو
فکذبوہ فعقروها۔ — پس اونھوں نے اسکو جھٹلایا اور اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے
فدمدم علیھم ربھم بذنبھم — پس انکے رب نے انکے گناہوں کے سبب ان کو کچل ڈالا
فسوّٰها — اور برباد کر دیا۔
ولا یخاف عقبٰها — اور اسکو کسی کے بدلہ لینے کا ڈر نہیں۔

اس سورة میں تمام قسمیں اس مطلب کی دلیل ہوئی ہیں کہ انسان کی زندگی کا مقصود تزکیہ نفس ہے یعنی واجب کا کرنا۔ اور اگر وہ اسکے خلاف کرے گا تو اسکا بد انجام ہے۔

اور یہ مطلب ہے ان دو آیتوں کا قد افلح من زکّٰها وقد خاب من دسّٰها۔

اور اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ ایک حکیم وقدیر کا صانع عالم ہونا ثابت ہو اور چونکہ حکیم کا فعل غرض و غایت سے خالی نہیں ہوتا۔ انسان کے پیدا کرنے کی غرض بھی ثابت ہو گئی۔

معراج

از جناب سید افتخار حسین صاحب ریٹائرڈ جج غازی پور

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو الواعظ اکتوبر ۴۵ء)

بہت سے اشخاص کی بابت مشہور ہے کہ وہ اگرچہ اپنی جگہ پر رہے اور اپنے مقام سے بظاہر کوئی سفر نہیں کیا مگر ایک خاص وقت میں کسی دوسری جگہ یا کسی دوسرے متبرک مقام پر کسی مذہبی فرض کو انجام دیتے ہوئے دیکھے گئے چنانچہ بعض فقراء کی بابت مشہور ہے کہ انھوں نے ہندوستان میں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی مگر لوگوں نے انھیں حج میں شریک پایا۔ ایک فقیر کی بابت روایت ہے کہ ایک شخص سے بہت اصرار کرنے پر اُس نے وعدہ کیا کہ حج کراوے گا اور جب ایک روز باقی رہا تو اس نے اپنی جھونپڑی میں ٹٹر کو ہٹا کر راہ بنائی اور اس شخص سے کہا کہ آنکھ بند کرکے نکل جاؤ۔ وہ شخص نکل گیا اور آنکھ کھولی تو اپنے کو مکہ میں پایا۔ بعض صحاب فرمائینگے کہ یہ کیا فقیروں کے قصّے بے سروپا مریدوں کے اعتقاد بڑھانیوالے شروع کر دیے۔ میں خود فقیروں کا بہت کم قائل ہوں اور اُن کی باتوں کو محض ڈھکوسلا اور فریب سمجھتا ہوں مگر اس کا قائل ہوں کہ اگر کوئی ریاضت کرے اور روح کو قوت دے تو ان باتوں کا امکان ہے۔ بعض فقراء حتماً صاحب کمال گذرے ہیں۔ اگر جنکی بابت یہ روایات ہیں انھوں نے ریاضت سے اپنی روح کو تقویت دی تھی تو جو قصہ مشہور ہے اس کا امکان ضرور ہے۔

اچھا اگر فقراء کے نام سے ضد ہے تو اس زمانہ میں بہت سے لوگ جو مسمریزم کی مشق کرتے ہیں اور عجیب وغریب باتیں جو سمجھ میں نہیں آتیں دکھاتے ہیں اس سے انکار کیونکر ہو سکتا ہے۔ مسمریزم کی کتابیں دیکھئے اس میں آپ پائیں گے کہ آخری درجہ اسکی مشق کا روشن ضمیری اور انتقال روح کا ہے۔ یہاں جسم پڑا ہوا ہے اور ہزاروں میل کے فاصلہ پر ہم مجسم نظر آرہے ہیں اور بات چیت کرتے ہیں ہماری روح وہاں پہونچ جاتی ہے اور لوگوں کو نظر آتی ہے۔

مسمریزم کی کتابوں میں تو صراحت نہیں ملی مگر روحانیت پر جو یورپ اور امریکہ میں مشق کیجاتی ہے اسپر بھی کتابیں موجود ہیں۔ ایک کتاب لائف آفٹرڈ یتھ ہے اس کا ترجمہ ہوا ہے جسکا نام حیات بعد الموت ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ مجرد روح انسانی آنکھوں کو نظر نہیں آسکتی۔

جب کوئی روح جسم میں آنے کو ہوتی ہے تو اسے جسم مادی نہایت لطیف عنایت ہوتا ہے اسکے عادی ہونیکے بعد ایسا ہی دوسرا جسم اسکے اوپر عطا ہوتا ہے جو نسبتاً کثیف ہوتا ہے مگر پھر بھی نہایت لطیف۔ اسی طور

سے چھ جسم عطا ہوتے ہیں اور ساتواں جسم یہ جسم انسانی ہوتا ہے۔ اور اس جسم انسانی کو چھوڑنے کے بعد چھ اجسام باقی رہتے ہیں جو رفتہ رفتہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ باوجود ان چھ اجسام مادی کے جو نہایت لطیف ہیں روح اس قابل نہیں ہوتی کہ ہمکو نظر آوے۔ اور جب کوئی روح روحانیت کے جلسہ میں آتی ہے تو وہ ان حضرات کے اجسام سے مادہ حاصل کرکے صورت اختیار کرتی ہے اور لوگوں کو نظر آتی ہے۔ اور اگر کوئی بداعتقاد شخص موجود ہوتا ہے اور اسکی قلبی یکسوئی نہیں ہوتی تو روح نہیں آتی۔ اس سے دو نتیجے نکلے۔ ایک یہ کہ روح بغیر جسم انسانی سے مادہ حاصل کئے ہوئے ہمکو نظر نہیں آتی۔ دوسرے یہ کہ وہ معتقدین کے اجسام سے مادہ حاصل کرتی ہے۔ اب جو مسمریزم میں کامل ہیں اور انتقال روح پر قادر ہیں وہ جو دور و دراز مقام پر ظاہر ہوتے ہیں تو یہ کیا ضرور ہے کہ وہ معتقدین موجود ہوں اور وہ سب یکسوئی قلب کئے ہوئے بیٹھے ہوں۔ پس اُنکی روح جو جاتی ہے تو خود اُنکے اجسام سے مادہ لیکر جاتی ہے اور نظر آتی ہے۔ مادہ لیکر نہ جاوے تو نظر ہی نہ آوے میری رائے یہ ہے کہ ہمارے جسم انسانی سے روح بغیر مادہ لئے ہوئے نکل ہی نہیں سکتی۔ اور بغیر مادہ لئے ہوئے جب نکلے گی تو وہ موت کا وقت ہوگا۔ پس جب روح اس جسم سے مادہ لیکر علاوہ ہزاروں میل کا سفر چند لمحوں میں طے کر سکتی ہے تو یہ امکان سے خارج نہیں معلوم ہوتا کہ اگر کافی ریاضت ہو اور روح کو کافی تقویت دیجائے تو وہ بجائے کچھ مادہ جسم سے لیکر یعنی معجزہ جسم انسانی کے جانے کے اس کل جسم انسانی کو لیکر چند لمحوں میں ہزاروں میل طے کر سکے۔

اس بنا پر میری رائے ہے کہ انسان اپنی روح کو ریاضت سے قوی کرکے بغیر کسی آلہ کے زمین سے بلند ہو سکتا ہے اور طویل فاصلہ طے کر سکتا ہے۔

آیا آسمان کوئی ٹھوس جسم ہے فلسفہ یونان کی رو سے آسمان ایک ٹھوس جسم تھا اسمیں کوئی راہ نہ تھی۔ نہ وہ پھٹ سکتا اور نہ جوڑا جا سکتا تھا اور اس پر بہت سے بسوط اور مطول دلائل کتب میں درج تھے۔ جب معراج کا مسئلہ پیش ہوا تو یہ بحث اٹھی کہ رسولؐ کو معراج ہوئی تو آسمان کے پار کیونکر جا سکتے تھے۔ اس لئے کہ آسمان میں در کیونکر پیدا ہوا وہ پھٹ تو سکتا ہے نہیں اور اگر در پیدا ہوا تو پھر وہ بند کیونکر ہوا اسلئے کہ وہ جوڑ نہیں سکتا اسی بحث کا نام خرق والتیام کا مسئلہ ہے۔ جس پر اس زمانہ میں بھی عربی کے طلباء بہت شد و مد سے بحث کیا کرتے تھے۔ اسی خرق والتیام کی بحث پر بعض اسکے قائل ہو گئے کہ رسولؐ کو معراج روحانی ہوئی نہ کہ جسمانی اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا آسمان کوئی جسم ہے یا نہیں۔ قدیم فلسفی نیلا رنگ جو اوپر نظر آتا ہے اسے آسمان کا رنگ سمجھے ہوئے تھے اور آسمان کو ایک جسم

بسیط کہتے تھے اور کہتے تھے کہ چاند وستارے اس میں جڑے ہوئے ہیں اور آسمان معہ اُنکے گردش کرتا ہو چاند وستاروں کو غالبًا اسلئے جڑ دیا کہ شائد اسوقت قوت جاذبہ کا جو تمام سیاروں میں ہے اور جس سے تمام اجسام وسعت عالم میں ایک دوسرے کو سنبھالے ہوئے ہیں انھیں علم نہ تھا۔ اگر چاند اور ستاروں کو آسماں ایک جسم مادی فرض کر کے اس میں یہ جڑ نہ دیتے تو یہ وسعت عالم میں بلا سہارے قائم کیونکر رہتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے وہ آسمان کا رنگ سمجھے ہوئے تھے وہ ہوا کا رنگ ہے ہوا اور پانی کا ایک ہی رنگ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پانی ابخرات کی شکل میں مبدل ہوکر ہوا ہوجاتا ہے۔ ویسے ہی ہوا رقیق ہوکر پانی ہوجاتی ہے۔ اسوقت جو زمین پر پانی ہے وہ کسی وقت میں محض ہوا تھا۔ پانی اور ہوا دو مختلف شی نہیں ہے۔ پانی کا رنگ نیلا ہے جب کثیر پانی کسی مقام پر ہوتا ہے تو اس کا رنگ نیلا محسوس ہوتا ہے ویسے ہی ہوا جو بہت کثیر مقدار میں زمین کے اوپر کوئی تقریبًا پچاس میل کی بلندی تک ہے اسکا رنگ نیلا دکھائی دیتا ہے۔ بس یہ نیلا رنگ ہوا کا رنگ ہے نہ کہ آسمان کا۔ اب یہ محقق ہے کہ آسمان کوئی جسم نہیں ہے ۱۹۱۰ء سے لیکر ۱۹۱۲ء تک میں مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ کس سنہ میں ایک بہت بڑا دمدار ستارہ نمایاں ہوا تھا اور خوف تھا کہ زمین اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائے گی اور واقعی زمین اُسکی دم میں سے جو کئی کروڑ میل لانبی تھی اور وہ مجسم نہ تھی بلکہ حقیقتًا گیس تھی جو چمک دکھاتی تھی۔ زمین گذر بھی گئی۔ اسکی آمد کی خبر بہت پہلے سے تھی اور جو آسمان قرار دے رکھے ہیں کئی آسمان اُدھر سے وہ ستارہ آیا زمین کے قریب سے گذرا اور آفتاب کے گرد ہوکر چلا گیا۔ اگر آسمان ٹھوس جسم ہے تو وہ دمدار ستارہ کیونکر اُن سے نکل آیا موجودہ تحقیقات یہ ہے کہ آسمان کوئی جسم نہیں ہے۔

اب دیکھئے قرآن کیا کہتا ہے قرآن میں آسمان کے معنی یا بلند مقام کے ہیں جہاں سے پانی آوے یا مدار سیارات مراد ہے یا خود سیارے مراد ہیں۔

کل فی فلک یسبحون سب ایک ایک آسمان میں پیرتے ہیں۔ اگر آسماں ٹھوس جسم ہے تو یہ ستارے اس میں شناوری کیونکر کرتے ہیں یہ محض سیاروں کی راہیں ہیں یہ ظاہر ہے کہ سیاروں کی راہ کوئی بنی ہوئی راہ نہیں ہے بلکہ وسعت عالم میں ایک فرضی راہ ہے۔ سورہ مومنون میں ہے ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق ہم نے تمہارے اوپر یقینی سات راہیں پیدا کی ہیں یہ آسمانوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ راہیں ہیں تفسیروں میں ہے کہ فرشتوں کی راہ مراد ہے یا سیاروں کی راہ فرشتوں کی راہ کا خیال غلط۔ فرشتوں کو کسی راہ کی ضرورت نہیں آپ ایک نہایت ہی مضبوط سے

کا مکان بنائیے جس میں کسی طرف سے کوئی راہ نہ ہو۔ کیا فرشتہ اس میں نہیں جا سکتا۔ فرشتے کے لئے راہ ہو یا نہ ہو وہ جہاں چاہے گا اس قوت سے جو خدا نے اُسے دی ہے جا سکتا ہے تو اُنکے لئے راہ پیدا پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ اس نظام شمسی میں جو زمین کے بعد سات سیارے ہیں۔ یعنی چاند مریخ۔ مشتری۔ زحل۔ نیپچون۔ اورنیس۔ پلوٹو۔ از ہرہ عطارد۔ آفتاب کی راہ زمین کے چاروں طرف نہیں ہے لہذا یہ زمین کے لئے آسمان نہیں ہیں) انکی راہوں سے مراد ہے بس یہ سات آسمان محض سیاروں کے فرضی مدار ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

خدا نے قرآن میں بہت سی چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ خدا نے انھیں پیدا کیا۔ مگر کہیں سیاروں کی پیدائش کا ذکر نہیں۔ کیا سیارے ایسے ناقابل التفات شئی ہیں کہ انکی خلقت کے تذکرہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ایسا تو نہیں ہے۔ پھر ذکر کیوں نہیں کیا۔ تقریباً تمام زبانوں میں یہ عام بات ہے کہ ظرف کا ذکر کرتے ہیں اور مظروف مراد ہوتا ہے۔ مثلاً غازیپور شہر کے باہر قریب کوئی بہت اچھا تماشا ہو تو یہ کہیں گے کہ اسقدر اچھا تماشا تھا کہ سارا غازیپور امنڈ آیا تو کیا غازیپور شہر تماشا دیکھنے چلا گیا۔ ہرگز نہیں غازیپور شہر کے رہنے والے گئے یعنی ذکر کیا ظرف کا اور مراد تھا مظروف۔ ہر زبان میں ایسا پایا جاتا ہے۔ ویسی ہی عربی میں ہے قرآن میں ہے خلق السموٰت والارض۔ ذکر کیا مدار سیارات کا اور مراد خود سیارے ہیں۔ میرے خیال میں قرآن میں سما اُن معنوں میں آیا ہے جو میں نے ابھی بیان کئے۔

اور لیجئے سورۂ ذاریات میں ہے والسماء ذات الحبک قسم آسمان کی جسمیں حبک ہیں حبک اُس راہ کو کہتے ہیں جو کسی شئی میں دوسری شئی کے گذرنے کے لئے ہو۔ مثلاً زیر جامہ میں نیفہ نیفہ حبک کی تعریف آسکتا ہے اسلئے کہ یہ کمر بند کے گذرنے کے لئے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان میں گذرنے کے لئے راہ ہے۔ یعنی سیاروں کے گذرنے کے لئے۔ یہاں سما سے غالباً وسعت عالم مراد ہے۔

ایک مقام پر قرآن میں آسمان کے لئے آیا ہے کہ دھی دخان اس سے صاف ظاہر ہے کہ آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم نہیں ہے۔ دخان کے معنی دھوئیں کے ہیں اور نیز ایتھر کے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ خلا محال ہے۔ تمام وسعت عالم میں ایتھر بھرا ہوا ہے۔ تو آسمان ایتھر ٹھہرا۔ یعنی کوئی مادی جسم نہیں بلکہ محض وسعت عالم۔

اس کل کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلسفہ یونان میں آسمان کو ٹھوس مادی جسم ماننا وہ فلسفہ کا ابتدائی کا زمانہ

تھا۔ اب موجودہ سائنس کہتی ہے کہ آسمان کوئی ٹھوس جسم نہیں ہے۔ کوئی جسم نہیں ہے قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

آیا آسمان کا خرق والتیام ممکن ہے۔ میری رائے میں اگر آسمان بفرض محال کوئی ٹھوس جسم ہے تو بھی اُسکا خرق والتیام ممکن ہے۔ میں اسے ناممکن نہیں سمجھتا۔ وجوہ حسب ذیل ہیں۔

اسکے سمجھانے کے لئے روح کی قوت بتانی ضروری ہے۔ ایشیا میں بہت عرصہ سے فقرا اور صوفی صاحبان ریاضت و محنت شاقہ کر کے تزکیہ روح کرتے ہیں۔ اور بہت بڑی حد تک کامیاب ہوتے ہیں یورپ میں ابھی اسکی ابتدا ہے وہاں بھی بعض اشخاص کوشاں ہیں کتاب حیات بعد الموت میں لوگ دیکھ سکتے ہیں کہ انگلستان میں ایک مرتبہ روح کو بلانے کے لئے کچھ لوگ جمع تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک روح آئی اور ایک شخص کا اورکوٹ رکھا ہوا تھا۔ سب نے دیکھا کہ وہ بلند ہوا بلند ہو کر چھت میں جذب ہو کر غائب ہو گیا۔ بعد کو وہ اورکوٹ دوسرے کمرے میں ملا جب دوبارہ پھر وہ اشخاص جمع ہوئے اور وہی روح آئی اور اس سے پوچھا گیا کہ اورکوٹ کیونکر چھت میں جذب ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ ہم میں یہ قوت ہے کہ کسی شئی کے اجزائے متصلہ کو منفصل کر دیں اور پھر متصل چھت کے اجزا کو منفصل کر دیا اورکوٹ نکل گیا اور پھر ان اجزا کو متصل کر دیا۔ ہر شئی میں نہایت باریک اجزا ہیں جنھیں جزو لایتجزیٰ کہتے ہیں۔ یہ اسقدر باریک ہوتے ہیں کہ بغیر خوردبین کے نظر نہیں آتے۔ انکے اتصال سے ہر شئی بنتی ہے۔ روح نے جیسا بتایا وہ ان اجزا کو منفصل کر کے فی الفور متصل کر دیتی ہے۔ ایک کتاب میں نے امریکہ کی دیکھی وہاں ایک صاحب نے ایسے جلسہ میں ایک قلم میز پر رکھا۔ تب میز پر رکھا اوپر سے انگلی سے قلم دبایا روح نے اپنا فعل کیا قلم میز میں گھستا چلا گیا اور نیچے گر گیا اور میز میں کوئی سوراخ نہیں وہ بھی یہی تھا کہ میز کے اجزائے متصلہ کو منفصل کر دیا اور پھر متصل۔ یہ قوت روح میں ہے مگر جبتک اس جسم میں ہے اس قوت کو استعمال نہیں کر سکتی۔ جسم سے علیحدہ ہونیکے بعد اس قوت کو استعمال کر سکتی ہے۔ ہاں اگر ریاضت کیجاوے تو اس جسم میں ہونیکی حالت میں بھی روح یہ قوت استعمال کر سکتی ہے۔ یہ ریاضت دو طرح سے ہوتی ہے۔ مسلمان فقرا قلب کو مرکز روح مان کر قلب پر توجہ کرتے ہیں۔ اس سے روح کا تزکیہ ہوتا ہے۔ مگر قلب روح کا مرکز نہیں ہے اگرچہ خاص مقام ضرور ہے اسلئے اس طریقہ کے برتنے میں تاخیر ہوتی ہے۔ ہندو فقرا دماغ کو روح کا مرکز قرار دیکر کوشش کرتے ہیں آنکھوں سے روح کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں جلد کامیابی ضرور ہوتی ہے مگر آنکھ کو نقصان پہونچتا ہے۔ خاص چیز دونوں طریقوں میں توجہ ہے اگر توجہ تام ہے تو جلد کامیابی ہوگی

اور اگر نہیں ہے تو ممکن ہے کہ برسوں کامیابی نہو۔ کا توجہ (Concentration of Mind)
یعنی اجتماع خیالات کی کوئی صاحب ترکیب نہیں بتاتے یا بتلاتے ہونگے تو خاص خاص شاگردوں
کو۔ اسکا ایک بہت ہی بہتر طریقہ یہ ہے کہ شب کو سوتے وقت کوشش کرے ایک چیز کا کوئی جز بہ
دل میں خیال کریں اور دوسرا کوئی خیال دل میں نہ آنے پائے۔ یہانتک کہ اسی کوشش میں نیند
آجائے۔ اول اس کوشش میں دقت ہوگی کوئی چارمہینہ کی کوشش میں یہ ممکن ہوگا جب اسپر
قادر ہوجائیے کہ کوئی دوسرا خیال نہ آئے تو یہ مشق شروع کیجئے کہ کوئی خیال نہ آئے۔ اس میں بھی
کوئی چارمہینہ صرف ہونگے اسپر بھی جب قدرت ہوجائے تب تزکیۂ روح کی کوشش کیجئے۔ اور
دیکھئے کہ کسقدر جلد کامیابی ہوئی اور اسپر ایک حدتک کامیاب ہونیکے بعد مراقبہ اسلئے کہ یہ مشہور
حدیث ہے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

میں نے اوائل عمر میں ایک مولوی صاحب سے جو نہایت ہی مرد صالح اور پابند شریعت تھے سُنا
تھا کہ وہ اپنے بچپنے میں ایکبار چند اور عربی داں لڑکوں کے ساتھ ایک کنوئیں کی جگت پر جہاں ایک فقیر
بیٹھا ہوا تھا بیٹھے تھے ان طلاب میں خرق والتیام پر بحث ہوچلی۔ کچھ دیر کے بعد فقیر بہت خفا ہوا کہ
فضول بحث کئے جاتے ہو تم کیا جانو کہ جسم کیا ہے اور اسکے خواص کیا ہیں۔ ان طلبا نے مضحکہ کیا وہ فقیر
غصہ میں اُٹھ کھڑا ہوا کہنے لگا کہ اچھا مجھے کنوئیں کی رسی سے باندھو ان لوگوں نے اسے باندھا۔ کہا
کھینچو۔ کھینچا۔ رسی اس فقیر کے بدن میں جس طرح صابون میں تار گھسکر نکل آتا ہے گھس گئی اور پار
نکل آئی اور وہ فقیر اپنی جگہ پر قائم رہا۔ اسکے بعد اس فقیر نے کہا کہ تم کہوگے کہ کوئی شعبدہ کیا ہے
علنحدہ ہوگیا اور کہا کہ کنوئیں کے پتھر کے ستون کو باندھو طلبا نے باندھا اور جب فقیر کے کہنے پر کھینچا تو
تو رسی اسی طرح پتھر میں پیوست ہو کر نکل آئی۔ برسوں میں اس قصہ پر غور کرتا رہا۔ مولوی صاحب چونکہ
نہایت ہی مرد ثقہ تھے اُنکے چشم دید بیان کئے ہوئے قصہ کو غلط کہہ نہیں سکتا تھا مگر یہ کچھ سمجھ میں نہیں
آتا تھا کہ رسی فقیر کے جسم میں اور پتھر کے ستون میں جذب ہوکر کیونکر نکل گئی۔ جب روحانیت پر
کتابیں دیکھیں اور لندن اور امریکہ کے قصے روح کے اختیارات اور قدرت کی بابت پڑھے تو سمجھ میں
آیا کہ وہاں روح نے اپنی قوت جسم انسانی سے علنحدہ ہونیکے بعد برتی تھی اور یہاں اس فقیر کی روح
ریاضت کیوجہ سے اتنی قوی ہوگئی کہ وہ اپنی قوت جبکہ وہ اسکے جسم میں تھی برتتی تھی۔

جو لوگ آسمان کا وجود ہی نہیں مانتے ظاہر ہے کہ وہ معراج کو کیوں مانیں گے۔ جو آسمان کے وجود
کو تسلیم کرتے ہیں انکی تحقیق ہے کہ وہ نہایت ٹھوس جسم ہے اور اس سے کسی چیز کا گذرنا ممکن نہیں ہے

تو روح میں جو قدرت اور قوت ہے اور بیان کی ہے اس سے روح کسی انسان کی اگر بحالت حیات میں قوی بنائی گئی ہے تو یہ کر سکتی ہے کہ آسمان کے اجزا متصلہ کو منفصل کر دے اور جب وہ انسان گزر جائے تو پھر ان اجزا کو متصل کر دے یعنی جوڑ دے اور آسمان جیسا تھا ویسا ہی ہو جائیگا۔ اس طور سے آسمان کا خرق و التیام ہو سکتا ہے ان مشاہدات کے بعد خرق و التیام کے خلاف کسی دلیل کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ اس کا امکان ہے اور ضرور ہے۔

آیا انسان کرۂ ہوا کے بعد زندہ رہ سکتا؟ اس میں بہت سی بحثیں ہیں سب سے پہلے مخلوق کی حالت پر کچھ عرض کرونگا۔ کوئی مقام ایسا روئے زمین پر نہیں معلوم ہوتا جہاں کوئی جاندار مخلوق نہو۔ یوں تو کوئی شی ایسی نہیں معلوم ہوتی جسمیں روح یعنی جان نہو۔ جمادات و نباتات میں بھی جان ہے۔ میرا مقصد جاندار کہنے سے عام مفہوم جاندار کا ہے اس سے ہے۔ جو سما کی بابت یعنی جہاں ہوا نہیں ہے معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ وہاں بھی ہوں۔ زمین کو لیجئے روئے زمین پر جاندار ہیں انھیں بہت زیادہ ہوا کی ضرورت ہے۔ زمین کے اندر حشرات الارض ہیں وہاں بہت کم ہوا ہے مگر اُن کے لئے وہ کافی ہے اور وہ روئے زمین پر آتے ہیں اور یہاں کی زیادہ ہوا میں بھی بسر کر لیتے ہیں۔ پتھر کے اندر بھی کیڑا ہوتا ہے وہاں کسقدر خفیف ہوا ہوگی۔ یا لکڑی کے اندر کیڑا ہوتا ہے اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ اُس لکڑی کے اندر کسقدر خفیف ہوا ہے۔ مگر وہ اسکے لئے کافی ہے اور وہ کیڑا بھی روئے زمین پر عرصہ تک زندہ رہ سکتا ہے۔ پانی کے اندر مچھلیاں ہیں وہاں بھی کسقدر کم ہوا ہے مگر وہ اُنکے لئے کافی ہے اور روئے زمین میں آکر اس زیادہ ہوا میں بھی وہ کچھ دیر زندہ رہتی ہیں۔ سطح سمندر پر پانی میں کوئی پانچ میل سے زائد نیچے پانی کا اسقدر زائد دباؤ ہے کہ العظمۃ للہ ایک انچ سطح پر ہزاروں من کا بوجھ پڑتا ہے کوئی روئے زمین کا جاندار وہاں زندہ رہ ہی نہیں سکتا اور نہ اس کا بدن سلامت رہ سکتا ہے۔ مگر وہاں بھی کچھ جاندار ہیں اُنکا بدن اسقدر سخت نہیں ہے کہ اس وزن کو برداشت کر سکے بلکہ اُنکے بدن میں بکثرت آر پار نالیاں ہیں اور پانی کا دباؤ اُنکا کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ نہیں معلوم کہ وہ جاندار جو روئے زمین پر لائے گئے تو کچھ دیر زندہ رہے یا نہیں۔ غرضکہ ہر جگہ جاندار ہیں اور وہاں ہوا زیادہ ہو یا کم یا بمنزلہ نہیں کے ہو وہ زندہ رہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہوا کی مقدار جسقدر ہم عموماً زندگی کے لئے ضروری سمجھے ہوئے ہیں نہیں ہے۔ اوپر مثالیں جو میں نے دی ہیں اُن میں یہ دکھایا کہ وہ جاندار جو نہایت کم ہوا میں بسر کرتے ہیں ایسے مقام پر جہاں بہت زیادہ ہوا ہے کچھ دیر بسر کر سکتے ہیں اب اسکا عکس لیجئے۔ مویشی پانی کے اندر کچھ دیر کے لئے غوطہ لگاتے ہیں یعنی نہایت کم ہوا میں بہ دیر

زندہ رہتے ہیں۔ انسان بھی ایسا کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔ ایک شخص کی بابت سنا تھا نہیں کہہ سکتا کہ کہانتک صحیح ہے کہ اس نے ایسی مشق کی تھی کہ گھنٹوں پانی کے اندر غوطہ لگا کر رہ سکتا تھا اور کرتا یہ تھا کہ ایک جگہ پانی کے اندر بنا رکھی تھی۔ اور جو لوگ نہانے جاویں اور اُنکے جسم پر کوئی قیمتی شئے ہو تو وہ اندر سے ٹانگ پکڑ کر اپنے مقام پر کھینچ لیجاتا تھا اور قیمتی اشیا لیکر وہاں رکھدیتا تھا غرضکہ ایک مقام کی مخلوق دوسرے مقام پر جہاں ہوا کم ہو یا زیادہ کچھ دیر بغیر کسی انتظام کے بسر کر سکتی ہے اور یہ خیال غلط ہے کہ کچھ دیر بھی بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور انتظام کے بعد تو بہت دیر تک جہاں ہوا بہت کم ہو زندہ رہ سکتے ہیں مثلاً لوگ خول میں بیٹھکر سمندر میں غوطہ لگاتے ہیں ہوائی جہاز میں پچاس ہزار فیٹ کی بلندی تک اوڑے ہیں وہاں ہوا اسقدر کم ہے کہ زندگی محال ہے مگر ہوا کا انتظام کرکے اُڑے اور زندہ رہے۔ جہاں ہوا نہو یا بہت کم ہو وہاں کیلئے ہم انتظام کر لیتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں۔

پس انسان بغیر ہوا کے کچھ دیر بسر کر سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہوا کا انتظام کرلے۔ اس صورت میں زیادہ دیر تک ایسی جگہ جہاں ہوا نہو یا بہت ہی کم ہو بسر کر سکتا ہے۔ پس اگر ایسی جگہ سے جہاں ہوا نہیں ہے اس قدر سریع رفتار اختیار کرے کہ چند لمحوں میں گذر جائے تو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا۔ پھر اگر اس زمین سے دوسرے سیارے میں جانے کے لئے ایسا ممکن ہو کہ ایک منٹ یا دو منٹ میں وہاں پہونچ جائے تو کیا حرج ہوگا۔ یہاں ہوا ہے منٹ دو منٹ میں فاصلہ طے ہو گیا۔ یعنی وہ مقام جہاں ہوا نہیں ہے اور اُسکے بعد دوسرے سیارے میں پہونچگئے اور وہاں ہوا موجود ہے آیا اسقدر سرعت سیر ممکن ہے اسے آئندہ عرض کرونگا۔

ایک تیسری صورت لیجئے۔ لوگوں نے مشق کر کے دکھا دیا ہے کہ گھنٹوں کے لئے بلکہ کئی کئی روز کے لئے حبس دم کر لیتے ہیں اور بالکل مردہ ہوجاتے ہیں اور جتنی دیر کے لئے حبس دم کیا ہے وہ وقفہ گذرنیکے بعد پھر زندہ ہوجاتے ہیں۔ اگر کوئی دوسرے سیارے میں جانا چاہے اور جسم کو کافی حرکت دیدی جائے تو وہ از خود اس حرکت کیوجہ سے دوسرے سیارہ میں پہونچ جاویگا۔ اور ریاضی داں صاحب بتا دینگے کہ جو حرکت دیدی گئی وہ اگر کوئی قوت مانع نہو تو وہ حرکت از خود بند ہو ہی نہیں سکتی۔ اب جب دوسرے سیارے میں جانے لگے تو جسم کو کافی حرکت دی وہ دوسرے سیارہ تک چلا جائے گا۔ جب کرۂ ہوا سے گذرنے لگے تو اس وقفہ کے لئے جس میں اس سیارہ میں پہونچیں گے۔ حبس دم کرلے اب ہوا کا نہونا کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ اور اس سیارہ میں پہونچکر زندہ ہو گئے۔ ابھی حال میں ایک سوامی

ازدواجی زندگی اور فلسفۂ مہر

از عالیجناب الحاج سید جلال الدین حیدر صاحب، ایم اے

اس زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور معاشرتی زندگی بجائے درست ہونے کے بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے اگر ہم نے دوراندیشی اور اخلاقی جرأت سے کام نہ لیا تو ایک دن (خدا نہ کرے) ایسا آنیوالا ہے کہ ہم اپنی ساکھ کھو بیٹھیں اور زندہ قوموں سے منزلوں دور نظر آئیں۔ ہماری گھٹی میں اسراف ہے۔ اگر کسی نے ہم کو ہدایت کرنا چاہی تو یہ جواب آسانی کے ساتھ زبان پر آجاتا ہے کہ کیا کریں خاندانی رسوم و روایات کو کس طرح چھوڑیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ بزرگ کسقدر خوشحالی میں اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ دولت تھی حکومت تھی جیسا چاہا کر گذرے۔ لیکن خود ہمارے کاروباری دنیا میں آنیکے اور اپنی قوت بازو سے کچھ کمانے کے باپ دادا کے اندوختہ پر نظر جمائے ہوئے ہیں۔ دھوکا فریب مکاری اور اسی قسم کے دیگر ذرائع سے خرچ مہیا کرنے کے فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

بہت سے خاندان جو کسی وقت میں صداقت شرافت اور دولت کے لئے ممتاز تھے آج تباہ نظر آرہے ہیں۔ ایک عالم کے گھر شیطان۔ دولتمند کے گھر محتاج شریف کے گھر ذلیل ذہنیت اور تنگ نظر افراد کی تعداد بڑھتی نظر آرہی ہے قوم کے لڑکے اور لڑکیاں اگر کچھ پڑھے لکھے ہوئے تو انکی بڑی تعداد مصنوعی اور عارضی آرائش میں مبتلا ہے۔ غیر محسوس طریقہ پر مغربی تہذیب کی رو میں بہتی نظر آتی ہے اور ذرا بھی نہیں سوچتی کہ کل کیا ہوگا۔

شادی کا مسئلہ جب انکے سامنے آتا ہے تو نیت یہی ہوتی ہے کہ بیوی ملے تو مالدار اور حسین تاکہ اُسکی دولت سے ہمارا بھی بھلا ہو۔ ولایت ہو آئیں اور اچھی زندگی بسر کریں۔ یہ خیال ذہن میں نہیں آتا کہ ازدواجی زندگی کا لطف کفایت شعاری۔ سلیقہ مندی۔ نیک مزاجی محنت اور مشقت میں ہے۔ میاں بیوی دونوں ایک گاڑی کے دو پہیہ ہیں دونوں ایک جان اور دو قالب ہو کر اپنے اپنے فریضہ کے ذمہ دار ہوں۔ کسب معاش مرد کا کام امور خانہ داری عورت کے متعلق ہے۔ اور بچوں کی صحیح جسمانی اور دماغی تربیت دونوں کا مشترکہ فریضہ ہے۔

عورت بیشک ایک حد تک بے بس ہے۔ اگر اسکے حقوق کا تحفظ نہ کیا جائے تو غریب کو مصیبت کا شکار رہنا ناگزیر ہوگا۔ اسلام کے قبل جنس اناث کو مال اور مویشی کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ انکے کسی حق کا

کیا ذکر۔ مورث کے مرنے کے بعد اسکی بیبیاں مال مویشی کی طرح ورثا پر تقسیم کی جاتی تھیں، سوتیلی ماؤں کے ساتھ مناکحت جائز بلکہ رائج تھی۔ لڑکیوں کی شادی کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ لڑکا اور اُسکے قبیلہ والے لڑکی کے قبیلہ اور گھر پر یلغار کرتے تھے اور لڑکی کو لیکر گھوڑے یا اونٹ پر بھگا لیجاتے تھے ہندوستان کے بعض حصوں میں اسکی یاد اب بھی اس شکل میں موجود ہے کہ دولھا صاحب دلھن کے گھر پر گھوڑے ہی پر چڑھکر جاتے ہیں اور دُلہن والوں کو پھول سے لپٹی ہوئی چھڑیوں سے مارتے ہیں اسلئے کہ اب یلغار کا موقعہ نہیں رہا۔ ڈومنیاں دلہن والوں کی طرف سے دولھا اور اسکے خاندان بھر کو مغلظات سناتی ہیں کہ پناہ بخدا۔ اسلئے کہ اب سوائے گالیوں کے کوئی بس نہیں چلتا۔

دنیا کو اسلام کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اسکی بدولت عورتوں کے حقوق محفوظ ہوئے اپنے باپ کی اولاد کی۔ شوہر کی وارث قرار پائیں بیاہ کے بعد خواہ بنتی ہو یا نہ بنتی ہو ہمیشہ کے لئے لونڈی نہیں بنگئیں۔ طلاق کو مرد کے لئے بدرجۂ مجبوری جائز کیا جبکہ دو عادل موجود ہوں اور صیغہ جاری کرنیوالا صحیح تلفظ سے صیغہ ادا کر سکے اسیطرح مصیبت کے وقت میں عورت کو بھی خلع کا اختیار دیا۔ شوہر کے مرنے کے بعد اسکے ساتھ جل مرنا۔ عمر بھر بیوہ رہنا۔ اندر مرزہ شوہر کا نام جسے جانا اب کوئی قوم پسند نہیں کرتی۔ عقد بیوگان اُن مذاہب میں بھی چل پڑا جنکی شریعتیں اس کو جائز قرار نہیں دیتی تھیں زن و شو کو ایک بنانیکے بعد ان کی ملکیتوں کو علحدہ بھی رکھا تاکہ عورت بالکل بے بس نہو جائے۔

منجملہ انھیں حقوق کے مہر بھی عورت کا ایک حق ہے جسکو اسلام نے بڑی ہی مصلحت کی بنا پر قائم کیا ہے۔ یہ شوہر سے زوجہ کو شوہر کی زندگی میں ملتا ہے۔ مورث کے مرنیکے بعد وارث کی حیثیت سے ترکہ کیطرح تقسیم ہوکر نہیں ملتا۔ عورت کا نان و نفقہ اگرچہ مرد پر واجب ہے لیکن اسکی اور صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ خدا نہ کرے عورت کو مرد سے علحدہ رہکر زندگی بسر کرنی پڑے۔ لیکن امکان یقینی ہے مہر کالعدم ہونیکی صورت میں زمانے ایسی مصیبت کی ماری عورت کی بسر اوقات کی کیا صورت ہوگی۔

آج کل کے مہر کا رواج بہت قابل اصلاح ہے۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کبھی اس امر کی مقتضی نہیں کہ اتنے بڑے مہر ہوں جنکی ادائیگی ناممکن ہو اور تمام عمر کے لیے بھی انکا دا کرنیکا خیال نہ پیدا ہو۔ مہر اسقدر کم بھی نہ ہونا چاہیئے کہ شوہر جب چاہے اسکو پھینک کر فارغ خطی حاصل کرلے اور زوجہ کو شدید مصائب میں مبتلا کردے۔

رسولؐ کی بیٹی کا مہر ظاہری بیشک کم تھا رسول کا داماد آب کشی کرتا باغ کو سینچتا مزدوری کرتا تب اسکا اور اسکے بچوں کا فاقہ ٹوٹتا۔ رسول کی بیٹی خود پکاتی رہتی جکی پیستے پیستے ہاتھ زخمی ہوجاتے

تب کھانا نصیب ہوتا۔ اُن شوہروں کے لئے جو مزدوری پیشہ ہیں آج بھی مہر فاطمی نہایت موزوں ہے۔
اس مسئلہ پر ذرا اقتصادی حیثیت سے نظر ڈالئے کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں میں مصارف بیجا کرنیوالوں کی کافی تعداد موجود ہے۔ وہ بڑا خوش نصیب مسلمان ہوگا جسکی آمدنی اور خرچ کی میزان برابر بطابق ہو ورنہ عام طور سے تو یہی ہے کہ خرچ کا پلہ آمدنی سے ہمیشہ بھاری رہتا ہے۔ ایسے مسلمان جنکے یہاں خرچ آمد سے کم ہوا اور تو فیر ہوا کرتی ہو شاذ و نادر ملیں گے۔ جو نہیں کے برابر ہیں۔ ایسی صورت میں مہر کے نام سے کچھ نہ کچھ بچانا اور بی بی کی کتاب میں جمع کرتے رہنا کسقدر مفید ہوگا۔
خدا نہ کرے بی بی اور میاں دو علیحدہ چیزیں ہوں اور ایک کا مال و متاع دوسرے کا نہ ہو۔ یہ مجبوری کی بحث حقیقت میں دونوں کے بطن غالب اور انکی اولاد کے یقیناً کام آئیگی "کوڑی نہ رکھ کفن کو" کا اب زمانہ نہیں مہر ادا کرنا شوہر کا کام ہے نہ کہ اُسکے باپ کا یہ بڑی بے حمیتی ہے کہ شوہر اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرنے کے بجائے باپ کی جائداد پر تقط جمائے رکھے۔
اس ضمن میں مجھے ایک واقعہ یاد آیا جسکا تذکرہ مناسب سمجھتا ہوں۔ رسُول مقبول نے جب مہر کا تعین زوجین کی باہمی رضامندی پر منحصر رکھا اور خود نمونۂ عمل بنے تو مسلمانوں میں چونکہ ابتداً بالعموم غربت تھی تھوڑے تھوڑے مہر ہوا کئے۔ حضرت عمر کا زمانہ آتے آتے جب مسلمانوں میں دولت کی ریل پیل ہوگئی تو خود بخود مہر بڑے بڑے ہونے لگے۔ ابھی رسُول کے زمانہ کو بہت مدت نہیں گذری تھی اور سادگی کلیتاً غائب نہیں ہوئی تھی۔ حضرت عمر نے ایک مرتبہ ممبر پر مسجد رسول میں عورتوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم لوگ اپنے مہروں کو بڑھاتی نہ جاؤ۔ مجمع میں سے ایک عورت کھڑی ہوئی اور اس نے پوچھا خلیفۃ المسلمین کیا آپکو شریعت کے بدلنے کے بھی اختیارات ہیں فرمایا کہ نہیں اس نے کہا کہ جب قرآن نے ہمارے مہروں کو نحلہ (یعنی بہت بڑی کثیر رقم) قرار دیا ہے تو آپ اس میں دخل دینے والے کون۔ حضرت عمر کو جواب دینا پڑا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ تمکو اپنے مہروں کی کمی اور زیادتی کا خود اختیار نہیں ہے۔ بلکہ میں تو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اتنے بڑے مہر اپنے نہ رکھو کہ پھر تمہیں کوئی پوچھے بھی نہیں اور تم مجبور بیٹھی رہ جاؤ۔
حضرت عمر کو اسکا خیال کہاں آیا ہوگا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جبکہ بے حمیت مسلمان قیاس سے بھی زیادہ بڑے مہر پر راضی ہوجائینگے کیونکہ ادا کرنیکا تو نام نہ لیں گے بڑے متشرع ہونگے تو بخشوا لینگے چلو چھٹی ہوئی۔
بڑا ہی اچھا ہو اگر عام مسلمین قوم کی گری ہوئی حالت کا صحیح اندازہ رکھتے ہوئے اسلام کی سچی تعلیم ازدواجی زندگی اور فلسفۂ مہر پر گہری نظر ڈالیں اور ان پر عمل کریں غنیمت ہے کہ کہیں کہیں خال خال

ایسے لڑکے بھی نظر آتے ہیں جو سماجی رسموں کی پابندیوں سے دور رہنا چاہتے ہیں اگر شادی کا مسئلہ آسان کر دیا جائے اور قابل ترک رسمیں نظر انداز کر دی جائیں تو بہت سی دشواریاں دور ہو جائینگی۔

حقوق نسواں اور مکر و فریب کے جال سے نجات کے ضمن میں ایک واقعہ امام حسینؑ کے زمانہ کا بھی بعض کتب اہلسنت میں درج ہے کہا جاتا ہے کہ ارینب بنت سحق اپنے زمانہ کی نہایت حسین عورت تھی۔ کثیر تعداد خوشحال لوگوں کی اس سے خواستگاری کر چکی تھی لیکن اس نے اپنا عقد ایک شخص عبداللہ نامی سے کر لیا تھا۔ دونوں صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے رفیق حیات تھے اور بہت خوش گذران زندگی بسر کر رہے تھے۔ ارینب کے عاشقوں کی فہرست میں یزید ابن معاویہ سب سے آگے آگے تھے اوروں کے سر سے تو عشق کا بھوت ارینب کی شادی کے بعد اتر گیا تھا لیکن شاہزادہ صاحب جنکے لئے حال ہی میں زور ظلم اور چال بازیوں سے ولیعہد سلطنت ہونیکی بیعت بھی لے لی تھی کہاں خاموش ہونیوالے تھے انھوں نے باپ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر ارینب میرے عقد میں نہ آئی تو میں آپ کی نوازشات کو ہیچ سمجھونگا۔

امیر معاویہ کے ناخن تدبیر نے اس گتھی کو سلجھانے کی تدبیر فوراً سوچ لی عبداللہ پر نوازشات کا مینھ برسا دیا یہاں تک کہ اپنی صاحبزادی کو اپنا راز دار بنا کر عبداللہ کو اپنی دامادی کا شرف عطا کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ اب کیا تھا میاں عبداللہ کا دماغ چل گیا۔ امیر کی لڑکی کے ساتھ سوکن کا کہاں گذر۔ بیچاری ارینب کو امیر کا داماد بننے کے شوق نے طلاق بھی دلوا دی۔ یہ سب جب ہو چکا تو بہت آسانی سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ امیر صاحب تو بالکل عقد کر دینے پر طیار ہیں لیکن لڑکی کسیطرح رضامند نہیں ہوتی۔ اب عبداللہ کا نہ وہ اعزاز و اکرام رہا اور نہ وہ جاہ و منصب ان حادثات کا عبداللہ اور ارینب پر کیا اثر ہوا اسکے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ عبداللہ تو مفلوک الحالی میں بسر کرنے لگے ارینب باپ کے گھر آ گئی اور اسکے طالب پھر پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ چنانچہ یزید کیطرف سے پیام لیکر حضرت ابو درداء صحابی رسولؐ بھیجے گئے۔ یہ کوفہ جانے سے پہلے۔ مدینہ میں آکر امام حسینؑ سے بھی ملے امام کے استفسار پر انھوں نے بتایا کہ وہ کوفہ کس مقصد سے جا رہے ہیں۔ امام نے حضرت ابو درداء سے فرمایا کہ ارینب کو آپ میری طرف سے بھی عقد کا پیام دیدیجئے گا۔ چنانچہ جب یہ کوفہ پہونچے اور ارینب تک انکی رسائی ہوئی تو انھوں نے یزید۔ امام حسینؑ۔ اور خود اپنی طرف سے بھی پیام عقد دیا۔ ارینب نے پیام سنکر کہا کہ آپ بزرگ اور صحابی رسولؐ ہیں آپ خود مجھے رائے دیجئے کہ میں کس کے پیام کو قبول کروں۔ انھوں نے نہایت بے لاگ مشورہ دیا کہ اگر تو حکومت اور دولت

کی خواہش مند ہے تو یزید کو قبول کر اگر عزت و شرف حاصل کرنا اور عاقبت بنانا چاہتی ہے تو امام حسینؑ بہترین آدمی ہیں۔ لطف شباب اور لذائذ دنیا سے متمتع ہونا چاہتی ہے اور مطیع شوہر کی آرزو مند ہے تو پھر میں حاضر ہوں۔ ارینب نے امام حسینؑ کا پیام قبول کیا اور بیت الشرف امامت میں داخل ہو گئی۔ امیر صاحب کی چال بازی اس موقعہ پر کام نہ آئی۔

ان واقعات کے بعد عبد اللہ غریب کو جب عسرت میں بسر کر رہا تھا یاد آیا کہ اُس نے اپنی سابقہ زوجہ ارینب کے پاس کچھ زر نقد امانتاً رکھا دیا تھا یہ مدینہ آیا اور امام کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی شکستہ دلی سے اپنا مدعا ظاہر کیا امام بہ رفق و مدارا پیش آئے اور عبد اللہ کو اجازت دی کہ وہ پردہ کیساتھ ارینب سے خود دوبدو گفتگو کرے۔ چنانچہ ارینب نے عبد اللہ کی تھیلی سر بمہر حاضر کر دی۔ اس ردو بدل میں دونوں کو اپنا پرانا وقت یاد آنا فطری تھا۔ دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ امام نے فرمایا کہ میں نے یہ عقد اسی لئے کیا تھا کہ تیری زوجہ تجھکو واپس ملے دوسرے کسی سے عقد ہوا ہوتا تو تجھکو تیری زوجہ واپس نہ ملتی امام نے ارینب کو طلاق دیدیا اور بعد میں عبد اللہ اور ارینب پھر زن و شوہر کی طرح خوشی خوشی رہنے سہنے لگے۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو امام حسینؑ کا صنف نازک پر کسقدر عظیم احسان ہوا کہ آپنے عقد کر کے یزید کی چنگل سے بچایا اور انتہائی امانت کے ساتھ طلاق دیکر شوہر تک پہونچادیا ارینب کا کسی دوسرے کیساتھ نکاح ہو جاتا تو وہ پہلے شوہر کے حقوق کا کیوں خیال کرتا ایسا تو صرف ایک معصوم ہی کر سکتا ہے جسکو اپنے مفاد کا مطلق خیال نہو اور وہ دوسرے کے نفس کو اپنے نفس پر ترجیح دے بہرحال یہ تو جملہ معترضہ تھا سیرت معصوم سے کہیں ثابت نہیں ہے کہ مسلمان اپنی عورتوں کے لمبے چوڑے مہر مقرر کریں۔

پدرم سلطان بود کہنے والے اگر مہر کی تعداد لاکھوں تک پہونچائیں تو کچھ زیادہ تعجب نہیں ہے رسی جل جاتی ہے اور بل باقی رہتا ہے لیکن نادار طبقہ اور چھوٹی آمدنی والے لوگ لڑکی والوں کے رسم و رواج سے مجبور ہو کر کثیر التعداد مہر ادا کرنے کا اقرار کر لیتے ہیں اور شریعت کے فریضہ کو سبک سمجھکر دل میں کہتے ہیں کہ کون ادا کرتا ہے اگر یہ ارادہ ہوا تو یاد رہے کہ نکاح صحیح نہو گا۔ ہمارے نوجوانوں کو چاہئے کہ ازدواجی زندگی شروع ہونے سے پہلے مہر کی اہمیت پر نظر کر لیں۔

کواپریٹیو شیعہ بنک لمیٹڈ بڈھانہ ضلع مظفر نگر کے رجسٹری ہونیکے بعد پہلے سال کا سالانہ جلسہ

بفضل ایزدی بڈھانہ کے شیعہ بنک جس کا سابقہ نام انجمن امداد باہمی تھا تاریخ ۱۱ محرم سنہ ۶۵ھ کو نویں سال کا سالانہ جلسہ ظہور پذیر ہوا۔

کارروائی جلسہ قران خوانی سے شروع ہو کر زیر صدارت جناب منشی ایس۔ ایم فتح حسین صاحب ماسٹر عربک ہائی اسکول دہلی ایک سال گذشتہ کا حساب روبرو ممبران پیش ہو کر پاس ہوا۔

بنک کا منظور شدہ سرمایہ	بیس ہزار روپیہ ہے
فروخت شدہ حصہ جات	۱۴۲۵۰ روپیہ
بنک کا اصل سرمایہ	۱۳۱۲۴ روپیہ
سال میں جو قرضہ دیا گیا	۹۸۳۵ روپیہ
روپیہ جو بنک کو سال میں حاصل ہوا	۶۹۰۰ روپیہ
روپیہ جو بنک کو معاوضہ میں حاصل ہوا	۴۰۵ روپیہ
تحویل موجودہ	۸۲۰۱ روپیہ

اس انجمن کی رجسٹری باقاعدہ بنک کے نام سے بفضلہ ۱۰ اپریل سنہ ۴۵ء کو ہو چکی ہے متعدد رزولیوشن پاس ہوئے منجملہ انکے اصلاحی رسوم سے تعلق رکھتے ہوئے متوفی کا رسم چہلم عزیز اقربا اور دوستوں کو کھانا کھلانے کے دنیاوی ظاہری رسم کو بند کیا گیا۔ اور اسکے بجائے ایصال ثواب کے لئے مناسب قلیل رقم کار خیر میں دینے کی منظور ہوئی۔ بڈھانہ بنک عرصہ نو سال سے متواتر نہایت کامیابی کے ساتھ کام انجام دے رہا ہے جس میں اسوقت ۶۳ ممبران شریک ہیں۔ اور کاروبار غلہ کی تجارت اور ممبران کو قرضہ جات تجارت وغیرہ کے لئے دیا جا کر ممبران کے سرمایہ کی معقول اصلاح اور ترقی ہو رہی ہے۔

بڈھانہ سے متواتر سال ہا سال سے قوم کو متحرک کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے اپنے مقامات پر انجمن ہائے انجمن امداد باہمی بنا کر قوم کی اصلاح اور بہبودی کریں چنانچہ اخبار منشور اور دیگر اخبارات میں اور شیعہ پولیٹیکل کانفرنس میں رزولیوشن پاس ہوئے ہیں لیکن افسوس ہے کہ قوم نے باعمل ہونیکا ثبوت ابتک نہیں دیا ہے

زمانہ گذر رہا ہے ہمسایہ اقوام اصلاح اور ترقی کیطرف مائل ہیں مگر مومنین ابتک۔ خواب غفلت سے بیدار ہونیکا نام تک نہیں لیتے۔ قوم کے سرمایہ داران اپنے روپیہ کو بڑے بڑے صنعتی اور تجارتی کاموں میں لگانے سے درگذر کر رہے ہیں۔ غربا امداد باہمی کے طریقہ سے گریز کر رہے ہیں۔

ان تمام فرو گذاشتوں کا نتیجہ قوم کے لئے ہرگز بہتر نہیں ہو سکتا اور قوم آخرکار بے دست و پا ہوکر دست نگر ہو جائے گی۔ لہذا قوم اور لیڈران قوم کا فرض اولیں ہے کہ وہ جلد سے جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کیلئے تیار ہوجائیں اور سرمایہ داران فوراً کپڑے کے مل شکر کے مل اور بڑے بڑے مصنوعات ذاتی روپیہ سے یا فروختگی حصص سے نہایت ایمانداری خوش نیتی اور خوش اعتقادی سے جاری کرکے اپنا اور قوم کے فائدہ کا ہاتھ بٹا دیں۔ بیکاروں ناداروں اور ادنیٰ طبقہ کے مومنین امداد باہمی کے طریقہ پر سرمایہ جمع کرکے بڑی بڑی تجارتوں میں شریک ہوکر ترقی حاصل کریں۔ امداد باہمی کے اصولوں کی پابندی کے لئے شیعہ بنک بڈھانہ کے سابقہ بائی لاز مراذی دو آنہ کے ٹکٹ ارسال کرکے مفت حاصل کریں۔

المشتہر　ناظر حسین ڈاکٹر　سریخ کوآپریٹیو شیعہ بنک لمیٹڈ　بڈھانہ ضلع مظفر نگر

عشرۂ محرم الحرام جمالپور احمد آباد

امسال بھی مثل سالہائے گذشتہ مومنین محلہ مذکور نے ۳ مہینہ کی مسلسل جانفشانی اور ۱۲۰۰ روپیہ کے خرچ سے ۲۰ فٹ اونچا تعزیہ اس کاغذ کی نایابی کے زمانہ میں تیار کر کے اسمیں چاندی کی ضریح مبارک ۴ فٹ اونچی اور ۳ فٹ چوڑی سطور سے رکھی کہ زیارت کرنیوالوں کی آنکھیں خیرہ کرنے لگیں۔ یوں تو کئی مجلسیں روزانہ ہوتی تھیں لیکن مومنہ وارڈ کے امام باڑہ کی مجلسیں تبلیغی حیثیت سے زیادہ اہمیت رکھتی تھیں روزانہ برادران اہلسنت کے کثیر مجمع میں جناب مولانا حکیم سید مرتضیٰ صاحب صدر الافاضل ملیاپی واعظ سابق مدرسۃ الواعظین لکھنؤ ہندی کے رنگ میں تبلیغی فرض ادا کرتے تھے۔ ۷ تاریخ کو اتفاق سے مولوی سید ابرار حسین صاحب تشریف لائے تھے علم مبارک کے اٹھنے سے پہلے مختصر سے وقت میں مختصر سے بیان سے مومنین کو بہت متاثر کیا۔ ۸ کی شبکو ممبران خندق کمیٹی و دیگر نوجوانوں نے آگ پر ماتم کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ماتمی دستے کیواسطے نار گلزار بن گئی تھی کسی پر آگ کا اثر نہیں ہوا اس وقت عجب سماں بندھا تھا سنی افسران بالخصوص و عام مجمع جس میں ہندو بھی تھے بہت متاثر ہوئے اور نام حسین علیہ السلام کی کرامت کے قائل ہو کے یہ الیس ہوعضکہ ایکی ہر حیثیت سے عزاداری یادگار رہی خداوند عالم مومنین کے توفیقات زیادہ فرمائے۔ والسلام

فدا علی جے مومن صدر انجمن جعفریہ و ممبر منیجنگ کمیٹی انجمن فیض پنجتن　احمد آباد

امام باڑہ میر بھیکھو سہسرام

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین منی وانا من الحسین۔

اجرش و ہد خدائے کہ کردند یاوری ٭ باآں کساں کہ یاور و ناصر نداشتند

شاہ عالم ثانی بادشاہ غازی کے عہد میں قصبۂ سہسرام میں میرے جد اعلیٰ سید غلام مصطفیٰ معروف بہ میر بھیکھو مرحوم تھے جو خاندان قاضی سے تھے اور مع اقران و اقارب ہبا اثنا عشری تھے۔ اس بزرگوار ممدوح نے مجالس عزا اور دیگر اعمال محرم کے لئے ایک امام باڑہ بنوایا تھا جو آجتک قائم ہے۔ اور یکم محرم سے سیوم کی مجلس تک تمام عزاداری کی رسمیں ادا کیجاتی ہیں۔ اور مجلس میں شریک ہونیوالوں کو شربت کے بعد مٹھائی بھی پیش کیجاتی ہے۔ بروز عاشورہ اس امام باڑہ کے علم و تعزیہ نکلتے ہیں جو کربلا (واقع شیر گنج) میں دفن کئے جاتے ہیں۔ میں اپنے اعتقادات راسخہ کی بنا پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ ضریح مبارک اور علم سے محیر العقول معجزے رونما ہوا کرتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ واقعات معجزہ اخبار کے پرچوں میں شائع کراؤں تو ہندوستان کے چاروں دانگ سے مومنین آکر مجتمع ہوں اور زیارت سے مشرف ہوں۔ سنہ ۱۹۲۳ء سے کچھ بد باطن مفسدین نے امام باڑے پر غاصبانہ قبضہ کرنے کیلئے مقدمات دائر کئے۔ یہ عدالت فوجداری کے مقدمات پٹنہ ہائیکورٹ تک پہونچے اور شاہی عزا وقف نامہ کی تصدیق پر میں نے بفضل خداوندی ڈگری حاصل کی لیکن مقدمات کے اخراجات تقریباً دو ہزار سے بالا ہیں۔ جنکی وصولی کی امید بھی فریق ثانی سے نہیں ہے۔ یہ امام باڑہ خام ہے اور اسقدر بوسیدہ ہو گیا ہے کہ اسکے منہدم ہو جانیکا احتمال ہے۔ اخراجات مقدمات نے ہر چند میری حالت ایک حد تک کمزور کر دی ہے۔ لیکن اپنی کم بضاعتی پر بھی میں اسکی مرمت اور قلعی پر حسب استطاعت خرچ کیا کرتا ہوں۔ چونکہ میری کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے اس لئے مکان مسکونہ قلیل املاک کو میں نے نذر حسینؑ کر دیا ہے۔ امتداد زمانہ کے سبب تمام عزاخانہ مخدوش ہو گیا ہے اور عجب کیا ہے کہ بہت جلد گر کر زمین کا پیوند ہو جائے اور شہدائے کربلا کی یہ دو سو برس کی یادگار فنا ہو جائے۔ مجھے اس نازک حالت کی اطلاع مومنین کو دینی لازم ہے کہ وہ از راہ کرم میری امداد و اعانت کریں اگر امام باڑہ از سر نو پختہ بنجائے تو رسوم عزاداری قائم رہجائیں گے۔ میری یہ استدعا ہے کہ اہل دول مومنین دامے درمے میری امداد فرما کر خوشنودی اہلبیت حاصل کریں۔ اگر ہمگی اپنی قلیل املاک کی آمدنی پختہ امام باڑہ بنانے میں صرف کر دوں تو انتظام عزاداری میں مصارف انعقاد مجالس محرم کا بہم ہونا دشوار ہوجائے۔ محبان حیدر سے امید ہے کہ وہ اپنی خاص توجہ اسطرف مبذول فرمائینگے جو صاحب مالی امداد فرمائیں وہ رقوم امدادیہ بنام متولی روانہ فرمائیں رسید معہ شکریہ بصیغۂ ڈاک روانہ کیجائیگی۔

المستدعی شفاء الملک حکیم کریم الدین متولی امام باڑہ میر بھیکھو مرحوم، محلہ شاہ جمعہ سہسرام ضلع شاہ آباد

پیغمبر اسلام کی فضیلت
آدم و خاتم کی سواریاں
براق نبوی پر ایک نظر

بنی آدم کی آسائش و آرام کے لئے صانع عالم نے جو بیش بہا اور ناقابل شمار نعمتیں مادر گیتی کی آغوش میں ودیعت فرمائی ہیں حاشا میرا ارادہ نہیں کہ ان کے استقصار پر قلم اٹھاؤں قرآنی آواز ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (پ۱۳ ع۱۶) اگر اللہ کی نعمتوں کو گنو گے تو ان کا شمار نہ کر سکو گے، انسانی کمزوری پر صریح نص ہے تاہم مجھے یہ معلوم ہے کہ ان بے شمار نعمتوں میں ایک وہ نعمت عظمیٰ بھی ہے جس کا ذکر خود خلاق عالم نے تکریم بنی آدم کا ذکر کرتے ہوئے مقام امتنان میں سب پر مقدم کیا ہے ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبات اور ہم نے بنی آدم کو خلعت تکریم پہنایا اور انھیں بر و بحر میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاک و پاکیزہ رزق دیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منعم حقیقی کی طرف سے جو خاص عزتیں اشرف المخلوق کو ملیں ان میں سواری کی حیثیت ایک نمایاں حیثیت ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نگینہ کے لئے انگشتری اور قرآن کے لئے رحل کی ضرورت کبھی نہ ہوتی، جواہر اسوقت آشکارا ہوتے ہیں جب شئی بلند کی جائے نوع بشری کا ارتفاع مختلف سواریوں کی مدد سے ہوا۔

ان کے دماغ میں جوہر عقل اور دست و بازو میں وہ طاقت دیگئی کہ اس نے وحشی چوپایوں کو اپنے دام میں اسیر کیا اور راستوں کی دشواری اور آسانی کا لحاظ کرتے ہوئے سواریاں علیحدہ علیحدہ مقرر کیں چٹیل میدانوں سے گذرنے کے لئے حیوانات میں خوشنما ترین جانور ،، خیل ،، گھوڑا منتخب کیا اور سب سے پہلے حضرت اسمٰعیل گھوڑے کی پشت پر دکھائی دیے (مجمع البحرین) اور قدر شناس ہستیوں میں یہ بات ضرب المثل مشہور ہوئی (الخیر معقود فی نواصی الخیل (نیکیاں گھوڑوں کی پیشانیوں سے وابستہ ہیں) آخر میں اس مقولہ نے اس قدر ترقی کی کہ گھوڑے کو بجائے ،، خیل ،، کہنے کے خیر کہنے لگے چنانچہ قصہ سلیمان میں انی احببت حب الخیر انھیں معنوں میں آیا ہے، اسی طرح ریگستانی زمینوں میں اونٹ کی سواری کی ضرورت محسوس کی گئی عرب میں ناقہ سفائن البر خشکی کی کشتیاں کہے گئے (دیکھو حیوۃ الحیوان چاپ مصر ص۱۳)

یہ وہ بہترین سواریاں تھیں جنکی موجودگی میں تہ آب زمینوں پر چلنے کے لئے ہاتھی کی سواری تجویز کی گئی

اور سب سے پہلے ہاتھی مسخر کیا گیا (دیکھو ترجمہ تاریخ طبری صفحہ ۲۶)

یہ حضرت انسان ہی کی طاقت کا کرشمہ تھا کہ اس کے زیر ران وحوش نظر آئے اور اپنے سواروں کو زینت دی یہ مطلب بھی قرآن کریم میں موجود ہے والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا و زینۃ (خدا نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور اس میں سجاوٹ بھی ہے۔ (پ ۱۴ ع ۱)

دیباچہ تحریر میں ہم اس سے زیادہ روشنی ڈالنا نہیں چاہتے ہیں ارباب عصمت کی سواریوں میں آدم و خاتم کی دو سواریاں پیش کرنا ہیں تاکہ مبدا و منتہا ایک نقطہ پر منطبق ہو۔

آدم کی سواری اس میں شبہ نہیں کہ بنی نوع انسان کو خزانۂ قدرت سے جو بھی خلعت ملا اسکو پہلے ابو البشر نے زیب جسم کیا اور ہر اچھائی کے جامہ زیب وہی ہوئے چنانچہ کارخانۂ الوہیت سے جو سواری انھیں مرحمت ہوئی وہ بھی ممتاز ہے صفی خدا کی تاریخ میں ہے رفع آدم علی مناکب الملائکۃ آدم فرشتوں کے کاندھوں پر اٹھائے گئے (مناقب)

یہ امر تشنۂ تحقیق ہے کہ حضرت آدم کی سواری کب اور کس وقت نکلی اہل کمال کے قلم اس محل پر رُکے ہوئے ہیں ممکن ہے کہ جب آدم نے مشیت الٰہی سے جنت کو خیر باد کہا ہو اسوقت میزبان قدرت نے واپسی کا یہ انتظام کیا ہو درحقیقت عالم بالا سے عنصر خاکی کا روئے زمین کی طرف اترنا اور وہ بھی پہلی مرتبہ راستہ سے اجنبیت۔ دنیوی فضا میں کبھی قدم نہ پہونچے تھے زمانہ کی سرد و گرم ہوائیں جسم سے مس نہ ہوئی تھیں ایسے مسافر کے لئے ضرورت اسی کی تھی کہ سواری پر روانہ کیا جائے ورنہ عدل الٰہی پر حرف آتا عقل بھی یہی کہتی ہے کہ دوش ملک پر اتارے گئے ہوں۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت زمین کے فرش پر صحراؤں میں چرند اور دامن کوہ میں خونخوار درندے خلعت تخلیق سے آراستہ بھی ہوئے تھے یا نہیں اگر اجزاء ارضیہ سے درختوں میں نمو پیدا ہو چکا تھا تو شاخ درخت پر طیور کی نغمہ سنجیاں سننے والے تو یقیناً نہ تھے سبزہ کی مسند پر کسی کے قدم نہ پہونچے تھے۔ اور اشرف المخلوق کی بزم آراستہ نہ ہونے پائی تھی محفل ہستی میں سناٹا تھا اور مصلائے ارض بشری تسبیح و تقدیس کی صداؤں سے خالی تھا کہ دنیا کے دن پھرے اور ایک فلک نشین بندہ جسکی تخلیق اور نشو و نما اہل عصمت کے جھرمٹ میں ہوئی تھی تاج استخلاف کا مالک ہو کر یہاں نو وارد کی صورت میں پہونچا اور مشت خاک کا خمیر صدیوں کے بعد یہ رنگ لایا کہ آدم زمین پر آئے اور اُن کے عارضی وطن کی ہوائی مخالف نے دنیا میں قدم نزل کیا دیکھنے کی یہ بات ہے کہ جب حضرت آدم ملاء اعلیٰ سے زمین کی طرف بھیجے جانے کے لئے یوں رخصت کئے گئے کہ دوش ملک پر سوار تھے تو وہ مرسل جو خدا کا حبیب کہا گیا ہوئے زمین سے ملاء اعلیٰ کی طرف بلانے کیلئے اگر شب معراج

براق بھیجا جائے تو کیا تعجب ہے

خاتم کی سواری ہی ہمارا اصل مقصود ہے اور آج قارئین الواعظ کی خدمت میں حضرت ختمی مرتبت ہی کے مرکب کا حال بیان کرنا ہے تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو کہ وہ حضرت بہترین خلق تھے کسی نبی اور رسول کو یہ اعزاز حاصل نہ تھا کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے مرکب پر سوار ہو کر عالم بالا کی سیر کرے اور اس رسول عربی کے زیر ران نہ عدیم المثال رہوار ہو جس کی تخلیق ید قدرت سے ہوئی ہو اور عنان اسکی عصمت پوش ملک کے ہاتھ میں دیکر بیت عصمت و طہارت پر پہونچایا جائے۔

براق کے وصف سے سیرت نبوی کے صحائف چھلک رہے ہیں اگر ہم کو طول کا خوف سد راہ نہ ہوتا تو وہ اخبار اس محل پر پیش کرتے جو اہلبیت طاہرین کی زبان سے صادر ہوئے ہیں براق کی کنیت ابو ہلال تھی اور اپنے اوصاف میں عجیب و غریب فرس تھا تاریخ میں ہے :-

ھی دابة رکبھا رسول اللہ لیلة الاسریٰ سمی بذالک لشدة بریقة وقیل لسرعة حرکتہ تشبیھا بالبرق وجاء وصفہ اصغر من البغل واکبر من الحمار مضطرب الاذنین عیناہ فی حافرہ خطامہ مد بصرہ اذا نتھیٰ الی جبل قصرت یداہ وطالت رجلاہ واذا اھبط طالت یداہ وقصرت رجلاہ لہ من خلفہ جناحان (مجمع البحرین و مطلع النیرین للطریحی ص ۳۵۶)

وہ ایک چوپایہ تھا جس پر رسول اللہ شب معراج سوار ہوئے تھے اپنی چمک دمک کی شدت کے سبب اس نام سے نامزد ہوا اور ایک قول یہ ہے کہ بسبب اپنے سریع الحرکت ہونیکے بجلی سے تشبیہ دینے کے لیے براق سے موسوم ہوا خچر سے چھوٹا تھا اور گدھے سے بڑا دونوں کان متحرک دونوں آنکھیں اسکے سموں میں مہار اسکی مد نگاہ پہاڑ پر چڑھتے وقت ہاتھ اسکے چھوٹے اور پاؤں لمبے اور اترتے وقت ہاتھ اسکے لمبے اور پاؤں اسکے چھوٹے ہو جاتے تھے اور اسکی پشت پر دو پر تھے۔

دلچسپ واقعہ اس دنیا کے طول عرض میں جو مذاہب پھیلے ہوئے ہیں ان میں ہر مذہب اپنی متفقہ طاقت سے اسلام کے شیرازہ کو منتشر کر دینے کی کوشش کر رہا ہے اور نہ صرف قانون اسلام کے دفعات پر معترضانہ انداز سے نظریں ڈال رہا ہے بلکہ واقعات اسلام کی بیخکنی اپنا فرض اولیں جانتا ہے۔ غیر مسلم آریہ کہتے ہیں۔

"سخت حیرت کی بات ہے کہ پیغمبر اسلام شب معراج ایک ایسے گھوڑے پر گئے جو پردار تھا کوئی عقلمند اسکو یقین نہیں کر سکتا کہ محمد صاحب کے لئے خدا نے ایک خاص طرح کا جانور پیدا کر کے بھیجا اگر دعویٰ پر کوئی دلیل ہے تو ضرور بتائیے یا زبانی جمع خرچ ہے۔"

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ گھوڑا ایک حیوان ہے اسکے پردار ہونے پر آریوں کو تعجب کیوں ہے واقعات عالم سے ان کے بے خبر ہونیکا اس سے زیادہ اور کوئی ثبوت نہیں اگر تاریخ کی سیر کی ہوتی تو انھیں مخلوق میں پردار انسان نظر آتے علامہ قزوینی کموئی رمطراز ہیں۔

منھا امة بجزیرة الزنج علی صورة الانسان ولھم اجنحة یطیرون بھا وھم بیض وسود وخضر۔ ان میں سے ایک زنگبار کے جزیرہ نما میں آدمی کی صورت ایک گروہ ہے کہ جنکے پر ہیں اور وہ انکی مدد سے پرواز کرتے ہیں وہ سفید سیاہ و سبز ہیں۔ (عجائب المخلوقات ص۳۱۳)

جب آدمیوں کے لئے پروں کا وجود تاریخ عالم سے ثابت ہوا تو حیوان کو بدرجۂ اولیٰ بال و پر کا استحقاق ہے اور اگر مخاطب بے فہم کو یہی ضد ہے کہ پردار گھوڑوں کا وجود ثابت کیا جائے تو ہم نے علم الحیوان میں یہ بھی دیکھا ہے کان لسلیمان خیل ذوات اجنحة سلیمان کے پاس پردار گھوڑے تھے۔

(حیوٰة الحیوان صفحہ ۱۷۸ جلد ۲ چھاپ مصر ۱۳۱۹ھ)

ہمیں اس عصبیت پر افسوس ہے کہ آریہ صاحبان نے جو اپنی علمی معلومات کا چار دانگ عالم میں ڈنکا بجاتے ہیں کبھی ایسے عجیب الخلقت مخلوق کے خلاف آواز بلند نہ کی اور پیغمبر اسلام کی طرف منسوب ہوجانیوالے مرکب کے وجود کو خلاف عقل سمجھتے ہیں عراق کے محکمۂ ڈاک میں ایک ٹکٹ پر پردار گھوڑے کی تصویر سے آراستہ ہے اسکو کسی نے بری نگاہ سے نہ دیکھا اور نیز اپنے مذہب کی بھی سیر نہ کی ورنہ اگر وید مقدس کے مطالب معترض صاحب کے پیش نظر ہوتے تو کبھی اس بے ادبی کی جرأت نہوتی۔

براق نبوی اور سیتارتھ پرکاش یہ پیغمبر کا اعجاز اور دین اسلام کی حقیقت کا ثبوت ہے کہ آج ہم دشمن کی رد میں انھیں کی مقدس کتاب سے آخری اور فیصلہ کن جواب دیکر اس بحث کا قلع قمع کر دینا چاہتے ہیں اسکے مطالعہ سے ہر انصاف پسند اس مطلب تک پہونچ جاتا ہے کہ براق کا وجود کوئی تعجب کی بات نہیں ملاحظہ ہو۔

"راجہ بھوج کی بادشاہت میں ایسے کاریگر موجود تھے جنھوں نے گھوڑے کی شکل کی ایک سواری بنائی تھی جو ایک گھنٹہ میں ۲۷ کوس اڑتی تھی" (سیتارتھ پرکاش صفحہ ۲۲۱)

جب ایک راجہ کی سرکار میں ایسے صناع موجود تھے جو اڑتے ہوئے گھوڑے بناتے تھے تو پھر کوئی تعجب کی بات نہیں اگر خلاق عالم اپنے حبیب کے لئے ایک ایسا راہوار بھیجے جو پردار ہو اس تقریر کے بعد پھر کسی آریہ میں حق کے خلاف اٹھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اللھم صل علی محمد وآل محمد

ستاروں سے آگے

۱۹۴۳ء میں ایک نہایت عظیم الشان دوربین تیار کرنے کا فیصلہ ہوا۔ مگر جنگ چھڑ جانے کے باعث اس کارروائی کو ملتوی کر دینا پڑا۔ اب خبر آئی ہے کہ یہ کام وسط نومبر سے دوبارہ شروع ہونے والا ہے اور غالباً جون ۱۹۴۷ء تک مکمل ہو جائے گا۔ کیلیفورنیا کے کوہ پالومر پر رصدگاہ کی شاندار عمارت پایۂ تکمیل کو پہونچ چکی ہے اور ساڑھے پانچ ہزار فٹ کی بلندی تک جانے کے لئے ایک نئی نو میل سڑک بھی بن گئی ہے۔ صرف دوربین کا مسئلہ باقی ہے۔ مجوزہ خاکے کے مطابق اس کا شیشہ دو سو انچ قطر کا ہوگا اس کا نام "چشم کبیر" رکھا گیا ہے۔ قیاس ہے کہ اس دوربین کو فلکیات کے ضمن میں "حرف آخر" کی حیثیت حاصل ہوگی دوسری طرف سیاروں میں پہونچنے کی کوشش کا سلسلہ بھی جاری ہے یہ تحقیق ہو جانے کے بعد کہ مریخ میں یقیناً اور چاند میں غالباً آثار حیات پائے جاتے ہیں ایسے تیز رفتار طیارے بنائے جا رہے ہیں جو اس کرۂ ارض کے انسانوں کو وہاں تک پہونچا دیں۔ ان میں سے ایک جہاز کی بابت دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ مسلسل پانچسو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے رہنے پر ۲۷ دن میں چاند تک اور ۲۱ سال میں سورج تک پہونچ جائے گا۔ خدا کرے یہ کوششیں بار آور ہوں اور قلت گنجائش سے تنگ آکر دست تطاول بڑھانے والی حکومتیں اپنے اپنے ملک کے باشندوں کو ان سیاروں میں منتقل کر کے نو آبادیات کے وہ مسائل حل کر دیں جن کی کبھی ختم نہ ہونیوالی پیچیدگیوں سے یہ دنیا ہمیشہ میدان جنگ بنی رہتی ہے۔ (ماخوذ)

رپورٹ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ

امسال انجمن حیدریہ (رجسٹرڈ) شملہ نے مولانا سید صابر حسین صاحب مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کو دعوت دی۔ چنانچہ مولانا موصوف محرم کے موقع پر تشریف لائے۔ سنجولی اور امامباڑہ بلتستانی محلہ شملہ میں بہت کامیاب مجالس پڑھیں۔

۸ محرم الحرام کو بوقت چار بجے شام علم مبارک جلوس کی صورت میں نکالا گیا۔ ۹ محرم الحرام کو بوقت ۲ بجے شب محلہ بلتستانی سے تعزیہ اٹھایا گیا اور ۱۲ بجے لوئر بازار پہونچا۔

عاشورہ کے روز ۱۰ بجے دن کو تعزیہ لوئر بازار سے اٹھایا گیا۔ اسکے بعد مولانا موصوف نے لوئر بازار میں بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ اسکے علاوہ مسجد کشمیریاں کے قریب، اور موٹر سٹینڈ پر بھی تقاریر ہوتے رہے

ہم مدرستہ الواعظین لکھنؤ کے شکرگذار ہیں کہ انھوں نے اتنے تنگ وقت میں واعظ بھیج کر ہمیں شکریہ کا موقع دیا اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی اعلیٰ سے اعلیٰ واعظ بھیج کر شملہ کی پبلک کو ممنون فرماتے رہا کریں گے۔

خادم سید جواہر حسین
آنریری اسسٹنٹ سکریٹری انجمن حیدریہ (رجسٹرڈ) شملہ

کارروائی انجمن حیدریہ شملہ

۱۔ انجمن حیدریہ (رجسٹرڈ) شملہ کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ آئندہ انتخاب میں شیعہ حضرات اپنا ووٹ مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدواران کو دیکر اپنی اسلام دوستی و یکجہتی کا ثبوت دیں۔ نیز شیعیان ہند کے اس طبقہ سے جو سردست اپنا الگ پلیٹ فارم بنانے کی فکر میں ہے۔ درخواست کرے کہ وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اگر وہ حضرات متفقہ و متحدہ طور پر مسلم لیگ میں شامل ہوکر اپنے حقوق کے حصول کے لئے سواد اعظم کے دوش بدوش پورے خلوص و ایثار سے کام کرتے ہوئے اپنے ذاتی مفاد کو مفاد ملی پر قربان کرنے کا ارادہ کرلیں تو شیعیان ہند کا حکومت پاکستان میں برابر کا حصہ دار ہونا بعید از قیاس نہیں۔ بصورت دیگر اسی تنظیم و ملی یکجہتی سے الگ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

۲۔ انجمن حیدریہ شملہ کا یہ جلسہ سٹی مجسٹریٹ انبالہ شہر کی اُن ناروا کارروائیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے جو وہ سرکاری افسر ہوتے ہوئے مذہبی تعصب کی بنا پر شیعیان انبالہ کے مذہبی رسومات ادا کرنے میں مخل ہورہے ہیں اور گورنمنٹ کو توجہ دلاتے ہوئے درخواست کرتا ہے کہ ایسے متعصب افسر کو فوراً بدلکر شیعیان انبالہ کو اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کی فوراً اجازت دیجاوے۔

قرار پایا کہ اس کی کاپیاں جوائنٹ سکریٹری پنجاب شیعہ پولیٹکل کانفرنس لاہور۔ اخبار رضا کار لاہور اخبار شیعہ لاہور۔ ترجمان لکھنؤ۔ اور الواعظ لکھنؤ اور متعلقہ افسران بالا کو بھیجی جاویں۔

چہلم

لکھنؤ کے چہلم کو شیعوں کی مرکزیت اور ہندوستان کے سب سے بڑے دارالعزا ہونے کے لحاظ سے جو اہمیت حاصل ہے اس سے قوم کا بچہ بچہ واقف ہے اس موقع پر ہندوستان میں ہر گوشہ کے اہل ایمان شریک ہونیکی تمنا کرتے ہیں اور بمبئی، کاٹھیاوار، مدراس، دکھن، سندھ، پنجاب کلکتہ، بہار وغیرہ کے مومنین دور دراز مسافت طے کر کے لکھنؤ کا چہلم دیکھنے آتے ہیں شہر کے اس یوم غم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ہندوستان کے بیشتر مقامات پر ۲۰ صفر کے قبل و بعد الگ ار کی قید سے کسی ایک دن چہلم ہوتا ہے لیکن لکھنؤ کا چہلم وہی روز اربعین ہے جس دن زیارت ماثورہ پڑھنا علامت ایمان ہے یہی وجہ ہے کہ دیگر مقامات کے عزاداران کو شرکت کا موقع آسانی سے ملتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ لکھنؤ کا عشرہ مجالس میں عظیم الشان اجتماعات کے لحاظ سے چہلم کی متفرق مجلسوں سے زیادہ کامیاب سمجھا جاتا ہے لیکن چہلم میں تمام مقامی مشاہیر واعظین اور متکلمین کا وقتاً فوقتاً مجالس میں موعظہ اور کربلائے تالکٹورہ میں چہلم کا اجتماع یقیناً نمایاں اور قابل ذکر ہوتا ہے اس دوران میں شہر کے اطراف میں مجالس کی وہ کثرت ہوتی ہے کہ ایک شخص ہر جگہ کسی طرح شرکت نہیں کر سکتا۔ ۵ سال قبل کثرت مجالس کی جو خصوصیت شہر کے حصہ غربی محلہ مفتی گنج کو حاصل تھی وہ محراب حلقہ امین آباد کو حاصل ہے جہاں کثرت سے شاندار مجالس ہوتے ہیں اور وہاں کے مشتغل تجارت پیشہ مومنین کا خلوص و انہماک و جوش یقیناً قابل داد ہے۔

الحمد للہ کہ زمانہ اربعین خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہوا اور جہاں جہاں عشرۂ ثانیہ منعقد ہوتے ہیں وہ اور سالانہ مجالس تعزیوں کے جلوس اپنی قدیم شان و شوکت سے نکلے، سرکار نجم الملۃ طاب ثراہ کا منعقد کیا ہوا عشرۂ ثانیہ نہایت کامیاب ہوا جناب تاج العلماء اور عماد العلماء مد ظلہما اور جناب مولانا سید محمد صادق صاحب قبلہ پروفیسر شیعہ عربک کالج اور جناب مولانا سید محمد محسن صاحب سرپرست مجاہد نے اپنے جد علام کی یادگار کو باقی رکھا۔

۲۰ صفر کو صبح سے برادران اہلسنت کے تعزیے قدیم جوش اور اخلاص سے اٹھے جنکی گذرگاہ چوک تھی اسوقت مسجد تحسین علیخاں پر شیعہ زائرین کا ہجوم تھا جو ان سنی عزاداران سے اشتراک عمل کے لئے موجود تھے: ۲۳ تعزیے چوک سے گذرے جنکے ساتھ تبلیغی نوحہ اور ضرورت زمانہ کے موافق عزاداری کی حمایت میں فاضلانہ اشعار پڑھے جا رہے تھے حاضرین نے انتہائی استحسان کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اپنے مسلم

بھائیوں کو اُنکی فرض شناسی کی داد دی، یہ تعزیے کمال صنعت وحرفت کے لحاظ سے بھی ہندوستان کی دستکاری کا ایک بہترین نمونہ ہیں ۱۲ بجے تک پھول کٹورہ کی جدید کربلا واقع ٹھاکر گنج میں یہ تعزیے پہونچگئے۔

زوال آفتاب سے شیعوں کا وقت شروع ہوگیا اور شہر کی ماتمی انجمنیں اپنے دستہ کے ہمراہ نوحہ خوانی سینہ زنی کرتی ہوئی آنا شروع ہوئیں اور ۲ بجے تک تالکٹورہ روڈ پر سر ہی سر نظر آنے لگے غروب آفتاب کے وقت سے زائرین واپس ہونا شروع ہوئے اور ۸ بجے شب تک انجمنوں کا سلسلہ جاری رہا۔

تبلیغی ماتم، نوحہ خوانی، سینہ زنی، قمع کا جگر خراش منظر اندرون رواق اور تحت قبہ ہزاروں مجلسیں صحن کربلا کی مجلسیں، قبور مومنین پر مختصر مجالس خیمہ گاہ میں ماتم سر بفلک چھڑیں چھچکیوں پر قدیم طرز کی سوزخوانی سبیلیں اور ان پر شہداء کربلا کے بے پناہ عطش کے دلدوز اشعار ضرور قابل ذکر ہیں۔ بعض حضرات اہلسنت بھی اپنا وقت ختم ہوجانے سے تالکٹورہ میں آگئے تھے اور اس عظیم الشان مجمع میں ہندو حضرات بھی کثیر تعداد میں شریک تھے جو زیارت ہی کی غرض سے اپنے کاروبار ترک کرکے حسینیت سے متاثر ہو رہے تھے یہ منظر غیر شیعہ حضرات نہایت استعجاب سے دیکھ رہے تھے کہ چند چھوٹے بچے جنکی عمریں دو تین سال کے اندر تھیں وہ قمع کا زخم لگنے پر انتہائی اطمینان سے گود میں تھے، اُنکو تڑپنا چاہیئے تھا، بیتاب ہونا تھا، بیقرار ہوتے لیکن یہ حسینیت کا اثر ہے کہ اُنکی محبت میں ہر قربانی سہل و آسان ہوجاتی ہے۔

وہ لکھنؤ جو کبھی تہذیب مشرقی کا گہوارہ تھا، وہ جہاں شیعہ سرمایہ دار قدم قدم پر حسین مظلوم کے لئے اپنی دولت لٹانے پر تلے رہتے تھے، افسوس ہے کہ اب ان نفوس سے خالی ہوگیا اور اس لٹی ہوئی بستی میں جو مذہبی چراغ ٹمٹما رہے ہیں انکو مغتنم سمجھنا چاہیئے عہد شاہی کا ذکر نہیں ہے جس وقت عزاداری معراج کمال پر تھی جبتک لکھنؤ آباد تھا اسوقت تک دن کی وسعت مجالس کے لئے کافی ہوتی تھی اور شمع کی روشنی میں مجالس شروع ہوتے تھے حضرت عشق لکھنوی تک یہ کثرت باقی تھی ؎

ہے عشق بہت خوب یہ وقت مجلس ۔ منھ ڈھانپ کے روتی ہیں سحر کو زہرا ۔ کیونکر نہ ہو مقبول سحر کی مجلس

شہر کے بعض حلقوں میں چند بد باطن لوگوں نے چاہا تھا کہ سنی شیعہ اتحاد کو ختم کر دیا جائے اور جہلم کی فضا ناسازگار ہوجائے مگر پاسداران مظلوم کربلا بہت ہوشیار رہے اور مخالف کی تخریبی کوشش کا کچھ اثر ہونے نہیں پایا۔

الحمد للہ کہ ہمارا خالص مذہبی اور اسلامی مظاہرہ غم جسکو موجودہ سیاست سے ذرہ برابر بھی تعلق نہ تھا خیر و خوبی سے انجام کو پہونچا اور جہلم کی عزاداری اپنی روایتی عظمت کے ساتھ ختم ہوئی۔

مملکت نبوت کا آخری تاجدار

نوشتہ جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی، مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ مقیم پشاور

یوم الست، صبح ازل عالم ذر میں دین اسلام کی داغ بیل اقرار توحید و نبوت و امامت ائمہ سے ڈالی گئی (مودۃ القربیٰ م ۴ ص ۱۱۱) اور اسی کی تبلیغ کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا تقرر عمل میں آیا اور ہر ایک نے اپنی زندگی بھر اسی دین اسلام کی تبلیغ کی، یہ ظاہر ہے کہ ہر زمانہ امن و سکون کا نہیں رہتا، اہل دنیا کے سامنے اضطرابات کی لہروں کا آنا ناگزیر ہے، اسلام بھی بحر کفر کے تلاطم اور دریائے الحاد کی طغیانی سے محفوظ نہیں رہا یعنی اس پر بھی ایسے حملے ہوئے جنکا ردعمل قدرت کی خصوصی توجہ کے علاوہ کچھ نہ تھا، انبیاء آتے رہے، تبلیغ فرماتے رہے لیکن ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کا آنا زیادہ تر اسی وقت عمل میں آیا جبکہ کفر و الحاد کے دست استبداد چہرۂ اسلام کو نقاب دار اور آئینۂ اسلام کو گرد آلود کرنے میں پوری طاقت سے کام لینے لگے، سر غرور بلند ہو گئے اور انکے دعوے حد سے بڑھ گئے، نبوت پر حملہ تو جانے دیجئے، خدائی پر قبضہ کی ٹھان کر طاقت خداوندی کو ہیچ سمجھ لیا، جس فن میں ترقی کی اس میں اپنی نظیر اپنے ہی کو سمجھے اور یہ یقین کر لیا کہ اب اس سے بلندی کا مالک کوئی بشر نہیں ہو سکتا، ایسے اوقات میں قدرت نے انکے زور کو توڑنے اور انکی بنیاد کو اکھاڑنے اور اپنے عمل کو جتلانے کے لئے ایک پیغمبر بھیجا جس نے انکے سر غرور کو جھکا دیا اور انکے طلسم ارتقا کو توڑ کے رکھدیا، علم موسیقی کا زور ہوا حضرت داؤد کو بھیجا جنھوں نے موسیقیت سے مستکبر اپنے لحن کے زور سے انھیں مبہوت کر دیا، سحر کا زور ہوا تو حضرت موسیٰ کو ید بیضا اور عصا کے اژدھا ہونے کا معجزہ دیا جس نے انکے تمام طلسم سحر کو توڑ دیا اور جادو کو باطل کر چھوڑا، طب کا زور ہوا، لوگوں نے اس فن کو اپنی گھر کی لونڈی سمجھ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم اس فن کے خالق ہیں اس میں ہم سے بلند کوئی انسان نہیں جا سکتا، تو حضرت عیسیٰ کو بھیجا تاکہ انکے دعاوی کو خاک میں ملا دیں اور کار تبلیغ میں پوری کامیابی حاصل کریں چنانچہ حضرت عیسیٰ نے کوڑھ، مادرزاد کو بینا اور مردے کو زندہ کر کے اسلام کا بول بالا کیا۔

عیسوی دور ختم ہوا، حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھا لئے گئے، انکے چلے جانے کے بعد انکے بارہ جانشین کار تبلیغ کرتے رہے، بروایت بخاری چھ سو سال اور بروایت صافی ۵۱۹ سال فترت کا زمانہ رہا جو ایک نبی سے دوسرے نبی کے درمیانی زمانہ کا نام ہے۔

اس دوران میں عرب کی سرزمین پر فصاحت اور بلاغت کا بول بالا ہوا، ایک طرف کفر و الحاد کی کارفرمائیاں

اور دوسری طرف فصاحت و بلاغت کا زور یعنی جس تیزی کے ساتھ فصاحت و بلاغت بڑھ رہی تھی اسی طاقت کے ساتھ اعمال بد، دغابازی، زناکاری وغیرہ کو ترقی ہو رہی تھی، قدرت کی نظر میں ایک پیغمبر کے بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو ان کا تذکیہ بھی کرے اور عمل ظاہر بھی سنوارے اسکے لئے یہ تو طے شدہ بات ہی تھی کہ جبتک کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اُنکے دماغ سے فصاحت و بلاغت کی یکتائی کو نکالدے، کامیابی مشکل تھی اسی لئے قدرت نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پیدا کر کے مبعوث برسالت کیا اور انکے ذریعہ قرآن مجید نازل کر کے اُنکے دعوے کو قیامت تک کے لئے باطل کر دیا۔

آپ کی ولادت باسعادت ہمارے یہ نبی شعب ابی طالب میں ۱۷ ربیع الاول سنہ عام الفیل کو جبکہ بادشاہ وقت نوشیران عادل تھا پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت باسعادت کے موقع پر و نیز قبل ولادت کثیر معجزات ظاہر ہوئے (مرقات الایقان صفحہ ج ۲ و نور الابصار وغیرہ) آپ اس طرح دنیا میں رہے جنکی نظیر دنیا کے پردے میں نہیں آپ ہر علم میں کامل اور ہر فن میں باکمال تھے۔ آپ علماء میں زبردست عالم اور فقراء میں فقیر، اور بہادران عرب میں بہادر مانے جاتے تھے۔

آپ کی علالت آپ کے زمانہ میں کثیر غزوے اور سریئے ہوئے اسی سلسلہ میں جب آپ خیبر میں تشریف فرما تھے ایک یہودیہ نے آپ کو زہر دیدیا تھا جسکے صدمات آپ کو ہمیشہ ستاتے رہے بالآخر وہی زہر حضرت کی شہادت کا سبب بن گیا۔

شیخ ولی الدین بحوالہ بخاری شریف لکھتے ہیں، "قالت کان رسول اللہ یقول فی مرضه الذی مات فیه یاعائشه ماازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر وھذا اوان وجدت انقطاع ابھری من ذالک السم۔ رواہ بخاری" حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ نے اسوقت فرمایا جب وہ اس مرض میں مبتلا تھے جس میں آپ نے وفات پائی کہ اے عائشہ میں ہمیشہ اُس کھانے کی تلخی محسوس کرتا رہا جو خیبر میں کھایا تھا اور اب وہی زہر میری رگ جان کے کٹنے کا سبب بن رہا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۴ طبع دہلی ۱۳۷۱ھ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کی شہادت اسی زہر سے ہوئی جو آپ نے خیبر میں تناول فرمایا تھا اس سے ہمارے اس دعوے کی شہادت منضبط ہوتی ہے کہ چہاردہ معصومین شہید ہوئے ہیں کوئی زہر سے شہید ہوا اور کوئی تلوار سے شہید ہوا اور ہوگا۔

اسی علالت کے زمانہ میں جیش اسامہ کے ساتھ جانے کا مسئلہ بھی پیش ہوا اعیان صحابہ سے

رسول اللہ کی مخالفت کی، رسول اللہ نے شدید علالت کے باوجود سر پر عصابہ باندھا اور مسجد میں تشریف لے جا کر ممبر پر فرمایا اسامہ کو غلام زادہ سمجھکر اسکی سرداری سے انکار نہ کرو وہ علمداری کا اہل ہے اسکے پہلو میں مضبوط دل ہے اور سنو "جھزوا جیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنہا"

جیش اسامہ میں جاؤ، خدا اُسپر لعنت کرے جو نہ جائے (الملل والنحل صفحہ ۲۰ ج ۱ مصری، شرح ابن ابی الحدید صفحہ ۲۰ ج ۲ طبع مصر، شرح مواقف میرزاہد، انکار الابکار آمدی ف ۲ ق ۷، رسالہ عقائد ملا یعقوب تنبانی وغیرہ۔

اسکے بعد آپ واپس دولتسرا تشریف لائے، اس زمانے کے بعد بھی حضرت ابو بکر و عمر وغیرہ ساتھ نہیں گئے اور مدینہ ہی میں تشریف فرما رہے، مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۴۸۵، تاریخ کامل ج ۲ صفحہ ۱۲۰، طبری ج ۳ صفحہ ۱۸۵۱، پھر حضرت نے فرمایا کہ "تم لوگ میرے بعد دنیا پرستی میں مشغول ہو کر اسی طرح ہلاک ہو جاؤگے جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے ہیں، مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲۹۱۔

غرضکہ اسی علالت کے زمانہ میں بہت سے امور درپیش ہوئے جو تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں۔ البتہ واقعۂ قرطاس کو خصوصی حیثیت حاصل ہے جس میں رسول اللہ کو ہذیان بکنے والا کہا گیا، صحیح بخاری پ صفحہ، الفاروق صفحہ ۶۱، امہات الامہ صفحہ ۹۲۔

آپ کی شہادت آپ کو ۲۸ صفر ۱۱ھ میں شہادت نصیب ہوئی، علامہ سید علی ہمدانی شافعی لکھتے ہیں وکان یوم الثامن والعشرون کہ آپ جس دن دنیا سے تشریف لے گئے وہ ۲۸ صفر کی تاریخ تھی، مودۃ القربیٰ م ۱۴ صفحہ ۴۹ طبع بمبئی ۱۳۱۰ھ۔

واضح ہو کہ سید علی بن شہاب الدین علوی شافعی کو فاضل رشید نے ایضاح میں، ملا جامی نے نفحات الانس میں علمائے عظام اہلسنت میں سے شمار کیا ہے اور ان کی اس کتاب مودۃ القربیٰ کو قابل فخر و مباہات قرار دیا ہے اور علامہ عبد الواحد بن محمد المفتی نے انکی تصنیف ذخیرۃ الملوک کا تذکرہ کرتے ہوئے انھیں عارف صمدانی لکھا ہے۔ عجائب القصص صفحہ ۱۴۰ طبع نولکشور۔

مژدہ علم افروز

آئندہ نمبر سے انشاء اللہ مجتہدین شیعہ کے حالات نذر قرطاس کئے جائینگے ناظرین بیچینی سے انتظار کریں

ہمارے قومی اخبارات وجرائد کے محرم نمبر

جناب مولانا سید جابر حسین صاحب بلیاوی سند الافاضل

یہ امر ناقابل انکار ہے کہ تمام مسلمانوں میں صرف فرقہ شیعہ کو حسینی کارناموں کے ذریعہ سے تبلیغ کا شرف حاصل ہے، ہمارے قومی اخبارات و رسائل سال میں جسقدر بھی حسینیت کو فروغ دیتے ہیں اس سے دنیا واقف ہے، لیکن محرم نمبروں کے ذریعہ سے جو فرائض تبلیغ ادا کرتے ہیں وہ صدر درجہ قابل ذکر اور لائق تذکرہ ہے، اسوقت ہمارے سامنے مختلف اخبارات و جرائد کے محرم نمبر ہیں جن پر ہم مختصر الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں۔

سرفراز محرم نمبر اخبار روزنامہ سرفراز لکھنؤ، آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا آرگن ہے جو ۲۲ سال سے خدمت قومی میں سرفروشانہ انہماک رکھتا ہے، اسکے لائق اڈیٹر جناب سید اعظم حسین صاحب اعظم، اعظمگڈھی ہیں۔

اس کا محرم نمبر بڑے سائز پر شائع کیا گیا ہے جو ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں بڑے بڑے اہل قلم کے کثیر مضامین اور قابل قدر شعراء کی بہت سی نظمیں ہیں، مضمون نگاروں میں جناب مولانا سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری، جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی مبلغ مدرسۃ الواعظین، و جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب لکھنوی، و جناب مرزا سجاد علیخانصاحب لکھنوی، پروفیسر اکبر علی صاحب ایم اے، شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اور شعراء میں خسرو دکن سرکار نواب صاحب بہادر میر عثمان علیخانصاحب، و جناب مولانا محمد داؤد صاحب قبلہ زنگی پوری، و نواب شہید یار جنگ صاحب و مرزا غالب مرحوم و علی میاں صاحب کامل لکھنوی و شاہ محمد علی حیدر قلندر کاکوروی و نسیم امروہوی و شمیم کرہانی و ڈاکٹر رفیق صاحب اٹاوہ و خبیر لکھنوی و جمیل مظہری وغیرہ قابل تذکرہ ہیں۔ اس محرم نمبر کی قیمت مبلغ عہ اور پتہ ناداں محل روڈ دفتر سرفراز لکھنؤ ہے۔

رضا کار سید الشہدا نمبر اخبار رضا کار لاہور، ہفت روزہ اخبار ہے۔ ۸ سال سے سرفروشانہ خدمت قوم کر رہا ہے اسکے لائق ایڈیٹر جناب شیخ محمد صدیق صاحب بی۔ اے ہیں، اس پرچہ کو قائم آل محمد علیہ السلام کی سرپرستی حاصل ہے۔

اس کا نمبر بڑے سائز پر شائع کیا گیا ہے اور کافی شاندار ہے، اس میں شیعہ انڈسٹریز لمیٹڈ لاہور کے تمام ارکان کے بلاک بھی ہیں، یہ نمبر ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے اس میں بڑے بڑے اہل قلم کے مضامین اور شعراء نامدار کے اشعار ہیں، مضمون نگاروں میں جناب مولانا سید اختر علی صاحب تلہری، و مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی

مولانا ظفر حسن صاحب امروہوی، مولانا محمد لطیف صاحب انصاری، مولانا مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری مولانا آغا مہدی صاحب لکھنوی، مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ لکھنوی، مولانا عینی شاہ نظامی، مولانا ظفر الحسن صاحب قبلہ بنارسی، سلطان مرزا صاحب ریٹائرڈ جج، مسٹر امتیاز حسین صاحب ترمذی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اور شعراء میں۔ جناب نجم آفندی، نسیم امروہوی، جعفری پشاوری، قابل تذکرہ ہیں۔ اس کی قیمت عہ اور پتہ:- فلیمنگ روڈ لاہور دفتر رضاکار ہے۔

شیعہ محرم نمبر اخبار شیعہ محرم نمبر لاہور، یہ ہفتہ وار اخبار ہے ۳۰ ۲۲ سال سے بڑی خدمت قوم کر رہا ہے، اس کے لائق ایڈیٹر جناب صادق علی صاحب عرفانی ہیں اور اسے علامہ مرزا احمد علی صاحب امرتسری کی سرپرستی حاصل ہے۔

اس کا نمبر چھوٹے سائز پر شائع کیا گیا ہے، اس کا ٹائٹل پیج دیدہ زیب ہے یہ نمبر تقریباً ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں بڑے بڑے اہل قلم کے مضامین اور بہترین شعراء کی نظمیں اور سلام ہیں۔

مضمون نگاروں میں جناب مولانا سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری، مولانا مرزا احمد علی صاحب امرتسری، مولانا علی نقی صاحب قبلہ لکھنوی، مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنو مولانا سید آغا مہدی صاحب لکھنوی، مولانا عینی شاہ نظامی، مولانا سید احمد صاحب۔ مولانا محمد لطیف صاحب انصاری، مولانا مرزا یوسف حسین صاحب مبلغ مدرسۃ الواعظین، خواجہ حسن نظامی صاحب، مبارک حسین شاہ صاحب پشاوری، پنڈت ویاس دیو صاحب مصرا دکیل قابل ذکر ہیں۔

اور شعراء میں جناب جوش ملیح آبادی، رزم ردولوی، نواب شہید یار جنگ نقی قابل تذکرہ ہیں۔

نظارہ ابوالفضل العباس نمبر اخبار نظارہ لکھنو، یہ ہفت روزہ اخبار ہے، ۱۶ سال سے خدمت قوم و ملک کر رہا ہے، اس کے لائق ایڈیٹر شاعر حسینی جناب ظفر عباس صاحب فضل لکھنوی ہیں، اسے قوم کی سرپرستی حاصل ہے۔

اس کا سائز اوسط ہے، ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں بڑے بڑے اہل قلم کے مضامین ہیں۔ اور اچھے اچھے شعراء کی نظمیں وغیرہ ہیں۔

مضمون نگاروں میں جناب مولانا آغا مہدی صاحب لکھنوی، جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی، جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ، فدا علی صاحب خنجر، ڈبیر حسن صاحب سحر مرحوم، سید سبط حسن صاحب دھنیلو، ڈاکٹر سید مجاز حسین صاحب کرچہ مرزا دبیر لکھنو، بیاک علی، جناب محمد اکبر صاحب سیتاپوری، وغیرہ

قابل ذکر ہیں۔

اور شعراء میں جناب نسیمؔ امروہوی، حضرت ذعبل ہند ذاخرؔ صاحب، نجم آفندی، سید محمد صاحب گرامی، حضرت عزیزؔ مرحوم اصدر الاسلام صاحب صدرؔ کانپوری، سرّوش ملیح آبادی، جناب کاظم بنارسی جناب مہذب صاحب لکھنوی وغیرہ قابل تذکرہ ہیں۔

الواعظ محرم نمبر رسالہ الواعظ لکھنؤ، یہ رسالہ ہندوستان کے واحد مرکز تبلیغ مدرستہ الواعظین لکھنؤ سے ماہوار شائع ہوتا ہے، ۷ سال سے خدمت قوم و مذہب کر رہا ہے۔ اسکے لائق ایڈیٹر جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب لکھنوی اور نگراں جناب مولانا محمد ذکی صاحب قبلہ اور سرپرست والی ریاست عالیہ محمود آباد جناب راجہ محمد امیر احمد خانصاحب متولی منتظم مدرستہ الواعظین لکھنؤ ہیں۔

اسکا نمبر چھوٹے سائز پر شائع کیا گیا ہے اور یہ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے اس میں کثیر اہل قلم کے مضامین اور بہت ارباب فکر کی نظمیں ہیں اہل قلم حضرات میں خود ایڈیٹر صاحب الواعظ، جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی مبلغ مدرستہ الواعظین مقیم پشاور، جناب سلطان مرزا صاحب ریٹائرڈ جج جناب تصدق حسین صاحب وکیل حنفی، جناب مولانا سلیم جرولی، جناب مولانا محمد نقی صاحب سہارنپوری جناب علی محسن صاحب ایم۔اے، جناب فدا علی صاحب خنجر، جناب مولانا سید ظفر حسن صاحب امروہوی جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب مبلغ مدرستہ الواعظین لکھنؤ، جناب مولانا سید محمد قاسم صاحب الہ آبادی جناب مولانا محمد ذکی صاحب تاج العلماء، جناب پنڈت کلکا نند صاحب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اور شعراء میں جناب ثمر لکھنوی، جناب خبیر لکھنوی، جناب مہذب لکھنوی، جناب رزم ردولوی، جناب حکیم حیدر نواب صاحب پاتانالہ لکھنؤ، جناب کنور مہندر سنگھ دہلی قابل تذکرہ ہیں۔

اس نمبر کی قیمت مبلغ ۸؍ اور پتہ مدرستہ الواعظین لکھنؤ ہے۔

رسالہ نور محرم نمبر یہ رسالہ نور مرادآباد، ماہوار رسالہ ہے، ۶ سال سے خدمت قوم شیعہ کر رہا ہے، اسکے لائق ایڈیٹر جناب شمیم الحسن صاحب بی۔ اے ہیں اور اسے ادیب اعظم مولانا ظفر حسن صاحب امروہوی کی سرپرستی حاصل ہے۔

یہ رسالہ چھوٹے سائز پر شائع کیا گیا ہے اور (۱۱۲) صفحات پر مشتمل ہے اس میں بڑے بڑے صاحبان قلم کے مضامین ہیں اور قابل قدر شعراء کی نظمیں ہیں۔

مضامین نگاروں میں جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی، جناب سرپرست صاحب رسالہ ہذا جناب مولانا سبط الحسن صاحب ہنسوی، جناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ لکھنوی، جناب مولانا مرزا

محمد طاہر صاحب لکھنوی، جناب مولانا غلام قاسم صاحب ہزاروی، جناب سلطان مرزا صاحب ٹائرڈ جج قابل ذکر ہیں۔

اور شعراء میں جناب خدائے سخن حضرت انیس مرحوم، جناب سرفراز حسین صاحب خبیر لکھنوی قابل تذکرہ ہیں۔

اس نمبر کی قیمت ۱۲؍ اور ملنے کا پتہ:- دفتر رسالہ نور مراد آباد۔ ہے

رسالہ مجاہد کربلا نمبر یہ رسالہ مجاہد لکھنؤ، ماہوار رسالہ ہے، ۸ سال سے خدمت قوم کر رہا ہے اسکے لائق ایڈیٹر جناب مولانا حکیم مرتضیٰ حسین صاحب برادر جناب عرشی صاحب کوئی اور سرپرست جناب مولانا سید محمد محسن صاحب نبیرہ نجم العلماء مرحوم ہیں۔

یہ رسالہ چھوٹے سائز پر شائع ہوا ہے اور (۶۴) صفحات پر مشتمل ہے، اس میں بڑے بڑے اہل قلم کے مضامین اور اہل فکر کی نظمیں ہیں۔

مضمون نگاروں میں جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ، جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب صاحب کرارنی مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ مقیم پشاور، جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب لکھنوی، جناب سلطان مرزا صاحب رٹائرڈ جج، مولانا محمد تقی صاحب سہارنپوری، جناب بیباک صاحب ماہلی، جناب حکیم مجاور حسین صاحب ایچ۔ پی و جناب سرپرست رسالہ ہذا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اور شعراء میں جناب سرفراز حسین صاحب خبیر لکھنوی، جناب جذب گویا لپوری، قابل تذکرہ ہیں۔

اس نمبر کی قیمت ۱۲؍ اور پتہ:- کوچہ شاہ پیر ا لکھنؤ۔ ہے

(نوٹ) ان نمبروں میں الواعظ اور نور کا سائز ایک ہے اور شیعہ و مجاہد کا سائز ایک ہے۔ سرفراز، رضاکار، نظارہ، ان کے سائز بدلے ہوئے ہیں۔

ایک گذارش محرم نمبر دراصل ایسے خصوصیات کے مالک ہوتے ہیں کہ ہر شخص انھیں خوشی سے خریدتا ہی اور اپنے پاس رکھتا ہے، ان سب کا الگ الگ محفوظ رکھنا بھی ایک حد تک دشوار ہی ہے اسلئے ہم تمام ایڈیٹر صاحبان سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ حضرات ان نمبروں کو ایک سائز پر شائع کیا کریں تاکہ ان سب کو ایک ساتھ مجلد کرا لیا جایا کرے اس سے دو فائدے ہونگے ایک تو یہ کہ سب نمبر محفوظ ہو جائینگے دوسرے ہر سال واقعۂ کربلا کی تاریخ ایک جگہ مکمل جمع ہو جایا کریگی۔

ہمکو شکایت لکھنے سے پہلے اپنی ڈاک کا انتظام کیجیے، جبھی رسالہ آپ کی ڈاک غلط تقسیم نہ کرے

مفتی اعظم بریلی کا بیان اور ابن سعود

حالاتِ حجاز

الحمدللہ کہ بعد شرف حج و زیارت مع الخیر وارد ہندہوا حکومت سعودیہ کے انتظامات ہر اعتبار سے سخت قابل اعتراض ہیں۔ کرایہ سواری کے علاوہ حج و زیارت پر ہر حاجی سے فی کس تقریباً ایک ہزار روپیہ ٹیکس وصول کیا گیا جو شرعاً قطعاً ناجائز امیر نجد اور ان کے عائلہ کے طواف کے لئے طائفین کو نہایت ذلت کے ساتھ شدید مار کر مطاف سے نکالا جاتا ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کے وقت عوام و خواص کی موٹروں کا پوری تیزی کے ساتھ گذرنا حرمین محترمین کی مساجد کی صفائی کی بدنظمی اور بعض مطوفین کا حجاج کے ساتھ ذلت آمیز طرز عمل ہر حاجی و زائر کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے۔ موٹر لاریوں کی خرابی، راہ کی ناہمواری، اور بعض ڈرائیوروں کی بے تمیزی کے سبب راہ مدینہ طیبہ میں بہت سے دردناک حوادث رونما ہوئے خاص نجدی عقائد کے نشر کے لئے جو تنخواہ دار ایجنٹ حرم مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں معین ہیں وہ اہلسنت پر نازیبا و ناپاک حملے کرتے ہوئے اور کفر و شرک کے احکام لگاتے ہوئے اکثر حجاج عالم کی دل آزاری کرتے رہتے ہیں۔

نام نہاد تہذیب مغرب کے اثرات سرزمین مقدس حجاز پر محیط ہوتے جا رہے ہیں اور اتباع کتاب و سنت سے طبیعتیں نفور، حکومت کے ارباب حل و عقد بالعموم اپنے عیش و عشرت میں مشغول ہیں اور حجاج کے آرام و راحت کا کوئی پرسان حال نہیں۔

ہم نے ان امور میں سے بعض کے متعلق مکہ معظمہ میں بھی احتجاج کیا اور حکومت کے کانوں تک اپنی آواز کو پہونچایا اور اب ہندوستان پہونچکر بھی احتجاجی تار دیا ضرورت ہے کہ مسلمانان ہند مرکز اسلام کے ان دردناک حالات پر منظم طریق سے صدائے احتجاج بلند کریں۔ ماخوذ

بادشاہ مرزا اثر لکھنوی پرنٹر و پبلشر نے الواعظ صفدر پریس لکھنؤ میں چھپواکر مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے شائع کیا

کتابوں کے ملنے کا پتہ
منیجر الواعظین لکھنؤ

انجمن مؤید العلوم مدرسۃ الواعظین کی قابل قدر کتابیں

بعض کتابوں کے صرف چند نسخے باقی ہیں شائقین جلد طلب فرمائیں

برادران ایمانی! السلام علیکم۔ اس زمانہ پرآشوب میں لامذہبیت کی تیز و تند ہوائیں قصر ایمانی کو متزلزل کئے ہوئے ہیں۔ اہل ایمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اسکی بنیادوں کو پیش از پیش مضبوط و مستحکم کرنیکی ہر سعی امکانی سے دریغ نہ فرمائیں۔ ان اشد عند الناس ما جوہرون سو وقت آپکے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ زمانہ کے مختلف مذاہب کے پورے حالات پر نظر غائر مطالعہ فرمائیں اور ساتھ ساتھ آپ اپنے مذہب کی برتری لاثانی قوتوں کا بھی نظارہ فرمائیں تو قوت ایمانی میں بھی اضافہ کریں اگر آپکو مختلف علوم و فنون میں باکمال اہل قلم کا زور تحریر دیکھنا ہو اگر آپکو اپنے مذہب سے دلی ہمدردی ہو اور اسکے خصوصیات سے مطلع ہونا چاہتے ہیں تو فہرست منسلکہ میں سے ایک ایک جلد ضرور طلب فرمائیں ادارہ آپکے حکم کی تشکر یہ کے ساتھ تعمیل کرے گا۔

ملنے کا پتہ **مہتمم انجمن مؤید العلوم مدرسۃ الواعظین** کیننگ سٹریٹ لکھنؤ

نام کتاب	قیمت
انگریزی ترجمہ و تفسیر	
ترجمہ قرآن مجید حصہ اول غیر مجلد عگا/ مجلد	عگا/
ترجمہ قرآن مجید حصہ دوم مجلد	عگا/
صحیفہ کاملہ حصہ اول مجلد	ع/
صحیفہ کاملہ حصہ دوم مجلد	عگا/
المودۃ القربیٰ غیر مجلد	عہ/
دی پرافٹ اینڈ خلافت	۸/
اسلام فیتھ پیوریٹی اینڈ ٹروتھ	۸عہ/
یونٹی آف گاڈ	۲/
اسلام اینڈ دی لائٹ آف شیعزم	۱۲/
حسین اینڈ بل کیننگ	۲/
ٹریجڈی آف کربلا	۱/۶
پے سرس	۲/
اسلام (ان دس)	۲/
نماز	۲/

نام کتاب	قیمت
النبوۃ والخلافہ	۴
انسانی قربانی	۲
اعجاز القرآن	۵
حقوق نسواں اور اسلام	۲/
تحقیق البداء	۲/
راز شہادت	۱
القول الجمیل فی التورات والانجیل	۸/
اسلام اور رواداری	۱/۶
کربلا کا مجاہد	۱/۶
مولود حرم	۱/۶
سردار قریش	۲/
تعلیم اسلام	۳/
ید بیضا در تحقیق مثیل موسیٰ	۲/
قرآن اور اقتصادیات کی تعلیم	۸/
تنقید قدامت وید	۲/

نام کتاب	قیمت
مناظرہ معاد و تناسخ	۱/۶
الاعجاز	۱/۶
فلسفۃ المذہب	۱/۶
النبی	۱/۶
خصوصیات اسلام	۱/۹
اسلام رہبانیت	۳/
قرآن اور بائبل	۲
ردالاناجیل	۱/۶
رسالہ متعہ	۱/۶
سرادق عفت	۴
شریعۃ الاسلام حصہ اول	۳/
شریعۃ الاسلام حصہ دوم	۸/
شریعۃ الاسلام ضمیمہ حصہ دوم	۳/
کارنامۂ محرم	۳/
اسلامی صحیفہ	۴/

نام کتاب	قیمت
کشف حقیقت در تصوف	۴/
اسلامی بچوں کی پہلی کتاب	۱/۶
قران السعدین	۴
شان صبر	۲/
تاثلان ائمہ کا مذہب	۴/
البیت المعمور فی عمارۃ القبور	۳/
تاثلان ائمہ کے مذاہب	۴/
حقیقت سادات	۲/
فریاد مسلمانان عالم	۳/
تجلیات تاریخ اردو	للعہ/
ایضاح الاشکال عربی	۴/
ارشاد مفید ہ	عمر/
محیط الدائرہ ء	عہ/
نصر المومنین فارسی	۱۲/
بردہ پر نظم	۰/

رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۹

وبالنجم ہم یہتدون

ماہانہ مجلہ علمیہ

بیادگار حضرت نجم العلماء

الواعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

زیر سرپرستی والی ریاست عالیہ محمود آباد سرکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بالقابہ متولی منتظم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر نگرانی تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مد ظلہ نبیرۂ سرکار نجم العلماء مجتہد صدر شعبۂ تبلیغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

مدیر

فقیر باب اہلبیت سید آغا مہدی الرضوی

الواعظ صفدر پریس لکھنؤ میں چھپ کے شائع ہوا

مینیجر سید حسن المتخلص بہ الکمال لکھنؤ

الواعظ

جلد ۲۷ | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۶ء مطابق ربیع الاخر سنہ ۱۳۶۵ھ | نمبر ۳

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	زائرین عراق پر سخت ترین پابندیاں	اڈیٹر	۲
۲	اڈیٹوریل نوٹ	"	۴
۳	ریویو	"	۶و۱۳
۴	خیالات اور رائیں	.	۷
۵	مدرسۃ الواعظین کے تبلیغی خدمات	شعبۂ تبلیغ	۹
۶	قصیدہ بتقریب عید میلاد ۱۷ ربیع الاول	حضرت محسن زید مجدہ	۱۴
۷	دعائے ادائے قرض	اڈیٹر	۱۶
۸	جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ	"	۱۷
۹	سلام	خاور صاحب دہلوی	۲۱
۱۰	مراسلہ	جناب سید زوار حسین صاحب زید مجدہ	۲۲
۱۱	مقدمہ قرآن	جناب سید علی صفدر صاحب ایم۔ اے	۲۳
۱۲	تفسیر قرآن	"	۲۵
۱۳	معراج	جناب سید افتخار حسین پنشنر جج	۳۳
۱۴	مدرسۃ الواعظین سے مستعفی ہونے کا واقعی سبب	جناب سکریٹری صاحب مدرسۃ الواعظین	۴۱
۱۵	اعلاء کلمۂ حق	عالیجناب سید حسین علیشاہ صاحب دام مجدہ	۴۴

الواعظ

بابت مارچ ۱۹۴۶ عیسوی

زائرین عراق پر سخت ترین پابندیاں

امام مظلوم کی شہادت کو تیرہ سو برس سے زیادہ گذر گئے غیر مسلم اقوام نے انکی صداقت روحانیت کو مانا لیکن افسوس ہے کہ نام نہاد مسلمانوں میں آئے دن انکے خلاف اسکیمیں بنتی ہیں کبھی محرم الحرام کی حرمت منائی جاتی ہے کبھی عزاداری پر حملہ ہوتا ہے کبھی گریہ و بکا کی ممانعت ہوتی ہے کبھی مخصوص مصائب سے انحرافات کے انکار ہوتا ہے اسی سلسلہ میں زائرین ہندوستان کے لئے حکومت عراق کی جدید تجویز جو عراق قونصل مقیم بمبئی و کراچی سے نشر کی گئی ہے حد درجہ قابل افسوس ہے کہ تمام شیعیان ہند صرف ایام عزا میں زیارت عراق سے مشرف ہو سکتے ہیں۔

عربی حکومت نے کبھی ایسا مذہب سوز حکم نہیں دیا تھا جس سے ہر ہر شیعہ کی دل آزاری ہو اور اسکی خالص مذہبی نقل و حرکت پر پہرہ بٹھا دیا جائے یہ استبداد کسی خفیہ ریشہ دوانی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے اور ہمکو اندیشہ ہے کہ عام طور پر اس روئیہ کو نجدیت کی کورانہ تقلید نہ سمجھ لیا جائے۔ حکومت عراق کو یہ معلوم ہے کہ عراق عرب کے قافلے موسم کے ناسازگار ہونے پر بھی شدید گرمی اور بارش کے دنوں میں جاتے رہتے تھے اور انکو اپنے حفظ نفس کا یقین کامل تھا ٹھیک اسوقت جبکہ لڑائی کا دور کئی برس کے بعد ختم ہوا اور رکے ہوئے قافلے پا بہ رکاب تھے حکومت عراق کا یہ اعلان حد درجہ قابل افسوس اور نا قابل برداشت ہے۔ شیعہ کبھی اس تجویز سے اتفاق نہیں کر سکتے جو حسینیت سے متصادم ہو حقیقت امر یہ ہے کہ ابھی ہماری بھولی قوم اور رجعت پسند طبقہ کے کان تک یہ مکروہ آواز اچھی طرح نہیں پہونچی ہے کہ اس دور میں بھی اموی و عباسی عصبیت کی یاد تازہ کرنے والے آمین بن رہے ہیں ورنہ بعید نہیں کہ شیعیت ہم آواز ہو کر صدائے احتجاج بلند کرے۔

عرب کی حکومت نے صرف زیارت کے اوقات ہی کو محدود نہیں کیا بلکہ زائرین کے لئے ویزا حاصل کرنے کے لئے چار سو روپیہ نقد ایسٹرن بنک میں جمع کر دینا ضروری قرار دیا ہے اس زر کثیر کا جمع کرنا کسی طرح اس ٹکیس سے کم ظلم نہیں ہے جو عہد متوکل میں زائروں سے بیدردی کے ساتھ حاصل کیا جاتا تھا یہ حکم زائرین ہند کی ذہنیت کے بالکل خلاف ہے ہندوستانی زائرین عموماً عشرہ کی عزاداری اپنے گھروں میں کرتے ہیں، اور چہلم کی مخصوصی میں شرکت کا ولولہ انکو سفر پر مجبور کرتا ہے اور اس ارض مقدس پر اپنی استطاعت کے موافق جبتک ان کا دل چاہتا ہے قیام کرتے ہیں اگر اس قانون کا داعی گرانی اور اشیار خورد نوش کا فقدان ہے تو حکومت کو چاہیئے کہ اسکا اعلان کرے اور ہمدردی کے پردے میں قانون سازی سے باز آئے، حکومت عراق کو یاد رکھنا چاہیئے کہ زائرین کی آمد و رفت میں جو تجارتی فوائد عراق کو پہونچتے ہیں وہ کچھ کم نہیں ہیں۔

عرب کی مہمان نوازی تو اسیوقت ختم ہو گئی جب حسین بن علی شہید ہوئے آج اُسی سرزمین سے یہ آواز آرہی ہے کہ ہم مہمان کو آنے نہ دینگے ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کیا عراق کی حکومت چاہتی ہے کہ بنی عباس کا منحوس دور پھر شروع ہوجائے۔

۲۳۶ھ میں متوکل کے ہاتھوں قبر مبارک اور ماحول کے مکانات کو منہدم کرنا اور زراعت کرنا فرات کا پانی کاٹ کر لانا صفحۂ تاریخ پر باقی ہے لیکن وہ ناعاقبت اندیش انسدادی کارروائی میں کامیاب نہیں ہوئے آخر میں متوکل کا یہ اعلان کہ تین دن کے بعد زائر ٹھہرنے نہ پائے ورنہ قید کر دیا جائے گا۔

(تاریخ کامل جلد ہفتم ص۱۸ مصر)

اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت بھی زیارت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا تو آج اس کو کون روک سکتا ہے۔

گذشتہ ۱۵ اکتوبر ۴۵ء کو شیعہ آل پارٹیز کانفرنس میں باتفاق یہ تجویز پاس ہو چکی ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ اور عراق گورنمنٹ کو اپنے جذبات سے اطلاع دیجائے۔

ہمارے خیال میں اس تحریک کو پورے زور کے ساتھ اٹھانا چاہیئے تعجب ہے کہ معاصرین میں اس احتجاج کا کوئی بھی اثر نہیں اور ہندوستان کے تمام شیعہ جرائد خاموش نظر آتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے کیا ہم امید کریں کہ ہمعصر سرفراز، شیعہ، رضاکار، نور، البرہان، نظارہ، پورے زور اور قوت کے ساتھ اس احتجاج میں ہم آواز ہونگے اور وقت آیا تو افراد قوم جانی اور مالی قربانیوں سے بھی دریغ نہ کرینگے۔

مدح صحابہ نو نام نہاد سیایان جنھوں نے تکمیل دین کے قرآنی اعلان کے بعد بھی اذان ایسے مقدس فریضہ میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ کیا اور دن بھر کے تھکے ہوئے روزہ داروں کو ماہ رمضان میں رات کو نماز تراویح کی تکلیف دی وہی جدت طراز کچھ عرصہ سے گلی گلی مدح ثلاثہ کرتے پھرتے ہیں اور اسکو مدح صحابہ کہتے ہیں حالانکہ اسکو انکے لیڈر بھی پسند نہیں کرتے حضرت خواجہ حسن نظامی کا قول ہے "گندی گلیوں میں مدح صحابہ توہین صحابہ ہے" منادی ۱۲/۱۵ ۴۵ء

عید غدیر پیروان رسول و آل رسول کے خلاف ہمارے برادران یوسف نے دنیا کو جو مغالطے دے رکھے ہیں اُن میں عید غدیر کا بھی ایک موضوع ہے جسکے بارے میں حضرت خواجہ حسن نظامی کی ذاتی تحقیق ملاحظہ ہو۔

حج وداع یعنی آخری حج سے واپسی کے وقت خم غدیر مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوا لاکھ مسلمانوں کے سامنے ایک تقریر فرمائی تھی اور اس تقریر میں حضرت علیؑ کی نسبت ایسے الفاظ فرمائے تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان حضرت نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنا دیا ہے اسی کی خوشی میں شیعہ جماعت اٹھارہ ذی الحجہ کو عید مناتی ہے سنی یہ عید نہیں مناتے اور شیعوں کی نسبت ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں جنکی کچھ بھی اصلیت نہیں ہے اور وہ قطعی غلط ہیں۔"

خواجہ صاحب نے شیعی حلقوں میں سیر و سیاحت کرکے جو ذاتی طور پر رائے قائم کی ہے وہ یہ بھی جو ہم نے نقل کردی۔ مولوی شیخ عبدالشکور صاحب مدیر النجم نے اپنے سفر مکہ کے بعد منزل غدیر ہی سے انکار کیا تھا وہ یہ کہتے ہوئے حج سے پلٹے تھے کہ مکہ میں کوئی مقام غدیر نہیں ہے اس تحقیق کو وہ بھی سنیں۔

کعبہ میں ولادت بعض حق پوش باطل نواز افراد نے استفسار کیا تھا کہ حضرت علیؑ کی کعبہ میں ولادت سُنّی نقطۂ نظر سے ثابت کردو تو ہم شیعہ ہو جائیں ہم نے پورا رسالہ علی و کعبہ سنی کتابوں سے لکھدیا تو صدائے برنخاست یہ رسالہ بہت تھوڑے عرصہ میں فروخت ہوکر ختم ہوگیا آج سواد اعظم کے ذمہ دار جریدہ نے بھی اس اسلامی مسلہ کا اپنی اشاعت میں ذکر کیا ہے ناظرین نوٹ کرلیں۔

(الفقیہ امرتسر ۲۱/۱۴ دسمبر سنہ ۴۵ء)

قاتل	کہاں دفن ہوئے	عمر	شہادت یا فوتی کی تاریخ	مدت خلافت	خلافت ملنے کی تاریخ	مقام پیدائش	تاریخ پیدائش	نام خلیفہ
عبدالرحمن ابن ملجم نے شہید کیا نماز جنازہ امام حسنؑ نے پڑھائی۔	نجف اشرف میں دفن ہوئے بعض کہتے ہیں آپکی قبر کوفہ کے اندرونی حصہ میں ہے آپ کے مدفن کے متعلق اور بھی کئی روایات ہیں۔	۶۳ سال	۱۹/۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ	۴ سال ۹ ماہ	۱۸ ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ	مکہ شریف کعبہ شریف کے اندر پیدا ہوئے یہ شرف صرف آپ ہی کو حاصل ہے	[illegible]	خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ

ابن سبا اور شیعہ

دشمن کی ایک چالاکی یہ بھی ہے کہ وہ غلط طور پر شیعہ مذہب کو ابن سبا کی یادگار بتاتا ہے اور اس نے قرآن حکیم میں لفظ شیعہ کے مقامات استعمال کو گویا کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا ہم نے کبھی اس بے سروپا تخیل پر توجہ نہیں کی آج سنی دنیائے صحافت کے بوڑھے عالم اور مدیر اہلحدیث کا ایک ایڈیٹوریل ہمارے ایک محترم دوست نے دیکھایا جس میں مدیر اہلحدیث نے لکھا ہے :-

نجد کے بانی عبدالوہاب پرانے ٹائپ کے بدعتی تھے کسی مذہب کے بانی کی پہچان یہ ہے کہ وہ فرقہ اپنے بانی کا قول سنداً پیش کیا کرتا ہے علماء اہلحدیث نے کبھی نہیں کہا ھذا قول امامنا عبدالوھاب وبہ ناخذ

اہلحدیث ۱۲ جنوری ۴۵ء

یہ نظریہ صحیح ہے تو کسی شیعہ نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ ابن سبا نے ہمارے مسلک کی داغ بیل ڈالی پھر فرقہ حقہ پر یہ کیوں الزام ہے کہ اسکا بانی ابن سبا تھا ذرا اپنے گریباں میں منھ ڈالئے

بزرگوں کی کھال درکار ہے

اخبارات میں "ضرورت ہے" کے عنوان سے برابر اشتہارات چھپا کرتے ہیں اور ضرورتمند اصحاب اپنے نفع کی چیزیں یوں تلاش کرتے ہیں کہ کہیں "کنیا کے لئے بر کی ضرورت" کہیں "رشتہ مطلوب ہے" وغیرہ وغیرہ اشتہارات چھپتے ہیں، ہمعصر اہلحدیث کی تازہ اشاعت میں خود ابوالوفا مولوی ثناء اللہ صاحب مدیر مسئول کیطرف سے ایک نوٹ شائع ہوا ہے کہ کسی صاحب کے پاس مارخور بکرے کا چمڑا ہو تو بھیج دیں یا جہاں سے مل سکے اطلاع دیں مشکور رہوں گا" اہلحدیث ۱۹ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ

اس اعلان کو دیکھکر پہلے تو ہمیں یہ کہنا ہے کہ مشکور کی لفظ اس محل پر غلط ہے "متشکر" یا شکرگذار ہوں گا" ہونا چاہیئے تھا مولانا کی صحت اب اچھی نہیں رہتی اور ضعف پیری سے طرح طرح کے امراض کا غلبہ ہے گھٹنے کی درد کی اسوقت زیادہ شکایت ہے معالج نے یہ دوا تجویز کی ہو یا کسی نے تمسخر کیا ہو بہرحال ہم انکے استفسار پر از راہ اسلامی ہمدردی پتہ دیتے ہیں۔

بکریاں عام طور پر گھانس چارہ درختوں کے پتے سانی بھوسی کھاتی ہیں انکو سانپ بچھو کھانے کا شوق نہیں ہے ہاں پہاڑی بکری بیشک سانپ کھا جاتی ہے، عرب میں اس بکری کو اردیہ، ایل اور وعل کہتے ہیں علم حیوان کی کتابوں میں اس بکری کے بہت سے علامات اور خصوصیات کے ساتھ یہ خصوصیت بھی موجود ہے کہ وہ زہریلے سانپ نوش جان کر جاتی ہے (ملاحظہ ہو عجائب المخلوقات والحیوانات و غرائب الموجودات مولفہ ذکریا بن محمد بن محمود قزوینی ص ۱۷۸ یہ کتاب حیوۃ الحیوان دمیری کے حاشیہ پر مصر میں چھپی ہے)

...کوہی کا ذکر توریت میں بھی موجود ہے - ۲۱ پرنتن کے جنگلی درندے وہاں بیٹھیں گے اور ان کے گھروں میں الو بھرے ہوئے ہونگے وہاں شترمرغ بسیں گے اور بزکوہی وہاں کود پھاند کرینگے -

(ضـ۱۳ یسعیاہ صـ۱۴ کتاب مقدس پرانا عہد نامہ مطبوعہ ۱۹۶۹ء مرزاپور)

اور مقامات پر بھی اس قسم کی بکری کا ذکر ہے جسکو تاریخ داں حضرات اچھی طرح جانتے ہیں ۔ مارخور بکرا کہنے سے لوگ اصل مفہوم کو نہ سمجھتے اسلئے ہم نے تاریخ کی روشنی میں تشریح کردی ہے اب اہل حدیث بتائے کہ کس سن و سال کے بکرے کی کھال اسکو چاہیئے زندہ یا مرزہ ملکی ہو یا غیر ملکی ہندوستان یا عرب ضرورت کی توضیح ہوئی تو ممکن ہے کہ ہم بتا سکیں کہ کہاں ملے گی ۔

ریویو

لائف آف حسین (دی سیویر) اسلام کی اتنی طویل تاریخ میں شیعوں کو کوئی لمحۂ حیات امن و سکون کا میسر نہ ہوسکا یہ ایسا واضح مسئلہ ہے جسکی تشریح زخم پر زخم کے مرادف ہوجاتی ہے ۔ جب پوری قوم پر باوجود آپس کے شدید اختلاف کے مدعیان اسلام سلاطین کی تلواریں برابر کھنچی رہیں اس سے یہ مطالبہ کہ اس نے کس فن میں کتنی کتابیں لکھیں بڑی ناانصافی ہے لیکن موت کی کڑیاں جھیلتے ہوئے اپنی حیثیت سے کہیں زیادہ علمی ذخیرہ کا انبار شیعوں کے قلم سے آج بھی موجود ملتا ہے جو اس قوم کا زندہ معجزہ کہا جائے تو بجا ہے ۔

رفتار زمانہ بدلی اب زبان تالیف و تصنیف انگریزی ہوتی جاتی ہے ۔ شیعی اصول و فروع کو اس زبان میں بھی ہونا چاہیئے اور رفتہ رفتہ صاحبان دل و ہمت اسکی طرف بھی متوجہ ہورہے ہیں لیکن ایک بڑی زحمت یہ ہوگئی ہے کہ انگریزی زبان کے مصنفین علی العموم اس لحاظ سے کہ انگریزوں اور یوروپین اقوام کو ہمارے اندرونی جھگڑوں سے مطلع نہ ہونے دیں ایسے قسم کی رواداری برتتے ہیں جس سے دشمنان اہلبیت کے اصلی خدوخال کا پتہ نہیں چلتا اور واقعات تاریکی میں رہجاتے ہیں ۔

لائف آف حسین کے لائق مصنف نے اس قسم کی رواداری سے کام نہ لیتے ہوئے ایک مختصر کتاب انگریزی زبان میں امام حسین کے متعلق لکھی ہے دو سو چھبیس صفحے کی یہ کتاب امام حسین علیہ السلام کے متعلق بہت سے ضروری حالات کا ذخیرہ ہے ۔ کربلا کے معرکہ سے قبل بلکہ قبل اسلام کے مختصر حالات بھی اجمالاً لکھے گئے ہیں جن سے واقعات شہادت کے سمجھنے میں سہولت ہوگئی ہے ۔ بعض باتیں کمزور بھی ہیں اگر حوالے لکھدیے گئے ہوتے تو غالباً یہ کمزوری بھی دور ہوجاتی ممکن ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں یہ کمی پوری کردیجائے ۔ بہر حال بحیثیت مجموعی کتاب اچھی ہے خصوصیت سے غیر مسلمان یا ایسے مسلمان جو ناواقف ہیں اس کتاب سے کافی فائدہ

اٹھا سکتے ہیں واقعات کا سراغ لگانے میں یہ کتاب کافی مددگار ثابت ہوگی۔

دی ہندو مدراس۔ نیو انڈیا مدراس۔ یونائیٹڈ انڈیا اینڈ انڈین سٹیٹس دہلی۔ ہندوستان ریویو الہ آباد وغیرہ کے ریویو بھی کتاب کی خوبی میں چار چاند لگاتے ہیں۔

ڈی۔پی مدراس میں چھپی ہے۔ لوح پہ للعہ قیمت درج ہے جو کتاب کی ظاہری باطنی خوبیوں کے اعتبار سے زیادہ نہیں ہے۔

اسکے مصنف جناب الحاج مولوی مرزا غلام عباس علی صاحب لکچرار ڈبلو۔سی۔سی۔ مدراس اور بھی کتابوں کے مصنف اور مشہور بزرگ ہیں۔ کتاب غالباً مصنف ہی سے مل سکتی ہے۔

خیالات اور رائیں

الواعظ نے خودستائی کی منزل پر کبھی قدم نہیں رکھا لیکن اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی تعمیل میں اسے عذر بھی نہیں خصوصاً اسوقت جبکہ میرا یہ اقدام الواعظ کے لئے امید افزا ہوسکتا ہے لہذا میری ادارت میں جن مشاہیر اہل قلم نے ناچیز قلمی خدمات کا اعتراف کیا ہے آج انکو درج کرتا ہوں۔

مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں لکھتے ہیں۔

"آپ نے ۲۴ اکتوبر کے پرچہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ کا نام جس تہذیب و ادب سے لیا ہے اسے دیکھکر جی خوش ہوگیا اگر یہی لب و لہجہ عام ہوجائے تو باہمی اختلافات کی تلخیاں کافور ہوجائیں مناقب حضرت سیدہ رضی پر آپ کا جو مضمون ہے اس سے کس سنی کو انکار ہوسکتا ہے؟ جزاک اللہ

مغربی تمدن پر مضمون مجھے اتنا پسند آیا کہ سچ میں نقل کر رہا ہوں یہ وقت اسلام پر بڑا ہی نازک ہے دشمن کی گود میں کلمۂ توحید رسالت کو ڈھونڈتی ہے شیعہ سنی وہابی حنفی کوئی امتیاز نہیں۔

جناب مولانا سید ظفر مہدی صاحب قبلہ جائسی مدیر سہیل یمن۔ افسوس ہے کہ جناب مولانا اسوقت بستر مرض پر ہیں، آپ نے مختلف تحریروں میں ہمت افزائی فرمائی۔

(۱) جناب والا کا جہاد قلمی حد دستائش سے بالاتر ہے اللہ جزا جزیل عطا کرے۔ ۱۸ نومبر ۱۹۴۴ء

(۲) لازالت ایامکم اعیاد اً خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قلمی جہاد کے لئے تادیر قائم رکھے۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۵ء

(۳) پمفلٹ نظر سے گذرے دونوں سے مستفید ہوا خوب اور بہت خوب ہیں میری تنا ہی کیا، جنکے لئے آپ نے لکھا ہے وہی انشاءاللہ اسکا اجر جزیل آپ کو عطا کرینگے۔ ۲۳ مئی ۱۹۴۵ء

جناب مولانا حکیم سید محمد قاسم صاحب قبلہ الہ آبادی۔ حق یہ ہے کہ الواعظ میں صرف

جناب ہی کا مضمون واعظ کامل کی شان رکھتا ہے اور بس خداوند عالم آپکو صحت و سلامتی کے ساتھ اس سے بہتری راہبری کی توفیقات عطا فرمائے۔ ۴ر جنوری سنہ ۴۵ء

جناب مولانا سید عبد الحسین صاحب قبلہ پروفیسر معقولات جامعہ سلطانیہ لکھنؤ

میں نے سہ روزہ تشنگی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ اس لائق نہیں کہ معرض اشاعت میں لایا جا سکے خصوصاً ان تحقیقات انیقہ و تدقیقات منیفہ کے جنکو آپ کی طبیعت وقادہ اور ذہن نقادنے رسالۃ العطش کی تینوں قسطوں میں پیش کیا ہے۔ ۲۶ر مئی سنہ ۴۵ء

عمدۃ الواعظین جناب مولانا سید رضی عباس صاحب قبلہ واعظ ماشاء اللہ الواعظ تو بڑی آن بان اور نرالی شان سے اب تو شائع کیا جا رہا ہے۔ ۱۳ر مارچ سنہ ۴۵ء

عمدۃ المتورعین جناب مولانا سید سلطان علی صاحب قبلہ صدر الافاضل واعظ

یہ دیکھکر بڑی مسرت ہوئی کہ الواعظ کی ادارت آپ نے قبول فرمائی حقیقت امر یہ ہے کہ جب سے آپ نے الواعظ کے خدمات کو ترک فرما دیا تھا یہ رجہ میت کی سی حالت میں رہا یا یوں کہئے کہ احتضار کی حالت میں تھا جس سے اسکے ہمدرد مایوس ہو چکے تھے مگر امید ہے کہ آپکی ذات اسکے لئے مسیح کا کام کریگی فروری سنہ ۴۵ء کا پرچہ مجھے وصول ہوا ہے وہ میرے زیر نظر ہے اور یقیناً عوام و خواص میں دلچسپی اور رغبت پیدا کرنیوالا ہے خدا جزائے خیر عطا فرمائے جو مختصر مضمون آپ نے سہ روزہ تشنگی کے لئے تحریر فرمایا ہے وہ باوجود اختصار کے جامع و مانع ہے مجھے بہت پسند آیا اور عوام کے لئے بھی تسکین دہ ہے۔ ۱۱ر اپریل سنہ ۴۵ء

جناب مولانا سید محمد مصطفےٰ صاحب قبلہ صدر الافاضل جناب کے جہاد قلمی سے ارباب علم و فضل کو سبق لینا چاہیئے خداوند عالم آپ کو ریب زمانہ سے محفوظ رکھے ۴ر نومبر سنہ ۴۵ء

حضرت آثر خیریت آبادی امسال محرم نمبر الواعظ دیکھنے کا موقع ملا تو میں نے بغور تمام اسکے مضامین کو کئی دن تک پڑھا کیا عمدہ مضامین اور مذہبی بیانات مفیدہ پڑھے مضمون نگاروں کے واسطے دعائے صحت و ازدیاد عزت و مرتبت کرنا ضروری ہوئی مدیر کی ادارت بھی بہت مفید ہے کہ نصائح کثیرہ لکھے ہیں حضرت تاج العلما مولوی محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد کے مضامین مفیدہ جن سے انکی قوت حافظہ عبور تاریخ کا پتہ ملتا ہے دلچسپ ہیں اور باعث ازدیاد علم و عقل و شعور ہیں جناب یوسف مرزا صاحب نے ہلال محرم کو کن کن چیزوں کا مظہر قرار دیا ہے انکی شاعرانہ نکتہ سنجی و خیالات مرکوزہ خاطر کا اظہار بھی دلچسپ و لپسند ہے۔ ۲۲ر جنوری سنہ ۴۵ء

جناب مولانا سید شریف حسین صاحب ہیڈ مولوی گورنمنٹ انگلش اسکول ضلع مظفر پور

"رسالہ الواعظ آپ کی نگرانی میں میرے نام جاری ہے جب نہیں پہونچتا تو میں ماہی بے آب کی شکل تڑپتا ہوں

مولانا سید قمر الزماں صاحب قبلہ دام مجدہٗ ارقام فرماتے ہیں "الواعظ کے تحقیقات اور مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں بہت بلند پایہ ہیں امید ہے کہ آیندہ اہل قلم اور زبان اپنے مرکزی ادارہ کی طرف توجہ فرمائینگے۔ مئی ۱۹۴۵ء

مؤلف مشیر عالم جنتری حیدرآباد دکن سے تحریر کرتے ہیں "اس مرتبہ محرم نمبر کے مضامین اس قدر دلچسپ ہیں کہ انکو نامکمل چھوڑنا گوارا نہیں۔ ۷ جنوری ۱۹۴۶ء

سید صفدر حسین شاہ صاحب ڈیرہ غازیخاں سے لکھتے ہیں "میں نے گرد و نواح میں آپ کے رسالہ کی بہت شہرت سُنی ہے۔ الواعظ خریدنے کا ازحد شوق پیدا ہوگیا ہے۔ ۱۲ جنوری ۱۹۴۶ء

سید محمد باقر صاحب سکریٹری انجمن امامیہ "ہمارے موضع میں ایک انجمن قائم ہے جسکے لئے ہم کوئی رسالہ منگانا چاہتے ہیں چونکہ الواعظ کی زیادہ شہرت سُنی ہے اسلئے الواعظ کا وی۔ پی کر دیجئے۔

فیض علیخاں صاحب ایم مرزا بی۔ اے سندھ سے لکھتے ہیں "اپنے امور پرچہ کا وی۔ پی مجھکو کر دیجئے۔

مدرسۃ الواعظین کے تبلیغی خدمات

جناب مولانا سید ممتاز حسین صاحب واعظ

آپ نے اپریل ۱۹۴۵ء سے اکتوبر ۱۹۴۵ء تک بھاونگر، جھوہ نور، کوڑی نار، دیم گام، ترتیز، سیہور ضلع کاٹھیاوار اجمیر بھرت پور، سوائے مادھوپور، سوائے جے پور، قصبہ دوسہ ضلع راجپوتانہ، شاہ پور میں تبلیغی جلسہ جد فرمائی اور سیرت النبی، اخلاق، رد تناسخ، امامت و نبوت، معرفت نبوت، توحید اسلام، سائنس اور اسلام امامت حضرت حجت، اعجاز امامت، تفسیر سورۂ کوثر و آیۂ تطہیر پر دس تقریریں فرمائیں ہر مقام کے مومنین کو نماز جمعہ و جماعت سے بھی متاثر کیا اور مختلف نشستوں میں کثرت سے مسائل دینیہ بیان کئے اور ۱۰ اکتوبر کو قادیانیت کے خلاف ایک کامیاب گفتگو کی ۱۶ جولائی کو ایک وہابی ملا سے تین گھنٹہ تک عزاداری پر بحث کی۔

جناب مولانا سید وزیر حسین صاحب واعظ

جناب مولانا نے اگست ۱۹۴۵ء سے نومبر تک بمبئی میرٹھ اورنگ آباد قصبہ چھولس خورجہ ضلع بلند شہر میں دورہ کیا اور اپنی تبلیغی کوششوں سے مومنین کو مستفید کیا آپ نے ۱۸ تقریریں فرمائیں اور حسب ذیل موضوعات پر تبصرہ کیا خصوصیات اسلام، اسلام میں آزادی کا مفہوم۔ سیرت رسول و ائمہ، قیام گاہ پہ مومنین نے آپ سے بکثرت مسائل دینیہ دریافت کئے۔

جناب مولانا سید صابر حسین صاحب واعظ

جناب مولانا کو گذشتہ نومبر و دسمبر ۱۹۴۵ء شملہ، سیتھل، یلی بھیت، میدپور ضلع کانپور، اور ئی ضلع جالون، ننگہ بسی ضلع ادا، وہ میں گذرا اور اہا جلسوں میں تقریر فرمائی مزدوری، رسالت، امامت، خصوصیات اسلام نماز، ختم نبوت، عزاداری، قرآن و اہلبیت، خلافت حقہ نجاست کفار و مشرکین، دعا، موضوعات تھے جنکو مولانا نے خوش اسلوبی سے طے کیا اسکے علاوہ آپ نے جمعہ و جماعت کے بعد مومنین کو انکی علمی مشکلات کے شافی جوابات بھی دیے اور بتایا کہ جناب علی مرتضیٰ کو مشکلکشا کیوں کہتے ہیں ائمہ کو دعامیں وسیلہ قرار دینے کے کیا معنی ہیں آپ نے فقہی مسائل بھی مومنین کو تعلیم کئے اور اتحاد بین المسلمین کی کوشش کی۔

جناب مولانا سید حمید حسن صاحب واعظ

آپ نے جون لغایتہ دسمبر حسب ذیل مقامات پر دورہ کیا دیور صوبہ مدراس مچھلی بندر ویزیا نگرم والٹر ذیل کے موضوعات پر، امر تبہ تقریر کی شفاعت، نماز، معرفت امام، طہارت خوف خدا، فضائل، ولادت حضرت امام حسین اسباب شہادت پر روشنی ڈالی اور بہت سے ضروری مسائل پر لوگوں سے گفتگو کی تعزیہ داری مسئلہ یا علیؑ مدد اور خلافت پر تقریر کا بھی آپ کو موقع ملا اس عرصہ میں آپ جمعہ و جماعت پڑھاتے رہے۔

جناب مولانا سید ظہیر حسن صاحب واعظ

آپ مئی ۱۹۴۵ء سے نہایت انہماک کے ساتھ اپنے فرائض منصبی میں مصروف ہیں اور سکندر پور کیتھوڑہ میران پور کھجورا جانسٹھ مران پور ضلع مظفر نگر میرٹھ دیرہ دون لدھیانہ آگرہ سہارنپور کانپور میں اہم تبلیغی خدمات انجام دیے اور مندرجہ موضوعات پر حقیقت افروز تقریریں فرمائیں۔ پردہ، حلق لحیہ، صراط مستقیم، حقانیت اسلام اثبات عزاداری، اسلام اور سرمایہ، موت و حیات، علیؑ و کعبہ، صداقت مذہب شیعہ، معنی ایمان، تکریم بنی آدم

آپ نے سب سے بڑی اہم دینی خدمت یہ انجام دی کہ نواب مظفر علیخاں صاحب مرحوم رئیس جانسٹھ کے کتبخانہ کو مدرسۃ الواعظین کے لیے حاصل کیا، آپ کو بعض متعصب افراد سے مسئلہ خلافت پر ایک زبردست مکالمہ کی بھی نوبت آئی جو دو دن تک جاری رہا اور دشمن کے تمام ایرادات کا تشفی بخش جواب دیا مسئلہ متعہ پر بھی ایک زبردست گفت و شنید کی نوبت آئی اور مخاطب نے جناب مولانا کے جوابات کو اپنے عالموں سے پوچھا جس کا کوئی جواب الجواب نہیں ملا مولانائے ممدوح نے مومنین کو نماز جمعہ و جماعت سے بھی مستفید کیا۔

جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب واعظ

آپ اپنے صدر مقام صوبہ سرحد پشاور میں مقیم ہیں اور اہم دینی خدمات انجام دیرہے ہیں جنوری لغایت دسمبر ۱۹۴۵ء آپ نے حسب ذیل اور دیگر موضوعات پر ۷۳ تقریریں فرمائیں قرآن مجید کا الہامی ہونا، شب قدر

سیرت حضرت امیر، حضرت مسلم، غدیر، حقیقت وحی، آپ نماز جمعہ، جماعت، عقد خوانی، نماز جنازہ، عیدین مسائل دینیہ اور اپنے فرائض منصبی کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں اس دوران میں آپ نے زبردست مکالمے بھی کئے ۲۲ اپریل کو قادیانیوں سے ایک زبردست تقریر کی نوبت آئی اور ۲۴ اپریل کو مسئلہ سیادت پر گفت و شنید ہوئی اور ۲۵ کو بعض اہلسنت نے شہید انسانیت پیش کر کے شیعیت کیخلاف زہر اگلا آپ نے نہایت متانت کے ساتھ گفتگو کی اور اعتراضات کی رگ حیات کو قطع کر دیا۔

جناب مولانا بنیاد علی صاحب واعظ

آپ نے یکم مئی سے دسمبر ۴۵ء تک، ریاست میسور، بنگلور، کنٹ، نوروز بالا پور اپنے حلقہ میں تبلیغی خدمات انجام دیے، ۲۷ مجلسوں میں حسب ذیل موضوعات پر تقریریں کیں ولادت حضرت معصومہ عالم، ولادت حضرت علیؑ، تفسیر سورۂ حمد، غدیر اور سیاست علویہ، آیہ مودت۔

جناب مولانا سید انصار حسین صاحب واعظ

آپ مئی ۴۵ء سے دسمبر ۴۵ء تک اپنے حلقۂ تبلیغ الہ آباد، خانپور، جونپور، مارہرہ، رحیم پور، پکسوارہ، مصطفیٰ آباد اور سنگرام پور، محمود آباد میں رہے اور مرقومہ بالا مقامات پر ۲۶ تقریریں ہوئیں جنمیں فضائل بسم اللہ، ارسال یدین، حدیث ثقلین، ایمان، ولادت حضرت امیر، خلافت، معراج، شجاعت، گریہ، کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام، تعلیمات اسلام، محاسن اسلام، یتیم نوازی، حدیث سفینہ، کونوا مع الصادقین، حسین اور اسلام، نماز، غرض خلقت انسان، مباہلہ پر کامیاب بحث کی۔ اسکے علاوہ نماز جماعت کے بعد اور قیامگاہ پر مومنین کو بکثرت مسائل تعلیم کئے اور فرائض کو انجام دیا۔

جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب واعظ

اپریل ۴۵ء سے دسمبر تک جناب مولانا نے الہ آباد، بنارس، جونپور، پنڈی بٹیاں ضلع گجرانوالہ، پنڈی گھیپ ضلع جھنگ دو لووالا ساہی والا کھیوڑا ضلع جہلم بھل ضلع میانوالی دریاخاں قادیان ضلع گورداسپور ٹھٹھا بالا راجہ کلاں نورنہار ضلع گرداسپور پنڈی بٹان کلورکوٹ کا ٹھگڑہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں لدھیانہ لیہ ضلع مظفرگڑھ کھنیاں ضلع ایبٹ آباد بستی شاہ دوخاں نبی شاہ تحصیل بھلوال کوٹلہ حاجی شاہ جھگیان سیدان ضلع سرگودھا بھابیرہ چک ۲۶ ملتان چک ۹ ۳ ضلع ملتان لڈن تحصیل ہاری جلال پور میرو والا پیلان ضلع سانوال امرتسر فیض آباد کری والا ضلع جھنگ کا دورہ کیا اور ۲۴ مجلسوں اور جلسوں میں تقریریں ہوئیں جن میں صداقت اسلام، ہدایت، فلسفۂ موت، انتخاب الٰہی، صراط مستقیم، کوشش اور اسکے نتائج، ایمان شان رسالت، شرائط رسالت اور حقیقت وحی، عمل اور اسکے اثرات، شان امامت، غیبت،

ایمان بالقرآن، طہارت اسلام، فلسفہ قربانی، شرائط امام، فلسفہ شہادت توحید، حقوق نسواں، غدیر، اسلامی نکاح، قصص قرآن، شان اہلبیت، عورتوں کی قربانیاں پر تبصرہ کیا۔ مختلف نشستوں میں مومنین کو بکثرت دینی مسائل تلقین کئے اور زیارت ناحیہ کا ترجمہ کیا۔

جناب مولانا محمد جواد حسین صاحب واعظ

موصوف نے پارا چنار ۔ دسمبر مختلف شہروں اور قصبات میں سے ہنگو، ابراہیم زئی چکر کوٹ، سلیمان خیل بلیٹھو سرہ کلہ کلایہ، ایوب خاں کلہ عبدالعزیز خیل، امین خاں کلہ، میر قاسم، درہ منشی خیل، کرز بچ خادمی زئی پشاور تیراہ بڑا گاؤں مبارکپور گوسی جلال پور۔ پیر الا محمد آباد کوہاٹ سیداں حاجی بانڈہ۔ استرزئی پایان علی زئی سیدان بانڈہ میں دورہ فرمایا اور وہ تقریریں حسب ذیل مضوعات پر کیں۔

امام حسینؑ کی عظیم الشان قربانی اور اسکا عالم پر اثر، توحید باری اور اہلبیت کا مظہر صفات الہیہ ہونا تکریم انسان و فضائل جناب سیدہ ، توبہ ، حلال کی روزی ، درجات ایمان ، بعثت اور معراج ، ولادت امام حسینؑ و ظہور حضرت صاحب ، ضرورت رسالت و امامت ، ولادت حضرت حجت ، فلسفۂ ابتلا ، فلسفۂ صوم خصوصیت اہلبیت ، فضائل حضرت امیر المومنینؑ ، حقوق والدین ، احکام فطرہ ، تقوی و عبادت ، رسم ورواج ، اتفاق و اتحاد ، عید ضحی کی قربانی ، ولادت امیر المومنین ، حدیث خاتم ، مباہلہ و ہل اتی ، دین و استقامت ، ہجرت ، شان اہلبیت ، جامعیت قرآن ، شہادت حسین قرآنی نقطۂ نگاہ سے ، سہ روزہ عطش تقیہ ، عزاداری ، فلسفۂ موت ، حیات امام زین العابدینؑ ، اسیری۔

آپ کا یہ دورہ تبلیغی لحاظ سے انتہائی کامیاب رہا اور ہمکو یہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ آپ نے شیعہ آبادی میں مختلف خاندانوں کے درمیان جو باہمی خانہ جنگی تھی اسکو دور کرنے میں پوری کوشش کی اور اتحاد باہمی کی ترویج میں خداوند عالم نے آپکو کامیاب بھی کیا اس اصلاحی اقدام میں مومنین تیراہ کے اختلاف خیال کو دور کرنا آپ ہی کا کام اور تائید ایزدی تھی کہ وہ مخالف گروہ جو ایک دوسرے کے فنا کر دینے پر تلا ہوا تھا شیر و شکر ہو گیا۔ ہنگو میں شادی بیاہ کے موقع پر ناچ گانے کی قبیح رسم کا انسداد بھی مولانائے ممدوح کے پرخلوص خدمات کا نتیجہ ہے غرض آپ ہر مقام پر جمعہ و جماعت درس و تدریس اور مومنین کو دینی مسائل بتانے میں مصروف رہے۔

جناب مولانا محمد ظہور صاحب واعظ

مولانائے ممدوح نے گذشتہ مئی ۱۹۴۵ء سے حسب ذیل مقامات پر دورہ کیا اور جبل پور، منڈلہ ناگپور، کامٹی، رامپور تحصیل دھمری تحصیل راجم اندور جاورہ حسین ٹیکری، مئو ضلع اعظمگڈھ، مبارکپور،

نیرنگ پور۔ اگر میں چالیس تقریریں فرمائیں نیچے لکھے ہوئے موضوع پر۔ سیرت حضرت فاطمہؑ، توحید، نبوت فلسفۂ شہادت، مسئلہ نجات، مصداق اولی الامر، شان امانت، سیرت رسول، معرفت امام، غیبت، فلسفہ موت و حیات، صبر و شکر، سیرت رسول، تقویٰ خصوصیات اسلام، بعثت۔ مولانا نے مرقومہ بالا مقامات پر جمعہ و جماعت سے بھی مومنین کو لطف اندوز کیا آپ نے بعد نماز موعظہ میں ایسے مفید مضامین اور روزمرہ کی ضرورتوں کو حل کرنے والے مسائل بتلائے جس سے لوگوں کو بہت بڑی علمی و مذہبی مدد پہونچی اسکے علاوہ مختلف نشستوں میں مومنین کے استفسار پر جو مسائل آپ نے بیان کئے اُن کی تفصیل یہ ہے۔

عذاب قبر و سوال منکر و نکیر، شہید انسانیت پر تبصرہ، مسئلہ شفاعت، نجات مختار بن ابو عبیدہ ثقفی قدم مادہ کا ابطال، کثرت ازدواج، مسئلہ غلامی، نجاست خوک و سگ، مدرسہ جعفری کے سالانہ امتحان میں بھی آپ نے پوری دلچسپی سے حصہ لیا اور آپ کے اس دورہ سے مدرسہ کو جو مدد پہونچی اُن میں وہ کتابوں کا ذخیرہ قابل ذکر ہے جو آپ کے مساعی جمیلہ سے مدرسہ کو حاصل ہوا۔

ریویو

البیان

امت مسلم امرتسر کا ماہوار رسالہ البیان ختم نبوت نمبر ہمارے سامنے ہے اور مختلف اوراق پر ہم طائرانہ نظر کر کے اس نتیجہ تک پہونچے کہ یہ پرچہ مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہے کہ قادیانیت ایک ایسا زنگ ہے جو دماغ کو اسطرح کھا جاتا ہے جیسے اناج کو گھن اور وہ شئی لطیف جسکا احساس کسی انسان کو انسان بننے کے قابل بناتا ہے اور وہ عقل سلیم جو حیوان ناطق کو حیوان مطلق سے متمیز کرتی ہے اور وہ خود اعتمادی جو کسی شخص کو کھوٹے اور کھرے برے اور بھلے پر آزادانہ و خود مختارانہ رائے قائم کرنے کا حق دیتی ہے قادیانیوں میں ہوتی ہی نہیں۔

اگرچہ اس نمبر میں ختم نبوت کے دلائل و براہین سنی نقطہ نظر سے ہیں اور بعض نوٹ شیعی نظریہ کے خلاف ہیں لیکن ہمکو یہ دیکھکر بڑی مسرت ہے کہ مرزائیت کا پول کھولنے والے اور غلام احمد صاحب کی مصنوعی نبوت سے اظہار بیزاری کرنیوالے ابھی مسلمانوں میں موجود ہیں۔ مرزا نے جن روایات کا سہارا لیکر دعوئے نبوت کیا تھا انکا تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور قرآن مجید پر جو تاویلی یورش کی تھی اسکے صحیح معنی بتائے ہیں۔ صدر کلام میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سلیمان ندوی اور رشید رضا مصری کے مقالات بھی ہیں۔ حجم ۱۸۴ صفحات قیمت ۸ علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ:۔ دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ حکیمان امرتسر

قصیدہ

از جناب حکیم ملک سید محمد محسن صاحب گورنمنٹ رجسٹرڈ۔ ساکن بڑاگاؤں ڈاکخانہ سرائے محی الدین تحصیل شاہگنج ضلع جونپور مقیم اٹاوہ

عرب کی سرزمیں وہ مملکت کفر و ضلالت کی
ہوا کرتی تھی بارش جس جگہ ابر جہالت کی

نہ کھیتی تھی نہ باڑی تھی نہ گلشن تھا نہ سبزہ تھا
زمین غیر مزروعہ زیر افلاس نکبت کی

وہاں کے رہنے والوں کے خصائل کیا لکھے جائیں
بہائم بھی تھے چشمک زن وہ افتادیں طبیعت کی

تمدن سوز انکے رہنے سہنے کے طریقے تھے
اٹھا کرتی تھیں ریگ گرم سے موجیں شقاوت کی

ہوا کرتے تھے جھگڑے رات دن باتوں ہی باتوں میں
رہا کرتی تھی ہر دم گرم بازاری خصومت کی

قبیلے کے قبیلے ختم ہو جاتے تھے لڑ بھڑ کر
لیا کرتے تھے سب اپنی جگہ پر کبر و نخوت کی

اک ادنیٰ مشغلہ تھا لوٹ لینا مارنا جاں سے
کیا کرتے تھے تعریفیں خود اپنے قتل و غارت کی

مزے لیتے تھے کھا کر سنگ پشت و سوسماروں کو
شرابیں جزو لاینفک بنی تھیں بزم عشرت کی

پہاڑوں کے درے جنگل کے چھپر انکے مسکن تھے
کبھی تخئیل میں صورت نہ آئی تھی عمارت کی

جہاں میں پستی اخلاق کا انکے تھا اک چرچا
زمانہ بھر کی پڑتی تھیں نگاہیں اُن پہ ذلت کی

غلامی کی وبائے عام تھی گھیرے ہوئے اُن کو
کب اُنکو منزلت معلوم تھی اپنی حکومت کی

جسے دیکھو وہی دختر کشی پہ فخر کرتا تھا
بڑی ہی دھوم تھی چاروں طرف رسم موءدت کی

بنائے تھے خدا ہر ہر قبیلے نے جُدا گانہ
پرستش کرتے تھے تاروں کی۔ سیاروں کی مورت کی

سمجھتے تھے انہیں کے قبضۂ قدرت میں عالم ہے
بتوں سے التجائیں کرتے تھے ہر ایک حاجت کی

مکاں میں لامکاں کے بُت خدائی کرنے بیٹھے تھے
خطائے فہم پر بنیاد تھی جھوٹی حکومت کی

یکایک جوش آیا۔ قلزم افضال باری میں
گھٹا چھائی عرب پر خالقِ اکبر کی رحمت کی

زمین مردہ میں جاں آگئی باران رحمت سے
نمایاں ذرہ ذرہ سے ہوئی اک شان قدرت کی

نئی دنیا بنا دی ایک اس آواز غیبی نے
جہاں میں آمد آمد آج ہے ختم الرسالت کی

زمیں پر منہ کے بل اصنام یوں گر گر کے ٹکرائے
بتوں کے پوجنے والے بنے تصویر حیرت کی

ادہر مسکوت کاہن ہیں ادھر مبہوت راہب ہیں
عمل کا کچھ اثر ظاہر نہ تاثیریں ریاضت کی

سلاطین زمانہ مثل بت گم صم ہیں دہشت سے
ملیگی منکروں کو اب سزا کفران نعمت کی

بجھے آتشکدے دل ہل گئے۔ آتش پرستوں کے
ہوئی تاثیر پیدا آگ سے ایسی برودت کی

ہوا وہ سست جس کے طاق کسریٰ آن واحد میں
شکست کفر کے آثار نے برپا قیامت کی

ہوا دریائے ساوہ خشک ڈر حق سے ترسا تھا
سماوہ میں ادھر اک شاخ پھوٹی بحر رحمت کی

تصویر شام دکھلائے دیے مکہ کے ٹیلوں سے
فراوانی ہوئی نور الٰہی کے یہ طلعت کی

علم نے سندس جنت کے دامن سے ہوا دیکر
دکھائی باغ عالم کو فضا گلزار جنت کی

خدا کے فضل سے ہے آج تین عیدیں اکٹھی
جدھر دیکھو ادھر ہے گرم بازاری مسرت کی

شب معراج بھی، میلاد محبوب الٰہی بھی
اور آمد جعفر صادق چھٹے مہر امامت کی

بڑھا دست اکرم تاروں کی چھاؤں میں پلا ساقی
ریاض دہر کو گھیرے گھٹا ہے آج رحمت کی

مقدر بھی تو پیمانہ کے ساتھ آیا ہے گردش میں
ملیگی اور ملیگی ہے اگر رندوں کی قسمت کی

پلا وہ مئے کہ جس سے جلوۂ جاناں نظر آئے
وہی نے ماحصل تھی جو کہ تبلیغ رسالت کی

اُجالا کر دیا ہے جوت نے جس کی دو عالم میں
حقیقت میں یہی ہے زندگانی شمع قدرت کی

ہجوم بیخودی ہے اب پلادے چُلو ہی چُلو
چھلکانے کی ادا تیرے ہے ساقی کس قیامت کی

سنا فکر رسا سے مدحت حاضر بھی اے محسن
دُرِ مضموں کی لڑیاں نذر کر بزم رسالت کی

مطلع

تری پُرنور خلقت وجہ ہے تکوین خلقت کی
زباں تیری ہے اک بڑھتی ہوئی لو شمع وحدت کی

وہ جاری فیض کا تو نے عرب میں کر دیا دریا
زمانے بھر میں شاخیں پھوٹ نکلیں علم و حکمت کی

کئے جذبات پیدا قوم میں خلق حمیت کے
بڑھائی ہر طرح پر تو نے رسم و راہ الفت کی

جنوں اقتصادی اور تعاون سے کیا واقف
دکھائیں خوبیاں سبکو تمدن کی سیاست کی

سکھائی حق پرستی صلح جوئی راست گفتاری
مٹائیں جو مسلط تھیں بلائیں کفر و بدعت کی

کچھ ایسی رفع کیں کمزوریاں اخلاق کی اُنکے
زمانے بھر میں شہرت ہوگئی بدوی شرافت کی

سکھایا واجب و سنت بتایا حلت و حرمت
منادی پھیر دی خالق کے بندوں میں شریعت کی

عمل کا اپنے آئینہ بنایا خانوادے کو
جنھوں نے آبرو رکھ لی جہاں میں قوم و ملت کی

اُٹھا کر نہر سے خیمے بیاباں جلتی ریتی پر
یہ تعلیمی جلالت تھی تری سلجھی طبیعت کی

جواں بیٹے کی میت پر پدر یوں مسکرا سکتا
نہ ہوتی تربیت تیری اگر صبر و شجاعت کی

لٹا کر سر لٹا کر گھر نواسے نے یہ دکھلایا
وہی ہم میں ہے ہمدردی جو نانا کو تھی امت کی

جو اک اللہ محسن جوش عرفانی سے محفل میں
دکھائی ہے روانی آج دریائے طبیعت کی

کتاب الدعا

دعائے ادائے قرض

انسان کے لئے مقروض ہونا ایک عظیم فکر ہے احادیث نبوی میں قرضدار کی مشکلات کی تصویر کشی یوں کی گئی ہے لا وجع الا وجع العین ولا غم الا غم الدین آدمی کے لئے جسمانی تکالیف میں آنکھوں کے روگ سے زیادہ اہم کوئی بیماری نہیں ہے اور قرض کے سامنے دنیا کا ہر غم ہیچ ہے دردمیدہ صحیح معنوں میں وہی کہا جاسکتا ہے جو درد چشم میں مبتلا ہو اور مغموم صرف وہی جو قرضدار ہو۔

حکماء نے قرض کو شدید ترین افکار دنیوی سے بھی تعبیر کیا ہے اگرچہ ایک ہی درہم کا بار کیوں نہ ہو معصومین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین نے ادائے قرض کی بکثرت دعائیں اپنے حلقۂ اثر کو تعلیم فرمائی ہیں ایک دعا یہ ہے۔

امام محمد باقرؑ کے صحابی جابر کا بیان ہے کہ حضرت نے اپنے آباء طاہرین سے روایت کی ہے کہ جناب امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ نے پیغمبر خدا صلعم سے قرض کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہو

اَللّٰھُمَّ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَبِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ

(حاصل مضمون) اے میرے معبود حلال کی روزی دیکر مجھے حرام سے بے پرواہ کردے اور تیرے فضل سے میں تیرے غیر کا محتاج نہ رہوں" اگر زمین کے سب سے بڑے پہاڑ صبیر کے برابر بھی قرض ہوگا تو خداوند عالم اسکو ادا کردیگا۔ (بحار الانوار مجلسی)

اس مختصر دعا کو کسی ایک وقت شبانہ روز میں یا بعد نماز پنجگانہ پڑھنا چاہیئے۔

لہ البلد الامین والدرع الحصین کفعمی علیہ الرحمہ

اطلاع

لہ تبلیغی لحاظ سے جن حضرات کو الواعظ بلاقیمت ہدیۃً بھیجا جارہا تھا بوجہ مالی مشکلات صرف ایسے حضرات کو ہم چند ماہ سے الواعظ حاضر نہیں کرسکے ہیں امید ہے کہ جلد اس کمی کو پورا کیا جاسکیگا۔

"مینیجر"

گلستان شریعت کا پھول

علامہ شیخ مفید رح کے مختصر حالات

چمن دہر میں قدرت کے سنوارے ہوئے ہزارہا پودے اپنی اٹھتی کونپلوں سے توحید کا دم بھر رہے ہیں ان میں گہرے رنگ کی سبز پتیاں یہ معلوم ہوتی ہے کہ اوراق پریشاں ہیں دفتر معرفت کردگار کے۔ ڈالیاں پتوں کے بوجھ سے جڑ کی طرف جھکنے میں تذلل و انکسار کی زندہ تصویر اسلئے ہیں کہ جو شاخ پھوٹتی ہے وہ اسی اصل سے گویا ٹہنیوں کے دست نازک اشارہ کرتے ہیں کہ ہمکو جو کچھ ملا وہ اس مرکز سے ایک منظر ہے سبق آموز لیکن تا رنگاہ ٹہرتا اُسی جگہ ہے جس شاخ میں پھول اور اسکے پہلو میں بلا فصل غنچہ ناشگفتہ ہو ناممکن ہے کہ شامہ نواز گل اپنی مہک سے چہل قدمی کرنیوالوں کی توجہ منعطف نہ کرے۔

اجسام نامیہ میں انسان بے انتہا حسین اور اشرف مخلوق سمجھا جاتا ہے لیکن ہماری نظریں عام بنی نوع انسان پر نہیں پڑتیں بلکہ باصرہ اس انسان کی تلاش میں ہے جسمیں محاسن کے گل بوٹے ہوں وہ، وہ اہل علم ہیں جنکی شمیم علم چاردانگ عالم میں اسوقت تک پھیلی ہوئی ہے اور کوچہ ہدایت بسا ہوا ہے میری دیرینہ آرزو ہے کہ شیعہ مجتہدین کے علمی و عملی کارنامہ افراد قوم تک پہونچائے جائیں، آج آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت شیخ مفید طاب ثراہ کے مختصر حالات پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ وہ بحر ناپیدا کنار علم ہے جسکی معمولی غواصی کے لیے بھی ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے تاہم جناب کے مختصر حالات بطور مشتے نمونہ از خروارے چند صفحوں میں پیش کرتا ہوں۔

اسم مبارک نام نامی محمد کنیت ابو عبد اللہ اور ابن معلم لقب مفید تھا اسی خطاب سے آپ علمی دنیا میں مشہور ہیں یہ لقب آپ کو سواد اعظم اسلام کے ایک کہنہ مشق اور مسلم الثبوت عالم نے مناظرہ میں لاجواب ہو کر دیا ہے اور ہم عنقریب اسکی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ولادت ۱۱ ذیقعدہ کو اپنے وطن عکبرا میں پیدا ہوئے اور والدین کے خانہ تاریک کو روشن کیا، سال میلاد میں اختلاف ہے بعض واقعہ نگاروں کا بیان ہے کہ ۳۳۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور بعض نے

۳۳۰ھ کہاہے کم وبیش وہ زمانہ ہے کہ امامت کا سلسلہ بارہویں راہنما تک کھنچکر ظلم پسند ہستیوں کے دست تعدی سے مخلوق کے روبرو حجاب غیبت حائل ہے اور امام عصر کے چاروں وکیل اپنی خدمت کے اہم فرائض کو انجام دیکر دنیا کو خیر باد کہہ چکے ہیں غیبت کبریٰ شروع ہوئی ایک صدی تمام نہیں ہوئی ہے دنیا میں ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو امام غائب کی نیابت کے فرائض انجام دے جناب آیۃ اللہ نے اس کمی کو پورا کیا۔

سلسلۂ نسب ۔ آپ کے اجداد کا سلسلہ ۳۱ واسطوں سے یعرب بن قحطان تک یوں پہونچا ہے:-

محمد بن محمد بن نعمان بن عبدالسلام بن جابر بن سعید بن جبیر بن وہب بن ہلال بن اوس بن سعید بن سنان بن عبداللہ بن رکاب بن زیاد بن حرث بن مالک بن ربیعہ بن یشب بن عریب بن وقید بن کہلا بن سبا بن یشحب بن یعرب بن قحطان ۔

اجداد مورث اعلیٰ آپ کے یعرب بن قحطان ہیں تاریخ وسیر سے ذوق رکھنے والے اصحاب میں یعرب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے لیکن مورخین اسلام اور غیر مسلم ارباب تاریخ میں آپ کے نام کی نسبت بڑا اختلاف ہے بنی قحطان میں کوئی آپ کے نام کی جگہ "یرح" اور کوئی "جرہم" یا "جرھم" لکھتا ہے حق یہ ہے کہ جہاں بھی جرھم یا جرہم یا یرح آیا ہے اس سے مراد ایک ہی شخص ہے یہ پہلی وہ ذات ہے جس نے عربیت کی داغ بیل ڈالی اور زبان عربی کو ایجاد کیا عرب کے بیشتر قبیلے اسی نسل سے ہیں گویا زبان عرب جناب علامہ کے گھر کی زبان تھی اور وہ جناب علوم عربیہ کے وارث دار تھے ۔

قحطان سلسلہ اجداد میں سب سے اونچی فرد بھی توریت کے اسفار خمسہ میں انکو یقطان اور انجیل میں جو یقطان سے یاد کیا ہے Rev Farcmt ..... انگریزی مورخ لکھتا ہے کہ ان تینوں ناموں سے ایک ہی شخص مراد ہے عرب قحطان موسائی یقطان عیسائی جو یقطان کہنے لگے یہ پہلا فرمانروا ہے جس نے یمن میں پہونچکر عنان حکومت ہاتھ میں لی اور سب سے پہلے تاج زیب سر کیا۔

تحصیل علم والد ماجد آپ کے ایک علم دوست اور روشن خیال شخص تھے اولاد کی تعلیم کا بیحد شوق تھا کمسنی میں آپ کو لیکر بغداد آئے اور شیخ ابی عبداللہ سے پڑھوایا بعد ازاں آپ بغداد کے دوسرے عالم ابو یاسر کی مجلس درس میں داخل ہوئے اور کچھ ہی دن میں اپنی خداداد ذہانت سے وہ استعداد پیدا کی کہ نہ صرف ہم درس طلبہ بلکہ اساتذہ پر بھی سبقت لے گئے ۔

کمال ۔ حاشا میرے کمزور قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ حضرت آیۃ اللہ کے علم وکمال کی نقشہ کشی کردں یہ وہ وادی ثنا وصفت ہے کہ جس میں بڑے بڑے ارباب رجال مدح خواں ہیں محقق بحرانی رقم طراز ہیں :-
فضائل آپ کے فقہ وحدیث وکلام میں اس سے کہیں زیادہ مشہور ہیں کہ وصف کئے جائیں آپ اپنے

زمانہ کے تمام لوگوں میں فقہا اور اعلم تھے فرقہ امامیہ کی ریاست بھی آپ ہی کی طرف تھی آپ دقیق النظر اور حاضر جواب تھے
(دیکھو لولوۃ البحرین)

جناب علامہ کے تبحر اور اعلمیت پر اُنکے کثیر تصانیف بھی گواہ ہیں کوئی علم و فن شائد ہی ایسا ہوگا جس میں آپکے قلم نے معرکہ آرائیاں نہ کی ہوں۔

عبادت۔ بچپن سے عبادت خدا پر رغبت تھی اور جو وقت تعلیمی مشاغل سے خالی ہوتا تھا وہ خصوصیت کے ساتھ محراب عبادت میں گذرتا تھا، ابن کثیر شامی نے اپنی تاریخ میں باآں عصبیت آپکے حالات میں خضوع و خشوع پر یہ نوٹ لکھا ہے۔

شیعوں کے عالم اور رافضیوں کے امام صاحب تصانیف کثیرہ کلام اور مناظرہ اور فقہ میں معاصرین پر فوق لیگئے تھے وہ یا مرد ی کے ساتھ ہر مذاق کے لوگوں سے مناظرہ کرتے تھے وہ بہت زیادہ خیرات کرنیوالے اور خشوع میں درجۂ عظمیٰ پر فائز کثیر الصلوٰۃ روزے بہت رکھتے تھے ہمیشہ اُنکے جسم میں موٹے کپڑے نظر آتے تھے

مفید کا لقب کس نے دیا؟ جناب علامہ نے علمی دنیا میں جو غیر معمولی شہرت حاصل فرمائی اسکے بعد آپ کی شخصیت ہرگز ایسی نہ تھی جو کسی خطاب کی محتاج ہوتی تاہم آپنے ایسے شاندار طریقہ سے خطاب حاصل کیا جو آپکی ذات سے خاص تھا یہ وہ وقت ہے جب آپ کے شفیق استاد انصاف پسندی سے کبھی کبھی اثنائے درس میں اپنے عجز کا اعتراف کرتے تھے اور نتیجہ میں وہ وقت آیا کہ اُستاد کے مشورہ سے آپ کو دیگر ارباب کمال سے رجوع کرنا پڑی بغداد میں علی بن عیسیٰ رُمانی سواد اعظم اسلام کے رکن اور علم کلام کے بہترین ماہر سمجھے جاتے تھے استاد نے جناب علامہ کی تکمیل کے لئے انھیں کو تجویز کیا اور اثنائے درس میں حسب ذیل گفتگو شروع کی۔

استاد۔ (عاجز ہوکر) اب آپ علی بن عیسیٰ رومانی سے پڑھ سکتے ہیں اُنکے پاس جائیے۔

شیخ مفید۔ میں انھیں نہیں پہچانتا اور نہ یہاں کوئی شخص ایسا ہے جو مجھے اُنکے پاس لیجائے۔

اُستاد نے یہ سُنکر اپنے ایک شاگرد دربہلو نشین کو حکم دیا کہ جناب شیخ مفید کا علی بن عیسیٰ رمانی سے تعارف کرائیں۔ شیخ مفید جب نئے عالم کی منزل میں پہونچے تو یہ عالم نظر آیا کہ مجلس درس افاضل سے چھلک رہی ہر جگہ ملنے کی امید میں اپنی فطری انکسار سے جوتوں کے قریب بیٹھ گئے دل میں سوچ رہے تھے کہ آگے بڑھوں تو کچھ پوچھوں اسی خیال میں ایک مرد بصری داخل ہوا اور میر مجلس سے دریافت کیا

بصری۔ حدیث غدیر اور قصۂ غار کی بابت آپ کیا کہتے ہیں۔

علی بن عیسیٰ۔ حدیث غدیر روایت اور غار کا قصہ درایت (مشاہد) ہے اور یہ اپنی جگہ طے ہے کہ

روایت درایت سے معارضہ نہیں کرسکتی۔

بصری جواب سنکر ساکت ہوا اور چلا گیا، شیخ مفید چپ نہ رہ سکے اور انصاف کا خون دیکھکر مہر خموشی توڑی۔

شیخ مفید میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں

علی بن عیسیٰ پوچھو

شیخ مفید جو شخص امام عادل پر خروج کرے اور اس سے لڑے اسکی بابت آپ کیا کہتے ہیں۔

علی بن عیسیٰ۔ وہ کافر ہے (پھر کچھ سوچکر) .... ناسق ہے

شیخ مفید علی بن ابیطالب علیہ السلام کی شان میں آپ کیا کہتے ہیں

علی بن عیسیٰ۔ امام تھے

شیخ مفید۔ طلحہ و زبیر جنگ جمل میں ان سے لڑے تھے

علی بن عیسیٰ۔ ہاں مگر ان سبھوں نے توبہ کرلی تھی

شیخ مفید۔ خبر جہاد درایت اور توبہ روایت ہے۔

علی بن عیسیٰ کیا آپ بصری کی باتوں کو سن رہے تھے

شیخ مفید۔ ہاں

علی بن عیسیٰ۔ آپ کون ہیں اور اس شہر کے عالموں میں کس سے پڑھکر میرے پاس آئے ہیں۔

شیخ مفید میں نے شیخ ابو عبداللہ سے پڑھا ہے۔

یہ جواب سنکر علی بن عیسیٰ رمانی مکان کے اندر چلے گئے تھوڑی دیر کے بعد برآمد ہوئے تو ہاتھ میں سربمہر لفافہ تھا جسے جناب علامہ کو دیا اور کہا اسے اپنے اُستاد کے سامنے پیش کردینا۔

آپ بند تحریر لئے ہوئے واپس واپس آئے اور اُستاد کی خدمت میں پہونچکر لفافہ پیش کیا انھوں نے خط پڑھا اور چہرہ پر آثار تبسم نمایاں ہوئے جب آپ نے سبب تبسم پوچھا تو کہا کہ جو کچھ گفتگو تم نے اس سے کی تھی وہ مجھے لکھی ہے اور مجھے تمہارے حق میں وصیت کرتے ہوئے تم کو مفید کا خطاب دیا ہے۔

اس واقعہ کو دیکھکر میں یہ کہوں گا کہ جس طرح ہمارے ائمہ میں چوتھے امام مولانا علی بن الحسین صلوات اللہ و سلامہ علیہ کے لئے محراب عبادت میں دشمن کی صدا آرہی تھی انت زین العابدین اسی طرح امام کے نائب حقیقی کی شان میں ایک دشمن کہہ رہا ہے انت المفید۔

سلام

از جناب سید محمد احسن صاحب خاور نجیب آبادی

میسر لطف نیساں ہے غمِ سبطِ پیمبر سے
برستے ہیں سنئے موتی ہمارے دیدۂ تر سے

مقامِ شرم ہے کہدے کوئی یہ چرخ ستمگر سے
جو مالک ہو تری کا بوند بھر پانی کو وہ ترسے

نہیں کھینچا یہ حُر کو شاہ نے اعدا کے لشکر سے
نکالا کفر سے ایمان کو یا خیر کو شر سے

علیؑ سا مجھکو ساقی ملگیا میرے مقدر سے
مسلسل آرہی ہے بوئے عرفاں میرے ساغر سے

نہیں پروا اگر تکلیف پہونچے عشق سرور سے
یہ سودا مرتے دم تک بھی نکل سکتا نہیں سر سے

میں سرشارِ مودت ہوں مری مستی کا کیا کہنا
مری آنکھوں میں نشہ ہے غدیرِ خم کے ساغر سے

شہیدِ کربلا کی مدح کا جب قصد کرتا ہوں
زباں کو دیکھتا ہوں دُھل گئی ہے آبِ کوثر سے

علیؑ بعد نبی کونین میں ہر اک سے افضل ہیں
زیادہ اس سے کہہ سکتا نہیں میں کفر کے ڈر سے

اسے سینچا ہے ابنائے نبی نے خون سے اپنے
بنائے دیں کا استحکام ہے شبیرؑ و شبرؑ سے

مدینۂ علم کا احمدؐ ہیں لیکن باب حیدرؑ ہیں
پہونچنا ہے اگر اس شہر میں تو آئیے در سے

شہِ مظلوم کے انصار کی جرأت کا کیا کہنا
یہ عالم تھا کہ عاجز آگئے لاکھوں بہتّر سے

خلافِ شرع ہیں اعمال جنکے اُنکی یہ ہمت
کہ بیعت کا تقاضا وہ بھی فرزندِ پیمبر سے

مٹاتے ہیں نشانیِ مصطفےٰ کی یہ ستم دیکھو
تبر سے تیر سے تلوار سے نیزے سے خنجر سے

گراں ہے قدر و قیمت میں سعی ننھے مجاہد کی
شہادت شاہ کی اکبر بنی ہے قتلِ اصغرؑ سے

زہے شانِ کرم! سرور نے لڑنے کو نہیں بھیجا
کہ خوں ہوتا خشک اعدا کا عباسؑ دلاور سے

نہ چھینو اپنی ہی خاطر نہ چھینو اے ستمگار و
کہ پردہ ہے تمہارے ظلم کا زینب کی چادر سے

زمیں کو زلزلہ ہے آسماں سے خوں برستا ہے
یہ دن عاشور کا کچھ کم نہیں ہے روزِ محشر سے

دعائے زینبِ بیکس قیامت لا چکی ہوتی
جو شہ نے صبر کا وعدہ لیا ہوتا نہ خواہر سے

مثال اسکی کہیں آفاق میں ڈھونڈھے نہیں ملتی
کسی نے فتح کی ہو جنگ روحانی بہتر سے

وہی سیراب ہونگے جو محبت کے پیاسے ہوں
ہیں وابستہ امیدیں ساقیِ تسنیم و کوثر سے

گل و لالہ کی صورت میں ہوا ہو منتقل دیکھو
غمِ شہ میں لہو ٹپکا ہے جتنا چشمِ خاور سے

ایک ضروری تحریک

جناب سید زوار حسین صاحب خادم العزا اطلاع دیتے ہیں کہ میں سنہ ۱۳۴۴ھ سے کربلائے دیانت الدولہ لکھنؤ میں ۲۰ رجب کو مجلس عزا منعقد کرتا ہوں اسکے بعد شبیہ سواری امام مظلوم اٹھاتا ہوں بحمداللہ اب اس جلوس عزا نے خاص شہرت حاصل کرلی ہے علاوہ شہر کے بیرونجات سے ہزارہا مومنین ہرسال تشریف لاکر زیارت فرماتے رہتے ہیں جسکی وجہ سے یوم غم کی صورت قائم ہوگئی ہے ماشاءاللہ سے اب متعدد شہروں سے بھی ۲۸ رجب کو جلوس عزا اٹھنے لگے ہیں چونکہ ۲۰ رجب کو حضرت امام حسینؑ نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کیطرف سفر فرمایا ہے اس وجہ سے یہ تاریخ غم کے اعتبار سے بہت اہم تاریخ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس تاریخ کے نوحہ و ماتم تلاش کرنے سے بھی فراہم نہیں ہوتے آج تک کسی اخبار نے اس تاریخ پر روشنی نہیں ڈالی ہے۔

لہذا میری دلی خواہش ہے کہ جہاں آپ محرم نمبر، رجب نمبر وغیرہ شائع فرماتے ہیں وہاں امام حسینؑ کے سفر کا بھی ایک نمبر ضرور شائع فرمائیں اور وہ پرچہ قبل ۲۸ رجب شائع ہوجایا کرے جسمیں حضرات اہل علم کے مضامین اور حضرات شعراء کی نوحہ و ماتم ہوں جس سے خاص فائدہ یہ ہوگا کہ یہ تاریخ مشہور ہوجائے گی۔ اور انجمنہائے ماتمی اور مستورات کو اخبار کے ذریعہ سے نوحہ و ماتم ملجایا کرینگے اور مضامین سے حضرات مومنین کی واقفیت میں اضافہ ہوتا رہیگا آپ اپنی رائے سے مطلع کیجئے۔

الواعظ:۔ عزائے حسینؑ کو فروغ دینے میں ہمکو ہر جائز قرارداد سے اتفاق ہے۔

نہ ہوتی۔ نہ اوسمیں زراعت ہوسکتی نہ اوسمیں پانی ہوتا۔ پس یہ سب بوجہ آثار تدبر کے صانع عالم اور اوسکے حکیم ہونے پر دال ہیں۔

او نفس انسانی اور وہ اسباب جنھوں نے اوسمیں قابلیت عروج اور استکمال پیدا کی کہ وہ علم اور معرفت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوسکتا ہے اور یہ سبب عمل خیر کے عروج پاتا ہے اور یہ ارتکاب شر کے پست ہو جاتا ہے۔ اس پر دال ہے کہ اوسکے خالق نے اسکا مقصود حیات کیا قرار دیا ہے۔ اور وہ شئے جس نے نفس انسانی میں صلاحیت عروج و استکمال پیدا کی عقل ہے اور اُسنے اسکو اوسکی نیکی اور بدی کی معرفت بخشی الہام سے مراد وہ علم ہے جس میں بندہ کے نعلیت کو پورا دخل نہ ہو یعنی جیسا کہ نظری علم میں قوائے عقلیہ کا صرف اور مشقت درکار ہے وہ نہ ہو خواہ اسوجہ سے کہ اوسکا ادراک بدیہی فطرت انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے۔

خواہ اسکو الہام ہوا ہو۔

پس یہ امر کہ انسان کی فطرت میں اسکے مقصود حیات کا ادراک بدیہی ہے اس پر دال ہے اوسکے خالق نے اوسکی زندگی کا مقصود یہی قرار دیا ہے۔

پس اُن آیتوں سے جنمیں قسم وارد ہے وہ تمام قضایا حاصل ہوئے جو مطلوب کے لئے ضروری تھے۔ لہذا مطلوب حاصل ہوا۔

اسکے بعد اس امر کے شواہد اور دلائل آتے ہیں کہ بندوں کو اونکی بد اعمالی کی سزا ملنا ضروری ہے۔

التماس دعا

جناب مولانا سید ظفر مہدی صاحب قبلہ جائسی جنکے قلمی جہاد سے قوم اچھی طرح واقف ہے ابھی رو بصحت نہیں ہوئے ہیں اور اگرچہ مسیح العصر حکیم صاحب عالم کے علاج سے نسبتاً بہت کچھ فائدہ ہے لیکن پھر بھی قوم کی دعاؤں کی شدید ضرورت ہے زبان میں فالج کے اثرات سے ابھی گویائی کی طاقت نہیں ہے عقل و دماغ پر بحمدہ کوئی مضر اثر نہیں ہے۔

ادیب اعظم شمس الواعظین جناب مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ سرپرست رسالہ نوم مرادآباد کو بھی تا حال کلیۃً صحت نہیں ہوئی ہے اور جناب ممدوح کے طول مرض سے قوم کو جو علمی نقصان پہونچ رہا ہے اسکی تلافی جب ہی ہوسکتی ہے جب پھر آپ صحتیاب ہوکر قلمی جہاد فرمائیں امید ہے کہ ناظرین الواعظ اپنی قوم کے زبردست اہل قلم یعنی ہر دو بزرگ کے لئے انتہائی خلوص و عقیدت سے دعا فرمائیں۔

وہ غرض انسان کو معلوم ہو اور اسکے مطابق کرنا واجب ہو۔ پس ان قسموں کا اثبات ان آیتوں سے حاصل ہونا چاہیئے

والشمس وضحٰھا یعنی آفتاب کا وجود اور اسکی روشنی اوس صانع حکیم کے وجود پر دال ہے۔

اسواسطے کہ آفتاب حادث ہے کیونکہ متغیر ہے لہٰذا اوسکا خالق ہے اور اسکی روشنی ارض پر سبب حیات کے

اسواسطے تدبیر پر دال ہے لہذا وہ خالق حکیم کہ اوسکے فعل سے آثار تدبیر عیاں ہیں

القمر اذا تلٰھا ۔ اور قمر جب کہ اوسکے بعد نمودار ہو۔

قمر اپنے تغیر سے اپنے خالق کے وجود پر دال ہے۔ اور بعد غروب آفتاب اسکا اہل ارض کو روشنی بخشنا

جبکہ اوسکی ضرورت ہوتی ہے کہ لوگ رات میں ضروری کاموں کو انجام دیں۔

مدبر عالم کے وجود پر دلیل ہے۔

والنہار اذا جلٰھا ۔ اور دن کا روشن ہونا۔ اور مناسب ہونا انسان کی زندگی کے کاروبار کیلیئے اور اوسکا محرک فعل ہونا

حیوانات کے لیئے کہ دن ہوتے ہی جانور حرکت کرتے ہیں۔

صانع عالم کے مدبر اور حکیم ہونے پر دال ہے۔

رات اور اسکا چھا جانا ۔ اور اسکا موزوں ہونا راحت اور نیند کے لئے کہ انسان کی زندگی کے لئے وہ ضروری

ہیں کیونکہ اوسکا جسم اور قوت جو کام کرنے سے تحلیل ہوئے ہیں اونکی پوری ہو جائے۔ وعلی ہذا اوسکا کل جانداروں

کے لئے ضروری ہے اور رات کا موزوں ہونا یہ سبب اپنی خنکی اور تاریکی کے نیند کے لئے کہ یہ دونوں خواب آور ہیں

پس رات اور اسکی تاریکی دال ہیں صانع عالم کے حکیم ہونے پر

اور آسمان اور اسباب اوسکی بلندی کے کہ مراد اوس سے سما مرئی ہے یعنی وہ نیلا آسمان جو دکھائی دیتا ہے اور وہ

کرۂ ہوا ہے۔ اور سبب اوسکی بلندی کا جذب ثقل اور ہوا کی کثافت اضافی ہے اور یہ دونوں اوس خالق کی پیدا کی ہوئی

ہیں۔ پس یہ سما سبب بارش ہے اور محافظ ہے اہل ارض کا اون اجسام سے جو فضا سے یہ سبب کشش کے

زمین کھینچ لیتی ہے وہ شہاب ثاقب کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ ہوا کی رگڑ سے مشتعل ہو کر جل جاتے ہیں یا

ٹکڑے ٹکڑے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح سما چھت کیطرح اہل ارض کا محافظ ہے اور یہی سما زمین سے

اخراج حرارت کی شدت کا مانع ہے اور یہی سما کوہستان پر برفباری کا سبب ہے، جس سے دریاؤں اور چشموں اور

کنوؤں میں سال بھر پانی رہتا ہے۔ پس یہ سما، مدبر عالم کے وجود پر اور اسکے حکیم ہونے پر دال ہے۔

اور زمین اور جن اسباب سے اسکو پھیلایا یعنی وہ اسباب جنھوں نے اسکو ہموار اور نرم کر دیا۔

زمین بوجہ اپنے جذب ثقل کے انسان کے لئے جائے قرار ہے۔ اور اسپر سبزی کا پیدا ہونا اور پھیلنا اور اسکا ہموار

ہونا۔ گرمی۔ اور سردی۔ برف و ہوا۔ پالا۔ اور بارش اور دریاؤں کے سبب سے، کہ بغیر اسکے وہ آبادی کے قابل

تفسیر قرآن

جناب سید علی صفدر صاحب ایم ۔ اے لکھنوی

الحمدللہ کہ ایکسال سے جو مقدمہ قرآن قسطوار الواعظ میں شائع ہو رہا ہے وہ اسی اشاعت میں ختم ہو کر تفسیر قرآن کا مبارک سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

۱۔ سورۂ فاتحہ ۔ مکیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ۔ الرحمٰن الرحیم ۔ مالك یوم الدین ۔ ایاك نعبد وایاك نستعین ۔ اھدنا الصراط المستقیم ۔ صراط الذین انعمت علیھم ۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

(ابتدائے کلام) اللہ کے نام سے ہے جو رحمٰن و رحیم ہے ۔

ترجمہ ۔ ہر صفت کمال اللہ کے لئے ہے جو رب ہے عالمین کا ۔ بہت مہربان اور بہت رحم والا تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد مانگتے ہیں ۔ دکھا ہمکو سیدھی راہ جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تونے انعام کیا جو غیر ہے مغضوبین اور ضالین کی راہ کے ۔

اس سورت کی تفسیر میں حسب ذیل مباحث ہیں

اول تعین مراد کے مباحث

(۱) بسم اللہ میں کون سے کلمات مقدر ہیں اور کیوں ہیں ۔ (۲) اسم اللہ میں اضافت توضیحی ہے یا تخصیصی (۳) الرحمٰن کا کیا مفہوم (۴) رحمٰن اور رحیم میں کیا فرق ہے (۵) معنی حمد (۶) معنی رب (۷) معنی عالمین (۸) معنی مالک (۹) معنی یوم (۱۰) معنی دین (۱۱) معنی عبادت (۱۲) معنی استعانت (۱۳) معنی ہدایت (۱۴) معنی صراط (۱۵) معنی صراط مستقیم (۱۶) معنی انعمت علیھم (۱۷) معنی مغضوب (۱۸) معنی ضال ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ فاتحہ فاتحۃ الکتاب ہے بایں معنی کہ اس سے کتاب کی ابتدا ہوتی ہے
اور بایں معنی کہ وہ کل کتاب کی تعلیم کا خلاصہ ہے
اور بایں معنی کہ کتاب کے تمام مطالب اسکی سات آیات میں سے کسی نہ کسی آیت کے تحت میں داخل ہیں
اور بایں معنی کہ اُن مطالب پر جو آیات دال ہیں اُنکی تعبیر میں سورۂ فاتحہ کی متعلقہ آیت موثر ہے۔
چنانچہ سورۂ فاتحہ میں حسب ذیل ابواب کا افتتاح ہوتا ہے اور کل قرآن مجید کی آیات پر یہ ابواب حاوی ہیں کوئی آیت ان سے خارج نہیں۔

(۱) اول الحمد للہ رب العلمین اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ پر حاوی ہے تمام صفات اضافیہ و صفات فعل اوس سے متفرع ہوتے ہیں جب مخلوقات کے وجود ہونے کا اعتبار کیا جائے۔

مخلوقات سے خدا کی ذات کے تین علاقے ہیں
اول وہ اُن کی بقائے وجود کی علت ہے
دوم اللہ تعالیٰ اُن کی تربیت کا کفیل ہے ہر شی کو اسکے ذاتی کمال تک پہونچاتا ہے یعنی الرحمٰن الرحیم مخلوق کو اس کمال تک پہونچنے کا جملہ مایحتاج خداوند عالم موجود کردیتا ہے جیسے انسان کے لئے شریعت۔ رُسل۔ اور ایسے مواقع جو اُسکو حق کیطرف متوجہ کریں۔
(۳) مالک یوم الدین ہر مکلف کو اسکے اکتساب کی وہ جزا یا سزا دیتا ہے یا دیگا جسکا وہ مستحق ہے۔

عبادت کا مفہوم حسب ذیل امور پر حاوی ہے۔

(۱) معرفت معبود
(۲) معبود کی معبودیت کا اعتراف اور اپنی عبدیت کا اظہار
(۳) استعانت صرف معبود سے کرنا
(۴) معبود کی رضا جوئی یعنی جو امر اسکے ناپسند ہے اسکو ترک کرنا اور جو امر اسکو پسند ہے اسکو اختیار کرنا۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کو اپنے بندوں کو کمال تک پہونچانا منظور ہے لہذا استکمال نفس عبادت ہوا۔ اختیار عبادت کو معرفت لازم ہے۔ معرفت معبود کی اور اپنی ذات کی اور معرفت اُس روش کی جو عبد کے شایاں ہے۔

اور ان امور کی معرفت حاصل کرنے کو طلب ہدایت مقدم ہے اور چونکہ معبود سے استعانت واجب ہے ایسے امور میں جو اسکے تصرف پر موقوف ہیں) لہذا معبود سے طلب ہدایت واجب ہوئی۔

اسکے متعلق خداوند عالم سے یہ ہدایت حاصل ہوئی کہ ہدایت صراط مستقیم ہے (جو اجمالاً تو عقل سے بھی حاصل ہے) لیکن کلیتہً و تفصیلاً سیرت رسل ہے یعنی اس امت کے معصومین کی سیرت۔
اور عدم ہدایت اُن لوگوں کے احوال سے ظاہر ہے جو ضال و مغضوب ہیں۔
اسواسطے حسب ذیل ابواب قائم ہوئے

(۱) الحمد للہ رب العالمین۔ یعنی توحید مع صفات ذاتیہ و اضافیہ
(۲) الرحمٰن الرحیم۔ عدل
(۳) مالک یوم الدین۔ معاد
(۴) ایاک نعبد۔ وجوب عبادت اور عبادت کی تعلیم
(۵) وایاک نستعین۔ وجوب استعانت و غیر اللہ سے استعانت کی حرمت
(۶) اھدنا الصراط المستقیم۔ طلب ہدایت کا وجوب
(۷) صراط الذین انعمت علیھم۔ سیرت رُسل و ذریت محمدی صراط مستقیم ہے
(۸) غیر المغضوب علیھم و لا الضالین۔ جو غیر ہے ضالین و مغضوبین کی سیرت کے

۱۔ سورہ فاتحہ - مکیہ
قرآن مجید کی اول سورۃ ہے

سورہ فاتحہ کے اول سورہ ہونے پر خبر اور دلیل دونوں متفق ہیں۔
چنانچہ حضرت علیؑ کی مشہور حدیث ہے کہ قرآن میں اول جو سورۃ نازل ہوئی وہ فاتحہ ہے۔

دلیل یہ ہے کہ اس سورۃ میں کل شریعت کا اجمالی بیان ہے
اسکے بعد سورہ اقرا ہے جس میں تبلیغ دین کا حکم رسُول پر نازل ہوتا ہے۔ یہ حکم اپنے سے سابق کل دین کے بیان کو فرض کرتا ہے۔ یعنی جب رسُول کو حکم آیا کہ تبلیغ دین کرو تو ضروری ہے کہ اُس سے قبل دین کو بیان کر دیا گیا ہو۔
نیز یہ مناسب ہے کہ شریعت جو حکمنامہ آلٰہی ہے رسُول سے ابتداء بعثت ہی میں اجمالاً بیان کر دیجائے تاکہ وہ حکمنامہ امت کو پہونچا دیا جائے۔
چونکہ نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے اسلام میں درست نہیں ہے اور رسُول کو بحیثیت پہلے مسلمان ہونے کے اسلامی نماز کا تارک نہیں ہونا چاہیئے۔ لہذا سورۂ فاتحہ اُن کو ابتداء ہی میں پہونچا۔

سورہ فاتحہ کی جامعیت

ہم اس تفسیر میں دکھائینگے کہ سورہ فاتحہ نے تمام اصول دین اور تمام احکام اصولیہ اور فرعیہ کا احاطہ کرلیا ہے۔

حضرت علیؑ نے تصریح فرمائی ہے کہ میں سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر شتر کا بار بشیت بہم پہونچا سکتا ہوں۔

ایک خبر میں ہے کہ رسول اللہ پر اگر صرف سورہ فاتحہ و سورہ اخلاص و سورہ کوثر ہی نازل ہوتیں تو تبلیغ دین کے لئے کافی تھیں۔

یہ خبر نہ صرف سورہ فاتحہ کی جامعیت پر دال ہے بلکہ ماہیت شریعت پر بھی روشنی ڈالتی ہے جسکی توضیح ماہیت شریعت کی بحث میں آگے آتی ہے۔

نوٹ۔ بنظر اختصار ہم اس سورۃ کے مطالب سے بحث کرینگے۔ یعنی اسکے جملوں نے جن امور پر دلالت کی ہے وہ زیر بحث آئینگے۔ سورۃ کے متعلقات سے بحث نہوگی۔ جیسے سورۃ کے فضائل۔ اسکا نماز میں وجوب۔ اسکے جزو قرآن ہونے سے عبد اللہ ابن مسعود کا انکار وغیرہ وغیرہ مباحث کو چھوڑ دیا ہے۔ نیز جہاں طویل مباحث پیدا ہوتے ہیں ان میں اختصار کیا ہے اور توضیح سے بحث در بحث جہاں پیدا ہوتی ہے اسکی طرف حاشیہ میں اشارہ کرکے چھوڑ دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:۔ ابتداء کلام ہے بنام اللہ جو رحمٰن ہے بڑا رحمت کرنیوالا۔

آیا بسم اللہ جزو آیت اور جزو قرآن ہے

بعض لوگوں نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن مجید کی سورتوں پر اضافہ کردیا گیا ہے قرآن منزل نہیں ہے۔ یہ رائے غلط ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جزو سورۃ ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں

اول۔ اگر ہر سورۃ پر یہ اضافہ کی ہوئی عبارت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ سورہ برات کے ابتداء میں بھی یہ اضافہ نہ ہوتا۔ سورہ برات میں بسم اللہ نہونا اسکے قرآن منزل ہونیکی دلیل ہے۔

دوم۔ اخبار اہلبیت میں جو کتاب کے حامل و محافظ ہیں اسکی خبر تواتر سے ہوتی مگر ایسا نہیں ہے۔

سوم۔ اسم اللہ مشرکین میں رائج تھا رحمٰن کا اسم اللہ کے لئے مشرکین تسلیم نہیں کرتے تھے جس کا ذکر قرآن مجید اور واقعہ حدیبیہ میں آیا ہے اور اہل کتاب میں رحمٰن رائج تھا۔ لہذا یہ عبارت جو دونوں ناموں کو جمع کرتی ہے۔ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اسلام میں حادث ہوئی اور اسوقت جبکہ خلیفہ ثانی کے زمانہ

میں قرآن جمع ہوا اسوقت قرآن مجید میں موجود تھی۔ لہذا یا تو یہ عبارت خدا کی طرف سے نازل ہوئی یا مسلمانوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم خود ایجاد ہو کر اسقدر رائج ہو گیا تھا کہ ہر اہم کام اور کتابت کی ابتدا اس عبارت سے کرنے کا رواج ہو گیا۔ چونکہ خلافت ثالثہ کا زمانہ حیات رسول کے زمانہ سے بہت قریب ہے اب اس کا عام رواج ہو جانا مسلمانوں میں اسیوقت ممکن تھا کہ یہ جملہ خود رسول کا تعلیم کردہ ہو۔ کسی مسلمان کا قول بلا منظوری رسول اس زمانہ میں رواج پا جانا ممکن نہیں۔ اب اگر یہ قول یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رسول کا بتایا ہوا تھا تو رسول اسکو اس طرح قرآن مجید میں داخل نہیں کر سکتے تھے کہ وہ متن قرآن ہونیکے ساتھ مشتبہ ہو جائے کیونکہ یہ فعل ہدایت کے منافی ہے۔ اور نہ ان لوگوں سے جنھوں نے رسول اللہ کے زمانہ حیات میں قرآن مجید کی نقلیں لیں یہ متوقع ہے کہ بغیر اذن رسول اپنی طرف سے قرآن مجید میں اس کلمہ کا اضافہ کر دیا۔ علاوہ بریں یہ کلمہ اپنے معانی کی کثرت اور محل کی مناسبت سے قرآن مجید کی آیات کے ساتھ اسدرجہ متوازن ہے کہ جزو قرآن ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ آگے تفسیر سے ظاہر ہوگا لہذا ثابت ہوا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن منزل ہے۔

تسمیہ میں کون لفظ مقدر ہے

چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پورا جملہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کون لفظ مقدر ہیں جن سے یہ کلام پورا جملہ ہو جائے بسم اللہ سے پہلے ابتداء کلام مقدر ہے یعنی پوری عبارت ابتداء الکلام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے دلیل یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ کی ابتداء میں واقع ہے لہذا کلام کی ابتداء بسم اللہ سے ہونا صورت کلام سے ہویدا ہے۔

اور جس امر کی حکایت کلام اپنی زبان حال سے کر رہا ہے وہ ذہن سے قریب ہے اور بلاغت ایجاز چاہتی ہے اور وزن کلام ہر ایسے امر کو کلام سے حذف کرنیکا داعی ہے جو سامع یا ناظر کے ذہن سے قریب ہے لہذا ابتداء کلام مقدر ہوا۔ (دیکھو مقدمہ میں علم بیان کی بحث بلاغت وزن کلام)

ابتداء کلام سے بسم اللہ کی مناسبت

(۱) چونکہ ہر سورہ حکنامہ الٰہی ہے اور عظیم المرتبت حکام کے احکام میں ابتداء اُنکے نام اور عہدہ سے ہوتی ہے تاکہ محکوم مخاطب کو حکم کا منشاء وجود معلوم ہو لہذا سورہ کی ابتدا اللہ کے نام سے ہوئی۔ لیکن اس سورت نے مختلف پانچ جہتیں اختیار کی ہیں جسکی وجہ سے اس سورہ کے معانی نے پانچ مختلف صورتیں اختیار کی ہیں۔ اسواسطے بسم اللہ نے بھی پانچ معانی اختیار کئے۔

یہی سورۃ بیان ہے دین کی حقیقت کا۔ اور یہی سورۃ دعا ہے اور صلوٰۃ کا جزو ہے اور یہی سورۃ

دعا کی ماہیت اور اجزا کا بیان ہے اور یہی سورۃ اپنے مطالب کی ترتیب سے مطالب کے دلائل عقلیہ کی طرف مشیر (اشارہ کر رہی) ہے۔
(۲) بحیثیت دعا کے خدا کی طرف رجوع کرنا ابتدا دعا سے ضروری ہے۔
(۳) بحیثیت تعریف دعا کے یہ تعلیم ہے کہ خدا کے ذکر سے ابتدا کر کے تیمن برکت حاصل کرو۔
(۴) بحیثیت مشیر الی الدلائل ہونیکے بسم اللہ اس دلیل کیطرف اشارہ ہے جو علم العلم سے وجود باری پر قائم ہے کیونکہ اس دلیل کی ابتدا مفہوم ذات کامل سے ہوتی ہے جو اللہ کے معنی ہیں اس کی تفصیل الحمد للہ کے ذیل میں آتی ہے اس طرح ابتدا کلام سے بسم اللہ کی مناسبت پانچ مختلف جہات سے ظاہر ہوتی ہے۔
(۵) بحیثیت بیان حقیقت دین کے بسم اللہ خدا کے اصل اور مبنی ہونے پر دال ہے۔

سورۂ فاتحہ میں متعدد جہات معانی ہونیکی دلیل

اولاً اس سورۃ میں تمام اصول دین کا بیان یعنی توحید۔ عدل۔ معاد۔ رسالت جس میں نبوت اور امامت دونوں شامل ہیں۔ اس طرح یہ حقیقت دین کا بیان ہے۔

ثانیاً اس سورۃ میں ایاک نعبد سے التفات واقع ہوا ہے یعنی یکایک کلام نے ذکر غائب سے خطاب حاضر کی صورت اختیار کی۔ اور اب کلام ایسا ہوگیا کہ جس سے صرف بندوں کو خدا سے خطاب کرنا درست ہے۔

اسکے یہ معنی ہوئے کہ بندہ کو اس کلام کیساتھ خدا سے خطاب کرنا چاہئے۔ اور چونکہ سابق جزو بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ مقام دعا میں اسکو پڑھا جائے۔ یہ حکم حاصل ہوا کہ بندہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ خدا سے خطاب کریں یعنی اسطرح دعا کریں۔

ثالثاً۔ اگر اسکے اجزا اور صورت خطاب پر نظر کیجائے تو یہ تعلیم حاصل ہے کہ دعا کن اجزا پر مشتمل ہونا چاہئے اور کس طرح خطاب کیا جائے۔

رابعاً۔ چونکہ اس سورہ کے ساتھ خدا سے خطاب کرنیکا حکم ہوا اور کسی کلام سے مقام دعا میں خطاب کرنیکو کلام کا سمجھنا لازم ہے لہذا حکم حاصل ہوا کہ سورۃ میں بیان معرفت اور احکام کا تعقل کریں یعنی سمجھا اور چونکہ مقام دعا میں جس کلام سے خطاب کیا جائے اسکا علم ویقین کے مطابق ہونا ضروری ہے لہذا حکم حاصل ہوا کہ اصول دین (جو یہاں مذکور ہیں) کا علم ویقین حاصل کرو اور چونکہ یہ امور نظری ہیں اور نیز یقین حاصل کرنا دلیل عقلی وقطعی پر موقوف ہے لہذا حکم حاصل ہوا کہ اصول دین کا علم ویقین دلائل عقلیہ قطعیہ سے حاصل کرو

لہذا حکم عقل کے اتباع کا حکم ہوا اور عقل قطعی کی صحت کا اثبات ہوا۔
نوٹ:۔ یہ بحث کہ اصول دین کا یقین حاصل ہونا صرف دلائل عقلیہ قطعیہ پر موقوف ہے مقدمہ میں تفصیل کے ساتھ آچکی ہے۔
خامسًا۔ سورہ کے مطالب کی ترتیب مشیر الی الدلائل مطالب ہے۔ اس کی توضیح پر ایک مستقل باب آگے آتا ہے۔
سادسًا۔ چونکہ مقام دعا میں جس اعتقاد کا اظہار کرے اور جس فعل کرنے کا اقرار کرے لازم ہے کہ وہ عقیدہ حاصل ہوا ور وہ فعل اختیار کیا ہو لہذا منجملہ احکام کے یہ احکام بھی حاصل ہوئے
(۱) اللہ کو محمود مطلق ماننا۔ اسکو رب العالمین یعنی تمام پر متصرف ماننا چاہیئے۔

بحث در معنی رحمت

سوال:۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اسم ذات اللہ کے بعد صفت رحمت کا ذکر مع تاکید کے کیوں آیا؟
جواب:۔ اسواسطے کہ نزول کتاب من باب الرحمۃ ہے۔ لہذا بیان کی مراد یہ ہوئی کہ تنزل کتاب کی وجہ کیطرف اشارہ ہو جائے۔ نیز اللہ مستجمع صفات کمالیہ۔ اور رحمت اسکی افعال کا کمال ہے لہذا کمال ذات کے ساتھ کمال افعال کا ذکر مناسب واقع ہوا۔ اور خدا کا ذکر ایسے صفات کیساتھ ہو جو مقام دعا کیلئے مناسب ہے۔
سوال:۔ رحمن اور رحیم میں کیا فرق ہے؟ اور دونوں کے جمع کر دینے سے کیا فائدہ ہوا؟
جواب:۔ رحمن اور رحیم دونوں اسم فاعل بصیغہ مبالغہ ہیں اور معنًا کوئی فرق نہیں ہے لیکن رحمن باریتعالیٰ کا اسم ذات ہے جس طرح اللہ اور اس طرح وہ عرب کے یہود ونصاریٰ میں رائج تھا۔ جس طرح اللہ عرب کے اور لوگوں میں رائج تھا جن میں شریعت ہود اور شریعت ابراہیم کے آثار باقی تھے دونوں اسمائے ذات لانا اسواسطے ضروری ہوا تاکہ مخاطبین دعوت میں عرب کو یہ معلوم ہو کہ اس ہی خدا نے جس نے شریعت ہود یا شریعت ابراہیم نازل فرمائی تھی رسول مکی کے ذریعہ سے قرآن بھیجا اور یہود ونصاریٰ کو معلوم ہو کہ اس ہی خدا نے جس نے شریعت موسوی او عیسوی نازل فرمائی اب محمد صلعم کے ذریعہ سے قرآن نازل فرمایا۔ ضرورت اسکی اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کا تعین سابق انبیاء کی بعثت کیوقت بھی ہوا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل پر مبعوث ہوئے تو وہ بنی ملت ابراہیم پر تھے اس موقع پر باریتعالیٰ کی تعریف اس طرح پر وارد ہوئی جو اس بیان (یعنی تسمیہ) کے مماثل ہے۔

توریت سفر خروج باب ۳ ۔ درس ۶ ۔ علاوہ بریں اس نے فرمایا ۔ میں اللہ ہوں تیرے باپ کا میں اِلہ ہوں ابراہیم کا ۔ اِلٰہ اسحاق ۔ اِلٰہ یعقوب ۔

ایضاً درس ۱۴ ۔ اور اللہ نے موسیٰ سے فرمایا میں یحیٰی ہوں اور فرمایا تو بنی اسرائیل سے کہہ کہ یحیٰی نے مجھکو بھیجا ہے ۔

ایضاً درس ۱۵ ۔ اور اللہ نے موسیٰ سے فرمایا ۔ تو بنی اسرائیل سے اس طرح کہہ ۔ تمہارے آبا کے اِلٰہ ۔ اِلٰہ ابراہیم ۔ اِلٰہ اسحاق ۔ اِلٰہ یعقوب نے مجھکو تمہارے پاس بھیجا ہے ۔ یہ میرا نام ہے ہمیشہ کے لئے اور تمام نسلوں کے لئے یہی میری یادگار ۔ (یحیٰی کا مفہوم حی القیوم کا مترادف ہے)

حاصل یہ ہے کہ لفظ اللہ اور رحمٰن کے جمع کر دینے سے اس امر کا تعین مراد ہے کہ رسول کسی اور اِلٰہ کی طرف نہیں بلا رہے ہیں بلکہ وہی معبود جس نے شریعت ابراہیم نازل فرمائی اور وہی معبود جس نے شریعت موسوی عیسوی نازل فرمائی وہی شریعت محمدی نازل فرماتا ہے اسی طرح ان شریعتوں کے معبود کی وحدت اور ان شریعتوں کی اصل کی وحدت کا اثبات فرمایا ۔

اور یہ اشارہ ہوا رسالت عامہ کیطرف کہ خداوند عالم ہمیشہ رسولوں کو بھیجتا رہا ہے ۔ چنانچہ (قرآن مجید) جب حضرت یعقوب نے وفات کے وقت وصیت فرمائی تو باریتعالیٰ کی تعریف انکے فرزندوں نے اسی طرح کی ہے ۔ قالوا نعبد الٰھك والٰه ابائك ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب "

اور اس بیان میں مع دیگر آیات کے بطور حجت کے بنی اسرائیل سے خطاب کیا ہے جنکی کتاب میں خدا کی تعریف اس طرح وارد ہے تاکہ شریعت ابراہیمی اور شریعت موسوی کا اتحاد ثابت ہو ۔

یہاں اس طرح کی تعریف باریتعالیٰ سے جس امر کا اثبات مطلوب ہے وہ ہم نے ظاہر کر دیا اور اس طرح مخالفین کا وہ شبہ بھی رد ہو گیا جو انھوں نے اس آیت سے پیدا کیا تھا کہ الٰھك والٰه ابائك ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب سے خدا پر تقلیدی ایمان رکھنے کا جواز حاصل ہے ۔ یعنی وہی خدا جسکو باپ دادا بتاتے آئے ہیں اور جس پر انکے بتانے سے ایمان رکھتے آئے ہیں ۔

حالانکہ اس طرح تعریف سے مقصود تمام شریعتوں کی وحدت اور رسالت عامہ کا اثبات ہے ۔

(نوٹ :۔ سورۂ فاتحہ کے نکات کے حل کرنے سے قرآن مجید کے اور مشکلات کا حل ہوتا ہے)

دو اسمائے ذات اللہ اور رحمٰن کے جمع کرنے کی وجہ

یہ وجہ ہے کہ بسم اللہ میں دو اسمائے ذات اللہ اور رحمٰن کو جمع کر دیا ہے ۔

معراج

عالیجناب سید افتخار حسین صاحب ریٹائرڈ جج غازی پور

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو الواعظ اکتوبر ۱۹۴۵ء

سوامی نے کئی روز کے لئے حبس دم کیا اور اس کو دفن کرا دیا۔ یعنی اُس کا جسم ایسے مقام پر تھا جہاں ہوا نہ تھی بعد کو اسے نکالا اور وہ زندہ ہو گیا۔ پس حبس دم کر کے انسان ایسے مقام پر رہ سکتا ہے جہاں ہوا نہ ہو۔ پانی میں جب آدمی غوطہ لگاتے ہیں تو اتنی دیر حبس دم ہوتا ہے ممکن ہے کہ اسی سے حبس دم کا خیال پیدا ہوا ہو اور رفتہ رفتہ گھنٹوں اور دنوں کے لئے حبس دم کی مشق بہم پہونچائی۔ اکثر بچوں کو کہانی سُنائی جاتی ہے کہ ایک شہزادہ ایک فقیر کے پاس پہونچا جو چھ مہینہ سوتا تھا اور چھ مہینہ جاگتا تھا۔ اگر ان قصوں میں کچھ بھی اصلیت ہے تو میری رائے میں، وہ فقیر چھ مہینہ کے لئے حبس دم کر لیتا تھا اور کچھ بھی نہیں۔

پانچویں صورت لیجئے اگر کسی رقیق شئی کو ہم کسی کھلے ظرف میں رکھکر اس ظرف کو اندر سے حرکت دیں تو وہ رقیق شئی گر جائے گی خصوصاً اگر وہ برتن سیدھا کھڑا کر دیا جائے یا الٹا کر دیا جائے۔ ہوا رقیق شئے سے بھی زیادہ پتلی ہے یہ زمین کے ساتھ رہی کیونکر سکتی ہے جب زمین سرعت سے حرکت کر رہی ہے اسے زمین سے علیٰحدہ ہو جانا چاہیئے۔ مجھے افسوس ہے کہ ابتک بہت سے اصحاب ایسے ہیں جو زمین کو گول نہیں مانتے اور اُسے ساکن سمجھے ہوئے ہیں لہذا اُن اصحاب کے لئے کچھ تھوڑا سا عرض کر دینا ضروری ہے۔ اور جو اصحاب ان باتوں کو سمجھے ہوئے ہیں اُن سے معافی چاہتا ہوں۔ زمین گول ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ زمین پر مثلاً پچھم کا رُخ کئے چلے جائیے آخر میں جہاں سے روانہ ہوئے تھے وہیں پھر پہونچ جائیے گا یہ کیونکر ممکن ہے اگر زمین گول نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے کہ واللیل اذا ادبر قسم ہے رات کی جب وہ پیچھے ہٹتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ آفتاب کے طلوع ہونے پر رات تمام روئے زمین سے غائب نہیں ہو جاتی بلکہ جیسے جیسے آفتاب کی شعاعیں بڑھتی جاتی ہیں رات پیچھے ہٹتی جاتی ہے اگر زمین مسطح ہے گول نہیں ہے تو رات کو دفعتاً غائب ہو جانا چاہیئے پیچھے ہٹنا کیا معنی۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ زمین گول ہو۔ یہ خود اپنے محور پر حرکت کرتی ہو۔ یا آفتاب اسکے چاروں طرف گھومتا ہو جیسے جیسے آفتاب کی شعاعیں بڑھیں وہ یعنی رات پیچھے ہٹے۔ زمین متحرک۔ قرآن میں زمین کو مھد کہا ہے۔ مھد کے معنی جھولے کے ہیں۔ اس سے کئی قسم کی حرکت زمین کے لئے مستنبط ہوتی ہے۔ مگر

نہ حضرات کہیں گے کہ مہد کے معنی بستر کے بھی ہیں اور کوئی حرکت ثابت نہیں ہوتی اگر جھولے کے معنی لیجیے تو حرکت معلوم ہوتی ہے۔ اس آیت سے دونوں فریق اپنے مطلب کے موافق حجت پیش کر سکتے ہیں۔ مجھے کوئی اور آیت نہیں معلوم۔ حضرت علیؑ کا قول لیجیے آپ نے نہج البلاغہ میں ایک خطبہ میں فرمایا ہے کہ عدل حرکاتھا بالراسیات۔ خدا نے زمین کی حرکتوں کو پہاڑوں سے معتدل کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین میں کم سے کم تین قسم کی حرکتیں تھیں اسلئے کہ جمع کا تین سے کم پر عربی میں اطلاق نہیں ہوتا۔ ان حرکتوں میں کچھ خلاف ہوتا تھا پہاڑوں کے وجود سے ان میں اعتدال پیدا ہوا اور وہ حرکتیں باقی ہیں۔ اس قول امیرالمومنین سے بخوبی ثابت ہے کہ زمین میں حرکت ہے۔

اچھا زمین متحرک ہے اور ہوا نہایت رقیق تو ہوا کو زمین کے ساتھ نہیں رہنا چاہیئے۔ پیچھے چھوٹ جانا چاہیئے۔ ہوا کیوں ساتھ ہے محض اسوجہ سے کہ زمین میں (اور نیز ہر سیارہ میں) قوت کشش ہے یا اُسے قوت جاذبہ کہیئے۔ اور اسوجہ سے ہوا زمین سے باوجود اسکی سریع حرکت کے چپیدہ ہے اب اگر یہی قوت جاذبہ کسی انسان میں پیدا ہو جائے خواہ خدا پیدا کردے یا وہ خود اپنی روح کی قوت سے پیدا کرے تو ہوا وہ جہاں کہیں ہو کرہ ہوا میں ہو یا اُسکے باہر ہوا اسکے ساتھ رہیگی علیحدہ نہیں ہوگی اور یہ بحث ہی پیدا نہیں ہوتی کہ وہ ہوا کے کرہ کے بعد کیونکر زندہ رہا یا رہ سکتا ہے۔

ان کل مباحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ زمین سے بلند ہو سکتے تھے۔ خواہ کوئی آلہ رہا ہو یا اپنی روح کی قوت سے غالباً براق بلند ہونیکا آلہ تھا۔ بہت ممکن ہے کہ اُس کا نام براق اسکی سرعت سیر کی وجہ سے تھا۔ آسمان کوئی ٹھوس جسم نہیں ہے کہ اس سے گذرنا ممکن تھا۔ اور اگر بالفرض آسمان ایک ٹھوس جسم ہو تو اسکا روح کی قوت سے خرق والتیام ممکن ہے۔ اور روح انسان کی حیات کی حالت میں بھی تقویت دیجائے تو اس قوت کا اظہار کر سکتی ہے۔ روح رسولؐ نے آسمان کے اجزاء متصلہ کو منفصل کر دیا اور جب رسولؐ نکل گئے تو ان اجزا کو پھر متصل کر دیا اور رسولؐ کرۂ ہوا کے بعد زندہ رہ سکتے تھے۔ غالباً کرۂ ہوا کا ایک جزو ان کے ساتھ تھا۔ دمدار ستارہ کی بابت عرض کر چکا ہوں کہ اسکی دم کوئی ٹھوس جسم نہیں ہے بلکہ گیس ہے اور وہی روشن رہتی ہے۔ زمین اُسکی دم میں سے گذر چکی ہے۔ آیہ والنجم اذا ھویٰ کے تحت میں دکھا چکا ہوں کہ رسولؐ جب صبح کو معراج سے پلٹے تو وہ ایک روشن ستارہ کی شکل میں دکھائی دیے یہ روشنی اسی ہوا کی تھی جو رسولؐ کے ساتھ تھی یعنی ہوا کا جزو جو رسولؐ کے ساتھ تھا وہی جیسے دمدار ستارہ کی دم جو ہوا ہے چمکتی ہے۔ چمک رہا تھا۔ ہوا ساتھ تھی پس کرۂ ہوا کے بعد زندہ رہنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ پس معراج آسمان پر ہوئی نہ کہ زمین پر اور اس خیال کی وقعت نہیں کہ معراج صرف بقدر ہوئی تھی

کہ آپ بیت المقدس تک گئے تھے۔

بالفرض کسی دلیل سے تسکین نہیں ہوتی اور معترضین اپنے دلائل کو لاینحل سمجھتے ہیں تو یہ کہنا ہے کہ وہ خدا کے قائل نہیں ہیں یا ہیں۔ اور خدا میں یہ قوت ہے یا نہیں کہ وہ کسی انسان کو کرۂ ہوا کے بعد زندہ رکھ سکے یہ قاعدہ کہ انسان بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا کس نے بنایا۔ خدا نے تو کیا وہ اسکے خلاف نہیں کرسکتا۔ اور اس صورت میں آیا خدا زیادہ قوی ہے یا قاعدہ۔ اور اسی نے آسمان میں یہ صفت پیدا کی یا نہیں کہ اس کا خرق والتیام ممکن نہیں۔ پھر وہ اسکے خلاف کیوں نہیں کرسکتا۔ اسی نے انسان کے لئے یہ قاعدہ بنایا کہ وہ بلند نہو سکے۔ درانحالیکہ طیور وغیرہ بلند ہوتے ہیں۔ وہ کیوں اسکے خلاف نہیں کرسکتا ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد اگر معترضین کہیں کہ خدا تو ضرور کر سکتا ہے مگر محمد سے ممکن نہ تھا تو اسکا یہ جواب ہے کہ شریع میں آیہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کے تحت میں دکھا چکا ہوں کہ اس معراج میں خدائی قوتیں رسول کے ساتھ تھیں لہذا رسول نے ان سے کام لیا یا ان قوتوں نے حکم خدا سے کام کیا اور جتنی باتوں کو آپ محال سمجھے ہوئے ہیں ان سب کو خدائی قوتوں نے ممکن کردیا۔ اور رسول کو معراج آسمان پر ہوئی۔

معراج کیونکر ہوئی یعنی جسمانی ہوئی یا روحانی ہوئی۔ معراج جسمانی کی بابت اسلئے بعضوں نے شک کیا کہ رسول کیونکر گئے آسمان ٹھوس مادی جسم ہے اس میں کوئی راہ نہیں اس کا خرق والتیام ممکن نہیں اور رسول زمین سے بلند ہونیکے بعد کرۂ ہوا سے جب گذر گئے تو زندہ کیونکر رہ سکتے تھے۔ ان سب باتوں کا جواب اوپر عرض کرچکا ہوں۔ رسول نے خود جو کچھ بیان کیا وہ صاف صاف بتاتا ہے کہ جسمانی معراج ہوئی۔ سوتے سے جگائے گئے۔ براق پر سوار ہوئے بیت المقدس گئے۔ اور وہاں سے آسمان پر۔ وہاں سے واپس آئے۔ شام کی راہ میں قریش کا قافلہ دیکھا تھا اسکے واقعات صراحت سے بیان کئے۔ بتایا کہ فلاں وقت قافلہ پہونچے گا۔ اور اسوقت وہ قافلہ آیا اور اس نے رسول کے بتائے ہوئے واقعات کی تصدیق کی بیت المقدس اور شام کو رسول نے نہیں دیکھا تھا۔ لوگوں نے امتحاناً وہاں کی چیزوں کو دریافت کیا رسول نے بتایا اور وہ سب صحیح پایا گیا۔ آیا یہ سب باتیں جسمانی معراج پر دلالت کرتی ہیں یا محض روحانی معراج پر۔

اگر معراج روحانی مانئے تو کوئی تعریف کی بات نہیں ہوئی۔ اسکی وقعت خواب سے زیادہ نہیں ہم بھی بستر پر لیٹے ہوئے حالت نوم میں یا عالم خیال میں تمام عوالم کی سیر کرتے ہیں رسول نے دیکھا تو کیا تعریف ہوئی پھر خواب اگرچہ وہ رویائے صادقہ ہی کیوں نہو اسپر وہ یقین واطمینان نہیں ہوتا جو جسمانی آنکھوں

سے دیکھنے پر ہوتا ہے۔ ہم انسانوں کی تو یہی حالت ہے۔ حضرت ابراہیم کتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے ایسے تھے کہ اُن کی ملت کی پیروی کا قرآن میں حکم ہے۔ سورۂ نحل آیت ۱۲۳۔ ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ پیغمبروں کا خواب رویائے صادقہ ہوتا ہے۔ لیکے خواب کو دیکھئے۔ آپنے خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنے فرزند اسمٰعیل کو ذبح کررہے ہیں یہ رویائے صادقہ تھا۔ مگر پہلی مرتبہ خواب دیکھنے پر اسمٰعیل کے ذبح پر آمادہ نہیں ہوئے۔ جب متواتر تین مرتبہ خواب دیکھا تب آمادہ ہوئے۔ خواب دیکھنے میں اور جسمانی آنکھوں سے دیکھنے میں یہ فرق ہوتا ہے۔ اب معترضین غور فرمائیں کہ جب یہ حالت ہے تو خدا رسول اللہ کو معراج جسمانی دیتا یا روحانی کہ جس میں کافی یقین واطمینان نہ ہونیکا قوی احتمال تھا۔ میری حتمی یہ رائے ہے کہ معراج جسمانی ہوئی۔

غور طلب یہ امر ہے کہ آیا محض روحانی معراج ممکن بھی ہے۔ یہ اوپر لکھہ چکا ہوں کہ حالت حیات میں محض روح اس جسم سے علیحدہ ہو ہی نہیں سکتی جب علیحدہ ہوگی تو کچھ مادہ اس جسم سے لیکر جائے گی یعنی جزو جسم اسکے ساتھ ہوگا جب جسم کا ایک جزو اسکے ساتھ ہوا تو معراج محض روحانی کہاں ہوئی جسمانی بھی ہوگئی۔

یہ مسلم ہے کہ روح انسانی جسم سے بہت قبل خلق ہوتی ہے۔ اگر روح کا بیان صحیح ہے جو اوپر عرض کرچکا ہوں تو ایک مدت تک وہ اجسام مادی کی عادی کی جاتی ہے۔ اسکے بعد اس جسم میں آتی ہے اول جسم انسان کا رحم مادر میں خلق ہوتا ہے۔ جب اسکی خلقت مکمل ہوجاتی ہے تب اور کئی مہینہ حمل کے گزرجاتے ہیں تب روح داخل ہوتی ہے اسی بنا پر قانون شریعت اور قانون سلطنت یہ ہے کہ بالکل ابتدا میں کوئی حمل ساقط کرائے تو اسکی سزا اور ہے اور پانچ چھ مہینہ کا حمل ہوجائے یعنی جب جنین میں روح پڑجائے اور اسقاط کرایا جائے تو اسکی سزا زیادہ سخت ہے اسلئے کہ یہ فعل قتل کی حد تک پہونچتا ہے۔ تو اب صورت یہ ہوئی کہ پہلے روح علیحدہ خلق ہوئی اور جسم علیحدہ خلق ہوا۔ بعد کو دونوں میں اتحاد ہوا۔ اس اتحاد کا نام حیات ہوا۔ اور ولادت کے قبل یا بعد جب موت واقع ہوتی ہے تو روح جسم سے علیحدہ ہوجاتی ہے۔ پس اتحاد روح وجسم کا نام حیات ہے اور افتراق کا نام موت پہلے افتراق تھا یعنی موت بعد کو اتحاد ہوا یعنی حیات پھر افتراق ہوگا یعنی موت اور پھر حشر میں اتحاد ہوگا اٹھائے جائینگے یعنی پھر اتحاد ہوگا اور حیات۔ قرآن میں یہ عام بات معلوم ہوتی ہے کہ جس شئی کی خلقت پہلے ہوئی اسکا ذکر پہلے ہے اور جسکی خلقت بعد کو ہوئی اُسکا ذکر بعد کو خدا نے ایک مقام پر کہا بھی ہے کہ پہلے تم مردہ تھے زندہ کیا۔ پھر مارینگے اور پھر جلائینگے۔ دو موت اور دو حیات اس سے زیادہ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ دوسری جگہ قرآن میں ہے

خلق الموت والحیوٰۃ موت کا ذکر پہلے ہے اسلئے کہ پہلی حالت انسان پر موت کی ہے دو ہی موت انسان کی معلوم ہوتی ہے ایک اس حیات کے قبل تھی ایک اسکے بعد ہوگی۔ اور کوئی موت معلوم نہیں ہوتی۔ اب اگر حالت حیات میں کسی طور پر محض روح جسم سے علیحدہ ہو جائے تو موت واقع ہوگی اور اسکے بعد حیات جو ہوگی وہ حشر میں یہاں نہیں۔ اسلئے کہ خدا آدم سے کہہ چکا ہے اور قرآن اسپر شاہد ہے کہ تم بغیر موت کے دنیا سے نہیں نکل سکتے۔ اگر دنیا میں پھر زندہ ہو تو پھر موت لازمی ہے۔ اس طور سے تین موت اور تین حیات ہو گئی اور خدا دو ہی کو کہتا ہے۔ اس بنا پر میری رائے ہے کہ روح بغیر اس جسم سے مادہ لئے ہوئے بغیر موت کے علیحدہ ہو نہیں سکتی۔ اور جب اس جسم سے کچھ جزو لیکر علیحدہ ہوگی تو اتحاد جسم و روح باقی رہیگا اور موت نہ ہوگی۔

ان وجوہ سے عرض کرتا ہوں کہ معراج محض روحانی ہو ہی نہیں سکتی۔ کچھ جزو جسم کا ضرور ساتھ ہوگا۔ اور جب ایک جزو ساتھ ہوا تو معراج جسمانی ہو گئی۔ اور جب ایک جزو جسم کا ساتھ ہونا لازمی ہوا اور بغیر اس کے چارہ ہی نہیں تو پھر کل ہی جسم کیوں نہ ہو۔

میری قطعی رائے یہ ہے کہ قرینہ قوی یہ ہے کہ رسولؐ کو معراج جسمانی ہوئی۔ کوئی معقول وجہ اس کے خلاف نہیں معلوم ہوتی۔ اور محض روحانی معراج ممکن ہی نہ تھی۔ پس حتماً جسمانی معراج ہوئی۔ جب روح ضرور معہ ایک حصہ جسم کے جائے گی تو اگر کافی قوت اس میں ہو تو معہ کل جسم کے جائیگی۔ کوئی وجہ یہ ماننے کی نہیں ہے کہ رسولؐ کی روح میں کافی قوت نہ تھی۔

معراج کہاں سے ہوئی۔ قرآن میں سورہٗ بنی اسرائیل میں خدا کہتا ہے کہ وہ اپنے بندہ کو لے گیا مسجد حرام سے اقصیٰ تک یا مسجد اقصیٰ کیطرف۔ مسجد حرام کعبہ ہے۔ مکہ میں ہے۔ پس یہ معراج مکہ سے ہوئی یعنی قبل ہجرت رسولؐ۔

سورہٗ والنجم ذکر معراج کا ہے دکھا چکا ہوں وہ سورہ بھی مکی ہے لہذا اسوقت بھی آپ مکہ میں تھے۔ اور وہ معراج بھی قبل ہجرت مکہ سے ہوئی۔

سورہٗ بنی اسرائیل بھی مکی ہے۔ آیت ۶۰ میں جو رویا کا ذکر ہے۔ اگر یہ بھی کسی معراج کیطرف اشارہ ہو تو وہ بھی مکہ سے ہوئی۔ معراج کی تعداد بہت معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے علاوہ جو معراج ہوئی وہ مدینہ سے ہوئی یعنی قبل ہجرت اور بعد ہجرت۔

معراج کتنی ہوئیں اہلسنت کے نقطۂ نظر سے کئی معراج ہوئیں نہیں معلوم۔ شیعوں کے یہاں کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایکسو بیس ۱۲۰ معراج ہوئیں چند مکہ سے بقیہ مدینہ سے۔ حیات القلوب میں علامہ مجلسی نے ایک سو بیس لکھا ہے۔

مجلسی نے حیات القلوب میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دو بار معراج ہوئی۔ یہ حدیث نقل کرکے اپنی رائے لکھتے ہیں کہ یا تو دو سے مراد اُن سے ہے جو مکہ سے ہوئیں اور بقیہ مدینہ سے یا دو سے مراد اُن معراج سے ہے کہ جو عرش تک ہوئیں اور بقیہ عرش تک نہیں ہوئیں۔

میں آئندہ جو غرض معراج کی بیان کرونگا اس سے معلوم ہوگا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کل معراجیں عرش تک ہوئیں۔ پس بہت ممکن ہے کہ اور معراج عرش تک نہیں ہوئیں۔ بلکہ دیگر مقامات تک۔ ۱۲۰ کی تعداد میں شک کرنیکی کوئی معقول اور حتمی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

معراج کب ہوئیں تواریخ کا صحیح تعین نہیں معلوم ہوتا۔ جب اس قدر تعداد میں ہوئیں جنکا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ مختلف اور بہت سی تاریخ میں ہوئیں۔ مشہور معراج ۲۷ رجب کی ہے۔ اس تاریخ پر کثرت سے اتفاق ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرش تک ہوئی تھی۔ اور یہ بہت ہی اہم تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جو واقعات بتائے جاتے ہیں وہ مختلف معراجوں کے ہیں۔ اور ایک سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ تفصیل سے کہیں درج نہیں ہے کہ اسقدر معراج ہوئیں اور فلاں فلاں تواریخ میں اور فلاں فلاں مقام سے اور فلاں فلاں میں رسول نے یہ یہ دیکھا اور اسکے متعلق یہ یہ باتیں بتائیں۔ صفحات کے صفحات کتابوں میں درج ہیں رسول نے معراج کی بابت یہ بتایا مگر ان میں بہت کثرت سے باتیں مکرر وسہ کرر درج ہیں۔

یعنی جتنی طرق سے حدیث ہو چکی ہے سب درج کیا ہے مگر اسکی تکلیف لوگوں نے گوارہ نہیں کی بلکہ اس کی طرف خیال ہی نہیں گیا کہ ان باتوں سے کیا خاص نتائج پیدا ہوتے ہیں اور آئندہ انسانوں کے لئے کیا سبق ہے۔

معراج کی غرض سورہ بنی اسرائیل کی پہلی ہی آیت میں جس معراج کا ذکر ہے اسکی بابت قرآن کہتا ہے کہ لنریہ من اٰیٰتنا تاکہ دکھائیں ہم رسولؐ کو اپنی نشانیوں میں سے۔ اس معراج سے خدا کی ایک خاص غرض یہ تھی کہ اپنی نشانیاں جو اس زمین کے علاوہ اور مقامات پر تھیں اُنھیں رسول عربی کو دکھا دے۔

مگر اس سے یہ نتیجہ تو ہرگز نہیں نکلتا کہ اور کوئی غرض یا وجہ معراج کی نہ تھی۔ اور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جتنی معراجیں ہوئیں سب کی یہی غرض تھی۔ یہ تو صرف ایک کی بابت خدا نے کہا آخر اور کیا غرض معراج کی تھی ممکن ہے کسی صاحب نے غور کیا ہو اور کہیں لکھا ہو مگر مجھے نہیں ملا۔ مجھے غور کرنے سے دو خاص غرض معلوم ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ رحمت خدا کا کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ کہ فلاں جگہ پر ہے جسے ضرورت ہو وہ اُس تک جائے اور سفر دور و دراز اختیار کرے۔ ورنہ رحمت سے محروم رہے۔ فرض کیجئے کہ رحمت خدا اسی زمین پر ایک خاص مقام پر ہو۔ دوسرے سیاروں کے مخلوق تو اس تک آہی نہیں سکتی۔ ابتک زمین کے لوگ باوجود اسقدر ترقی کے کسی دوسرے سیاروں میں نہیں جا سکے اور نہ دوسرے سیارہ سے کوئی یہانتک آیا دوسرے سیارہ کی

مخلوق کا تو ذکر ہی جانے دیجئے۔ اسی زمین کے رہنے والے سب کے سب دوسرے مقام تک نہ پہونچ سکتے۔ اس وقت زمانہ نے بہت ترقی کی ہے اور ہر مقام پر جا ہیں تو با آسانی یا بدقت پہونچ سکتے ہیں۔ مگر ہر مقام پر نہیں پہونچے ہیں۔ کوہ ایورسٹ کی چوٹی تک نہیں پہونچے۔ ہمالیہ پہاڑ کے بہت سے حصوں تک نہیں پہونچے۔ ریگستان سہارا کے بہت سے حصوں میں نہیں پہونچے۔ قطبین میں اچھی طرح نہیں پہونچے۔ سفر کے اسباب و وسائل بکثرت ہیں مگر پھر بھی روئے زمین کے ہر مقام پر نہیں پہونچ سکے ہیں ہر مقام کے مخلوق ہر مقام پر بوجہ فرق آب و ہوا کے بھی نہیں پہونچ سکتی۔ کسی کے پاس وسائل مفقود۔ فرض کیجئے ایک مقام پر جانے کے لئے بغیر سواری جہاز کے ممکن نہیں۔ ہر جگہ ہر شخص کو تو سواری جہاز میسر نہیں کسی میں قدرت نہیں کہ وسائل کو اگر وہ مل بھی سکیں تو حاصل کر سکے۔ کسی کو مل بھی جاویں اور قدرت بھی ہو تو ہمت نہیں یا اور امور مانع ہیں۔ پھر جنکو سب باتیں حاصل ہیں وہ بھی تو ہر جگہ نہیں پہونچ سکے ہیں پس کسی طور سے مناسب نہیں کہ رحمت خدا ایک خاص مقام پر رہے اور لوگ اس تک جانیکی کوشش و فکر کریں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ رحمت خدا کسی خاص مقام پر نہیں اور لوگ اسے ڈھونڈھتے نہیں پھرتے بلکہ جو مستحق رحمت ہے رحمت خود اس تک جاتی ہے وہ کہیں ہوں کیسا ہی دشوار گذار مقام کیوں نہو رحمت اُن تک پہونچ جاتی ہے۔ فرض کیجئے ایک شخص نہایت ہی مرد صالح ہے، ضرورت سے زیادہ بیمار حرکت اسکے لئے محال یقیناً وہ مستحق رحمت ہے لیکن اگر رحمت کسی خاص مقام پر ہو تو وہ کیونکر جاوے یہی تو وجہ ہے کہ رحمت مستحق رحمت کے پاس خود جاتی ہے اور جانا چاہیئے۔ شاید ہی کوئی شخص اس کلیہ سے انکار کرے۔

اب دیکھئے رسول اللہ بقول ربانی رحمۃ للعالمین تھے کسی خاص عالم کے لئے نہیں، اسی زمین کے لئے نہیں بلکہ کل عوالم کے لئے رحمت تھے۔ پس انھیں معراج ہوئی اور تمام عوالم میں ہو آئے جو مخلوق جس سیارے میں تھی اور مستحق رحمت تھی اُسکے پاس رسول ہو آئے یہی تو وجہ ہے ایک دو نہیں بلکہ متعدد معراج ہوئیں یعنی جب جہاں ضرورت ہوئی ہو آئے۔ عرش پہ ہوئی تو وہاں کسی آسمان پر ہوئی یعنی کسی سیارے میں تو وہاں ہو آئے اگر رسول کو معراج نہوتی تو دوسرے سیاروں کی مخلوق یہاں زمین پر تو آ ہی نہیں سکتی تھی۔ اور رحمت خدا سے محروم رہ جاتی اور پھر یہ رحمت کل عوالم کے لئے کیونکر ہوتی۔ ایک غرض معراج کی یہ تھی۔

دوسری خاص غرض لیجئے۔ رسول اللہ خاتم النبیین تھے۔ کوئی دوسرا نبی انکے بعد زمانۂ آئندہ میں نہیں ہونا تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ وہ زمانۂ آئندہ کے لئے بھی سب سے افضل ہوں۔ اور ہر لحاظ سے افضل ہوں اونکا علم اور ان کے اختیارات اور قدرت ایسے ہوں کہ زمانۂ آئندہ میں بھی کسی کو میسر نہ ہوں اگر ان کے اختیارات وغیرہ محدود ہوتے تو آئندہ زمانے کے لوگ جب معراج ترقی پر پہونچتے یا اسکے قبل ہی جب رسول سے

زیادہ قدرت حاصل کر لیتے تو ہرگز انکو اپنے لئے نبی نہ مانتے یقیناً وہ کہتے کہ وہ زمانۂ جاہلیت کے انسان تھے اور انکا قول و فعل ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتا اور مطلق رسولؐ پر توجہ نہیں کرتے اسلئے رسولؐ کے اختیارات وغیرہ کا محدود ہونا کسی طور سے مناسب نہ تھا۔ انھیں ایسا ہونا چاہیئے تھا کہ انسان جسقدر ترقی کرے ہمیشہ وہ یہ محسوس کرے کہ رسولؐ کے علم و اختیارات و قدرت تک نہیں پہونچے اور رسول نبی مانے اور انکے لائے ہوئے دین اسلام کو اختیار کر سکے اور کوئی معقول وجہ اس سے انکار کی نہ ہو۔ انسان کیسی ہی مادی و روحانی ترقی کیوں نہ کرے رسولؐ کے فضل و کمال تک نہیں پہونچ سکتا۔ اُن سے بڑھنا تو خواب و خیال ہے ہم یہ مانتے ہیں کہ رسولؐ کا فضل و کمال سبسے زیادہ تھا انکا سا علم کسی کو نہ تھا نہ آئندہ ہوگا اور نہ انکی سی کسی میں قدرت آئندہ ہو سکتی ہے اور اسلام ہمیشہ کے لئے ہے مگر میری رائے میں جسقدر اظہار معراج سے ہوا اور خاص خاص باتوں کا بدرجۂ اتم اظہار ہوا وہ اور کسی معجزہ وغیرہ سے نہیں ہوا یہ بھی ایک خاص دوسری وجہ اور غرض معراج رسولؐ کی تھی کیا کیا باتیں اس نقطۂ نظر سے معراج سے ظاہر ہوئیں انھیں آئندہ صفحات میں درج کروں گا۔ میرے علم میں اس نقطۂ نظر سے لوگوں نے معراج کو غور نہیں کیا میں یہ دعویٰ تو کر ہی نہیں سکتا کہ میں کل باتوں کو سمجھ گیا جہانتک سمجھ سکا ہوں عرض کرونگا۔ امید ہے کہ اور حضرات بھی معراج کے واقعات کو اسی نقطۂ نظر سے غور فرمائینگے اور امید ہے کہ بہت کچھ مسائل اس سے حل ہونگے۔

معراج سے کیا کیا باتیں ظاھر ھوئیں میں غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ معراج سے رسول اللہ کا علم انکے صفات و اختیارات۔ انسان کی فضیلت و ترقی کا اور اسکی حد اور اسی قسم کی باتوں کا ظہور ہوا۔ جہانتک میں سمجھ سکا ہوں عرض کرتا ہوں۔ اور اصحاب بھی غور فرمائیں۔ ع

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

افسوس ہے کہ کل حالات مفصل معراج کے مل نہیں سکے اگرچہ کوشش کی رسولؐ نے کیا کیا دیکھا اسکو سلسلہ سے اور بالتفصیل درج کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں جن سے کوئی خاص بات میرے ذہن میں آتی ہے انھیں عرض کرتا ہوں۔

رسولؐ کا علم رسولؐ کے علم کی بہت سی مثالیں ہیں یہاں مجھے ان سے بحث نہیں ہے۔ معراج سے جو معلوم ہوتا ہے وہ بتانا چاہتا ہوں۔ معراج میں جو رسولؐ نے دیکھا اور بعد کو جسقدر بتایا اس میں حضرت شیعہ کے روایات کے مطابق (اہلسنت سے کئی صاحبوں سے میں نے عرض کیا کہ کوئی کتاب دیجئے جس سے معراج کے حالات بہ تفصیل معلوم ہوں مگر ان حضرات کو کوئی کتاب دستیاب نہیں ہوئی) بہت کچھ فضیلت حضرت علیؑ کی معلوم ہوتی ہے اسکی بابت یہاں کچھ عرض کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں جسقدر میرے مقاصد کیلئے ضروری ہے

مدرسۃ الواعظین سے مستعفی ہونے کا واقعی سبب

مولوی سید حمید حسن صاحب کا استعفیٰ اخبار سرفراز. نظارہ اور رضا کار وغیرہ میں دیکھکر موصوف کے عائد کردہ الزامات کا جواب صرف اسوجہ سے برائے اشاعت دیا جارہا ہے تاکہ مدرسۃ الواعظین کی خاموشی سے کسی قسم کی غلط فہمی نہ پیدا ہو۔

(۱) مولوی سید حمید حسن صاحب کا یہ اعتراض کہ مدرسۃ الواعظین میں ایسی کتابیں جو غیر مسلمین یا مسلمین کو دیجا سکیں نہیں ہیں یہ بالکل خلاف واقعہ غلط اور بے بنیاد ہے۔

ہندوستان بلکہ بیرون ہند کے بیشتر اور اکثر حضرات مدرسۃ الواعظین کی گرانقدر لٹریچر سے بخوبی واقف ہیں باینہمہ موصوف کا اس صفائی سے انکار تعجب خیز ہی نہیں بلکہ موجب صد تاسف اور خلاف تدین ہے۔ کیا موصوف کو معلوم نہیں کہ انجمن مؤید العلوم کے تبلیغی رسائل کے بدولت ویسٹ افریقہ میں تقریباً پانچہزار غیر مسلمین حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی تبلیغی لٹریچر کی وجہ سے اہل افریقہ امریکہ چین اور دیگر اہل ممالک نے مدرسۃ الواعظین نے خراج تحسین حاصل کیا یہ لوگ حقیقی اسلام سے روشناس ہوئے اور ان میں سے متعدد افراد نے اسلام قبول کیا۔

(۲) دوسرا اعتراض بھی عجیب و غریب ہے کہ مدرسہ اپنے واعظین کو غربت زدہ مقامات پر نہیں بھیجتا بلکہ جہاں مالی منافع کی امید ہو وہاں حضرات واعظین کو جانے پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی موصوف اسکی یہ وجہ ظاہر فرماتے ہیں کہ مدرسہ میں سرمایہ نہیں۔

یہ اعتراض بھی درحقیقت مدرسہ پر ایک بہت بڑا اتہام ہے۔ مدرسہ کے دستور العمل میں نہ تو اس قسم کی کوئی تفریق کی گئی ہے نہ حضرات واعظین عملاً اپنے دورہ میں شہر و دیہات میں کوئی امتیاز قائم کرتے ہیں۔ نہ مدرسہ کی جانب سے کوئی انکو خاص ہدایت کی جاتی ہے بلکہ وہ بلا تفریق ہر شہر و دیہات و قصبہ جات میں پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں اور تبلیغی فوائد سے مستفیض ہونیکا موقع دیتے ہیں۔ اکثر حضرات واعظین کا مرکز بجائے شہر کے دیہات ہے اور انکے دورہ کی ماہانہ رپورٹ جو الواعظ میں برابر شائع ہوتی رہتی ہے اسکا واضح ثبوت ہے کہ مبلغین اس قسم کی کوئی تفریق نہیں قائم کرتے اور باوجود کمی سرمایہ ہر مذہب و ملت کے مجمع میں اسلامی تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے پہونچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں مسلمانوں سے قطع نظر غیر مسلمین کی متعدد ایسی تحریریں مدرسہ میں موجود ہیں جو بتا سکتی ہیں کہ بغیر معاوضہ کسطرح مدرسہ نے اسلام کے حقیقی خدمات انجام

دیے ۔ بنا بریں موصوف کا یہ کہنا کہ مدرسہ غربت زدہ مقامات کا بوجہ فقدان سرمایہ خیال نہیں کرتا کہاں تک درست ہے ؟

علاوہ بریں موصوف بحیثیت واعظ جب روانہ ہوئے تو جہاں بھی وہ گئی اپنی خوشی و مرضی سے یا مدرسہ کی ۔ اگرچہ مدرسہ کو یہ حق ضرور تھا لیکن موصوف کے باب میں یہ حق استعمال نہیں کیا گیا بلکہ انتخاب مقام موصوف کی خوشی پر چھوڑ دیا گیا تاکہ موصوف اپنی تبلیغی اہلیت سے مدرسہ کو مطمئن کرنے کا پورا موقع پا سکیں اس محل پر مدرسہ بمتاسفانہ یہ ظاہر کرنے پر مجبور ہے کہ جب پہلی مرتبہ اخراجات سفر تفویض کر کے موصوف روانہ کئے گئے تو بجائے ایک مقام کو مرکز بنانے کے موصوف یہاں سے کیمبل پور روانہ ہوئے وہاں سے راولپنڈی بنیا در ٹکسلا ہوتے ہوئے کشمیر پہونچے وہاں سے چند ہی روز میں مختلف مقامات طے کرتے ہوئے کلکتہ پہونچے اور کلکتہ سے مدراس اور وہاں سے حیدرآباد ۔ حیدرآباد سے وزیا نگرم اور نیلور وغیرہ ہوتے ہوئے لکھنؤ آ گئے ۔ اس موقع پر مدرسۃ الواعظین کی جانب سے جب یہ سوال کیا گیا کہ اس طویل دورہ فرما کر اور غریب قوم پر مصارف کا کثیر بار ڈالکر جناب نے کتنے افراد مسلمان کئے اور کہاں کہاں اور کس طرح آپنے مسلمانوں کے اخلاقی اور دینی حالات اور تمدنی و معاشرتی زندگی کے بلند کرنے میں مدد کی تو موصوف کے پاس کوئی جواب نہ تھا گویا موصوف کا یہ طویل و عریض سفر تفریحی تھا جو تبلیغی پردہ میں انجام پایا ۔

اسکے بعد موصوف لکھنؤ میں ایک اسکول کی ملازمت حاصل کرنیکی کوشش میں طویل مدت تک زیر رخصت رہے اور مدرسہ نے بھی تبلیغی اہلیت نہ پاتے ہوئے باحسن عنوان شعبۂ تبلیغ سے سبکدوش ہونے میں موصوف کو حصول ملازمت کیلئے پوری کوشش کرنیکا موقع دیا لیکن آخر اس ملازمت کے حاصل کرنے میں بھی موصوف ناکامیاب رہے ۔ رخصت ختم ہونے پر مجبوراً موصوف کو از خود مدرسہ کی جانب سے فریضۂ تبلیغ سے سبکدوش کرنیکا ارادہ کر لیا گیا لیکن موصوف کی انتہائی خواہش اور اصرار پر کہ انکو ایک سال مزید کام کرنے کا موقع دیا جائے ۔ اخلاقاً انکا ایک سال کے لئے مزید تقرر ہوا اور مئی ۱۹۴۵ء میں انکو انہی کی مرضی سے مدراس بھیجا گیا لیکن اس دوران میں بھی بمصداق "آزمودہ را آزمودن جہل است" مثل سابق نہ موصوف کی ذات سے کوئی تبلیغی کام انجام پایا نہ کسی قسم کی موصوف کے حسب تحریر مدرسہ کو مالی منفعت ہوئی ۔ بلکہ جہاں بھی موصوف گئے وہاں کے حضرات موصوف کی تبلیغی شان دیکھکر مدرسہ کے دیگر واعظین کے متعلق بھی کوئی عمدہ خیال نہ قائم کر سکے ۔

اب چونکہ مدرسہ کی مقرر کردہ مدت مئی ۱۹۴۶ء میں ختم ہو رہی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یہ مدرسہ سے علیحدہ کر دیے جائیں اسلئے موصوف نے انتہائی ہوشیاری سے دو ماہ قبل مدرسۃ الواعظین پر چند بے بنیاد

الزام لگاکر از خود علیحدہ ہو گئے تاکہ موصوف کی کمزوریاں ارباب نظر سے مخفی رہیں اور مدرسہ قوم کی نظر میں متہم ہو موصوف کا یہ حسن معاوضہ ہے۔

تیسرے اعتراض کا بھی بار ثبوت موصوف پر ہے۔ کس وقت موصوف کو ارکان مدرسہ کے خیالات حاضرہ کی تبلیغ پر مامور کیا گیا بلکہ مدرسہ کے شائع شدہ دستور العمل پر کاربند رہنے کی موصوف کو بھی ہدایت کی گئی جس میں اس بات کی تاکید ہے کہ سیاسیات سے یا کسی شخصیت کی تنقید سے واعظین کو بالکل علیحدہ رہنا چاہیے۔ کیا حسب دستور العمل سیاسیات حاضرہ میں وقت گذاری کے بجائے تبلیغی مشاغل میں اوقات صرف کرنے کا مشورہ نہیں دیا گیا۔

غرض موصوف کے مستعفی ہونے کا اصل سبب یہی ہے جو مذکور ہوا۔ اگر موصوف کے بیان کردہ وجوہ ہوتے تو تین چار سال کی طویل مدت میں کسی وقت تو موصوف اظہار فرماتے یا دیگر واعظین کرام ہی مطالبہ کرتے۔

نیز اگر موصوف کو استعفیٰ دینا تھا تو آئینی حیثیت سے براہ راست متولی منتظم کی خدمت میں پیش کرتے اخبارات میں شائع کرنا موصوف ...... کی حسن نیت کا کھلا ہوا ثبوت اور مدرسۃ الواعظین سے بلاوجہ مخالفت کو واضح کر رہا ہے۔

خادم ادارہ

سید ہادی حسین۔ (بی۔ کام)

آنریری جنرل سکریٹری مدرسۃ الواعظین۔ لکھنؤ

روضہ نجف اشرف کی تعمیر

نجف العراق لکھتا ہے کہ مقامی حکومت کی طرف سے روضہ حیدریہ کی تعمیر اور نگرانی کے لئے مندرجہ ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنادی گئی ہے، صدر سید توفیق الحاج حاکم ضلع نجف اراکین سید عباس الحاج محسن شلاشی سید عبود مہدی سلمان انچارج ضلع نجف نگران کار سید مجید سید محمد۔

ریلوے کے ٹائم ٹیبل اردو زبان میں

اطلاع ملی ہے کہ ہندوستان کے چار بڑی ریلوے کمپنیاں یعنی ای۔ آئی۔ بی بی اینڈ سی آئی۔ جی۔ آئی۔ پی اور او ٹی آر اپنے ٹائم ٹیبل اردو زبان میں چھپوایا کرینگے۔

اعلاء کلمۃ الحق

از جناب سید حسین علیشاہ صاحب حیدرآبادی دام مجدہ

بنی آدم اعضائے یک دیگراند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوِ بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

حضرت انسان کون ہے؟ وہی ناکہ جسکو ہمارے عقائد کی رو سے خلاق عالم نے اپنی حکمت بالغہ سے اپنی تمام دیگر مخلوقات حتیٰ کہ فرشتوں سے بھی افضل قرار دیا ہے اور اسی افضلیت کی لاج رکھنے کے لئے انسان کے اندر اصلاحی مادہ بھی ودیعت فرمایا ہے اور اس مادہ کو بمصداق وضع الشئ علیٰ محلہ برتنے کی توفیق سے موفق بھی فرمایا ہے۔ چونکہ ان ایمانی مقدمات سے ہر ذی فہم مسلم واقف ہے لہذا ان پر مزید بحث کی ضرورت تحصیل حاصل۔ اب ہم اپنے عنوان کی اول واقعیت پھر اسکی کما حقہ اہمیت پر مختصراً ذیل میں بحث کرینگے چونکہ ہم تمام کا قرآن پر ایمان ہے لہذا اسی نظریہ کے تحت عنوان بالا کی واقعیت بھی قرآن ہی سے تلاش کرنا ہوگی۔ تاکہ بعد دریافت کسی اہل دل مسلم کو اعتراض کی گنجائش نہ رہ سکے۔ اور یہ تو بدیہی ہے کہ جب اعتراض کا قدم بیچ سے اٹھ جاتا ہے تو پھر قبولیت یا بہ اصلاح شرع یقین کے ارفع و اعلیٰ مکان کے پہلے زینہ پر قدم رکھکر کم کم انسان بام خانہ تک بھی پہونچ جاتا ہے۔ اس جملۂ معترضہ کے بعد ہم نے قرآن کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حق گوئی کے متعلق حسب ذیل آیات بھی موجود ہیں:۔

سورۂ انعام (۱۵۱ تا ۱۵۳) از قل تعالوا اما حرم ربکم تا لعلکم تذکرون انہی آیات میں کا ایک ٹکڑا ہے "واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ" (ترجمہ) جب بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ وہ جسکے خلاف تم کہو تمہارا عزیز ہی کیوں نہو کیونکہ بقول شخصے بے انصافی کی بات سے گونگی زبان بہتر ہے ؎

زبان بریدہ نشستہ بگوشہ صم بکم — بہ از کسے کہ نباشد زبانش اندر حکم

تفسیر سے پایا جاتا ہے کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ۷۰ ہزار فرشتے ان کی مشایعت کے لئے آئے تھے (الدر المنثور) اور یہ آیتیں ام الکتاب ہیں جس نے ان پر عمل کیا داخل جنت ہوا اور جس نے چھوڑ دیا جہنم میں جائیگا (معاذ اللہ و نپاہ بخدا) چنانچہ حجۃ اللہ فی الخلق اور مشیت خداوندی کے ظرف یعنی جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی جناب عقیل کے ہاتھ پر لوہے کی گرم شدہ سلاخ رکھدی تھی اور جب بھائی نے شکایت کی تو فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ علیؑ دوسروں سے زیادہ تم کو دیکر دوزخ کی آگ میں جلے۔

مولائے متقیان نے اپنے اس عمل سے ہم کو اچھا خاصہ سبق دیدیا ہے کہ ہمیشہ انصاف کی بات کہو اور کبھی بھی اس سے انحراف کے خیال تک کو اپنے گوشۂ دل میں نہ لاؤ۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت کا یہ فعل کلام خدا اذا قلتم فاعدلوا الخ کے اتباع میں تھا۔ چونکہ ہمارے ائمہ مفترض الطاعۃ ہیں لہذا فاضل طینتی والی مفتخر و معزز قوم کے ہر فرد کو اس نعمت غیر مترقبہ کی لاج رکھتے ہوئے اپنے ہادیان طریقت کی تاسی کی سعادت حاصل کرنا چاہیے اور اپنا بہترین اور خوشگوار فریضہ تصور کرنا چاہیے اور ہمارا ایسا عمل انشاء اللہ العزیز ہم سب کو معرفت امام کی صراط مستقیم پر گامزن بھی کر کے رہیگا اور معرفت امام بعینہ معرفت رسول اور بالآخر معرفت خداوندی ہے اور اسی حصول معرفت کے لئے ہم تمام بنائے گئے "ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون" خلق بھی کئے گئے ہیں لفظ الا حصر ہے جسکے یہی معنی ہوئے کہ ہماری خلقت کی علت غائی سوائے معرفت خدا کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ عدم معرفت امام کی نسبت جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی یہاں پر درج کر دینا نامناسب نہ ہوگا فہو ہذا من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ (جس نے امام زمانہ کو نہ پہچانا اور مر گیا وہ مرا جاہلیت کی موت) بلا معرفت امام نہ توحید صحیح نہ اعتقاد نبوت۔ ایسی صورت میں تو ہر مومن مسلم کا بحیثیت موحد یہ ضروری اور لازمی فریضہ ہو جاتا ہے کہ وہ اہل اسلام کے علمائے کرام رضوان اللہ عنہم سے حصول معرفت کے طریقے محض اپنے خود کے فائدہ کے خیال سے ہر وقت سیکھنے کی سعی کرتا رہے۔ ہر وقت کی قید اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ چونکہ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے لہذا تقاضائے دانش تو یہی ہونا چاہیئے کہ اس نامعلوم وقت کی قدر کرتے ہوئے اسی کی دھن میں لگا رہے تا کہ فائز المرام ہو سکے ورنہ ارشاد نبوی کے مطابق نامرضیہ موت کا خدشہ لگا ہوا ہے (فافہم وتدبر)

اس مختصر سی بحث سے تو تمام مسلم حضرات پر اعلائے کلمۃ الحق کی واقعیت اور اہمیت تامہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔ اس قسم کے صریح انکشاف پر ہم تمام کو اچھی طرح جائزہ لینا ہوگا کہ آیا ہمارے اعضائے بدن میں اولاً بحیثیت بنی آدم یعنی انسان بالعموم اور پھر بحیثیت مسلم (خدا سے صلح کرنیوالے) بالخصوص کوئی عضو (دیگر بندگان خدا) دکھی ہے یا نہیں ؟ اور دکھ کے احساس کے بعد ہمدردی انسانی کے مد نظر مصداق ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو　　ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اس دکھ یا بیماری کا بھی علاج ہم پر لازمی ہے یا نہیں ؟ بس یہی ایک سوال ہے جس کا ہم تمام کو ٹھنڈے دل سے غور کرنیکے بعد جواب دینا ہوگا۔ ہم تو یہاں تک عرض کرینگے کہ خلاق عالم نے انسان کے جسم کے اندر ہمدردی کی رگیں اسی احساس کے لئے رکھدی ہیں چنانچہ ہم نے اپنے ایک سول سرجن دوست سے ایکمرتبہ تفنناً

پوچھا تھا کہ جناب ڈاکٹر صاحب آپ حضرات کی کتاب اینوٹومی (Anotomy) میں ہمدرد رگوں (Sympathatic nerves) کا باب حذف ہوچکا ہے۔ متعجبانہ لہجہ میں فرمایا کہ نہیں تو۔ پھر ہم نے اُن سے کہا کہ ایسی صورت میں تو موجودہ افتراق۔ کشمکش باہمی۔ بے دردی کے بجائے اصولاً اور فطرتاً بجز امداد باہمی کسی اور شیٔ کا آن واحد کے لئے جلوہ نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ انسانی فطرت تو اس امر کی مقتضی تھی کہ جب کسی فرد بشر کو دوسرے کے دکھ درد کا احساس ہو تو اس کا فرض اولیں ہے کہ حتی الوسع اس کا وقتی علاج کرے ورنہ تاخیر کی صورت میں نتیجہ ظاہر ہے ؎

سرچشمہ باید گرفتن بہ میل　　　　چوں پر شد نشاید گذشتن زفیل

یعنی بعد میں جاکر دکھ علاج پذیر نہ ہوگا اور حضرت انسان اپنی بے سمجھی سے عند اللہ اس کا ذمہ دار قرار دیا جائیگا۔ ہم نے فطرت اور امداد باہمی پر بھی ایک مضمون لکھا تھا جس میں انسانی جسم کے اندرونی چار اخلاط یعنی۔ صفرا۔ بلغم۔ سودا۔ دم کے مقررہ اوزان پر رہنے کو تندرستی اور ان میں کمی یا بیشی کی صورت میں بیماریاں از روئے قواعد طب ظاہر کی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ فطرت انسانی میں امداد باہمی کا شریف جوہر نہ صرف رکھا گیا ہے بلکہ اسکو برتنے کی صلاحیت بھی درگاہ احدیت سے ودیعت کی گئی ہے۔ اس جوہر شریف کے نہ برتنے کو ہم باسانی فطرت میں تبدیلی کے مرادف خیال کرسکتے ہیں مگر قرآن کریم سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہوسکتی اس لحاظ سے ہر ذی فہم مسلم اس نتیجہ پر پہونچ جائیگا کہ ہمارا انحراف سراسر منشاء ایزدی کے خلاف ہو رہا ہے جسکے بظاہر یہی معنی ہونگے کہ ہم لوگ اس انحراف کے باعث خدا سے صلح کرنے کے بجائے اس سے معاذاللہ نبرد آزمائی پر بھی ایک حد تک مائل ہو رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں تو کوئی بھی ذی فہم مسلم نبرد آزمائی کے نتائج (جنپر غور کرتے ہوئے ہم لرزہ براندام ہو جاتے ہیں) سے واقف ہونیکے بعد کبھی بھی اسپر راضی نہ ہوگا۔

ہم نے اپنے مضمون "تکلیف مالایطاق" میں دانایان فرنگ کے مملو بصداقت آراء دربارہ قرآن درج کردی تھیں جن میں ان حضرات نے قرآن کا عظمت و وقار لاریب فیہ ہونا دین و دنیاوی ترقیات کا بدرجہ اتم کفیل۔ امن و سلامتی کا سبق دینے والا۔ اور مواخات باہمی وغیرہ وغیرہ کا اپنے تبحر علمی اور محققانہ انداز بیان سے ذکر کیا گیا ہے۔ غیر مذاہب کے حضرات کے اس قسم کے آراء کو تو ہم بلاشک و شبہ قرآن کا معجزہ خیال کرتے ہیں۔ معجزہ تو اسی کو کہتے ہیں کہ جو انسان کو عاجز کرکے اس کا سر تسلیم خم کراکے رہے یعنی بلا کسی قسم کی چون و چرا کے قرآن کے احکام کو نہ صرف مانے بلکہ اسپر عمل بھی کرے۔ جسکی تاکید اکید تک ہمارے پیغمبر رحمت نے حدیث ثقلین میں کرکے اسکے نتائج یعنی گمراہی سے بچنے تک سے ہم تمام کو آگاہ بھی کر دیا تھا۔ ہر

ذی فہم قاری قرآن جانتا ہے کہ امم ہائے سابقہ پر مختلف اقسام کے عذابات نازل ہوئے تھے۔ مثلاً ۷۰ ہزار یہودیوں کا بندر بننا اور تین دن کے بعد تمام کا ہلاک ہونا۔ عیسائیوں کا سور بننا وغیرہ وغیرہ۔ مگر اسلامی تاریخ سے اہل اسلام پر تو کسی عذاب استیصال کا پتہ نہیں چلتا۔ آخر اسکی بھی تو کوئی وجہ موجہ ہونی چاہیئے۔ چنانچہ جب ہم قرآن سے اسکو تلاش کرتے ہیں تو آیہ شریفہ اسکی وجہ قرار پاتی ہے " وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم (خدا کو مناسب نہیں کہ اس قوم یعنی مسلمانوں پر عذاب نازل کرے جسمیں تو یعنی پیغمبر ہے) الحمد للہ و المنۃ کہ تمام نے بطفیل وجود اقدس جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو اس دنیا میں عذاب سے محفوظ رہنے کی سند پالی۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ سند عاقبت میں بھی کارآمد ہوسکے گی یا نہیں؟ ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے کہ انشاء اللہ العزیز و بفضلہ ضرور کارآمد ہوگی بشرطیکہ ہم لوگوں نے اس دار دنیا میں قرآن کے مندرجہ احکام پر اپنے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بتلائے ہوئے طریقوں پر عمل کیا ورنہ حضرات عمل نہ کرنیکی صورت میں خواہ کسے باشد اسکو لازماً پیغمبر رحمت کی شکایت کی زد میں آنا ہی پڑیگا۔ رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ (پروردگارا میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا یعنی اسپر عمل نہ کیا) ہمارا پیغمبر تو وہ ہے کہ جبکہ خداوند عالم نے رؤف ورحیم تک سے یاد کیا ہے اور جس نے اپنے خلق عظیم کے باعث برخلاف دیگر پیغمبران کبھی بھی اس دنیا میں اپنی قوم کے لئے دعائے بد نہ کی تھی بلکہ یہانتک بھی درگاہ احدیت میں عرض کیا تھا کہ بارالہا میری قوم جاہل ہے انکو ہدایت فرما۔ پھر ایسے امت نواز و خلق عظیم کے مجسمہ پیغمبر کی شکایت بالا بروز قیامت کسی قدر آنحضرت صلعم کے شایان شان معلوم نہیں ہوتی۔ مگر قرآن کریم میں شکایت بالا بزبان آنحضرت موجود ہے۔ اگر ہم کسی قدر نظر غائر سے ان ہر دو پر غور کریں تو ہمکو اس شکایت پیغمبر کی حقیقت بھی معلوم ہوجاتی ہے۔ وہ یہ کہ عدل ذات اقدس الٰہی پر واجب ہے۔ پھر کیسے ہمارے پیغمبر صلعم جنکی شان میں خداوند عالم فرمائے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ ۲۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ ۳ عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون " اس امر کو بدرجہ اتم جانتے ہوئے کہ خداوند پاک سے کوئی بات چھپ نہیں سکتی کھری کھری بات یعنی قوم کے قرآن پر عمل نہ کرنیکا امر واقعہ بیان نہ کرکے کیسے کتمان حق کرسکتے ہیں۔ البتہ اس دار دنیا میں جسکو مزرعۃ الآخرۃ یا دار العمل کہا گیا ہے جناب ختمی مرتبت نے اپنے خلق عظیم اور کمال امت نوازی کے خیال سے بقولے ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ اپنی امت کے افراد کو نہایت نرمی سے تبلیغ دین کرنے میں سرمو کمی نہ کی تھی اور بشیر و نذیر کی حیثیت سے تمام امت کے افراد کو اعمال صالح کے خوشگوار نتائج اور انکے چھوڑنے کے دردناک نتائج تک بتلادیے تھے۔ اور صاف و صریح طور پر اپنی امت کو کان کھول کر سمجھا دیا تھا کہ جو کچھ کرنا ہے اسی دنیا میں کرلو۔ قبر میں اور اسکے بعد عقبیٰ میں تم کوئی عمل خیر

نہ کرسکو گے۔ برزخ اور عاقبت کا تو معاملہ اس دار فانی سے بالکل جداگانہ ہوگا۔ اس قفس عنصری کو چھوڑینگے بعد انسان اپنی اصلی مرکز پر عود کریگا اس پر تمام حقیقت (جس سے بے خبری انسان نے برتی ہوگی) بطور خود روز روشن کی طرح ظاہر ہوکر رہیگی اور انسان اپنے دنیا کے اعمال کی اگر وہ بُرے ہینگے تو انکی مذمت کریگا۔ اور پھر عاقبت میں جب خدا کے مطیع اور صالح بندگان کو منازل رفیعہ پر فائز دیکھیگا تو درگاہ احدیت میں نہایت لجاجت سے عرض کریگا کہ بارالٰہا مجھے ایکمرتبہ پھر دنیا میں واپس کردے تاکہ میں وہاں جاکر اعمال صالح کرکے عذاب الیم سے نجات پاسکوں۔ درگاہ احدیت سے جو مسکت جواب صادر ہوگا وہ ایسا ہے کہ ہر انسان کو لرزہ براندام کرتے ہوئے اعمال صالح کرنے کی اچھی خاصی ترغیب کا باعث ہوسکتا ہے۔ ہم اس ضمن میں مزید ایک حرف بھی کہنے کی جرأت نہیں کرسکتے اور عاقبت کے معاملہ کو فاعتبروا یا اولی الابصار لکھکر اپنے قلم کو روک لیتے ہیں۔

عالم اسباب کی علت غائی سے تمام اہل اسلام واقف ہیں۔ اگر اسکی اہمیت کو سمجھکر انسان عمل کرے تو یقیناً فائز المرام ہوسکتا ہے ورنہ انحراف کی صورت میں حدیث قدسی (المال مالی والفقراء عیالی والاغنیاء وکلائی) یعنی مال میرا مال ہے۔ غربا میرے عیال ہیں اور دولتمند میرے گماشتے ہیں کی مخالفت کا خدشہ لگا رہتا ہے پس ہم تمام لوگوں کا خوشگوار فریضہ ہوجاتا ہے کہ ہملوگ اشعار مندرجہ عنوان کے مطالب کو اپنے نوادر ادب کی رہنمائی سے سمجھکر اس امر کا جائزہ لیں کہ آیا ہمارا قومی شیرازہ متحد ہے یا اسمیں کسی قسم کا افتراق رونما ہورہا ہے؟ موجودہ زمانہ کی حالت پر نظر غائر ڈالتے ہوئے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہملوگوں میں اکثر و بیشتر افتراق ہی کا نامرضیہ عنصر پایا جاتا ہے۔ جسکے باعث عام افلاس۔ نکبت۔ عدم ہمدردی کا تقریبا ہر جگہ رونا ہی رویا جارہا ہے۔ حضرات! انسان روتا کب ہے؟ اسی وقت نا جب اسپر کوئی ظلم یا زیادتی کرے۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ قرآن اسکی نسبت کیا کہتا ہے جب قرآن کو کسی قدر تدبر و تفکر سے پڑھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اسکی صاف و صریح رد کرتا ہے اس ضمن میں علاوہ دیگر آیات کے ہم صرف دو ہی آیات درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) لیس بظلام للعبید (۲) کتب علی نفسہ الرحمۃ

پس معلوم ہوا کہ موجودہ رونا یا افلاس ہمارے ہی ہاتھوں کی کرتوت ہے۔ بمصداق ؎

از ماست کہ بر ماست (فافہم)

اب ہم موجودہ نکبت کے دفعیہ کے مختلف علاج بھی درج ذیل کردیتے ہیں:۔

(۱) سرمایہ (۲) ایثار (۳) فرض شناسی (۴) امداد باہمی اور بالآخر عاقبت کا حق الیقین بایں معنی کہ وہاں پیمدتی رتی کا حساب ہوکر رہیگا۔ ان پانچوں ابواب پر مختصر سی بحث بھی کی جاتی ہے۔

مقاصد

(۱) مذہب اسلام اکمل الادیان ہونا۔
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا۔
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت
(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفۂ قدیمہ و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالۂ شبہات
(۱۲) انکشافات جدیدہ و حقائق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوا کریگا
۲۔ ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا
۳۔ نمونہ کا پرچہ ۴ر کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے۔
۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے
۵۔ اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہوسکتی ہے۔
(۶) علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
(۷) شرح قیمت روسا و والیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ غربا و طلبار سے بشرط تصدیق ۶ عہ

پتہ — دفتر الواعظ، مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہو سکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا۔
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

الواعظ لکھنؤ | رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۵۹

انجمن مویدالعلوم مدرسۃ الواعظین کی قابل قدر کتابیں

برادران ایمانی! السلام علیکم۔ اس زمانہ پر آشوب ... کئے ہوئے ہیں اہل ایمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ... نہ فرمائیں عنداللہ وعندالناس ماجور ہوں اسوقت آپکے لئے ... اور فہرست منسلکہ میں سے ایک ایک جلد ضرور طلب ...

ملنے کا پتہ مہتمم انجمن مویدالعلوم

نمبر ۱۶۷۸
عالیجناب امیر الامراء نواب آغا میر سالار جنگ بہادر۔ بالقابہ
حیدرآباد دکن
Hyderabad Deccon

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
انگریزی تراجم و تصنیف		النبوۃ والخلافۃ	۴ر	مناظرہ معلوم		حقیقت	۴ر
ترجمہ قرآن مجید حصہ اول غیر مجلد ۱۲ مجلد	۶ر	انسانی قربانی	۲ر	الاعجاز	۱؍۶	در تصوف	
ترجمہ قرآن مجید حصہ دوم مجلد	۶ر	اعجاز القرآن	۵ر	فلسفۃ المذاہب	۱؍۶	اسلامی بچوں کی پہلی کتاب	۱؍۶
صحیفہ کاملہ حصہ اول مجلد	۶ر	حقوق نسواں اور اسلام	۶ر	النبی	۱؍۶	قران السعدین	۴ر
صحیفہ کاملہ حصہ دوم مجلد	۶ر	تحقیق البداء	۲ر	خصوصیات اسلام	۱ر	شان صبر	۶ر
ثبوت العربی غیر مجلد	عہ	راز شہادت	۳ر	اسلام و جہاد	۳ر	قاتلان ائمہ کا مذہب	۴ر
... پرافٹ اینڈ خلافت	۸ر	القول الجمیل فی التوراۃ والانجیل	۴ر	قرآن اور بائبل	۲ر	البیت المعمور فی عمارت القبور	۱؍۶
... ہوپی اینڈ ترجمہ	۱۲ر	اسلام اور سرود اولیٰ	۶ر	رد الباطل	۱؍۶	قاتلان ائمہ کے مذاہب	۳ر
... آف گاڈ	۲ر	کربلا کا مجاہد	۸ر	رسالہ متعہ	۱؍۶	حقیقت سادات	۴ر
اسلام ان دی لائٹ آف شعرا	۲ر	مولود حرم	۸ر	سرادق عفت	۸ر	فریاد مسلمانان عالم	۶ر
امین اینڈ کنگ	۱؍۶	سردار قریش	۲ر	شریعۃ الاسلام حصہ اول	۳ر	تجلیات تاریخ اردو	۳ر
ٹریجڈی آف کربلا	۲ر	تعلیم اسلام	۲ر	شریعۃ الاسلام حصہ دوم	۳ر	ایضاح الاشکال عربی	للعہ
بر بیرس	۲ر	ید بیضا اور تحقیق	۶ر	شریعۃ الاسلام ضمیمہ حصہ دوم	۳ر	ارشاد مفید رہ	۴ر
اسلام (ان دس)	۲ر	مثیل موسیٰ	۴ر	کارنامہ محرم	۳ر	محیط الدائرہ	عہ
نماز	۲ر	قرآن اور فقہاء دنیا کی تعلیم	۸ر	اسلامی صحیفہ	۴ر	نصر المومنین فارسی	عہ
عبائر الانوار جلد اول	سے	تنقید قدامت وید	۲ر	سوانح عمری حضرت مسلم بن عقیل	عہ	پردہ پر نظم	۱۲ر
		عبائر الانوار جلد دوم	۶ر				

باہتمام مرزا شاہ ناصر لکھنوی پرنٹر و پبلشر نے الواعظ صفدر پریس سے چھپواکر شائع کیا

وبالنجم ہم یہتدون

رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۹
ماہانہ مجلہ علمیہ

بیادگار حضرت نجم العلماء

الواعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

زیر سرپرستی والی ریاست عالیہ محمود آباد سرکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بالقابہ متولی منتظم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر نگرانی تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مدظلہ نبیرۂ سرکار نجم العلماء مجتہد صدر شعبۂ تبلیغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

مدیر

فقیر باب اہلبیت سید آغا مہدی الرضوی

الواعظ صفدر پریس میں چھپ کے شایع ہوا

الواعظ

رسالہ الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کا واحد آرگن تبلیغی اور علمی مقالات کا خزانہ ہے ہندوستان کے سب سے بڑے مرکز تبلیغ دین سے ماہوار شائع ہوتا ہے اور ستائیس سال سے اپنے فرائض کو حسن و خوبی سے ادا کر رہا ہے، سیاست علویہ، علمی خیانتیں، اقوام عالم میں تبلیغ دین، تقیہ، متعہ، پردہ کی بحث، اقوام عالم میں ڈاڑھی کی حیثیت، حیات خضر حدود ذاکری، سہ روزہ عطش وغیرہ وہ معرکہ آرا علمی کارنامے ہیں جو ہندا و بیرون ہند سے خراج تحسین و آفرین حاصل کر چکے ہیں الواعظ آجکل کے اصطلاحی مناظرہ سے بچا ہوا انتہائی تہذیب و متانت سے مذاہب عالم پر تنقید و تبصرہ کرتا ہے آریہ، عیسائی، قادیانی اہلحدیث وغیرہ کے مقابلہ میں اپنے مخصوص انداز سے ہر وقت حقائق کے لئے کمربستہ رہتا ہے۔

دین و مذہب کی اس بیکسی کے عالم میں جبکہ روز بروز دہریت کو عروج اور مذہب کا انحطاط ہو رہا ہے ضرورت ہے کہ آپ الواعظ کی صدا پر لبیک کہنے میں دریغ نہ فرمائینگے اور نہ صرف خود خریدار ہی منظور کرینگے بلکہ اپنے احباب اور حلقۂ اثر کو دعوت دیکر نصرت و حمایت دین میں حصہ لیں گے۔

عام خریدار چار روپیہ سالانہ اور رؤسا و اکابر ملت پچاس روپیہ سال تک مرحمت فرماتے ہیں الواعظ کو آپ کی نظر توجہ کی بڑی ضرورت ہے۔ منیجر

اطلاع عام

خریداران الواعظ کو روانگی ڈاک کے سلسلہ میں دفتر سے وقتاً فوقتاً جو شکایات تھی۔ اس پر عرصہ سے غور ہو رہا تھا اور اب ذمہ داران ادارہ نے ان ذرائع کا انسداد کر دیا ہے جن سے دفتری بدنظمی کا امکان تھا۔

لہذا میں امید کرتا ہوں کہ اب قارئین کرام کو دفتر سے کوئی شکوہ پیدا نہ ہوگا۔ ایڈیٹر

الواعظ

جلد ۲۷ | بابت ماہ اپریل ۱۹۴۶ء مطابق جمادی الاول ۱۳۶۵ھ | نمبر ۴

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	فتح خیبر	اڈیٹر	۲
۲	الکشن اور مدح صحابہ	"	۶
۳	خیالات اور رائیں	"	۷
۴	سوانح عظم اور معیار عقل	جناب مولانا سید ظہیر حسین صاحب واعظ	۹
۵	ریویو	اڈیٹر	۱۳
۶	معراج	جناب سید افتخار حسین صاحب پنشنر جج	۱۴
۷	تفسیر قرآن	جناب سید علی صغدر صاحب ایم اے لکھنوی	۱۷
۸	جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ	اڈیٹر	۲۳
۹	اعلاء کلمۃ الحق	جناب سید حسین علیشاہ صاحب دام مجدہٗ	۲۶
۱۰	قصیدہ	حضرت محسن	۳۱
۱۱	پیغمبر اسلام کا چوتھا جانشین	اڈیٹر	۳۳
۱۲	صحیفۂ کاملہ	"	۳۷
۱۳	گنبد ناظمی کی صدا	جناب سید زوار حسین صاحب سہارنپوری	۴۳
۱۴	مراسلہ احمد آباد		۴۴
۱۵	مذہبی خبریں	اڈیٹر	۴۵
۱۶	دعا	"	۴۷
۱۷	خریداران الواعظ	مینجر	۴۸

الواعظ

بابت اپریل ۱۹۴۶ء

فاتح خیبر

ہواخواہانِ بنی امیہ کا نیا ڈھونگ

ہمعصر الفقیہ امرتسر کے ایک متعصب سنی نامہ نگار نے اپنے مضمون "فاتح خیبر کون ہے" میں فتح خیبر کے تمام خصوصیات کو جناب امیرالمؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی جدوجہد کا اثر مانتے ہوئے مرتبہ امامت کو سبک کرنے کے لئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قلعہ کا فتح کرنا نبوی لعاب دہن کی تاثیر تھی اور فاتح خیبر پیغمبر خدا کو کہنا چاہئیے نہ کہ حضرت علیؑ کو"

یہ ہے وہ دیرینہ بغض و عناد جس کا وقتاً فوقتاً اس جماعت کی طرف سے اظہار ہوا کرتا ہے، یہ نکتہ فخر رازی کی سمجھ میں بھی نہ آیا اور نہ روزبہان کا دماغ یہاں تک پہونچا نہ عبدالعزیز دہلوی کو یہ ہوا لگی الفقیہ ہو یا اہلحدیث انکے نزدیک اس قسم کی باطل پروری کوئی نئی بات نہیں ہے امرتسر کے یہ دونوں یاجوج ماجوج اپنے نزدیک اسلام کی خدمت کرتے ہیں حالانکہ فریقین میں اختلاف کی خلیج پیدا کرنا اور مسلمات اسلام سے انکار مفسدون فی الارض کا مصداق بناتا ہے جو ایک مسلم کا شیوہ نہ ہونا چاہئیے۔

الفقیہ کی انوکھی ذہنیت نے آج سب سے پہلے فتح خیبر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے اور بدقسمتی سے یہ مضمون انکے خاص نامہ نگار مولوی سید احمد رضوی حزب الاحناف ہند لاہور کا لکھا ہوا ہے جو بدقسمتی سے سید بھی ہیں مسلمانوں میں یہ وبا بھی اسوقت عام ہے کہ بے سمجھے بوجھے ہر کہ و مہ رضوی لکھتا ہے کاش سید لکھنے والے بتائیں کہ انکے نزدیک سیادت کا کیا معیار ہے۔

ہماری جماعت کے تو کسی ایک شیعہ نے کبھی لیے نہیں، یا سی یزیدی مروانی ہیں کہ احقیت آل محمد کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان ناصبیہ مخالف جنگے اسلاف نے انکو قتل کیا زہر دیے قید کیا وغیرہ، انکو اسقدر محترم سمجھتے ہیں کہ دعوی بیکار [illegible] سیادت نام نہاد ساداتوں کی سیادت اگر ثابت بھی ہو جائے تو انکے کرتوت دیکھیکر قرآن حکیم انه لیس من اهلك کی صدا بلند کرتا ہے اگر وہ نقصان نہ دیں تو انکو چاہئے کہ اپنی ذات کو [illegible] سے اثبات سادات وائمہ کی طرف انتساب سے باز آئیں انکو ہماری [illegible] رہنے دو۔

فاتح خیبر ہونا عربی لغت میں [illegible] ہے اور قیاس جسکی طبیعت ثانیہ ہے۔

خشت اول چون نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

اگر مذہب الاحناف میں کوئی بھی انصاف پسند ہو اور انکی [illegible] ہر ذرہ برابر بھی ذوق سلیم موجود ہوتا تو یہ نہ کہتے کہ جسکے ذریعہ سے کوئی کام ہو اسکی طرف اس کام کی نسبت دیجاتی ہے جسکے ہاتھوں سے نعمت ملے اسی کی طرف نعمت کی نسبت کردی جاتی ہے بس اسی طرح خیبر کا مشہور و معروف قلعہ کا فاتح اعظم لعاب دہن سید الانبیاء حبیب کبریا [illegible] ہے کیونکہ اسی مبارک لعاب دہن نبوی نے حضرت علی میں یہ طاقت پیدا کردی تھی کہ جسکے ذریعہ سے حضرت علی کے ذریعہ سے فتح ہوا اسلئے فتح کی نسبت انکی طرف کردی گئی حالانکہ فتح کرنیوالی طاقت لعاب دہن نبوی علیہ السلام تھا"

الفقیہ ۲۸ فروری ۱۹۶۰ء

افسوس کی بات ہے کہ [illegible] کی ثنا کیجاتی ہے [illegible] نہیں بتاتے کہ خیبر سے پہلے لعاب دہن کے استعمال سے قبل کیا امیر المومنین نے کسی جنگ میں دشمن سے مقابلہ کے وقت کمزوری اور سستی ظاہر کی اگر ایسا ہو تو جنگ بدر سے کسی غزوہ یا سریہ میں حضرت علی مرتضی کی شکست دکھاؤ اگر خیبر پر تبصرہ کیا تھا تو کاش یہ بھی ارشاد ہوتا کہ خیبر میں پہلے کون کون علم لیکر گیا تھا اور اسکا کیا انجام ہوا؟ دشمن کو پشت دکھا کر مسلمانوں کو بزدلی کی دعوت دینے کا الزام کس پر ہے؟ فلا تولوهم الادبار کا مادی تازیانہ کس پر پڑا فقد باء بغضب من الله (پ۹ انفال) کا مرکز کون ہے عہد شیخ مفید اور علامہ عصر حلی سے آجتک تم ہمارے مطالبات کو تیر ادر سمجھکر پی جاتے ہو آخر یہ کیا بات ہے؟ جہاں مقامات پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا گیا کروڑوں فرضی حدیثیں تیار ہوئیں جابجا تاویل قرآن کے غلط منظاہرے ہوئے وہاں کج بحثی میں وہ انتقامی رنگ بھی اختیار کیا کہ عقل سلیم سر پیٹ لیتی ہے

اگر کچھ بھی معقولیت ہوتی تو ان نصوص صریحہ اور براہین قاطعہ کے مقابلہ میں بنکو اسلامی ممالک میں مؤلفین مصر فلسطین عراق حجاز تیرہ سو برس سے پیش کر رہے ہیں سر تسلیم خم ہوتا جن جیسے راویوں نے لاکھوں حدیثیں اپنے اغراض کے لئے تراش لیں طبعزاد اور غلط تخیلات سے انکی رنجوں کو آج بھی شاد کیا جاتا ہے

قولہ علم ہیئت کا مشہور مسئلہ ہے کہ چاند سورج سے نور کی بھیک لیتا ہے پوچھیے چاندنی کس کی ہے سب کہیں گے چاند کی حالانکہ غلط ہے سورج کی ہے

اگر تم جناب امیر المومنین کو ماہتاب کے بجائے سمجھتے ہو تو یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جب چاند نکل آتا ہے تو تارے جھلملانے لگتے ہیں اور پھر انکی روشنی ہم تک نہیں پہونچتی جرم قمر میں نجوم فلک سے کہیں زیادہ ضیا باری کی طاقت ہے اور جب سورج ڈوب جاتا ہے تو بیشمار تاروں کے موجود ہوتے ہوئے چاند ہی اسکی قائم مقامی کے فرائض انجام دیتا ہے اور پھر ستاروں کو کوئی نہیں پوچھتا عقل سلیم نے آفتاب کا جانشین ماہتاب کو مانا ہے تو پھر اصحابی کالنجوم کے غلط نظریہ سے کیا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے الفقیہ سے ہمیں اسکا شکوہ نہیں کہ اس نے یہ نہ سوچا کہ امامت کے چاند میں نور حاصل کرنیکی صلاحیت تھی ورنہ آفتاب نبوت سے کنکر پتھر زمین کے سنگریزے بھی نور لینے میں کامیاب ہونے وہ اس نور سے اسی طرح محروم رہے جیسے بارش رحمت کے چھینٹے مزبلہ پر بیکار ثابت ہوتے ہیں الفقیہ سے اس بات کی شکایت ہے کہ نبوی لعاب دہن کا تو بار بار ذکر کر کے اپنے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ کا مرتبہ گھٹاتے ہیں اور مضمون میں اتحاد نور کی متواتر حدیث کی جھلک بھی آنے نہیں دیتے جسکو پیش نظر رکھکر لعاب دہن رسول کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا اور انا وعلی من نور واحد کی متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت امیر جزئیت کے درجہ پر فائز ہیں اور ان میں وہ تمام کمالات موجود ہونا چاہئیے جو مبدا فیاض نے نور نبوی میں ودیعت کئے تھے دنیا انصاف سے دیکھے کہ مودت اہلبیت کا فریضہ یہ کہکر ادا ہوتا ہے کہ خیبر کی فتح کا راز یہ تھا کہ نبی وعلی ایک نور تھے نہ اس قول میں کہ علی کو فاتح خیبر نہ کہنا جنگ کر نیوالا تو لعاب دہن تھا۔

قولہ بادشاہ نے وزیر کو حکم دیا کہ لاکھ روپیہ غریبوں میں تقسیم کیا جائے وزیر نے تقسیم کیا بھکاریوں سے پوچھئے کس نے دیا کہیں گے وزیر نے حالانکہ بادشاہ نے دیا ہے وزیر نے اگرچہ بادشاہ کے حکم سے روپیہ تقسیم کیا گویا دینے والا بادشاہ ہی ہے مگر بھکاریوں کو ملا وزیر کے ہاتھ سے اسلئے بھکاری کہتا ہے کہ وزیر نے دیا ہے۔

مضمون نگار کا یہ دوسرا نظریہ ہے اور اسکا دلی مقصد ہے کہ کسی طرح خیبر میں ید اللہ کے دست وبازو کی

کارگزاری فضیلت نہ رہے لیکن مخالف نے اسپر غور نہیں کیا کہ وزارت کی صلاحیت ہر شخص میں نہیں ہوتی وزیر ہونا خود مستقل صفت ہے جسمیں منصب وزارت کی صلاحیت نہو وہ اس جلیل عہدہ پر سرفراز نہوگا۔ وزیر اگر دیانتدار نہیں کنتم تختانون کا مصداق ہو تو یہ سرمایہ شکم مبارک میں چلا جاتا یا اس دولت سے قرابتدار پرورش پاتے اور مال دوستوں کا ہوتا۔

وزیر کمال دیانت سے یقیناً قابل عزت و تکریم ہے وہ انتہائی حزم و احتیاط سے حقوق ناس پہونچاتا ہے اسکو فیوض کے لحاظ سے سرچشمۂ فیض ماننا پڑتا ہے۔

حقائق کی گہرائیوں میں تک پہونچانے والے سمجھتے ہیں کہ اس خامہ فرسائی میں تمہاری غرض و غایت یہ ہے کہ جناب ولایت مآب صلوات اللہ و سلامہ علیہ کا رتبہ گھٹ جائے۔

تمہاری یہ لفظیں "دو چاند سورج سے نور کی بھیک مانگتا ہے" بارگاہ علوی میں انتہائی گستاخی تمکو معلوم ہونا چاہیئے کہ محبت علیؑ وہ گرانقدر زر فدیہ ہے کہ پیغمبر خدا سا عظیم المرتبت اور فخر کائنات انسان اسکا سائل ہے اگر حافظہ ذرا بھی ساتھ دے تو آیۂ مودت یاد دلانیکی ضرورت نہوگی لعاب دہن اور اسکے اثرات پر ہم انشاء اللہ آئندہ مستقل بحث کرینگے پہلے تعصب کی عینک اتار کر حضرت علیؑ کی شخصیت کو دیکھو سید علی ہمدانی المتوفی ۷۸۶ھ کا بیان ہے۔

عن زيد بن حارثة قال لما كانت الليلة التي اخذ فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم على الانصار بيعة اولى قال انا آخذ عليكم بما اخذ الله على النبيين من قبلي ان تحفظوني وتمنعوني عما تمنعون انفسكم عنه تمنعوا علي بن ابي طالب عما تمنعون انفسكم عنه وتحفظوه فانه الصديق الاكبر يزيد الله دينكم وان الله اعطى موسى العصا وابراهيم برد النار وعيسى الكلمات يحيي بها الموتى واعطاني هذا عليا ولكل نبي آية وهذا آية ربي والائمة الطاهرون من ولده آيات ربي لن تخلوا الارض من اهل الايمان ما ابقى الله احدا من ذريته واحدا (كتاب المودة والقربى)

زید بن حارثہ نے روایت کی ہے کہ اس رات کو جب جناب رسول خدا نے انصار سے پہلی مرتبہ بیعت لی تو آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں اور تم سے وہی معاہدہ کرتا ہوں جو خدا نے مجھ سے پہلے دیگر انبیاء سے کیا تھا یعنی تم میری حفاظت اور اطاعت کرو اور جو باتیں اپنے لئے پسند نہ کرتے ہو وہ میرے لئے بھی روا نہ سمجھو اور اسیطرح جن چیزوں کو تم اپنے لئے گوارہ نہیں کرتے انکو علیؑ کے لئے بھی گوارا نہ کرو اسلئے کہ وہ صدیق اکبر ہیں اگر تمہارا یہ رویہ رہا تو خدا تمہارے ایمان کو زیادہ کریگا"

بیشک خدا نے موسیٰ کو عصا اور ید بیضا، ابراہیم کو آتش نمرود سرد ہونیکا معجزہ عطا فرمایا اور عیسیٰ کو وہ معجزات دیئے جن سے وہ مردے زندہ کرتے تھے غرض ہر نبی کے لئے ایک نشانی قرار دی اور نبی کو خدا نے یہ نشانی علی عطا کیا ہے علی اور اولاد علی ہی نشانی ہیں اور انکی پاک پاکیزہ نسل کے امام ہی خدا کی آیت ہیں زمین ایمان والوں سے خالی ہوگی جب تک خاندان علی میں سے ایک شخص بھی باقی ہے۔

اس بیان سے ثابت ہو رہا ہے کہ خلافت و اقتدار کے لحاظ سے جناب علی مرتضیٰ کی شخصیت اسی قدر اہم ہے جیسے رسول کی ہونا چاہئے۔ کیا آیۃ اللہ کو لعاب دہن کا شرمندۂ احسان سمجھنا صحیح ہے؟

الیکشن اور مدح صحابہ

یوپی کے انتخابات نے مسئلہ مدح صحابہ پر بہت تیز روشنی ڈالی ہے اسلئے ہم ناظرین الواعظ کیلئے ان نتائج کو محفوظ کردینا ضروری سمجھتے ہیں۔ مسٹر سید علی ظہیر صاحب کو ۵۶۷۶ ووٹ اور سنی بورڈ کے نمائندے مسٹر نذیر احمد کو ۱۰۰۹۰ ووٹ ملے جبکہ مسلم لیگ کے نمائندے چودھری خلیق الزماں کو ۱۰۱۴۸ ووٹ سے کامیابی ہوئی۔ سنی لیگی امیدوار کی یہ کامیابی اور انکے مقابل سنی بورڈ کے امیدوار مسٹر نذیر احمد کی ناکامیابی کا صاف نتیجہ یہ تھا کہ لکھنؤ کے سنی مدح صحابہ نہیں چاہتے بلکہ وہ اسکے مخالف ہیں۔

اگر لکھنؤ کے سنی مدح صحابہ کا حق چاہتے تو وہ یقیناً مسٹر نذیر احمد کو کامیاب بناتے جو کہ تمامتر اسی ایک کام کے لئے یعنی حق مدح صحابہ لینے اسمبلی جانا چاہتے تھے اس الیکشن کے فیصلہ سے مدح صحابہ کا سوال لکھنؤ میں ہمیشہ کے لئے دفن ہوگیا اور اب کانگریس گورنمنٹ کے لئے یہ امر بہت آسان ہوگیا کہ اگر اس سے حامیان مدح صحابہ حق مدح صحابہ کی فرمائش کریں تو وہ صاف کہدے کہ لکھنؤ کی سنی پبلک کا فیصلہ اسکے خلاف ہے۔

مسٹر نذیر احمد صاحب کا سنی ووٹوں کی بدولت ہارنا پبلک کی طرف سے مدح صحابہ کے خلاف ایک ایسا اٹل فیصلہ ہے جس کا کوئی جواب حامیان مدح صحابہ نہیں دیسکتے۔

گذشتہ ۱۵ مارچ جمعہ کو نوبری ہوٹل نظیر آباد میں چودھری خلیق الزماں صاحب کو انکی کامیابی پر چاء کی دعوت دیگئی تھی اس دعوت کے موقعہ پر چودھری صاحب نے مدح صحابہ کے بارے میں اعلان کیا کہ

"میں قطعی طور پر بیان کرتا ہوں کہ مسلم لیگ نے اتحاد اسلامی کو نقصان پہنچانے والی کسی تحریک کی نہ کبھی حمایت کی اور نہ کبھی کرے گی یو پی اسمبلی کے ضمنی الیکشن نے دکھا دیا کہ لکھنؤ کے سنیوں کی بہت بڑی اکثریت سنی بورڈ کے مطالبہ سے اتفاق نہیں کرتی جسکی کوئی مذہبی بنیاد نہیں ہے۔"

دوسرے موقع پر چودھری خلیق الزماں نے مسلم کلب نذر باغ لکھنؤ کے ایک سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے مدح صحابہ کے متعلق کہا:-

"اگر کوئی میری سنیت پر حرف لائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ خود اسکی سنیت میں فرق ہے لیکن جلوس مدح صحابہ پر سنیت کا دارومدار کرنا غلط ہے میں سالہا سال سے واضح کرتا چلا آیا ہوں جہانتک جلوس کا تعلق ہے اسکو چھوڑ دینا چاہئے اور اسکے متعلق میں نے مولانا عبدالشکور لکھنوی سے بھی کہدیا ہے اور میں تو یہانتک کہنے کو تیار ہوں کہ اگر شیعہ راضی بھی ہو جائیں تو میں جلوس نکالنے کے لئے راضی نہ ہونگا اسلئے کہ یہ بدعت ہے آپ ایسی بدعت جاری نہ کیجئے جو اختلافات میں اور اضافہ کرے میں بحیثیت سنی اسکے متعلق ایک رائے رکھتا ہوں اور یہ رائے رکھنے کا مجھے حق ہے"

اب رہے صدر کانگریس تو ۱۸ مارچ کو مولانا ابوالکلام آزاد نے ادارہ عالیہ تنظیم المومنین کے ذمہ دار اراکین کو بتایا کہ تصفیہ مدح صحابہ پر ابھی اراکین وزارت سے میں کوئی گفتگو نہیں کر سکا ہوں اور نہ اسوقت اس کا کوئی موقع ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اب شیعوں کے لئے اس کا کوئی خطرہ باقی نہیں ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خلیق الزماں کے اس واضح بیان کے بعد قضیہ مدح صحابہ کے سلسلہ میں کانگریس وزارت سے شیعوں کو ہرگز ہرگز کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔

خیالات اور رائیں

مدرسۃ الواعظین کے سب سے بڑے محسن الحاج محمد جعفر صاحب آنریری جنرل سکریٹری شعبۂ تبلیغ افریقہ تحریر فرماتے ہیں:-

محترم! نمبر اول سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا اس میں ذاکری کے متعلق آپ کا پہلا مضمون نہایت عمدہ مفید اور دلچسپ ہے جزاکم اللہ اور مضامین بہت عمدہ ہیں۔

۳ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ

جناب سید مہدی حسین صاحب ہمدرد لکھنوی

حق کا پرچم ہوگیا اونچا ہوا باطل حقیر	اب یونہیں چلتے رہینگے قلب پر دشمن کے تیر
کسطرح دینکے بدعت ہونجائے اب خموش	مہدی ذی ہوش الواعظ کے ہیں قابل مدیر

عالیجناب سید حسین علیشاہ صاحب نقوی دکن

میری آنکھیں مسلم ریویو کے دیدار سے محروم ہیں للہ اسلام کی حقیقی اور سچی تعلیم کو بلاد یورپ و امریکہ پہونچانیوالے بارآور درخت کو پھر سے آبیاری کر کے زندہ کیجئے مجھے قوی امید ہے کہ جناب جیسے عالم و ہمدرد بزرگ کے زیر ادارت الواعظ حسب منشا ترقی کر کے رہے گا۔

۱۷ر فروری ۱۹۴۶ء

جناب مولانا سید سبط محمد ہادی صاحب قبلہ ہائی پریسیڈ مرشد آباد

میرے خیال میں زمانہ کے لحاظ سے جن مضامین کی ضرورت ہے وہ برابر الواعظ میں شائع ہو رہے ہیں خدا آپ کے علم میں برکت دے اور آپ کے قلم کو قوم کے لئے مفید سے مفید تر بنائے۔

۲۹ر مارچ ۱۹۴۶ء

شادی خانہ آبادی

ہمکو دلی مسرت ہے کہ جناب سید علی رضا صاحب ڈی پی ایس بلگرامی سکنہ آبائی دکن کے بلند اقبال صاحبزادے سید عابد رضا صاحب بیرسٹر کی شادی سر فضل علیصاحب چیف جسٹس پٹنہ ہائیکورٹ کی دختر نیک اختر کیساتھ ہوئی اور نہایت خیر و خوبی سے یہ تقریب انجام پائی خداوند عالم طرفین کے لئے اس رشتہ کو مبارک و مسعود قرار دے۔

ہم الواعظ کی خاص قدردان محترمہ بیگم سید علی رضا صاحب دام اقبالہا کی خدمت میں صمیم قلب سے ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

سواد اعظم اور معیار عقل

عالیجناب مولانا سید ظہیر حسن صاحب قبلہ بارادی فخر الافاضل مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

چند مہینہ کا عرصہ ہوا کہ میں نے ایک مفصل مضمون دفتر الواعظ کو شائع کرنے کے لئے دیا تھا جس میں سواد اعظم کے متعلق ایک مکمل تبصرہ تھا اور یہ واضح کیا گیا تھا کہ اس مذہب کی بنیاد چار چیزوں پر ہے مخالفت قرآن۔ مخالفت سنۃ رسول۔ مخالفت اہلبیت رسول۔ مخالفت عقل۔ یہی اس مذہب کے عناصر اربعہ ہیں۔ چونکہ اس مضمون میں اس مذہب کے اصول و قواعد پر گہری نظر ڈالی گئی تھی اور اکثر ایسے تلخ و ناگفتہ بہ حقائق کو منظر عام پر لایا گیا تھا جس کے سننے کے لئے شاید دنیائے تسنن متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ اور ایسے راز درون پردہ و مخفی حقائق کا انکشاف کیا گیا تھا جس سے سواد اعظم پر ایک ضرب کاری پڑتی تھی نیز الواعظ جیسے مرنجاں مرنج رسالہ کی پالیسی کے بھی کسی قدر خلاف تھا اسلئے مجبوراً اس مضمون کی اشاعت الواعظ میں ملتوی کرنا پڑی۔ اب اس مضمون کا آخری حصہ جو مخالفت عقل سے تعلق رکھتا ہے جس میں بجائے کسی شخصیت پر تنقید کے اصول و عقائد سے عقلی بحث کی گئی ہے، وہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ یہ مختصر حصہ ہے مگر ارباب عقل و دانش کے لئے دعوت غور و فکر ہے تاکہ وہ اندازہ کریں کہ سواد اعظم کے اصول کس طرح عقل کے اصول سے متصادم ہیں اور اس کے نظریات کس قدر عقل کے خلاف ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ موجودہ دنیا میں کوئی ایسا مذہب جسکے اصول و قواعد مسلمات عقل کے خلاف ہوں وہ معقول و صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا مثلاً بدیہیات۔ اولیات۔ محسوسات وغیرہ یا اجتماع ضدین کا محال نہ ہونا۔ یا عقل کا یہ قطعی فیصلہ کہ ظالم و مظلوم۔ قاتل و مقتول دونوں ناجی نہیں ہو سکتے ان میں ایک ضرور خطا کار ہوگا۔ یا حق و باطل، صادق و کاذب، امین و غیر خائن دونوں امام خلق خلیفۂ نبی نہیں ہو سکتے ورنہ اجتماع ضدین لازم ہوگا۔ پس اگر کسی مذہب میں اسکے خلاف کوئی نظریہ قائم کیا جائے تو ہرگز معقول متصور نہ ہوگا اور نہ عقلاء زمانہ اُسے قابل التفات سمجھیں گے۔ ازیں قبیل تمام مسلمات عقل جنپر عقلاء کا اتفاق ہے ان کا انکار انکار عقل ہے۔ اسلئے اگر کسی مذہب میں اسے جائز سمجھا جائے تو اسے جاہلانہ و خلاف عقل سمجھا جائیگا۔ لیکن مذہب اہلسنت کی یہ دلچسپ خصوصیت ہے کہ جہاں وہ

قرآن واحادیث رسول کے خلاف نظریات رکھتا ہے اسی کے ساتھ اسکے اصول عقل سے بھی برسرپیکار و نبرد آزما نظر آتے ہیں جسکی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے ۔

حضرت علیؑ کا سیرت شیخین پر عمل سے انکار کرنا تاریخ اسلام کی ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس سے کسی وسیع النظر انسان کو اختلاف نہیں ہے خلیفۂ دوم کے انتقال کے بعد مسلمانوں کا مجمع حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا اور قرآن وسنت رسول و سیرت شیخین پر عمل کے مطابق انکی بیعت کرنی چاہی لیکن حضرت علیؑ نے یہ صاف فرمایا کہ میں قرآن وسنت رسول پر تو عمل کرونگا لیکن سیرۃ شیخین پر نہیں بلکہ اپنی ذاتی رائے واجتہاد پر عمل کرونگا (ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید معتزلی و شرح فقہ اکبر ملا علی قاری)

اب یہاں فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیرۃ شیخین قرآن وسنت رسول کے خلاف تھی یا موافق، اگر موافق اور حکم خدا ورسول کی روشنی میں تھی تو حضرت علیؑ کو اس سے انکار کا کیا حق تھا کیا خلیفۃ اپنی ایسی سیرۃ سے انکار کا حق رکھتا ہے جو قرآن اور سنت رسول کے مطابق ہو اس صورت میں حضرت علیؑ مورد الزام قرار پاتے ہیں اور انکی خلافت باطل قرار پاتی ہے، اور اگر مخالف تھی تو پھر شیخین کی خلافت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے کیونکہ جسکی سیرۃ قرآن ورسول کے حکم کے خلاف ہو وہ اسی رسول کا خلیفہ اور اسی دین وقرآن کا رہنما کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ عقل کا یہی فیصلہ ہے کہ سیرۃ شیخین قطعی طور پر قرآن وحکم رسول کے خلاف تھی ورنہ ان دو چیزوں کے پیش کرنے کے بعد ایک تیسری چیز کی حیثیت سے اسے پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ ایک طرف تو قرآن وسنت رسول کے بعد مستقل حیثیت سے سیرۃ شیخین کا پیش کیا جانا اور پھر حضرت علیؑ کیجانب سے اسکا انکار ہونا یہ قطعی طور پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے کہ یہ سیرۃ قرآن ورسول کی سیرت کے علاوہ کوئی اور چیز تھی۔ اب ارباب عقل بتائیں کہ جب ان خلفاء میں ایک کی سیرت دوسرے کے خلاف ہو اور دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہوں تو ان میں ہر ایک کیونکر خلیفۂ جائز تسلیم کیا جا سکتا ہے ان میں ایک کا طرز عمل ضرور رسول کے طرز عمل کے خلاف ہوگا اور اگر ایک حق پر ہے تو دوسرا ضرور باطل پر ہوگا پھر وہ دونوں کیونکر رسول کے صحیح جانشین متصور ہو سکتے ہیں عقل ان دونوں خلافتوں کے اجتماع کو ہرگز جائز نہیں سمجھتی ورنہ اجتماع ضدین لازم آئیگا۔ لیکن اہلسنت کی یہ ستم ظریفی دیکھئے کہ ان کے نزدیک حضرت علی شیخین دونوں رسول کے جائز خلیفہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس اختلاف کے باوجود دونوں خلافتوں کو صحیح تسلیم کرنا کسقدر معیار عقل سے گری ہوئی بات ہے کیا اس کا نام اجتماع ضدین نہیں ہے؟ درحقیقت یہ عقل سے کھلی ہوئی بیکار ہے۔ معاملہ خلافت میں سواد اعظم اہلسنت کا نظریہ عقل کے نظریے سے قطعاً متصادم ہے۔

صورت موجودہ میں عقلاً یا حضرت علیؑ کی خلافت صحیح ہو سکتی ہے یا حضرت ابوبکر کی دونوں کی خلافت کا عقیدہ قرین عقل نہیں ہو سکتا لیکن اسکو کیا کیجئے گا کہ حق و باطل کی مخلوط معجون، خلافت اسی کارخانہ میں تیار ہوتی ہے جس پر شفار کا خدا ہی حافظ ہے۔

اب ذرا دوسرا اصول ملاحظہ فرمایئے جضرت عثمان کے متعلق حضرات اہلسنت کا خیال ہے کہ وہ مظلوم مقتول ہوئے اور انکے قاتلین کی فہرست میں طلحہ وغیرہ جیسے صحابہ کرام بھی داخل ہیں ملاحظہ ہو (روضۃ الاحباب محدث جمال شیرازی)، اور یہ امر عقلاً مسلم ہے کہ اگر مقتول مظلوم ہے تو قاتل ظالم ہوگا وہ عادل نہیں ہو سکتا، مگر سواد اعظم کا یہ طرفہ تماشا دیکھئے کہ ایکطرف تو حضرت عثمان کی مظلومی کا نوحہ پڑھا جاتا ہے اور دوسری جانب انکے قاتلین جن میں صحابہ داخل ہیں انھیں عادل سمجھا جاتا ہے اور "الصحابۃ کلہم عدول" کی حدیث کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے انھیں یہ پتہ نہیں کہ انکا اصول کہاں عقل سے متصادم ہوتا ہے۔ ناظرین غور فرمادیں کہ اگر واقعی حضرت عثمان کو معصوم سمجھنا درست ہے تو ان کے قاتلین صحابہ کرام کی عدالت سے یقیناً ہاتھ دھونا پڑیگا کیونکہ مظلوم و ظالم دونوں عقل کے نزدیک عادل نہیں ہو سکتے اور اگر تمام صحابہ کرام کی عدالت مسلم ہے تو مظلومیت عثمان سے دستبردار ہونا چاہیئے کیونکہ ایک عادل کا فعل ظلم نہیں ہو سکتا ان دونوں کا اجتماع بہرحال محال ہوگا۔ یا تو مظلومیت کے فرض کی بنا پر صحابہ کرام کی عدالت میں رخنہ پڑتا ہے اور "الصحابۃ کلہم عدول" کی حدیث مزخرفات میں سے قرار پاتی ہے یا اگر قصر صحابیت پر عدالت کا پرچم لہرانا ہی ضروری ہے تو مظلومیت عثمان کا راگ نہ الاپنا چاہیئے۔ لیکن سواد اعظم کی سابقہ خصوصیت کیطرح یہ بھی ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ مظلوم و ظالم مقتول و قاتل دونوں کو نظر استحسان سے دیکھتا ہے اور ہر ایک کے آستانہ پر عقیدت کے پھول چڑھانے کے لئے تیار رہتا ہے۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

اس سلسلہ میں یہ چیز زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگی۔ کہ قاتلین کی فہرست میں حضرت عائشہ کا نام بھی آتا ہے "اقتلوا نعثلا" کی آواز سب سے پہلے آپ ہی نے بلند کی تھی (نہایہ ابن اثیر لغت نعثل) پس اگر قتل عثمان کو ظالمانہ کہا جائے تو فرمایئے ام المومنین حضرت عائشہ کے متعلق کیا لمائے قائم کریں گے مظلوم کا قاتل یا جو قتل کا محرک ہو وہ ظالم ہوگا ایسی صورت میں حضرت عائشہ کا دامن بھی داغدار نظر آتا ہے مگر اسکے باوجود مظلوم و ظالم دونوں کی شخصیت کو قابل احترام سمجھنا سواد اعظم ہی کا طرۂ امتیاز ہے اور مخالفت عقل کا کسقدر لطیف و مضحکہ خیز نظریہ ہے۔

تیسرا دلچسپ اصول جو عقل سے متصادم ہے یہ ہے کہ حضرت علیؑ و فاطمہؑ نے جب دربار خلیفہ اول

میں فدک کے متعلق احتجاج کیا تو خلیفہ اول نے فدک انھیں ہبہ کر دیا اور ایک نوشتہ لکھکر حضرت فاطمہؑ کو دیا جب وہ اس نوشتہ کو لیکر آرہی تھیں تو راستہ میں خلیفۂ دوم سے ملاقات ہوئی انھوں نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے حضرت علیؑ نے جواب دیا یہ نوشتہ فدک ہے جو حضرت ابو بکر نے دیا ہے۔ خلیفہ دوم نے اس نوشتہ کو لیکر پھاڑ ڈالا الخ (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۴۰۰)

ناظرین نے اس واقعہ کو تو ملاحظہ فرمالیا اب سوال یہ پیدا ہوتا کہ حضرت ابو بکر کا نوشتہ فدک فاطمہؑ کو دینا منشاء قرآن و رسولؐ کے مطابق تھا تو حضرت عمر نے اسے چاک کیوں کیا ان کا یہ فعل ظالمانہ قرار پائے گا اور ایسی صورت میں انکی خلافت کی اہلیت رخصت ہوجاتی ہے اور اگر ان کا نوشتہ فدک کو چاک کرنا حق تھا تو حضرت ابو بکر کا فدک بخشنا خلاف حق قرار پائے گا اور ان سے منشاء خدا و رسولؐ کے خلاف کا ارتکاب لازم آتا ہے بہرحال الزام دونوں حضرات کے درمیان دائر ہے اور ان میں کوئی نہ کوئی ضرور قابل مواخذہ اور ظالم قرار پاتا ہے۔ پھر عقل سلیم ان دونوں کے خلافت کو کیونکر جائز سمجھ سکتی ہے۔ ایک ایسا انسان جسکا طرز عمل قرآن و رسول کے خلاف ہو اسکو رسولؐ کا خلیفہ کہا جانا کسقدر تعجب خیز بات ہے مگر سواد اعظم کی چشم پوشی دیکھئے کہ باوجود اس تمام کمزوری کے وہ ان دونوں کو خلیفۃ النبی اور رہبر اسلام تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔ یہ حق و باطل کا امتزاج اور دونوں کا ایک ہی حکم ہونا اسی مذہب کی خصوصیت ہے کیا یہ اجتماع ضدین نہیں ہے۔ اسی معاملۂ فدک میں یہ واقعہ بھی قابل لحاظ ہے کہ جب حضرت علیؑ فاطمہؑ کو خلیفہ اول کے دربار سے محرومی ہوئی تو انھوں نے خلیفہ دوم کے عہد میں اُنکے پاس دوبارہ فدک کا مطالبہ کیا۔ خلیفہ دوم نے جواب دیا کہ تم لوگوں نے پہلے ابو بکر کے پاس بھی مطالبہ کیا تھا اور انھوں نے حدیث "ماترکناہ صدقہ" سناکر فدک کے دینے سے انکار کیا تو تم لوگوں نے انکو خائن کاذب غادر آثم سمجھا اور اب مجھکو بھی ایسا ہی سمجھتے ہو۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد ۲) صحیح مسلم کی یہ تحریر دیکھکر ہم مجبور ہیں یہ کہنے پر کہ روایت مذکور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ شیخین کو غیر امانت دار اور غیر صادق اور غادر آثم سمجھتے جس کی تصدیق خلیفہ دوم نے خود ہی فرمائی اب یہ کسقدر پر لطف معاملہ ہے کہ خلفاء راشدین جنھیں اہلسنت رسول کا خلیفہ سمجھتے ہیں ان میں ایک دوسرے کو مرقومہ بالا الفاظ سے یاد کرتا ہے ایسی صورت میں حق بہرحال ایک جانب ہوگا یا حضرت علیؑ کو حق پر تسلیم کیا جائے یا جس پر علیؑ الزامات قائم کرتے ہیں اسے حق سمجھنا چاہیئے دونوں کا خلیفہ برحق ہونا عقل کے نزدیک مسلم نہیں ہوسکتا۔ کیا اسکا نام اجتماع ضدین نہیں ہے مشکل یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ کسی معمولی انسان کیجانب سے کہے گئے ہوتے تو اسکے صحیح و غلط ہونیکے متعلق غور کرنیکا محل باقی تھا لیکن بدقسمتی سے یہ سند حضرت علیؑ کیجانب سے عطا کیگئی ہے جنکے معصوم

وصادق و بے گناہ ہونے پر تمام دنیائے اسلام کا اتفاق ہے بلکہ سواد اعظم کے نقطۂ نظر کے مطابق بھی وہ واجب الاطاعت ہیں لہذا انکی تجویز غلط نہیں ہوسکتی اب ناظرین ہی انصاف کریں کہ ایسی صورت میں ہم کسکو جائز تصور کریں۔ دونوں کی خلافت کا درست ہونا یعنی خائن و غیر خائن دونوں کا خلیفہ برحق ہونا عقل میں آنے کی چیز نہیں ہے ورنہ اجتماع ضدین کے محال ہونیکے کوئی معنی نہیں رہتے۔

حقیقت یہ ہے کہ سواد اعظم کے اصول و عقائد عجیب و غریب ہیں اور کسیطرح انکی حکومت کی چول درست نہیں بیٹھتی اگر ایک کو خلیفہ تسلیم کیا جاتا ہے تو دوسرے سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور اگر ایک کو مومن تسلیم کیا جائے تو دوسرے کے ایمان پر ضرب پڑتی ہے غرض اک عجیب معمہ ہے جو کسی طرح عقل میں نہیں آتا اس سے بہتر ہے کہ ارباب عقل اس راستہ کو اختیار کریں جس میں نجات یقینی ہے یعنی وہ راستہ جسکی جانب حدیث (خلفائی اثنا عشر اولھم علی و آخرھم مھدی موعود القربی وینابیع" یعنی میرے بارہ خلیفہ ہیں اول علی ہیں آخر مہدی ہیں) رہنمائی کرتی ہے اور یہی مذہب صحیح و راہ حق ہے اس میں نجات ہے اس لئے مشکوک کو چھوڑکر متیقن کو اختیار کرنا شعار عقلاء ہے۔

ریویو

سرمایۂ نازش

جناب امام علی صاحب نازش کے تازہ نتائج افکار کا مجموعہ ہے جو خوشخط اور خوش وضع تقطیع پر چھپا ہے شروع میں مولف کے حالات اور چند اہل قلم کی رائیں اور تقاریظ ہیں صفحہ ۲۸ سے اصل کتاب شروع معلوم ہوتی ہے جسمیں حضرت سید الشہداء روحی فداہ کی مدح و ثنا اور کربلا کے جگر سوز مصائب بڑے موثر طریقہ سے نظم کئے ہیں آخر میں امیر مینائی کے بعض اشعار کی تضمین ہے ہر شعر عقیدت اور اخلاص میں ڈوبا ہوا ہے

قیمت ۸/

ملنے کا پتہ :- مینجر کوہ نور بکڈپو گنپت روڈ لاہور

تصویر وفا

واصف عشرتی کا اثر خامہ ہے جس میں حضرت عباس کی مدح و ثنا کی گئی ہے اشعار ناظم کی عقیدتمندی پر نظر کرتے ہوئے اچھے ہیں جو چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحات ہیں، قیمت درج نہیں ہے۔

ملنے کا پتہ :- سید ذکاوت حسین صاحب رضوی رئیس اترولہ ضلع گونڈہ

معراج

عالیجناب سید افتخار حسین صاحب ریٹائرڈ جج غازی پور

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو الواعظ مارچ سنہ ۴۶ء)

وہ عرض کرونگا۔ خدا نے رسول کو علم دیا۔ قرآن سے ظاہر ہے اور جسقدر خدا نے اجازت دی وہ انھوں نے اوروں کو بتایا اس سے کوئی حد رسول کے علم کی نہیں معلوم ہوئی۔ معراج کی بابت آپ نے فرمایا کہ خدا نے کہا کہ میں نے اپنا علم و فہم علیؑ کو میراث میں دیا۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ جب میں مرجاؤں تب جو شے میراث دیرہا ہوں وہ ملے۔ میراث میں جو شے کسی کو ملتی ہے وہ کسی کی مہربانی یا کرم بخشش سے نہیں ملتی بلکہ استحقاقاً ملتی ہے اور جبکی میراث ہے اسکی قربت کی بناپر سب میراث میں دیا اسکے معنی یہ ہوئے کہ علیؑ کو خدا سے بہت قربت ہے اور علیؑ کو اسکا استحقاق تھا کہ انھیں خدا اپنا علم و فہم عطا کرے۔ خدا کے علم و فہم کی کوئی حد ہے یا کوئی فرد بشر بلکہ ملائکہ میں کوئی بھی اسکے علم و فہم کو پہونچ سکتا ہے ہرگز نہیں۔ اسے ہر شخص اگر وہ خدا کا قائل ہے فوراً مان لیگا۔ خدا نے اپنے علم و فہم کو علیؑ کو دیا۔ اب بتائیے علیؑ کے علم کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ کوئی نہیں۔ اور کوئی بات ایسی نہیں ہو سکتی جسکا علم انھیں نہ ہو۔ جتنی باتیں اسوقت انسان نے ترقی کرکے معلوم کی ہیں یقیناً اسکا علم علیؑ کو تھا۔ بتایا کیوں نہیں۔ بتاتے کسے اسکا اہل بھی تو ہو۔ اور لوگ تو ان سے مخالفت کررہے تھے ان سے پوچھتا کون تھا۔ کیا علوم یوں بتائے جاتے ہیں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ ہم تمہاری کچھ نہیں سنیں گے ہم تمکو نہیں مانتے اور ہم کہیں کہ مانو یا نہ مانو سنو یا نہ سنو ہم تمکو علوم کی باتیں بتائینگے۔ اور ہم اس طرح سے بتائیں بھی تو کیا جو بتائیں وہ اس شخص کو آجائینگی جن لوگوں نے علیؑ کی سنی انھیں بقدر انکے فہم کے بتایا بھی اور آج اسکی تصدیق ہو رہی ہے کہ صحیح بتایا تھا۔ مثلاً آفتاب کا قطر پوچھا گیا تو سرسری طور پر فرمایا تھا تین سو فرسخ کو تین سو فرسخ سے ضرب دیدو۔ اب فرسخ کے میل بناڈالئے اور ضرب یکر دیکھئے کہ جو موجودہ تحقیقات سے اتنی ترقی کے بعد انسان قطر آفتاب معلوم کرسکا ہے وہی حضرت نے بتایا تھا یا نہیں اتنا خیال ہے کہ میل شرعی سترہ سو ساٹھ گز کا نہیں ہے بلکہ اس سے بڑا ہے غرضکہ علیؑ کو ہر شے کا علم تھا انکے علم کو انسان ترقی کرکے نہیں پہونچ سکتا انکے علم کی کوئی حد نہ تھی اسلئے کہ خدا نے اپنا علم و فہم میراث میں دیا تھا۔

اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عقلی گڈے ہوئے مثال دیجئے کہ رسول کو علم اسقدر وسیع تھا۔ یہ میں نے دکھایا کہ حضرت علیؑ سے رسول کا علم کم نہ تھا۔ علی کی بابت ایک مثال قطر آفتاب کی دی اس زمانہ میں لوگوں کا خیال تھا کہ آفتاب زیادہ سے زیادہ زمین سے تین سو ساٹھ گنا بڑا ہے اس سے زیادہ کوئی ماننے کو تیار نہ تھا۔ اب زمین کا قطر معلوم ہوا ہے کہ قریب آٹھ ہزار میل کے ہے اور آفتاب کا نولاکھ میل سے زیادہ ہے۔ مثال دیجاتی ہے کہ گھڑے میں مٹر کا دانہ۔ گھڑا آفتاب اور مٹر کا دانہ زمین۔ زمین کو آفتاب سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ علیؑ نے آفتاب کا صحیح کا قطر بتایا جسکی اب ہزار برس کے بعد تصدیق ہوتی ہے، اور یہ علم انھیں رسول سے حاصل ہوا۔ ایک تو یہی مثال علم رسول کی ہے۔

ایک اور بات معراج سے عرض کرتا ہوں جسکی تصدیق اسوقت نہیں ہو سکتی آئندہ شائد کسی زمانہ میں ہو دنیا کو ہمیشہ فکر رہی کہ معلوم ہو آئندہ کیا ہوگا اسکی بابت نجوم سے مدد لی۔ نجوم کیا ہے، نظام شمسی میں جو سیارے معلوم تھے اُنکے اثرات تجربہ سے معلوم کئے اور اسپر آئندہ کی بابت حکم لگانا شروع کیا۔ نجوم کی بابت یہ عرض کرونگا کہ اس میں صلیت کچھ ضرور معلوم ہوتی ہے مگر تیقن کے ساتھ اعتبار نہیں کر سکتے رسولؐ نے فرمایا کہ المنجم کذاب برب الکعبہ بہ قسم فرمایا ہر نجوم کی بابت نہیں کہا کہ بالکل جھوٹ ہے۔ اس میں کچھ اصلیت ہے۔ اسپر مطول بحث نہیں کرنا چاہتا کہ کیوں نجوم پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ دو ایک باتیں عرض کرونگا۔ آپ نے سیاروں کی بابت جو کچھ معلوم کیا وہ تجربہ سے کوئی وحی نہیں نازل ہوئی تھی کہ یہ اثرات ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ تجربہ ہمیشہ صحیح ہو اور اس میں فرق ہو ہی نہیں سکتا۔ سیکڑوں تجربے زمانۂ مابعد میں غلط ثابت ہوئے۔ آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ جو آپ نے تجربہ سے اثرات ہزاروں برس پہلے معلوم کئے تھے۔ اُن میں کوئی فرق ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسی نظام شمسی میں صرف زحل تک بغیر دوربین کے ستارے معلوم تھے انھیں کے اثرات پر غور کیا اور معلوم کئے۔ اب یہ تحقیق ہوئی ہے کہ زحل کے آگے تین سیارے اور ہیں کیا وجہ ماننے کے لئے ہو سکتی ہے کہ ان تین سیاروں میں کوئی اثر نہیں ہے۔ یا وہ اس زمین پر موثر نہیں ہوتے۔ لہذا اگر جو اثرات آپ نے سات سیاروں کے قائم کئے ہیں وہ صحیح بھی مان لئے جائیں تو آپ کا نجوم غیر مکمل ہے۔ اور ہر وقت حکم صحیح نہیں ہو سکتا۔ مزید براں عدالتوں میں دیکھئے قانون صاف صاف لکھا ہوا ہے ایک حاکم اُسکے معنی لگاتا ہے دوسرا اعلیٰ حاکم اس سے اختلاف کرتا ہے اور ایک دوسرے معنی بیان کرتا ہے

عدالت عالیہ ایک تیسرے معنی کہتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے فہم کے مطابق معنی کہتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اُسکے بتائے ہوئے معنی صحیح ہوں۔ نجومی صاحب میں کیا خصوصیت ہے کہ جو وہ اثرات کواکب سے نتیجہ نکالیں اُس میں غلطی کا امکان نہیں ہے۔ مجھ سے ایک نجومی صاحب نے کانپور میں آئندہ کے لئے ایک بات بتائی وہ بالکل غلط ثابت ہوئی۔

ایک صاحب اور تشریف لائے اُن سے اسپر بحث ہوئی کہ نجوم پر اعتبار کر بھی سکتے ہیں اور آخر میں انھوں نے کہا کہ یہ واقعہ ہے کہ ہم جو بعض اوقات حکم لگاتے ہیں وہ بالکل صحیح ہوتا ہے، اور بعض اوقات بالکل غلط۔ احکام نجوم پر اعتبار ان وجوہ سے ہم نہیں کر سکتے اور اس زمانہ میں عقلائے زمانہ کو اسپر اعتبار و اعتقاد نہیں ہے۔ آپ کو یاد ہوگا ایک نجومی نے حکم لگایا تھا کہ ۱۲ر جون کو گاندھی جی مر جائینگے اور وہ ابتک زندہ ہیں۔

دوسری صورت ایک اور لیجئے۔ یورپ نے جو روحانیت میں کوشش شروع کی ہے۔ کتاب حیات بعد الموت میں ملے گا کہ ایک روح نے بیان کیا کہ کیا انسان کی زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ان سب کا ایک ملیندہ سا یا اعمال کی گٹھری کہئے ہر وقت اس شخص کے ساتھ رہتا ہے اور روح میں یہ قوت ہے کہ اسے دیکھکر بتادے کیا ہوتا ہے۔ اور بتایا بھی۔ مگر اسی کتاب میں یہ بھی ملے گا کہ بعض روح بمصالح بتانے سے گریز کرتی ہے اور کبھی کبھی غلط بتاتی ہے۔ پس انسان کا علم اسی زندگی کے آئندہ حالات معلوم کرنے میں نہایت محدود ہے۔ اور اس زندگی کے بعد آئندہ زندگی میں کیا ہوگا اس سے بالکل عاجز۔ بعض مسمریزم کے عاملوں نے معمول کے ذریعہ جہنم وغیرہ کے حالات معلوم کرنے چاہے۔ مگر معمول نے مجبوری کا اظہار کیا۔ رسول نے معراج کے بعد بتایا کہ جہنم دوزخ دیکھا اور وہاں کے کچھ حالات بھی بیان کیے۔ رسول نے وقتاً فوقتاً آئندہ حالات اس زندگی کے بیان کئے جو بالکل صحیح ثابت ہوئے۔

رسول کو آئندہ کا بھی علم تھا اور اسی زندگی کے آئندہ حالات کا نہیں بلکہ اس زندگی کے بعد جو دوسری زندگی ہوگی اسکے حالات بھی رسول کو معلوم تھے زمانہ کی ترقیہ ہے کہ وہ مستقبل غیر نیا فن ہوا اور ہمیں آج ہی آئندہ کی خبر معلوم ہوجائے رسول جانتے تھے۔ اس معراج میں بچشم خود دیکھا پھر کوئی اُن سے علم میں بڑھ نہیں سکتا۔ جتنی چاہے وہ ترقی کرے۔

تفسیر قرآن

جناب سید علی صفدر صاحب ایم اے لکھنوی

اللہ تعالیٰ کے اسم ذات اور اسم صفت کا فرق

قرآن مجید کے بیان میں یہ مسئلہ ہے کہ جب کسی شئی یا شخص کا ذکر آیا ہے اور اس شئی یا شخص کی کوئی صفت بھی اسکے ساتھ بیان ہوئی ہے تو جو کچھ اس شئی یا شخص کی بابت کہا گیا ہے اسمیں اس صفت کو اثر و دخل ہے۔

بالفاظ دیگر جب کسی موضوع کی صفت بیان کرتے ہوئے کسی امر کا استناد موضوع کیطرف ہوتا ہے تو وہ صفت اس استناد کی علت ہوتی ہے۔

اور اسکی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس شئی یا شخص کو اسی اسم صفت سے موسوم کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ یا شئی یا شخص کا اسم ذات لا کر کسی صفت کا اضافہ کیا ہے۔

مثالیں

(۱) وبشر الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت لھم جنٰت۔ اور بشارت دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے کہ انکے لئے جنتیں ہیں۔

یہاں الذین کی صفت اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت بیان ہوئی اور یہی صفت علت ہے انکے ناجی ہونے کی یا بشارت دیے جانیکی یعنی ایمان اور عمل صالح حصول جنت کیلئے ضروری ہے۔

(۲) فتاب علیکم انہ ھو التواب الرحیم۔ پس اس نے تمہاری توبہ قبول کی۔ بتحقیق وہ تواب و رحیم ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول کی اس کے ساتھ خدا کی صفت وارد ہوئی ہے۔ وہی صفت تواب انکی توبہ کے قبول ہونے میں موثر ہے۔

اور رحیم اسکی وجہ بتا رہا ہے کہ خدا کیوں تواب ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کے لئے وہ داعی الی الشر اسقدر ہیں کہ اس سے گناہوں کا ہو جانا غیر متوقع نہیں۔ پس اگر ایک گناہ ہونیکے بعد نجات کا موقع نہ دیا جائے تو یہ اسکی اسی احتیاج کے منافی ہوگا جس میں کل نوع مبتلا ہے۔ اور ماہیت تکلیف

کے خلاف ہے، لہذا اسکی توبہ کا قبول ہونا اسکی حقیقی احتیاج ہے اور رحیم ہر حقیقی احتیاج کو پورا کرنیوالا ہے لہذا رحیم ہونے سے تواب لازم آیا۔

(۳۱) والظالمین اعد لھم عذاباً الیما۔ اور ظالمین انکے لئے عذاب الیم تیار ہے۔

یعنی وہ مکلفین جنھوں نے ظلم اختیار کیا ہے۔ انکو عذاب الیم ہے آخرت کا۔ مکلفین کی صفت ظالمین آئی اور یہی صفت علت ہے انکے لئے عذاب الیم کی۔

(۳۲) وکان یوماً علی الکفرین عسیراً۔ اور یہ دن کافروں پر سخت ہے۔

وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا یوم حشر انکے لئے سخت ہے۔ علت سختی یوم کی کفر ہے۔

پس موضوع کو ایسے اسم صفت سے موسوم کردیا کہ وہ صفت محمول کی علت ہے

یہ قاعدہ معین ہوا کہ کسی شخص کا ذکر کسی صفت کے ساتھ آنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ صفت محمول کی علت ہے۔ تو اس قاعدہ کے مطابق خدائے تعالیٰ کا ذکر جب کسی اسم صفت کیساتھ آتا ہے تو وہ صفت محمول میں موثر ہوتی ہے۔

اور جب اسم ذات کے ساتھ آتا ہے تو کسی خاص صفت کا موثر ہونا ضروری نہیں ہوتا لہذا اگر رحمٰن اسم ذات ہے تو جہاں یہ نام آئیگا صفت رحمت کے آثار نہونگے خلاف رحیم کے کہ وہ اسم صفت ہے لہذا اسکے ذکر کے ساتھ صفت رحمت کا موثر ظاہر ہونا ضروری ہوگا۔

چنانچہ رحمٰن حسب ذیل آیات میں آیا ہے۔ اور وہاں صفت رحمت کا موثر ہونا واقع نہیں۔

(۱) وھم بذکر الرحمٰن ھم کافرون (انبیاء ۳) (۲) الذین ھم عباد الرحمٰن اناثا - زخرف - ۲

(۳) ما یمسکھن الا الرحمٰن - ملک ۲ (۴) وھم یکفرون بالرحمٰن - رعد - ۳

(۵) لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن - زخرف ۲ (۶) ایھم اشد علی الرحمٰن عتیا - مریم - ۷

(۷) انی نذرت للرحمٰن صوماً - مریم - ۳ (۸) ان الشیطان کان للرحمٰن عصیا - مریم - ۵

ان تمام آیات میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں صفت رحمت کو دخل نہیں۔ لہذا رحمٰن بطور اسم ذات کے آرہا ہے۔

رحیم کا صرف اسکے خلاف ہے۔ جہاں کہیں آیا ہے صفت رحمت اُس بات میں موثر ہے جسکا ذکر ہے۔ چنانچہ رحیم حسب ذیل آیات میں آیا ہے۔

(۱) واستغفروا ربکم ثم توبوا الیہ ان ربی رحیم ودود - اور استغفار کرو اپنے رب سے اور توبہ کرو بیشک میرا رب رحیم اور مہربان ہے۔

جیسا کہ اوپر ثابت کیا ہے قبول استغفار اور توبہ میں صفت رحمت موثر ہے

(۲) سلام قولاً من رب رحیم۔ اہل جنت پر خدا کیطرف سے سلامتی نازل ہوگی۔ اور یہ فعل تقتضاء رحمت سے ہے۔

(۳) فمن اللّٰہ علینا ووقنا عذاب السموم۔ انا کنا من قبل ندعوہ۔ انہ ھو البر الرحیم۔ پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور عذاب سموم سے بچایا۔ اس سے قبل ہم اسی سے دعا کیا کرتے تھے بہ تحقیق وہ احسان کرنیوالا رحیم ہے۔

یہاں اقتضاء رحمت موثر ہے ان لوگوں پر احسان کرنے اور عذاب سے بچانے میں۔

(۴) یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا وھو الرحیم الغفور۔ جانتا ہے جو زمین میں جاتا اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو آسمان کیطرف چڑھتا ہے اور وہ رحیم و غفور ہے۔ (یعنی پانی اور دانہ اجناس کا زمین میں نفوذ کرنا اور اس سے نبات اور چشمہ کا پھوٹ نکلنا اور پانی کا برسنا اور ملائکہ کا وحی لانا اور بخارات کا صعود وغیرہ وغیرہ یہ امور بندوں کی احتیاج کے کفیل اور گناہ سے بچانیوالے ہیں اسواسطے تقتضاء رحمت و غفران سے ہیں۔

(۵) فان تابا واصلحا فاعرضوا عنھما ان اللّٰہ کان توابا رحیما۔ پھر اگر وہ دونوں توبہ کرلیں اور اصلاح اختیار کریں تو انکو چھوڑ دو۔ بہ تحقیق اللہ تواب و رحیم ہے۔

صفات تواب و رحیم کو عاصیوں کی توبہ کے قبول ہونے میں دخل ہے۔ جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا

(۶) یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل ولا تقتلوا انفسکم ان اللّٰہ کان بکم رحیما اے مسلمانوں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور اپنے نفوس کو قتل نہ کرو (ناحق) بہ تحقیق اللہ تم پر رحیم ہے

یعنی خداوند عالم رحیم ہے یعنی تمہاری احتیاجوں کا پورا کرنیوالا ہے اسواسطے ناجائز طریقہ سے مال نہ کھاؤ نہ ایک دوسرے کو قتل کرے کہ وہ خود تمہارے ضروریات کا کفیل ہے اور اسواسطے ایسا حکم نافذ فرمایا جسکی نظام معاشرت کو احتیاج تھی۔

(۷) وان تصبروا خیر لکم۔ واللّٰہ غفور الرحیم۔ یہ آیت کنیزوں سے (جو غیر کی ملکیت ہوں) نکاح کے جواز میں ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو آزاد مومنات سے نکاح کرنے پر مستطیع نہیں۔ بس حکم آیا کہ اگر تم کو گناہ میں مبتلا ہونیکا خوف ہے تو ایسا نکاح کرلو۔ اس حکم نے نہ صرف ایک حاجت کو پورا کیا ہے بلکہ ایک بڑے گناہ سے بچالیا ہے اسواسطے صفت غفور و رحیم موثر ہے۔ واضح ہو کہ غفور اور غفران

پاداش گناہ سے بچانے والے اور بچانے کے معنی میں آتا ہے۔ لہذا ایسا ظلم جو گناہ سے بچانے کے لئے ہو صفت غفور کے اثر سے ہوا

(۸) ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ اور اگر یہ لوگ جب اپنے نفسوں پر ظلم کیا تمہارے پاس آتے اور خدا سے استغفار کرتے اور رسول بھی انکے لئے استغفار کرتا تو وہ ضرور خدا کو تواب و رحیم پاتے۔ یہاں قبول توبہ میں صفت رحیمی موثر ہے۔

(۹) ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور وکان بالمومنین رحیما۔ وہ خود تمہیر توفیقات نازل کرتا ہے اور ملائکہ دعا کرتے ہیں کہ تمہ تاریکیوں سے نور کیطرف نکال لائیں اور وہ مومنین پر رحیم ہے۔

ان مثالوں سے واضح ہو گیا کہ رحمٰن اسم ذات ہے اور رحیم اسم صفت ہے۔

قرآن مجید میں اسم رحمٰن بطور اسم ذات کے متعدد مقامات پر آیا ہے جہاں کسی معنی وصفی کیطرف اشارہ نہیں ہے یعنی ایسے محل پر یہاں صفت رحمت موثر نہیں ہے۔

لیکن جہاں نصاریٰ سے مخاطبت ہے یا انکا ذکر ہے یا بالخصوص انکے باطل عقائد کا ذکر ہے تو خدا کے لئے اسم رحمٰن آتا ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ رحمٰن ان سے خصوصیت رکھتا ہے مثلاً

۹۔ مریم۔ وقالوا اتخذ الرحمن ولدا

۳۔ انبیاء۔ وقالوا اتخذ الرحمن ولدا

۱۰۔ مریم۔ ان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمن عبدا

۳۔ مریم۔ انی نذرت للرحمن صوما

۱۰۔ مریم۔ ان دعوا للرحمن ولدا

۱۰۔ مریم۔ وما ینبغی للرحمن

۹۔ زخرف۔ قالوا ان کان للرحمن ولد ا

ثبوت اس امر کا کہ مشرکین عرب اصلاً شریعت حضرت ابراہیم پر تھے مگر بعد کو ان میں شرک بھی داخل ہو گیا تھا۔

(۱) یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کی تصویریں خانہ کعبہ میں جو مشرکین عرب کا معبد تھا موجود تھیں۔

(۲) قرآن مجید میں اخبار ہے کہ حضرت ہودؑ کی بعثت احقاف میں ہوئی جو عرب کا ایک حصہ ہے
(۳) عرب کے قدیم کتبوں سے جو اب تک موجود ہیں قدیم الایام میں عرب کا شریعت ہودؑ پر ہونا ثابت
ہے۔ چنانچہ ارض القرآن جلد اول صفحہ ۳۲ - ۳۳ سے یہ اقتباس اسکی سند پیش کرتا ہے۔
" امیر معاویہ کے زمانہ میں (۴۰ھ سے ۶۰ھ تک) عبدالرحمٰن مصر کے گورنر تھے۔ انھوں نے حضر موت کے منہدم شدہ قلعہ "حصن غراب" پر جو کتبہ پایا تھا اسکا ترجمہ عربی زبان میں حسب ذیل ہے:-
ونصطاد صید البر بالخیل والقناء وطوراً نصید النون من لجج البحر یلینا ملوک
یبعدون عن الجفاء شدید علی اہل الخیانۃ والغدر تقیم لنا من دین ھود
وشرایعا ونومن بالآیات والبعث والنشر اذا ما عدو حل رضنا نرید نا برزنا جمیعا
بالمثقفۃ السمر۔
(ترجمہ) ہم گھوڑوں اور برچھیوں سے خشکی کا شکار کرتے ہیں اور دریا کی گہرائیوں سے مچھلیاں نکال لاتے ہیں ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں جو بدکاری سے دور رہتے ہیں اور خائنوں اور غداروں پر سخت ہیں ہمارے لئے دین ہودؑ کے مطابق شرائع قائم کرتے ہیں اور ہم ایمان رکھتے ہیں آیات وبعث ونشر پر جب کوئی دشمن ہمارا قصد کرکے ملک میں آتا ہے تو ہم گندم گوں نیزے لیکر نکل پڑتے ہیں۔
یہ کتبہ علامہ نویری نے اپنی تاریخ مسالک الابصار میں نقل کیا ہے لیکن تاریخ مذکور اسوقت ہمارے پیش نظر نہیں۔ ہے فارسٹر صاحب نے نویری کی کتاب سے اسکو نقل کیا ہے اور ہم نے فارسٹر کی کتاب سے۔
۱۸۳۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک مشن یمن بھیجا تھا اسکو بھی کتبہ اصل قدیم حمیری خط میں ملا۔ اصل کتبہ عاد کے ذکر میں آئیگا یہ کتبہ فارسٹر صاحب کی تحقیق کے موافق قوم عاد کا ہے اور عرب کے قدیم ترین کتبات میں سے ہے"
" مورخ کلبی کے زمانہ میں قبیلہ ذو الکلاع کے ایک شخص نے یمن میں ایک تخت پایا جسپر ایک مرد کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اسکے سامنے ایک زریں سپر تھی جسپر سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا اسپر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی (یہ عبارت حمیری عبارت کا ترجمہ ہوگی)
بسم اللہ رب حمیر انا حسان بن عمرو القیل - بنام اللہ جو رب ہے حمیر کا میں حسان بن عمرو القیل ہوں
ان تاریخی شہادتوں سے عرب میں شریعت ہودؑ کا رواج ثابت ہے اور یہ کہ اللہ کا نام اُن میں مروج تھا اور یہ کہ بسم اللہ ابتداء کار میں مشروع تھا قوم عاد جسکا قرآن مجید میں ذکر ہے اسکی تاریخی شہادت بھی حاصل ہے۔

بحث در معنی رحمت

رحمت ۔ ایک حرکت نفسانی ہے جو کسی کو احتیاج میں پاکر نفس انسان پر طاری ہوتی ہے یہ کیفیت المناک ہے اور آمادہ کرتی ہے محتاج کی احتیاج رفع کرنے پر یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات الم و سرور و دیگر حرکات نفسانی (جذبات) سے منزہ ہے ۔ کیونکہ جذبات تغیرات نفس کی کیفیت ہیں ۔ اور واجب الوجود تغیر قبول نہیں کرتا تغیر سے ممکن الوجود و حادث ہونا لازم آتا ہے جس کی توضیح مقدمۂ اولیٰ میں ہو چکی ہے ۔

لہذا رحمت اور رحیم کا انتساب خدا کی طرف معنی حقیقی سے کرنا مستلزم محال ہے یعنی محال لازم آتا ہے ۔ اگر خدا کو اس معنی سے رحیم کہیں یا اس معنی میں رحمت خدا بولیں ۔

لہذا رحمت سے احتیاج کا پورا کرنا مراد ہوا جو رحمت کا لازم ہے ۔ یعنی رحمت یا رحیم مجازاً صرف ہوا ۔ اور مجاز مرسل ہے کہ لازم بولا گیا اور ملزوم مراد لیا گیا لہذا رحیم سے مراد بندوں کی احتیاج کا بڑا پورا کرنے والا ہوا ۔

الرحمٰن پر الرحیم لانے کا فائدہ

رحمٰن چونکہ علم ہے کسی معنی پر دال نہیں ۔ لیکن چونکہ یہ نام اس وجہ سے اختیار کیا گیا کہ باری تعالیٰ بڑی رحمت والا ہے ۔ اسواسطے اسم رحمٰن اس وصف کی طرف بھی مشیر ہے ۔ اگرچہ علمیت مانع ہو کہ شدت رحمت پر دلالت کرے ۔

لیکن جب اسم الرحیم وارد ہوا ۔ جو خود صیغۂ مبالغہ ہے ۔ انتہائی رحمت پر دلالت ہوئی اور کمال رحمت ثابت ہوا ۔ اور یہ معنی حاصل ہوئے کہ بندوں کی ہر احتیاج کو پورا کرنیوالا ہے ۔

خداوند عالم ہر بندہ کی ہر حاجت کا پورا کرنیوالا ہے ۔ بشرطیکہ احتیاج حقیقی ہو یعنی درست ہو اگر یہ کہا جائے کہ بہت لوگ اپنی حاجتوں کی طلب خدا سے کرتے ہیں اور اکثر وہ حاجتیں پوری نہیں ہوتیں پھر خدا ہر بندہ کی ہر حاجت کا پورا کرنیوالا کیونکر ہے ۔

جواب ۔ انسان کا مطلوب دو چیزیں ہو سکتی ہیں ۔ یا تو دنیا کی نعمتیں جو ناقص ہیں ۔ چند روزہ ہیں یا آخرۃ کی نعمات جو ابدی ہیں بدرجہا بہتر ہیں نہ انکو الم لازم ہے نہ وہ کسی دوسری نعمت سے محروم کرنیوالی ہیں ۔

ان دونوں میں مطلوب اخروی بدرجہا بہتر ہے اور اسقدر عظیم ہے کہ جو شے اس سے مانع ہو جائے وہ سخت مضر ہے ۔

اسواسطے ہر مطلوب دنیوی جو خسران آخرۃ کا سبب ہو سخت مضر ہے اور حقیق مطلوب ہیں چونکہ باوصف مزاحم کے خیر کے اختیار کرنے پر نعمات اُخروی کا حصول موقوف ہے۔ یعنی ثواب آخرۃ اسوقت حاصل ہو گا جب انسان باوجود زحمت کے اعمال حسنہ بجالائے۔

لہذا اعمال حسنہ میں زحمت اُٹھانا مطلوب ہوا۔ اور دنیا کی تکالیف اور مصائب اعمال خیر کے مزاحم بھی ہوتے ہیں اسواسطے مومن کے لئے دنیا کی تکالیف اور مصائب مطلوب ہوئے اکثر دنیوی مطلوب اپنے نتیجہ میں مضر آخرت ہوتا ہے۔

انسان یا تو بالکل آخرت سے غافل ہوتا ہے یا اپنے مطلوب کا مضر آخرت ہونا نہیں جانتا اسواسطے کسی دولت۔ بیٹا۔ بیٹی۔ کسی مکان یا جائداد کے لئے دعا کرتا ہے جو ممکن ہے کہ اس کی آخرت کے لئے مضر ہو۔ اکثر وہ ناجائز اور حرام اشیاء کے لئے دعا کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو حاجت بندے کی پوری نہیں ہوتی وہ عسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم کی مصداق ہوتی ہے (یعنی ہو سکتا ہے کہ کسی شئی کو تم عزیز رکھتے ہو درحالیکہ وہ تمہارے لئے شر ہو آیت قرآن)

گلستان شریعت کا پھول

علامہ شیخ مفید رحؒ کے مختصر حالات

نمبر ۲

معصومۂ عالم کی زیارت خواب میں شیخ مفید رحمۃ اللہ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ مسجد کرخ میں بیٹھے ہیں اور جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حسنین علیہما السلام کو لئے ہوئے تشریف لائیں آپ نے مؤدب ہو کر سلام کیا معصومہ نے شہزادوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ان دونوں کو علم فقہ کی تعلیم دیجئے یہ خواب دیکھکر بیدار ہوئے متحیر تھے کہ صبح ہوئی اور مسجد میں فاطمہ بنت ناصر جن کا سلسلۂ نسب صرف آٹھ پشتوں کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام تک پہونچتا تھا اپنے دونوں کمسن صاحبزادوں سید مرتضیٰ اور سید رضی کو لئے ہوئے تشریف لائیں علامہ نے تعظیم کی فاطمہ نے فرمایا کہ دونوں بچوں کو اسلئے لیکر آئی ہوں کہ انھیں

فقہ کی تعلیم دو یہ سنکر جناب شیخ مفید کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آبدیدہ ہوکر رات کا خواب بیان کیا اور اپنی انتہائی کوششوں سے دونوں صاحبزادوں کو درجۂ کمال پر پہونچایا اور دونوں سیدانکی مجلس درس سے علامۂ روزگار بنکر نکلے۔

یہ خواب جناب علامہ کے بلند مرتبہ ہونیکا قوی ثبوت ہے۔

امام زماں سے خط و کتابت امام عصر حجاب غیبت میں ہیں اور غیبت کبریٰ کا دور رفتہ رفتہ بڑھ رہا ہے وہ رشتہ جو امام اور رعیت میں ہونا چاہیئے مادیت کے سیلاب نے قطع کر دیے ہیں رہروان جادۂ نجات امام کے انوار علوم سے فیضیاب ہیں مگر اسی طرح جیسے دامن سحاب میں چھپ جانیوالا آفتاب نور پاشی سے عالم کو چمکاتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے روحانیت اور ریاضت میں کمال حاصل کیا ہے امام کے بلاواسطہ فیض سے محروم ہوکر کف افسوس ملتے ہیں مبدا فیاض نے ان کے آئینۂ دل سے گرد ملال دور کرنے کے لیئے المکتوب نصف الملاقات کا ذریعہ پیدا کیا اور امیدنامہ و پیام نے ناتوان قلب کو تسکین دی یہ خصوصیت بھی انفرادی حیثیت سے جناب علامہ سے خاص ہے کہ آپ کو امام زماں نے رسل و رسائل کے شرف سے مشرف کیا اور کسی تحریر میں آپ کو قدرشناس امام نے اپنا ہمراز کہیں مجاہد اور کسی جگہ دوست اور کہیں بھائی سے یاد کیا ہے۔

شاگرد اس عنوان میں کامیابی اسی وقت ہوسکتی ہے جب حضرت علامہ کا کوئی مستقل تذکرہ ہمارے پیش نگاہ ہوتا عہد کرامت عہد کو کم و بیش ایک ہزار سال کی طویل مدت گزری ہے۔ امتداد زمانہ نے آج کوئی کتاب ایسی باقی نہیں رکھی جسمیں علامہ کی مکمل سوانح عمری موجود ہو۔ کتب رجال کی سیر سے صرف اسقدر پتہ چلتا ہے کہ جناب علم الہدیٰ آقا سید مرتضیٰ طاب ثراہ حضرت علامہ کے مناظروں کی تدوین کرنے پائے تھے بہت ممکن ہے کہ مستقل طور پر سوانح حیات مدون ہی نہوئی ہو۔ کتب رجال بیشک آپ کے حالات سے چھلک رہے ہیں۔ مگر تلامذہ کا باب تشنۂ تفصیل ہے محقق بحرانی نے اس موضوع کی تکمیل یوں کی ہے۔

کلمن تاخر عنہ استفاد منہ جو بھی آپ کے بعد گذرا اسکا سلسلۂ استفادات انھیں جناب تک پہونچ کے رہتا ہے اور یہ ایک واقعہ ہے کہ تمام علمائے شیعہ کے سلسلۂ تلمذ کی کڑیاں جناب علامہ تک پہونچی ہیں اور جتنے بانیان ملت گذرے ہیں وہ سب اسی میکدہ کے جرعہ نوش ہیں مشاہیر تلامذہ کے اسماء یہ ہیں:-

(۱) سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ارشد تلامذہ میں تھے آپ کو ارباب رجال نے وحید الدہر تسلیم کیا ہے اور عالم

رویا میں جناب امیرالمومنین نے علم الھدیٰ کا لقب دیا ۴۳۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی بعد وفات آپکی کتابوں کا شمار اسی ہزار کی بڑی تعداد میں کیا گیا۔

(۲) سید رضی طاب ثراہ ارباب رجال نے آپ کو شعر قریش کے گرانقدر لقب سے یاد کیا ہے، نہج البلاغہ کی تدوین کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے ۴۰۶ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔

(۳) شیخ ابو علی طوسی محدثین امامیہ میں بہت بڑے شخص تھے مصباح متہجد کبیر اور دیگر مشہور کتابیں آپکے باقیات الصالحات میں سے ہیں ۴۶۰ھ میں آپنے دنیائے ناپائیدار کو چھوڑا۔

(۴) شیخ ابوالعباس احمد بن علی بن احمد نجاشی علم و کمال میں ممتاز تھے حکومت وقت کی طرف سے اہواز کی ولایت آپکو دیگئی تھی ۴۵۰ھ میں آپنے رحلت فرمائی۔

(۵) شیخ ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن احمد بن عباس دوریستی علم و کمال میں شہرۂ آفاق اور صاحب تصانیف تھے آپ کی اولاد میں مدتوں جوہر علم چمکا کیا۔

وفات حسرت آیات ۳ ماہ صیام ۴۱۳ھ شب جمعہ کو ۷۶ سال کی عمر میں ظلمتکدہ دہر سے منہ موڑ کے عالم بقا کا سفر کیا اور بغداد کے مقام اشنان میں جنازہ نماز کے لئے لایا گیا مشایعت کرنیوالوں کے ہجوم سے یہ میدان وسیع تنگی کر رہا تھا اور مرنیوالے کے ماتم میں اہل اسلام کی فلک شگاف صداؤں سے صاف ظاہر تھا کہ دین کے بادشاہ کا جنازہ ہے جناب کے حالات میں ہے۔

"آپ کے جنازہ پر دوست دشمن کی کثرت عوام الناس کا ہجوم دیکھکر اندازہ ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ مصیبت خیز دن کسی نے نہیں دیکھا" ابن کثیر شامی نے اس مجمع کا اندازہ اسی ہزار نفوس کیا ہے۔ جناب سید مرتضیٰ علم الھدیٰ نے نماز جنازہ پڑھا کر استاد کی آخری خدمت انجام دی اور لاش آپکے مکان ہی میں سونپ دی گئی دو سال تک گھر میں دفن رہے پھر روضۂ کاظمین کیطرف جنازہ منتقل کیا گیا اور امام محمد تقی علیہ السلام کے پائین یا شیخ ابوالقاسم جعفر بن محمد ابن قولویہ کے پہلو میں سپرد خاک کیے گئے ہمیں افسوس ہے کہ آپکے بعض رقیبوں نے خبر انتقال سنکر مسرت کا مظاہرہ کیا اور امام یافعی نے جب رحلت کی خبر پائی تو اراح اللہ منہ کہا اور جب ابوالقاسم خفاف کو وفات کی اطلاع ہوئی تو فرط مسرت سے اپنے مکان کو آراستہ کیا اور احباب کو حکم دیا کہ جوق جوق آکر مبارکباد دیں آپکے معاصرین کی یہ تنگ خیالی جسقدر افسوسناک ہے وہ ناقابل بیان ہے۔

لوح مزار شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستری علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں کہ بعد دفن قبر شریف پر دست غیب سے یہ ابیات لکھے ہوئے پائے گئے۔

لاصوات الناعی بعد ان الا — یقوم علی آل الرسول عظیم

ان کنت غیبت فی جدث الثری — فالعلم والتوحید فیک مقیم

والقائم المهدی بفرح کلما — تلیت علیک من الالہ رسوم وعلوم

یہ اشعار امام زماں کیطرف منسوب ہیں اور حاصل مضمون یہ ہے کہ آپ کی خبر وفات سنانیوالا آواز بلند کرتا ہے کہ آپ کا روز انتقال وہ روز ہے جو آل رسول پر نہایت دشوار ہے اگر آپ گوشۂ قبر میں آرام کرتے ہیں تو علم و توحید دونوں آپ کے سینہ میں اقامت گزیں ہیں جبتک آپ سے لوگ علم دین حاصل کرتے رہے قائم آل محمد فرحاں و شاداں تھے۔ (اڈیٹر)

اعلاء کلمۃ الحق

از جناب سید حسین علیشاہ صاحب حیدرآبادی دام مجدہٗ

نمبر ۲

سرمایہ:- ہر زمانہ میں بالعموم اور فی زماننا بالخصوص انسان کی ہر قسم کی دینی و دنیوی امور کے لئے اسکی شدید ضرورت ہے۔ چنانچہ کسی نے خوب کہا ہے کہ "اے زر تو خدا نہیں و لاکن بخدا۔ ستار عیوب قاضی الحاجات" پیسہ انسان کے مدارج میں ترقی کا باعث ہوتا ہے جسکو ہندی میں یوں کہا گیا ہے:۔ مایا کے تین نام پرسو۔ پرسا۔ پرسرام" علاوہ ذاتی خوشحالی کے سرمایہ کو انسان قومی کاموں میں لگا کر قوم کی دولت میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ مثلاً مختلف صنعتی و تجارتی اداروں کا قائم کرنا جو کم از کم قوم کی بے روزگاری کو دور کرنے کے علاوہ افراد قوم میں کام کرنیکی صلاحیت۔ محنت، مستعدی اور کفایت شعاری کی روح بھی پھونک سکتا ہے اور تب ہی جا کر لیس للانسان الا ما سعیٰ حقیقی معنوں میں انسان پر صادق آسکتا ہے۔

ایثار:- یہ ایک ایسا شریف جوہر ہے کہ اس کے برتنے کے بعد ہر انسان ایک نہ ایک حد تک نہ صرف ذاتی اطمینان کا ذمہ دار ہوتا ہے بلکہ قومی فلاح دارین کا بھی باعث بن سکتا ہے۔ ہمارے ہادیان

طریقت نے اس جوہر کو کما حقہ برت کر ہم تمام کے لئے اچھا خاصہ سبق بھی دیدیا ہے جس سے اکثر و بیشتر اہل اسلام بخوبی واقف ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کا معمولی لباس پہننا اور جناب قنبر رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو عمدہ لباس پہنانا ایسی صورت میں کیا ہم ادنیٰ غلامان حیدر کرار کے لئے اپنے آقا و مولا کی امکانی تاسی لازم نہیں ہوجاتی (فافہم) اسی ایثار کو برتنے کا نتیجہ ہم نے اخبار میں پڑھا تھا کہ دشمن ہنود قوم نے کستوربائی گاندھی کے دیہات سدھار فنڈ میں غالباً دو سال میں ایک کروڑ ۴۲ لاکھ روپیہ جمع کرلیا ہے۔ کیا ہمارے یہاں بھی اس قسم کا ایثار ہوا ہے اگر نہیں تو ”ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا“ کی مثل کا صادق آنا لازم۔ اب بھی ہم یوں خذ ما صفا کے تحت اگر چاہیں تو کچھ نہ کچھ تو ضرور کرسکتے ہیں۔

امداد باہمی:۔ بوجہ اخوت اسلامی ہر مسلم کو اسکی سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی کے اشعار مندرجہ عنوان بھی اسکے فطری تقاضہ کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں جو سوشل اور معاشی ترقی کی تحریک اس نام (Co-operative) سے جاری ہے اس کا مطمح نظریہ ہے ”ہر فرد کل کے لئے اور کل ہر فرد کے لئے“ جس کو انگریزی میں Each for all and all for each کہا گیا ہے۔ عجیب معنی خیز جملہ ہے۔ اب خود تمام با فہم قاری قرآن اپنے تبحر علمی سے اس نتیجہ پر پہونچ جائینگے کہ یہ جملہ کوئی انوکھا نہیں ہے، بلکہ آج سے تیرہ سو پینسٹھ سال قبل ہی ہمارے قرآن میں اسکے مرادف تو درکنار اس سے بدرجہا زیادہ موثر آیتیں موجود ہیں۔ حضرات گھر کی باتوں پر ضرورت صرف تدبر و تفکر کی بحکم محکم پروردگار عالمین ہے۔ اگر خوش بختی سے یہ حاصل ہوجائے تو پھر ہم باآواز دہل کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ برخلاف تمام مذاہب عالم کے رہبانیت اسلام میں جائز نہیں ہے جسکے بظاہر یہی معنی ہوسکتے ہیں کہ اہل اسلام کے لئے ہر دو دینی و دنیوی ترقیات ایک دوسرے کے جزو لاینفک یا توام قرار دیے گئے ہیں لہذا ان دونوں کی ترقی کے حصول کے لئے جسقدر ممکن ذرائع ہوں ان کو جائز طور پر عمل میں لانا ہر ذی فہم مسلم کا خوشگوار فریضہ ہونا چاہیئے۔ امداد باہمی پر تو ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ ہم صرف اسقدر عرض کرینگے کہ فلاح دارین کے حصول کے لئے ایک دوسرے کی امداد یا مخلصانہ تعاون کی من المہد الی اللحد ضرورت ہے ورنہ عالم اسباب کا مطلب فوت اور پھر فعل الحکیم لایخلوا عن الحکمۃ کا مقولہ بھی غلط ہوکر رہیگا (اے معاذ اللہ دپناہ بخدا)

اخوت کے متعلق ہم مجبور ہیں کہ مسٹر ایچ۔ جی ویلز ایک محقق انگریز کی رائے بغرض استفادہ اہل اسلام درج کردیں وہ ”قرآن کے بھائی چارہ“ کی سرخی کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

" قرآن کو یورپینوں نے بہت پڑھا ہے اور جہالت کیوجہ سے اس میں ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو درصل اس میں نہیں ہیں قرآن نے اللہ پاک کے حکم کے ماتحت اسلام کو سخت مواخات (بھائی چارہ) میں جکڑ رکھا ہے اور یہ مواخات ایسی ہے جو نسل. رنگ. زبان کے امتیازات سے ارفع ہے اور اسکے سامنے مسیحی بھائی چارہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا "

عاقبت :- ہم جیسا بے بضاعت شخص تو کیا اس حد درجہ اہم مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی جسارت کر سکتا ہے. البتہ ہمارے علمائے کرام رضوان اللہ عنہم ہی فی زماننا بمصداق علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ہو سکتے ہیں جو اسکی اہمیت عوام الناس کو بتلاکر انکی رستگاری کے باعث بن سکتے ہیں. اس قسم کے رشد و ہدایت کے صلہ میں یہ مقدس نفوس خیر الناس من ینفع الناس کے اس دنیا میں مصداق ہوکر الفاظ قرآنی میں درگاہ احدیت سے بھی احیا الناس جمیعا کا مفتخر خطاب حاصل کرینگے. ویسے تو قرآن کریم میں عاقبت کے یقینی ہونے اور وہاں کی جزا و سزا کا متعدد مقامات پر ذکر ہوا ہے مگر ہم یہاں پر صرف ایک ہی آیۂ شریفہ درج کرتے ہیں فہو ہذا. الا الی اللہ تصیر الامور" ترجمہ" آگاہ ہو کہ تمام امور کی بازگشت اللہ کے یہاں ہوگی، نامناسب نہوگا اگر ہم اس آیت کے متعلق ایک واقعہ سے بھی اہل اسلام کو روشناس کرادیں تو نامناسب نہ ہوگا. وہ یہ کہ ایک شخص جہاز پر قرآن کی تلاوت کر رہا تھا. اثنار تلاوت میں جہاز کے ہچکولوں سے اسکے ہاتھ سے قرآن چھوٹ کر دریا میں گرا. جب غوطہ زن اسکو نکالتے ہیں تو اس پاک کتاب کے تمام حروف بجز اس آیۂ ربانی ہدایہ کے محو ہوگئے تھے. قرآن میں بفحوائے لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین تمام خشک و تر کا مذکور ہے یعنی موعظہ و حکمت. قصص انبیاء. فلاح دارین کے ممد و معاون احکام عبادات وغیرہ وغیرہ. اور قرآنی آیات کے اثرات اور فیوض سے بھی تمام لوگ واقف ہیں. یعنی یٰسین کو قلب قرآن اور سلام قولا من رب الرحیم کو جان یٰسین کہا جاتا ہے. (۷۰) مرتبہ اگر سورہ فاتحہ پڑھا جائے تو بحکم خدا مردہ تک زندہ ہو سکتا ہے. تین مرتبہ سورۂ توحید کی تلاوت کا ثواب ختم قرآن کے برابر ہوتا ہے لیکن ان تمام امور کی متعلقہ آیات اور باقی تمام قرآن کا یکدم محو ہو جانا اور صرف اسی آیۂ شریفہ کا علی حالہ باقی رہنا تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا کہ ہر اہل دل مسلم کو اسکی حد درجہ اہمیت پر باسانی محمول کرنے پر مجبور کریگا. اگر بالفرض محال عاقبت کوئی اہم شئی نہ ہوتی تو پھر کیوں ہمارے رسول کریم اور انکی اولاد مطہرین کو باوجودیکہ آیت تطہیر کی رو سے خلعت معصومیت سے سرفراز فرمائیے گئے تھے عاقبت کے مواخذہ کا خیال رہتا تھا. چنانچہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کا شب ضربت یہ کہنا "آہ آہ من قلت الزاد وطول السفر" اور سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام کا خانہ کعبہ میں بحالت سجدہ رونا اور سر اقدس اٹھانے پر

سائل کے اس معروضہ پر یابن رسول اللہ انت معصوم وتبکی (یابن رسول اللہ آپ معصوم ہوکر روتے ہیں) جواباً ارشاد فرمایا وما لنا عند اللہ قرابۃ (یعنی خدا سے ہماری کوئی رشتہ داری نہیں ہے) یہ بھی ہم تمام پر عاقبت کے یقینی ہونے پروردگار کے مواخذہ سے آگاہ اور متنبہ کرتا ہے۔ ہم نے مانا کہ بقول۔ جن کے رتبے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے،، مگر تاہم ہم لوگوں کا بھی کچھ نہ کچھ نہ لوظ فی صدہ تک حصہ ہونا چاہئے۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان تکلیف مالا یطاق کے مدنظر اس حصہ سے انکار نہ کریگا۔ پس اگر اس حصہ کو ہر مسلم اپنے لمحات فرصت میں ٹھنڈے دل سے غور کے بعد اس سے عہدہ برآ ہونیکی سعی کرے تو انشاء اللہ العزیز ایسا شخص بفضلہ اکثر و بیشتر گناہوں سے محفوظ بھی رہ سکے گا فھو المراد واللہ المستعان۔

اب ہمکو دیکھنا ہوگا کہ آیا خداوند عالم نے فراہمی سرمایہ اور اسکے جائز مصرف قومی کا بھی کوئی حکم قرآن میں دیا ہے یا نہیں؟ تمام قارئین قرآن فوراً کہدینگے کہ دیا ہے اور تنظیمی زکوٰۃ کے تحت دیا ہے قرآن میں اکثر مقامات پر جہاں نماز کا حکم ہے اسکے ساتھ ہی ایتاء زکوٰۃ کا بھی حکم ہے۔ مگر افسوس کہ کچھ عرصہ سے اہل اسلام نے اس خدائی ٹیکس کی تنظیمی اجرائی کو چھوڑ دیا ہے۔ اور قومی ادارہ جات و دیگر جائز ضروریات کے کما حقہ نہ چلنے اور تکمیل نہ پانے کا اگر کوئی سبب ہو سکتا ہے تو یہی چھوڑنا ہے۔ خدائے پاک سرکار نجم الملۃ طاب ثراہ اور سابق راجہ صاحب محمود آباد کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے کہ ان ہردو نے اپنے مخلصانہ درد قومی کے تحت اپنی بالغ نظری سے مدرسۃ الواعظین کی بنا ڈالی اور اس کے تحت انگریزی رسالہ "مسلم ریویو" کا اجرا بھی عمل میں آیا چونکہ ہم اس رسالہ کے قریب ۱۴ سال تک خریدار رہے ہیں ہم بلاخوف رد کہہ سکتے ہیں کہ اس رسالہ نے بلاد یورپ و امریکہ وغیرہ میں جو تبلیغ دین حقہ کا ٹھوس کام کیا ہے وہ کسی دیگر رسالہ کو نصیب نہ ہوسکا۔ جیسا کہ ہم نے ہر کام سرمایہ کی ضرورت کا ذکر کیا ہے اس رسالہ کی کثیر اشاعت کے لئے بھی معتدبہ سرمایہ محفوظ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سرکار نجم الملۃ مرحوم نے اپنے آخری چند سالوں میں قوم سے کئی بار اپیل بھی کی مگر افسوس کہ ہمارے قومی جمود و بے حسی کے باعث صدائے برنخواست ہی کا معاملہ رہا حسن اتفاق سے اسی رسالہ کی اشاعت ستمبر ۱۹۲۱ء میں ایک صاحب نے تنظیمی زکوٰۃ یا بیت المال قائم کرنیکی تجویز پیش کی جس میں زکوٰۃ کے نصاب کے لئے ۷/۱-۲ تولہ سونا قرار دیا تھا جسکی قیمت اسوقت تقریباً ۳۰۰ ہوتی تھی ہمارے قلب ضعیف پر تو اسکے پہلے ہی سے سرکار نجم الملۃ اعلی اللہ مقامہ کی اپیلوں نے اچھا خاصہ اثر کیا تھا اسپر مذکورہ بالا مضمون نے تو دل میں ایک آگ سی لگا دی بقول "ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہمکو" چنانچہ ہم نے بھی اپنے کسی قدر معاشی تجربہ کی بنا پر

ماہ نومبر ۱۹۴۱ء کے مسلم ریویو اور رسالہ البرہان لدھیانہ کی اشاعت ہائے جون جولائی ۱۹۴۲ء بزبان انگریزی و اردو علی الترتیب تنظیمی زکوٰۃ پر کسی قدر شرح و بسط سے اپنے حقیر خیالات کا اظہار کیا تھا اور قوم کی آبادی کو دو کرور تصور کرتے ہوئے اس میں نصف بوجہ صنف نازک خارج کر کے مابقی سے بھی یک ثلث کی کمی کر بعد صرف (۶۶۶۶۶۶۷) افراد کی تعداد ادائی زکوٰۃ کے لئے قائم کرتے ہوئے ان پر مذکورہ بالا ۳۰۰/- کا ۱/۴۰ بحساب ۷/۸/- فی صد مبلغ ۷/۸/- سالانہ عائد کی تھی جو صرف فی ماہ ۱۰ آنہ پڑتی تھی شرح مذکورہ بالا کی رو سے قوم سے ہر سال ۵ کرور کی خطیر رقم کی وصولی بھی تبلادی تھی اور اجرائے کار کے لئے چند قواعد وضوابط تک بھی مرتب کر دیئے تھے۔ چونکہ یہ اہم خدائی ٹیکس ہر دو شرعی و اقتصادی پہلو رکھتا تھا لہذا اسکو بار آور کرنیکے خیال سے ہم نے نہایت ادب کیساتھ حضرات علمائے کرام رضوان اللہ عنہم۔ اکابرین قوم۔ ماہرین علم معیشت اور دیگر دردمندان قوم سے عرض کیا تھا کہ یہ حضرات بھی اپنے تبحر علمی و تجربۂ دنیا کی بنا پر کچھ خامہ فرسائی فرمائیں تا کہ ایک اور ایک گیارہ (۱۱) نہ کہ دو (۲) ہوکر "دو تن یک شیوہ بشکنند کوہ را" کا اثر جلوہ گر ہوسکے۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ اس چار یا پانچ سال میں کوئی ہاں یا نہ کی تحریر کسی جانب سے ہماری نظر سے نہیں گذری۔ خیر ہر چہ گذشت گذشت، ہم نے محض خدمت قومی کے لحاظ سے بتوفیق ایزدی زکوٰۃ پر اپنے حقیر خیالات اسوجہ سے عرض کئے تھے کہ اگر قوم کی خوش بختی کے باعث یہ تحریک چل گئی تو افراد قوم اپنی ہمت مردانہ کے تحت ہر سال اس خدائی ٹیکس کی جزوی ادائی بطیب خاطر کر کے بالآخر قوم کو سرمایہ کیجانب سے ایک حد تک تو بے نیاز کر سکے ہینگی کہ جسکا مفت اور ناحق کا رونا ایک عرصہ سے رویا بھی جا رہا ہے۔ اب بھی اگر کوئی صاحب چاہیں تو ہمارے مضمون بالا کو ہر دو رسالہ جات میں ملاحظہ کر کے ہمارے حقیر خیالات سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں وما علینا الا البلاغ تنظیمی زکوٰۃ کے ضمن میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ قومی جمود و عدم واقفیت احکام مذہبی کے باعث چند سال تک تو پانچ کرور وصول نہ ہو سکے گا مگر جب کم از کم علمائے کرام و دیگر اکابرین قوم عوام الناس کو احکام شرعیہ کے عدم احساس کے نتائج اور عمل پیرا ہونیکے بین و زرین فوائد دارین سے روشناس کرائینگے تو پھر انشاءاللہ ہر صاحب نصاب مثل بنیادی ٹیکسوں کے اس خدائی ٹیکس کی ادائی بھی بطیب خاطر کر سکیں گے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر سال ایک معتدبہ رقم جمع ہو کر قوم کے ہر کام میں بھی آسکے گی اور پھر آئے دن کی ہلچلوں کی بھی ضرورت اہل اسلام کو داعی نہ ہوگی ضرورت صرف سوچ سمجھکر عمل کرنیکی ہے اور بس۔

چونکہ ہم نے اعلاء کلمۃ الحق کی واقفیت اور اہمیت جہانتک ہم سے ہو سکا تبلادی ہے اور مزید براں موجودہ افلاس و نکبت کے دفعیہ کا موثر علاج بھی عرض کر دیا ہے لہذا اسقدر حوالہ قلم کرنیکے ہم مزید ایک حرف بھی نہیں کہنا چاہتے بجز اسکے کہ اگر دیگر برادران ایمانی کے نزدیک بھی موجودہ قومی و مذہبی جمود قابل اصلاح قرار پائے

تو پھر ہمارے ناچیز خیالات کی ہمنوائی کرتے ہوئے اپنے مفید مشورہ جات و تجاویز سے قوم کو روشناس کرا کے اس بے حس قوم کو خواب خرگوش سے بیدار کر کے بتدریج انکو بھی زندہ اقوام کی صف میں نمایاں جگہ دیکر درگاہ احدیت سے احیا الناس جمیعا کا خطاب حاصل فرمائیں وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

انتخاب قصیدہ

بتقریب عید ولادت ہفتدہم ربیع الاول ۱۳۶۵ھ در نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

از جناب حکیم ملک سید محمد محسن گورنمنٹ رجسٹرڈ ساکن بڑا گاؤں ڈاکخانہ سرائے محی الدین تحصیل شاہ گنج ضلع جونپور
(مقیم ہادی بنگلہ - گورا بارک محلہ بنی ہاشم سلطان پور اودھ)

طرح :- جہاں کی بزم میں شمع رسالت جلوہ گر ہوگی

قیامت میں بھی دنیا حسن کے زیر اثر ہوگی
وہیں جنت بنے گی جسطرف اُن کی نظر ہوگی

محبت حسن کی سوتی ہوئی دنیا جگا دیگی
اگر کانوں میں گم ہوگی صدا دل کو خبر ہوگی

نمو پیرا شا چشم شوق وا ہوگی محبت میں
یہ سمرن موتیوں کی صورت زنجیر در ہوگی

رہینگے حشر تک دنیا میں حُسن و عشق کے جھگڑے
یہ ایسی جنگ ہے جو سر ہوئی ہے اور نہ سر ہوگی

تبسم کہہ رہا ہے یہ مرے دل کی جراحت کا
بھلا ایسی مسرت میں دوا کیا کارگر ہوگی

قیامت کے ہیں لمحے احتضار عشق کی گھڑیاں
کھنچیگا طول اتنا رات جتنی مختصر ہوگی

بھلا کبتک نہ اُٹھیگی شہید عشق کی میت
سحر ہوگی ہماری اور تمہاری دوپہر ہوگی

سُنے گا کون حسن و عشق کی رنگیں نوائی کو
گُل و بلبل کی جب بادِ صبا پیغامبر ہوگی

ہمیں خود کھا گئے دھوکا ارے ظالم نہ سمجھے تھے
دلِ نالاں تری ہر آہ ایسی بے اثر ہوگی

کہے دیتے ہیں ہم کافی نہوگا دن قیامت کا
یہ مانا گفتگو میری بہت کچھ مختصر ہوگی

بہار لالہ و گل کی رہے گی معترف دنیا
لہو سے بیگناہوں کے زمیں جبتک نہ تر ہوگی

بہر معنی بنے گا لفظ معنی پیکر معنی
حقیقت صورت حُسن حقیقت جلوہ گر ہوگی

بہار آئی خدا کا نام لیکر اُٹھ پڑے میکش
درِ ساقی پہ پہونچیں گے جو قسمت راہ بر ہوگی

اسی امید پر بیٹھے ہیں ساقی بزم میں آکر
نہ تجھ سے چشم پوشی بے محل پہچان کر ہوگی

تلف حق ہو نہیں سکتا پرانے کاسہ لیسوں کا
وہی ساغر بھرے گی جو عنایت کی نظر ہوگی

ترے در سے نہیں اُٹھنے کے تہی آج پی لینگے
اسی نشہ میں مستوں کو قیامت کی سحر ہوگی

سجاوٹ ہو رہی ہے آج سارے آسمانوں کی
سنا ہے دھوم سے دعوت کسی کی عرش پر ہوگی

نقط کہنے کو ذاتِ کبریائی اور نبی ہوں گے
پس پردہ زبانِ حیدری گویا مگر ہوگی

کوئی ہے عرش سے نگراں کوئی ہے فرش سے نگراں
ادھر کس کی نظر ہوگی ادھر کس کی نظر ہوگی

پلٹ آئیگا اتنی دیر میں معراج کا رہرو
کہ بستر گرم اور جنباں ابھی زنجیرِ در ہوگی

شبِ معراج کے پردہ میں یہ بھی کھل گیا پردہ
محبت پردہ افگن اور محبت پردہ در ہوگی

چلو بہرِ زیارت نورِ ربانی کے پروانو
جہاں کی بزم میں شمعِ رسالت جلوہ گر ہوگی

بہارِ باغِ جنت ہوگی صدقے فخر سے آکر
کچھ ایسی شان و شوکت گلشن ایجاد پر ہوگی

محمد مصطفیٰ خیرالوریٰ آتے ہیں دنیا میں
یہ پیش آنی ہے دنیا کفر کی زیر و زبر ہوگی

نئے مطلع سے گونج اٹھیگی گر صلوٰۃ سے محفل
صدا صلِ علیٰ کی آسماں پر بیشتر ہوگی

مطلع

تھا امرِ حق کہ گو آدم سے خلقت پیشتر ہوگی
نبوت ختم محبوبِ خدا کی ذات پر ہوگی

یہی تو علتِ غائیہ تکوینِ عالم ہیں
انہیں سے خلقتِ افلاک اور جن و بشر ہوگی

بنا ہے مسقط الراس حبیبِ کبریا مکہ
ولادت ان کے نائب کی مگر خالق کے گھر ہوگی

طلوعِ آفتابِ دیں سے روشن ہوگئی دنیا
خدائی سے خدا کی کفر کی ظلمت بدر ہوگی

بجھینگے خود بخود آتشکدے فارس کے دم بھر میں
طبیعت گرم و خشک آتش کی نور آمیز تر ہوگی

عمل سب راہبوں کے دفعتہً ہو جائینگے باطل
ریاضت کاہنوں کی ایکدم میں بے اثر ہوگی

ادھر دریائے ساوہ خشک ہوگا قہرِ باری سے
سماوہ کے ادھر پانی سے ریگِ خشک تر ہوگی

نبوت کی پڑی بنیاد باغِ دیں کی عالم میں
بہار آئیگی جب شاخِ امامت بارور ہوگی

علیؑ سے رجعتِ خورشید کا ہونا بھی لازم ہے
نمایاں گر نبی سے صورتِ شق القمر ہوگی

پہونچ سکتی نہیں اس تک ہوا بھی باغِ جنت کی
عداوت مرتضیٰؑ کی جس کے دل میں بال بھر ہوگی

ملے گی بعد مرنے کے حیاتِ جاوداں محسنؔ
اگر عمرِ دو روزہ مدحِ مولا میں بسر ہوگی

کمالات انبیاء کا آئینہ

پیغمبر اسلام کا چوتھا جانشین

پیغمبر اسلام میں جو اوصاف تھے انکا بڑا حصہ وہ صفتیں ہیں جو آپ سے پہلے فرداً فرداً مختلف انبیاء اور ہادیان ملت میں پائی جاتی تھیں کوئی دولت علم پر قبضہ کئے ہوئے تھا کوئی صبر و شکر میں ممتاز، کسی کے دست و بازو میں وہ قوت تھی کہ العظمۃ للہ، کوئی محراب عبادت کی زینت سمجھا جاتا تھا کسی کی معجز بیانی قلوب کو مسخر کرتی تھی اور یہ تمام کامل نمونے صرف ان لوگوں میں نظر آتے تھے جو درگاہ قدرت کے تعلیم یافتہ تھے۔

دنیا کا ورق پلٹ رہا تھا مگر کوئی راہنما ایسا نظر نہ آیا جو کمالات کا مجموعہ اور خوبیوں کا مرکز ہو۔ پیغمبر اسلام نے اس کمی کو پورا کیا اور اپنے محیر العقول عادات و اطوار سے دنیا کو سنوادیا کہ سلف صالحین کے کمالات کی یکجائی تصویر اگر نظر آتی ہے تو مجھی میں مرتب ہیں۔

عجب بات ہے کہ یہی نقطۂ نظر آپکی جانشینی میں بھی ملحوظ رکھا گیا اور جسوقت ہم رسول کے بارہ اوصیاء کے حالات دیکھتے ہیں تو ہر معصوم مجموعہ نظر آتا ہے انبیاء کی صفتوں کا۔ امام زین العابدین علیہ السلام پیغمبر خدا کے چوتھے جانشین تھے اور آپ میں اور مرسل میں صرف دو پشتوں کا فاصلہ تھا مگر جسوقت ہم آپ کے واقعات دیکھتے ہیں تو علی بن الحسین انبیاء کرام کے مظہر صفات نظر آتے ہیں۔

۱۵ جمادی الاولیٰ امام زین العابدین علیہ السلام کی تاریخ ولادت ہے جسکے خیر مقدم میں ہمارا فرض ہے کہ قارئین کرام کو آپ کے صحیح حالات سے مطلع کرتے ہوئے بعض مشہور انبیاء سے موازنہ کرکے یہ ثابت کریں کہ جب پیغمبر اسلام کا ایک نائب کمالات میں انبیاء کا نمونہ ہے تو آنحضرت کو یقیناً جملہ انبیاء سے بہتر ہونا چاہئے۔

جناب داؤد اور امام زین العابدین علیہ السلام

بنی اسرائیل کے مشہور نبی حضرت داؤد جنکو خداوند عالم نے روئے زمین کی خلافت مرحمت کی آپ کی مشہور صفت اور روشن وصف یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ کی قوت سے لوہا نرم ہو جاتا تھا خداوند عالم نے

قرآن مجید میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

والنا لہ الحدید ہم نے انکے لئے لوہے کو نرم کیا اور دوسرے مقام پر اس مطلب کو یوں فرمایا ہے و علمناہ صنعۃ لبوس ہم نے انکو زرہ سازی تعلیم کی یہ وصف جناب داؤد کی سوانحمری میں سب سے نمایاں ہے تو امام زین العابدین علیہ السلام بھی اس شرف سے معزز ہیں آپکے حالات میں ہے۔

قال احمد بن حنبل کان سبب مرض زین العابدین فی کربلا انہ کان لبس درعا ففضل عنہ فاخذ الفضلۃ بیدہ و مزقہ۔

احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ زین العابدین علیہ السلام کی بیماری کا سبب کربلا میں یہ تھا کہ انھوں نے ایک زرہ زیب جسم کی وہ بڑی تھی تو آپنے اپنے ہاتھ سے اسکے فاضل حصہ کو چاک کر ڈالا نظر بد کا اثر ہوا

سلیمان بن داؤد اور علی بن الحسین ؑ

قرآن مجید کی سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ علم منطق الطیر ایک خاص وصف ہے جو انبیاء کو دیا گیا تھا یہ انجیہ سلیمان بن داؤد کا ارشاد ہے یاایھا الناس علمنا منطق الطیر و اوتینا من کل شئ اے گروہ مردم ہمکو جانوروں کی بولی تعلیم کی گئی ہے۔ اور ہر شئی سے علم عطا ہوا ہے۔ یہی حال امام زین العابدین کا تھا ابو حمزہ ثمالی جو حضرت کے حاشیہ نشینوں میں بڑے با وقار شخص تھے بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کی خدمت میں موجود تھا و آپ کے گرد چڑیاں اڑرہی تھیں اور بول رہی تھیں حضرت نے مجھسے فرمایا ابو حمزہ سمجھے! چڑیاں کیا کہتی ہیں میں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا انھا تقدس ربھا و تسئلہ قوت یومھا وہ خدا کی تقدیس کرتی ہیں اور دن کی روزی خدا سے مانگتی ہیں یہ فرماکر آپ نے کہا یاابا حمزہ علمنا منطق الطیر و اوتینا من کل شئ اے ابو حمزہ جانوروں کی صدائیں ہمکو قدرت کی طرف سے بتائی گئی ہیں اور ہر شئی کا علم ہمارے پاس ہے۔

حضرت موسیٰ اور علی بن الحسین ؑ

جناب موسیٰ بن عمران اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں آپ کے واقعات زندگی اور معجزات میں عصا وہ یادگار معجزہ ہے جو اژدہے کی صورت میں ظاہر ہوا اور حضرت موسیٰ اپنے عصا کی تبدیلی سے استدر خائف ہوئے کہ خداوند عالم نے فرمایا لا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ موسیٰ خوف نہ کرو ہم بہت جلد اسے لکڑی کی صورت میں لے آئینگے۔ امام زین العابدین ؑ کے سامنے جب شیطان محراب عبادت میں اژدھے کی شکل میں اپانک آگیا تو آپکے حضور قلب میں شمہ برابر بھی فرق نہ آیا۔

ان ابلیس تصور لعلی الحسین علیھما السلام و ھو قائم یصلی فی صورۃ افعی لہ

عشرۃ رؤس محددۃ الانیاب منقلبۃ الاعین بحمرۃ فطلع علیہ من جوف الارض من موضع سجودہ ثم تطاول فی محرابہ فلم یفزعہ ذالک ولم یکسر طرفہ الیہ فانقض علی رؤس اصابعہ یکدمھا بانیابہ وینفخ علیھا من نار جوفہ وھو لا یکسر طرفہ الیہ ولا یحول قدمیہ من مقامہ ولا یختلجہ شک ولا وھم فی صلاتہ۔

(خلاصہ ترجمہ) شیطان علی بن الحسین کے پاس آیا وہ حضرت زاہد عبادت میں تھے افعی کی صورت میں زمین کو شق کر کے سجدہ کی جگہ ظاہر ہوا اور محراب کی طرف بڑھا تو آپ نہ ڈرے نہ اسکی طرف گوشۂ چشم سے دیکھا یہانتک کہ حضرت کے انگشت ہائے مبارک کو اپنے دانتوں سے اذیت پہونچانی شروع کی اور اپنے شکم کی آگ کو پھونکا پھر بھی حضرت نے اسکی طرف نہ دیکھا اور نہ قدم ڈگمگائے اور نہ شک ہوا نماز میں یہانتک کہ آسمان سے شہاب ثاقب چلا اور وہ ملعون چیختا ہوا بھاگا اور اپنی پہلی صورت میں آکر پہلوئے امام سے ندا دی یا علی انت سید العابدین کما سمیت وانا ابلیس اے علی آپ عبادت کرنیوالوں کے سردار ہیں جیسا کہ آپ کا نام رکھا گیا اور وہ شخص ابلیس ہے۔

حضرت یوسف اور علی بن الحسین

جناب یوسف کی زندگی کا مشہور پہلو زلیخا کا عشق اور آپ کی پاکدامنی ہے اگر نظر تعمق سے دیکھا جاتا ہے تو اسقدر سبق آموز ہے کہ اسکے ہر عنوان میں نبوت و عصمت کے جوہر چمکتے ہیں اور سب سے زیادہ محیر العقول پہلو جو اس قصہ میں ہے وہ زلیخا کے شباب کا پلٹ آنا۔ دنیا نے اس سے پہلے کوئی نظیر ایسی نہیں چھوڑی تھی کہ ضعف پیری شباب کی امنگوں سے تبدیل ہو جائے جسطرح گہوارہ میں نومولود کی گواہی یوسف کی عصمت پر دنیا کا پہلا واقعہ تھا اسی طرح ایک معصوم صفت مجسمۂ حسن کے لئے اس سے سچی محبت کرنیوالی زلیخا کا شباب پلٹ آنا بھی بڑے تعجب سے دیکھا گیا۔ لیکن خاندان رسالت میں ایسے اعجاز کثرت سے نظر آئینگے کہ آنحضرت کے اشارے میں پیری کے بعد جوانی نظر آتی ہے۔

حبابہ والبیہ آل محمد سے بے انتہا خلوص رکھنے والی عورت تھی اور صنف نازک میں اسلئے ممتاز سمجھی جاتی تھیں کہ کئی معصوموں کی خدمت کا شرف حاصل تھا امام زین العابدین کے عہد میں ضعف پیری نے نشست و برخواست سے عاجز کر دینا چاہا تھا مگر امام کی دعا نے انکی گئی ہوئی طاقت کو واپس کر دیا۔ موسی بن جعفر عن الباقر علیہما السلام قال ان حبابۃ الوالبیۃ دعا لھا علی بن الحسین علیہما السلام فرد اللہ علیھا شبابھا۔ امام موسیٰ کاظم اپنے پدر بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حبابہ والبیہ کے لئے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے دعا کی خداوند عالم نے انکے شباب کو

پامال دیا۔ اسوقت انکی ۱۱۳ برس کی عمر تھی۔

یحییٰ بن ذکریا اور علی بن الحسین

صنوف انبیار میں حضرت یحییٰ بن ذکریا کی عبادت بہت مشہور ہے اس میں شک نہیں کہ آپ کا زہد اور آپکی عبادت میں ایک خاص امتیازی شان ہے۔

جناب علی بن حسین کے کمال عبادت پر آپکے لقب سے کافی روشنی پڑتی ہے آپ کے مشہور القاب میں سید الساجدین اور زین العابدین ہے آپکی عبادت کا یہ حال تھا کہ آپ جب سجدہ میں تسبیح فرماتے تھے تو درخت اور سنگریزے بھی تسبیح کرنے لگتے تھے۔

عن الزهري قال سعيد بن المسيب كان الناس لا يخرجون من مكة حتى يخرج علي الحسين فخرج وخرجت معه فنزل في بعض المنازل فصلى ركعتين سبح في سجوده فلم يبق شجر ولا مدر الا سبحوا معه ففزعت منه فرفع رأسه فقال يا سعيد فزعت قلت نعم يا ابن رسول الله قال هذا التسبيح الاعظم

زہری کہتا ہے کہ سعید بن مسیب نے بیان کیا ہے کہ لوگ مکہ سے نکلتے نہ تھے جبتک امام زین العابدین علیہ السلام واپسی کا ارادہ نہ کرتے تھے میں بھی ان حضرت کے ساتھ برآمد ہوا اور بعض منازل میں اتر کر حضرت نے دو رکعتیں نماز کی پڑھیں اور سجدہ میں تسبیح کی تو کوئی درخت اور کلوخ ایسا باقی نہیں رہا جس نے تسبیح نہ کی ہو مجھے خوف معلوم ہوا حضرت نے سر اٹھا کر ارشاد فرمایا اے سعید ڈر گیا میں نے عرض کیا ہاں فرمایا تسبیح اعظم یہی ہے۔ مدیر

قطعات

از جناب سید مہدی حسین صاحب ہمدرد لکھنوی ابن جناب میر عنایت حسین صاحب مرحوم

نہ کرو تلخ نوجوانی کو ایک بیوہ کی زندگانی کو
رسم دنیا کے ماننے والو عیب سمجھو نہ عقد ثانی کو

دیگر

نہیں یہ بات کچھ میری زبانی یہی حجت کو کافی ہے نشانی
محمدؐ کی شریعت کہہ رہی ہے جواں بیوہ کا کرو عقد ثانی

صحیفۂ کاملہ

آجکل کے ہوشمند اور دانا یہ چاہتے ہیں کہ تمام نوع انسان کے لئے ایک عقلی (رشنل) دین تجویز کریں لیکن وہ اسپر غور نہیں کرتے کہ یہ کام خدا نے قرآن مجید سے لیا ہے اور آیات قرآن نے مذہب کو ایسے حسین انداز سے پیش کیا ہے جو کسی طرح خلاف فطرت نہیں ہے احادیث نبوی اور روایات ائمہ نے بھی اس مقصد کی تکمیل میں حصہ لیا ہے جنکا کوئی مطالعہ کرنیوالا انہیں اس مبارک جد جہد کی دو حیثیتیں ہیں (۱) روایات اور اخبار جو مختلف کتب میں درج ہوئے (۲) ملفوظات و خطبات جو یکجا مدون ہوئے انکی سیر سے بھی مذہب اپنے اصلی خد و خال میں نظر آتا ہے نہج البلاغہ اور غرر الحکم اور دیوان منسوب حضرت امیرؑ کے مجامیع صحیفہ سجادیہ و صحیفہ ثانیہ کلام حضرت سید الساجدین اور مصباح الشریعۃ کلام امام جعفر صادق فقہ رضوی اور صحیفۃ الرضا کلام امام ضامن ثامن وہ علمی ذخیرے ہیں جنمیں ہر کتاب خاصہ فرسائی کے لئے مستقل حیثیت رکھتی ہے اور اسکا مطالعہ ایمان پر جلا کرتا ہے مدرسۃ الواعظین کے فاضل واعظ مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی صدر الافاضل متعینہ پشاور صوبہ سرحد نے مجھ سے کئی بار فرمایا کہ صحیفہ کاملہ پر کچھ لکھوں علمی مشاغل میں یہ فرمائش پوری نہیں ہو رہی تھی اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ جمادی الاولیٰ کے نمبر میں صحیفہ کاملہ پر ایک سرسری مضمون سپرد قلم کرونگا الحمد للہ کہ وقت آیا اور صحیفہ کاملہ کے صرف ایک نسخہ قلمی پر بحث کرنا چاہتا ہوں جو دنیا کا نادر الوجود کتبہ ہے۔

صدر کلام میں ناظرین الواعظ کو اس امر پر متوجہ کرنا ہے کہ صحیفہ کاملہ فریقین میں مسلمہ حیثیت رکھتا ہے اور زبور آل محمد کا خطاب شیخ سلیمان بلخی نقشبندی وغیرہ کا تجویز کردہ لقب ہے اور صحیفہ کی دعائیں اسقدر بلند پایہ ہیں کہ انکو غیر شیعہ عالم بھی نقل کرتے ہیں الباب الثامن والتسعون فی ایراد بعض الادعیۃ والمناجات التی تکون فی الصحیفۃ الکاملۃ للامام الھمام زین العابدین وھی زبور اھل البیت الطیبین سلام اللہ علیھم اجمعین (ینابیع المودۃ ص۴۱۵ چھاپ مصر) باب نود و ہشتم میں بعض ادعیہ اور مناجات ہیں جنکا ماخذ صحیفہ کاملہ امام ہمام زین العابدین علیہ السلام ہے اور وہ اہلبیت طاہرین کی زبور کہی جانے کی مستحق ہے۔ صحیفہ میں انسانی معاش اور معاد پر مکمل بحث ہے انھیں خصوصیات کا تقاضہ تھا کہ علمائے شیعہ نے صحیفہ کا خیال رکھا اور سختی سے ضرورت محسوس

کی کہ اس کتاب کا لیقار رہے اور وہ الفاظ جو امام کے دہن مبارک سے نکلے تھے آیندہ نسلوں کے لیے محفوظ رہیا اُس سلف صالحین میں علی بن احمد سدید علیہ الرحمہ وہ خوش بخت شخص تھے جنکو اُن سے قبل کے عالم علی بن سکون رحمۃ اللہ کا لکھا ہوا صحیفہ دستیاب ہوا اس صحیفہ پر عمید الرؤسا کی محترم تحریریں تھیں اور علامہ ابوجعفر قاسم بن حسن محمد بن حسن بن معیہ اسکو سماعتًا پڑھ چکے ہیں یہ وہ خصوصیات تھے جن کی روشنی میں صحیفہ ایک تابندہ ستارہ معلوم ہوتا تھا شہید اول محمد مکی علیہ الرحمہ کے علم افروز دور تک یہ صحیفہ موجود تھا جسکو زیر نظر رکھ کے جناب علامہ نے اپنے دست مبارک سے نقل کیا اور انکی شخصیت بعظمت اس نقل کو اصل کے دوش بدوش ہونچادیا تاریخ سے یہ تو پتہ نہیں کہ کب تک وہ نسخہ باقی رہا مگر نسخہ شہید کے بارے میں یہ رائے آسانی سے قائم ہو سکتی ہے کہ قلعہ شام کے جیل میں جانے سے پہلے شہید نے اس صحیفہ کو تحریر فرمایا ہے انکی جگہ سوز وفات اور نام نہاد مسلمانوں اور برادران یوسف کے افسوس بیدردی کے ساتھ قتل ہونا ارباب تاریخ نے یوں لکھا ہے۔

قتل رحمہ اللہ بالسیف سنۃ ثمانین وسبعمایۃ ثم صلب ثم رجم ثم احرق بدمشق فی دولۃ بیدرد وسلطنۃ برقوق بفتوی القاضی برہان الدین المالکی وعباد بن جماعۃ الشافعی بعد ماحبس سنۃ کاملہ من قلعۃ الشام۔

(حاصل مضمون) وہ بزرگوار ۷۸۶ھ میں تلوار سے قتل کئے گئے اور بعد شہادت بے سر جسم کو سولی پر چڑھادیا اور پتھروں سے سنگسار کیا پھر نعش مبارک کو نذر آتش کر دیا یہ حادثہ برقوق کی ظلم آفریں سلطنت میں قاضی برہان الدین مالکی اور بعض شافعی علماء کے فتوی سے ہوا شہید کا قتل قلعہ شام میں ایک سال تک قید رہنے کے بعد ہوا۔ (لولوۃ البحرین)

دشمن کا یہ زلزلہ افگن ظلم زیر نقاب نہ رہ سکا اور تمام دنیائے اسلام نے اس استبداد اور بربریت پہ نفرین کی درجۂ شہادت پر پہونچنے کے بعد صحیفہ کی قدر و منزلت میں چار چاند لگے اور اسوقت کے اہل علم کی نظریں شہید کے ملفوظات اور تحفظات پر خاص طور پر پڑنے لگیں۔

جناب مرحوم کے شہید ہونے کے بعد علامہ شمس الدین محمد بن علی جبعی کے پاس یہ زریں صحیفہ پہونچا پھر قدرت کو یہ منظور ہوا کہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے کتاب خانہ میں یہ نسخہ رہے اسکے اصفہان تک پہونچنے کی روایت یہ ہے :-

انی رأیت فی المنام مولای الحجۃ صلوات اللہ علیہ وکان معہ رجل وعندہ کتاب فامرہ ان یعطینی ذالک الکتاب فاخذتہ مسرورًا وفتحتہ ورأیتہ فانتبھت وکنت

متاسفاً علی الکتاب جئت امراجدالہ اثر فصرت الی مشهد وانی نسیت ای مشهد ذکر ثم قال فجلست فرائیت رجلا اقبل الیّ وکانه الذی کان معه علیه السلام وقال منی ارائك راغباً الی العلوم وعندی کتب انت بها اهل نعلیك ان تجی معی وتاخذ الکتب فقمت وسه ہت سه مسرورا فاول کتاب اعطانی کانه الکتاب الذی کان اعطانی سیدی ومولائی الحجه صلوات الله علیه فلما رائیته وجدته الصحیفة السجادیه بخط الشیخ الشهید المکی قدس سره (روضة المتقین)

مجلسی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے مولا حضرت حجت کو خواب میں دیکھا کہ:

انکے ساتھ ایک شخص ہے اور اسکے پاس کتاب ہے امام نے اسے حکم دیا کہ مجھے وہ کتاب دیدے میں نے بڑی خوشی سے وہ کتاب لی اور جلد کھول کے صفحات دیکھے جب بیدار ہوا تو کتاب کا کوئی وجود نہ تھا اور مجھے بڑا افسوس تھا حتی کہ میں روضہ امام کی زیارت کے لئے مشہد پہونچا اور ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ گویا وہی شخص آتے ہوئے نظر آیا اور میرے پاس ہوکر کہا کہ میں آپ کو علم کیطرف راغب پاتا ہوں اور میرے پاس کچھ کتابیں ہیں جنکے آپ ہی اہل ہیں لہذا آپ میرے ساتھ چلکر کتابیں لے لیں میں اٹھا اور بصد مسرت اسکے ساتھ راستہ طے کیا پہلی کتاب جو اس شخص کے ہاتھ سے مجھکو ملی وہ وہی کتاب تھی جو میرے سید و آقا حضرت حجت نے خواب میں دی تھی جب میں نے کتاب کو وا کیا تو صحیفہ سجادیہ تھا شہید اول کے دست مبارک کا لکھا ہے۔

استاذ الکل فی الکل جناب غفرانمآب علیہ الرحمہ جب تکمیل علم کے بعد وطن تشریف لائے تو یہ صحیفہ عتبات عالیات سے حاصل کر کے لکھنؤ لائے اور کمال عزت و احترام کے ساتھ اپنے کتبخانہ میں محفوظ کیا غدر ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں لکھنؤ کی لوٹ کے وقت حافظ حقیقی نے اس صحیفہ کو بچایا اور جناب سلطان العلما سید محمد صاحب رضوان مآب طاب ثراہ اسکو جان کیطرح عزیز رکھتے تھے انکے حقیقی بھتیجہ جناب ممتاز العلما فخر المدرسین جنت مآب علیہ الرحمہ نے جب اپنے کتبخانہ کی بنیاد قائم کی تو شفیق چچا سے خواہش کی کہ یہ صحیفہ عنایت کر دیا جائے سلطان العلما کی دوررس نگاہیں زمانہ کے نشیب و فراز سے بہت زیادہ آگاہ تھیں اگر بھتیجے کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے مستقبل کے خطرات سے خبر دیتے ہوئے صحیفہ دیدیا اور رقعہ میں یہ لکھا:۔

دربارۂ صحیفۂ شہید کہ از عمدۂ تبرکات زمانہ والدم طاب ثراہ ہست از شما دریغ ندارم لکن بخیالش اینکہ بسبب توسیع دائرۂ حضرات کثامرہ و تسلط وعاۃ دبغاۃ مثل میرزا… شاہ وغیرہ مبادا از کجا بکجا رسد وضائع گردد

تبرکات از دست رود تاسف و تلهف دارم والا از شماع بزتر سے ندارم (صفحہ ۲۹۷ احیار الآثار قلمی)

اس وقت سے یہ صحیفہ جناب ممتاز العلماء طاب ثراہ کے کتبخانہ میں رہا اور جناب ممدوح نے اپنے قلم سے صحیفہ کے جو حالات لکھے اسکے ذیل میں فرماتے ہیں۔

تلك الصحيفة الآن عندي من خزانة كتب جدي العلامه اعلى الله مقامه وهي اعز عندي من نفسي ونقلت الدعا من خطه الشريف و اعربت اينما كانت معربة في تلك النسخة الشريفة بالحمرة وفيما عدا تلك المواضع بالسواد (الدعوات الفاخرہ)

وہ صحیفہ میرے پاس اسوقت بھی موجود ہے میں اسکو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اور دعائے سمات کو شہید ہی کے قلم سے نقل کرتا ہوں جہاں جہاں سرخی (شنگرف) سے اعراب ہیں وہاں زیر زبر سرخ قلم سے دیے ہیں اور باقی مقامات پر سیاہی سے اعراب لگائے گئے ہیں۔

علامہ شیخ ابراہیم کفعمی کے پاس بھی یہ نسخہ رہ چکا ہے چنانچہ وہ اپنی دعاؤں کی بڑی کتاب، البلد الامین و الدرع الحصین کے آخر میں اس صحیفہ کو اسی وجہ سے تمام و کمال نقل کرتے ہیں یہ نسخہ کلکتہ کے آہنی پریس میں حنائی کاغذ پر عہد شاہی میں چھپا تھا جو صحت کے لحاظ سے بہترین نسخہ ہے مرقومۂ بالا صحیفہ کی قدر و منزلت اہل علم و کمال کی نگاہوں میں بہت زیادہ ہے استاذ الواعظین خطیب اعظم جناب مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین جب گوناگوں امراض میں مبتلا ہوئے ادھر سرکار حسینی میں یہ قطعہ نظم کرکے توسل کیا ؎

سبز برگے را بزہر لالہ گوں انباشتند | بہرم آوردند و قتل من ثواب انگاشتند
جز ثنائے تو خطائے من نباشد یا حسین | حرمت تو اے ذبیح کربلا خوش داشتند

ادھر بقصد استشفا کتبخانہ ممتاز العلماء میں تشریف لائے اور بیمار کربلا کے اس صحیفہ کاملہ کی زیارت فرمائی اپنے جسم کو مس کیا اور ببرکت اہلبیت مرض میں سکون ہوا۔

الحمد للہ کہ یہ منتخب روزگار صحیفہ اکابر علماء کی نظروں سے گزرتا ہوا آجتک کتبخانہ جناب ممتاز العلماء میں موجود ہے اسکی کتابت کو کم و بیش چھ سو سال ہوئے ہیں خداوند عالم لکھنؤ کے ان علمی آثار کو باقی رکھے بحق محمد و آلہ۔ ایڈیٹر

دیگر

کچھ تو بیوہ پہ کرو رحم زمانے والو | رسم بے جا سے شریعت کو مٹانے والو
عقد ثانی بھی کوئی جرم ہے کچھ غور کرو | حکم خالق پہ نیا حکم لگانے والو

(احمد ہمدرد)

JABRI
جبری
जबरी

تپدق
اور
پرانے بخارات

جبری کا حیرت انگیز کرشمہ غور سے پڑھیں

سردار کرتار سنگھ لیڈر رائٹر ۶ انڈین ملٹری جنرل ہسپتال کراچی کی زبانی

میری عورت عرصہ سے بیمار تھی حکیم دید اور ڈاکٹروں کا تینوں علاج ہوتا رہا کوئی فائدہ ظاہر نہوا۔ آخرکار ہسپتال میں داخل کیا گیا اور وہاں ایکس رے (X - Ray) کرنے کے بعد ڈاکٹروں نے مرض تپدق (T. B) کا فتویٰ دیدیا اس خوفناک مرض کا نام سنتے ہی ہوش و حواس جاتے رہے ڈاکٹروں نے کہا کہ مریضہ کے دونوں پھیپھڑے خراب ہو چکے ہیں اب علاج مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے مریضہ کو دس پندرہ روز کی مہمان سمجھو اس کو ہسپتال سے لیجاؤ اور کسی علیحدہ کمرے میں رکھدو۔ کوئی پاس نہ جاؤ۔ اسکے بلغم تھوک وغیرہ سے بچتے رہو۔ آخرکار مریضہ کو ہسپتال سے گھر لایا گیا۔

پھر کیا ہوا؟ اخبار "ملاپ" میں جبری کا اشتہار دیکھا۔ دل نے کہا جہاں سیکڑوں ہزاروں روپیہ حکیموں ڈاکٹروں کی نذر کر چکا ہوں یہ دوا بھی منگا کر دیکھ لوں مریضہ نے کہا کہ جب ڈاکٹروں نے دونوں پھیپھڑے بتلا کر مجھو ناقابل علاج بتلایا ہے تو پھر فضول خرچ کرنے سے کیا فائدہ ہے مجھے پرماتما (خداوند کریم) کے بھروسے پر چھوڑ دو لیکن دل نے نہ مانا۔ مثل مشہور ہے جبتک سانس تب تک آس آخر جبری نمبر۱ کا آرڈر دے ڈالا اور پانچویں روز ہی پارسل پہونچ گیا پرماتما (خدا) کا نام لیکر حسب ترکیب دوا شروع کرادی۔

پھر کیا ہوا؟ وہی حیرت انگیز کرشمہ جو بخار چھ ماہ تک علاج کرنے پر بھی کم نہ ہوتا تھا۔ دس بارہ روز میں ہی بخار جاتا رہا جو مریضہ چارپائی پر سے اٹھ نہ سکتی تھی جسم میں بالکل خون نہ تھا۔ خون کی حرکت شروع ہو گئی دل میں ٹہلنے کی امنگ ہونے لگی۔ آخرکار دل میں پورا اعتقاد ہو گیا کہ جس دوا نے اس معمولی عرصہ میں ایسا عجیب و غریب فائدہ دکھلایا ہے۔ مریضہ کو کیوں نہ اسی جگہ لیجا کر دکھلایا جائے تاکہ آئندہ علاج کا بہترین انتظام ہو سکے مریضہ کی بھی یہی رائے ہوئی۔

پھر کیا ہوا؟ جس مریضہ کے بارے میں ڈاکٹروں نے موت کا فتویٰ دیدیا تھا اور جو چارپائی سے اٹھنے کے قابل نہ تھی وہ خوشی خوشی سیکڑوں میل سفر طے کر کے بذریعہ ریل وغیرہ جگادھری آگئی یہاں کارخانہ ہذا میں مکمل طور سے تشخیص کر کے بڑے ہمدردی سے آئندہ علاج کا انتظام کیا گیا۔ کارخانہ ہذا کا سلوک

قابل تعریف ہے مریضہ کی حالت دن بدن بدلنے لگی اور اب پوری طرح سے صحت یاب ہیں نہ صرف میں ہی نہیں بلکہ میرا تمام خاندان کارخانہ ہذا کے مشکور رہیں جو میری عورت کو موت کے منہ سے بچا دیا۔

صاحبان! یہ ایک نہیں پچاسوں، سیکڑوں ایسے واقعات ہو چکے ہیں اور بھی دیکھئے:۔

(۲) جناب سید احمد شاہ صاحب ملٹری پنشنر کھاریاں گجرات (۳) جناب پیر سید حسن صاحب موضع سپینہ ڈیری ڈاکخانہ شیر کوٹ ضلع کوہاٹ (۴) بابو رام سنگھ صاحب مکان ملا ریٹھ منڈی ڈیرہ دون (۵) بابو گجپت رائے صاحب ریٹائرڈ سب جسٹرار (متھرا) وغیرہ وغیرہ ہزارہا صاحبان کا یہی کہنا ہے کہ واقعی مریض کی جان بچانے کے لئے جبری ایک طاقت ہے جو کبھی فیل نہیں ہوتی اور تپدق جیسے خوفناک مرض کے جراثیم کو اول روز سے ہی ہلاک کرنا شروع کر دیتی ہے اوپر سب صاحبان کے پتہ جات ٹھیک ہیں کوئی بات پوشیدہ نہیں آپ دریافت کر سکتے ہیں یا منگا کر تجربہ کر لیں

تپدق کے مریضو! اب بھی سمجھو! ورنہ پھر وہی مثل ہو گی (اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت) سیکڑوں حکیم ڈاکٹر وید صاحبان اپنے مریضوں پہ استعمال کر کے نام پا رہے ہیں اور بذریعہ تار کے آرڈر دیتے ہیں تار یا خط و کتابت کے لئے صرف جبری جگادھری "JABRI JAGADHRI" لکھ دینا کافی ہے قیمت اس طرح پر ہے

جبری سپیشل نمبر ۱ امیروں کے لئے جس میں ساتھ ساتھ طاقت بڑھانے کے لئے سونا، موتی، ابرک وغیرہ کے قیمتی کشتہ جات بھی ڈالے جاتے ہیں مکمل چالیس روز کا کورس پچھتر روپے نمونہ دس روز بیس روپیہ

جبری نمبر ۲ جس میں صرف قیمتی جڑی بوٹیاں ہیں مکمل کورس بیس روپیہ، نمونہ دس روز چھ روپیہ محصول علیحدہ ہے آج ہی آرڈر دے کر مریض کی جان بچائیں۔

آرڈر میں اخبار کا حوالہ نیز نمبر ۱ یا نمبر ۲ ضرور تحریر فرمائیں

پتہ: رائے صاحب کے ایل شرما اینڈ سنز ریئس اینڈ بینکرز (B) شیلانگ پنجاب آفس جگادھری

خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری اور پورا نام ضرور لکھئے ورنہ فقط دستخط پر اکتفا کرنے سے آپ کا نام پڑھا نہ جائیگا اور جواب دینے سے دفتر قاصر رہیگا

گنبد فاطمی کی صدا

جنت البقیع کے افتادہ گنبد فاطمی کی یہ حسرت آمیز آواز وقت انہدام مدت ۲۵ سال سے فضائے آسمانی میں گونج رہی ہے جسکو معرفت و مودت فاطمی کے قدرتی ریڈیو سے بشرط توجہ تذکر ہر تفکر ہر شخص اپنی جگہ بذات خود محسوس کر کے متاثر ہو سکتا ہے۔ وہ آواز واقعی یہ ہے ۔

کہ اگر ہمارے بے نشان مزار بہت عرصہ بعد کسی دوستدار حاکم وقت کے ذریعہ قبہ دار بنکر بارونق ہو گئے تھے اور وہی پھر ابن سعود کے ہاتھوں مسمار ہو کر بے رونق کر دیے گئے تو کچھ خاصان خدا کو پروا نہیں ہے لیکن زائرین کی محرومی بے رونقی کس مپرسی اس امر کی پھر محرک اور متمنی ہے کہ کسی ایسے آزاد وقت میں غمخوار طاقتور حکومت کے ذریعہ ہی افتادہ مزار بلند ہو کر پھر رونقدار مقبرے بنجائیں یا اگر وہ مادیل کی سعودی حکومت سے نہیں بن سکتے ہیں تو پھر اسی طرح ہمارے مقبروں کی یادگاریں مختلف مقامات پر ہمارے ماتمدار خود بنا کر جنکو توفیق خداوندی معین ہوگی ہماری یاد کو ہر سال تازہ کر کے خون بہانے پر ضرور آمادہ ہونگے اور مروجہ مزاروں کی پر رونق یادگاروں پر تاحیات فخر کرینگے ۔

اور اہلبیت کے ساتھ اپنے خدا و رسول کو خوش کر کے دنیا و دین میں عزت و ناموری حاصل کرینگے ۔

افتادہ گنبدوں کی اس قدرتی آواز کے سننے اور عمل کرنے میں شیعہ طبقہ کے ادنی اعلی برابر کل ذمہ دار

ہو کے جس آواز غیبی کو سننے سنانے سے متاثر ہوتے ہوئے جو غمگسار بغیر اپنی کسی ذاتی رکاوٹوں کی پرواہ کئے ہوئے اپنے قصبوں شہروں میں جناب معصومہ کی جدید نام زد یادگار بنوانے پر یا مجبوری کسی مقامی قومی عمارت کے نام یا اپنے امام باڑوں کے نام قصر فاطمیؑ، بارگاہ فاطمیؑ، قصر سجاد، قصر زینبؑ، علی منزل، حسن حسین منزل حسب مرضی رکھدیے جائینگے تو بھی خدا اور رسول و اہلبیت کی خوشنودی کا باعث ہونگے۔ اور دنیاوی یادگاروں کے مقابل اور سعودی مظالم کے مقابل جابجا مظاہرہ کرنیوالے ہونگے۔

مدت سے اس آواز فاطمیؑ سے متاثر ہو کر زوار حسین اسسٹنٹ ٹیچر گورنمنٹ اسکول سہارنپور نے قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ایک وسیع میدان وقف کرکے اپنی ذاتی رقم سے قصر فاطمہ زہرا نام کی شاندار عمارت بنوانا شروع کر دی ہے۔ جو کہ مقبرہ فاطمیؑ کے انہدام کی تاریخی یادگار ہونیکے علاوہ اسلامی مدرسہ مہمان خانہ اور مختلف شبیہوں کی زیارتگاہ ہو جانے سے ہندوستان میں اپنے جملہ خاص مقاصد کے لحاظ سے یہ پہلی شاندار اثردار تاجدار یادگار ہوگی۔ جسکی ابتدائی منازل میں ابھی تک تقریباً چار ہزار روپیہ صرف ہو چکا ہے۔ اسکے بقیہ مقاصد کی باوجود کفایت تکمیل کے لئے بستی اور باہر کے محبان فاطمیؑ کو ثواب آمیز عزت و شہرت میں شریک ہو جانیکا موقع بھی دیا گیا ہے اپنے مقامی ثوابات کے سوا جو وہاں کی فاطمیؑ دستہ کی فہرست میں مزید ثواب آمیز ناموری حاصل کرنا چاہیں وہ براہ راست از خود بنام سید امیر حسن صاحب ضلعدار منشر قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور کے پتہ سے رقم بھیج سکتے ہیں اور ۱۲ صفر تاریخ چہلم امام میں ایک دو روز قبل قصبہ نانوتہ میں تشریف لاکر زیارت قصر فاطمیؑ کا ثواب بھی حاصل کر سکتے ہیں سہارنپور چھوٹی لائن اسٹیشن سے صرف ۸ کرایہ ریل ہے اور اسٹیشن سے بستی صرف ڈیڑھ میل ہے۔

زوار حسین اسسٹنٹ ٹیچر گورنمنٹ اسکول سہارنپور

بانی و متولی قصر فاطمہ نانوتہ ضلع سہارنپور

جلسۂ تہنیت احمد آباد

انجمن جعفریہ مومن آباد احمد آباد کی طرف سے جلسہ عام بروز چہارشنبہ ۱۰ اپریل ۴۶ء کوچۂ عرب صحن روضہ باباجو میں زیر صدارت مشہور لیگی کارکن جناب غلام حیدر ولی محمد صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی وکیل منعقد ہوا جسمیں جناب سیٹھ غلام علی راجے محمد خوشحال پنجتنی صاحب صدر رائے کھڑ پرائمری مسلم لیگ و صدر انجمن فیض پنجتن کے مع برادر خورد جناب سیٹھ غلام محمد صاحب و فرزند صالح جناب سیٹھ آدم حسین صاحب زیارات

عتبات عالیات سے مشرف ہو کر واپس آتے اور اس سے قبل جوگی پورہ نجف ہند ضلع بجنور میں ۱۸ ہزار روپیہ کے صرفہ سے عالیشان مسجد بنوانے پر تہنیت نامہ پیش کیا گیا۔ جلسہ کی کارروائی تلاوت قرآن مجید سے شروع ہوئی بعدہٗ جناب ڈاکٹر غلام علی صاحب تاجپوری نے تہنیت نامہ کا مطبوعہ مضمون جس میں جناب سیٹھ صاحب اور اُنکے والد مغفور کے قومی خدمات مذکور تھے پڑھکر سنایا۔ صدر صاحب نے مقصد جلسہ کو واضح فرماتے ہوئے سیٹھ صاحب موصوف کے کارہائے نمایاں کو بیان فرمایا۔ جواباً جناب سیٹھ صاحب نے اپنی پراثر تقریر میں فرمایا کہ مجھ سے جو کچھ ناچیز خدمتیں ہوئیں میں نے اپنا فرض سمجھ کر کیں ہیں اور فرمایا کہ یہ عرض کرنا خالی فائدے سے نہیں ہے کہ میرے والدین نے بچپنے ہی سے مجھے امور خیریہ کی طرف متوجہ کیا ہے سلسلۂ بیان میں سرکار سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرماتے ہوئے از خود رفتگی کی حالت میں عقیدت کے آنسو بہائے۔ جناب مولانا حافظ سید ظفر عباس صاحب قبلہ و جناب مولانا سید مرتضیٰ صاحب قبلہ حسین آبادی ہر دو بزرگان دین نے اپنے اپنے مواعظ حسنہ سے مومنین کو مستفیض فرمایا۔ آخر میں صدر صاحب نے محلہ کالو پورہ جمال پورہ محلہ تاجپو کے جملہ مومنین کے شریک جلسہ ہونے پر اظہار مسرت فرماتے ہوئے کہا کہ اسی طرح مومنین کو دینی کاموں میں متحد ہونا چاہیئے۔ ختم جلسہ کے بعد جناب سیٹھ نے انجمن کو مبلغ ایک سو ایک روپیہ اپنی طرف سے اور مبلغ گیارہ روپیہ اپنے بھائی کیطرف سے بطور مدد عنایت فرمایا جس کا شکریہ انجمن کیطرف سے ادا کیا گیا۔ مومنین کی ضیافت شربت سے کی گئی اور جلسہ کامیابی کے ساتھ تمام ہوا۔

فدا علی جمال بھائی

صدر انجمن جعفریہ مومن آباد احمد آباد

مذہبی خبریں

امامباڑہ غفرانمآب علیہ الرحمہ

لکھنؤ کا وہ قدیم عزاخانہ ہے جہاں سے قوم کو عزاداری کے نشر و اشاعت میں غیر معمولی اور ناقابل انکار مدد پہونچی اس مقدس زمین پر خاندان اجتہاد کے اکابر مجتہدین کی آخری آرامگاہ ہے سلطان العلما اور سید العلماء ایسی مقدس ہستیاں امامباڑہ کی آغوش میں سپرد خاک ہیں علاوہ اولاد جناب غفرآبؒ کے حجۃ الاسلام سرکار مولانا مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ مرحوم اور حضرت فردوس مآب جناب مولانا سید

حامد حسین صاحب قبلہ صاحب عبقات الانوار ایسی مایۂ ناز ہستیوں کے قبور بھی اسی سرزمین پر ہیں اور ہندوستان میں یہ مقام مقبرہ بہشت سمجھا جاتا ہے متولیان کی غفلت سے ہمیشہ اس امامباڑے کے در و دیوار نمونۂ عبرت رہے عرصہ ہوا کہ حضرت صفی لکھنوی نے قوم کو اس امامباڑے کی حالت زار پر اپنی ایک نظم میں توجہ دلائی تھی شیعہ قوم کے دل میں اس عزاخانہ کی ایک غیر معمولی عزت قائم ہے اسلئے مختلف افراد قوم نے شکست و ریخت کے لئے مختلف مواقع پر امداد کی اور امامباڑہ کی حالت وقتی طور پر سنبھال لی۔

لیکن حال میں سرکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر والی ریاست محمود آباد بالقابہ کی توجہ مبذول ہوئی اور حضور ممدوح نے اپنی نظر انتخاب سے اس رقم کو دیا جانا منظور کیا جو مسٹر اصفہانی صاحب آف کلکتہ نے ایسے ہی اغراض کے لئے مرمت کی تھی حضور ممدوح کے حسن التفات سے امامباڑہ کی مرمت شروع ہوئی اور صرف کثیر میں امامباڑہ درست کر کے قابل اطمینان حالت میں کر دیا گیا۔

تمام شیعیان لکھنؤ امامباڑہ کی موجودہ حالت سے نہ صرف خوش ہیں بلکہ راجہ صاحب بالقابہ کی اس تجویز کو بڑے استحسان کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اور اصفہانی صاحب کے خلوص اور ایثار اور بلند ہمتی کی ہر حلقہ میں تعریف ہے۔ اگر متولیان کم از کم ہر سال امامباڑے میں سفیدی کر دیا کریں تو پچاس سال تک موجودہ حالت قائم رہ سکتی ہے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

ہمعصر اسلامی پیچم ایران رقمطراز ہے کہ وہاں کے علم نواز طبقہ نے نہج البلاغہ اور جنگ کے عنوان سے ۶۰۰ صفحات پر ایک کتاب تالیف کی ہے اور دوسری تدوین حال میں تفسیر آیۂ نور ہے جو فاضل مفسر نے ۵۰۰ صفحات پر ختم کی ہے یہ دونوں کتابیں کتابخانہ تضامنی علمی خیابان ناصر خسرو اور کتابخانہ شمس سے مل سکتی ہیں۔

ہمعصر منادی رقمطراز ہے کہ گلبرگہ شریف دکن کی درگاہ میں ۲ ہزار علمی اور دینی کتابیں ہیں جن میں ڈھائی سو قلمی ہیں

حیدرآباد میں حافظ محمد علی صاحب خیرآبادی کے تین خلفا بہت نامور گذرے ہیں جنمیں مولانا احسن الزماں صاحب بہت بڑے عالم تھے انھوں نے عربی زبان میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جنمیں ایک کتاب فقہ اہلبیت بارہ جلدوں میں ہے۔ منادی

دُعَا

کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جب دعا کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے تسبیح و تہلیل اور ثنائے الٰہی بجا لاؤ اور محمد و آل محمد پر صلوات بھیجو پھر دعا کرو تو مراد بر آئیگی اور انھیں حضرت سے روایت ہے کہ آداب دعا یہ ہیں پہلے مدح کرے پھر مناجات کرے پھر اپنے گناہوں کا اقرار کرے پھر خدا سے سوال کرے اور انھیں جناب کا ارشاد ہے کہ جس دعا میں پہلے حمد باری نہو تو وہ دعا ابتر ہے اور فرمایا کہ بعد تحمید ثنا ذکا درجہ ہے، راوی نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتا کہ تمجید و تحمید کے لئے کیا چیز کافی ہے فرمایا اس طرح کہو:۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

بارالٰہا تو ساری کائنات سے پہلے تھا تیرے قبل کوئی چیز نہ تھی اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز باقی نہ رہے گی اور سب کو فنا ہے اور تو ظاہر ہے کھلی ہوئی دلیلیں تیرے وجود پر گواہ ہیں تجھ سے بالاتر کوئی نہیں اور تیری ذات چھپی ہوئی ہے یہ بات کسی اور کو حاصل نہیں اور تو غالب ہے جس طرح چیزوں کو پیدا کرنا چاہیئے تھا اسی طرح تمام اشیاء کو تو نے پیدا کیا۔

اور نخبۃ الدعوات میں ہے کہ ہر دعا سے پہلے یہ فقرات کہے اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَاَنْتَ الْمَحْمُوْدُ وَبِحَقِّ عَلِیٍّ وَاَنْتَ الْاَعْلٰی وَبِحَقِّ فَاطِمَۃَ وَاَنْتَ فَاطِرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَبِحَقِّ الْحَسَنِ وَاَنْتَ الْمُحْسِنُ وَبِحَقِّ الْحُسَیْنِ وَاَنْتَ ذُو الْاِحْسَانِ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْ تَفْعَلَ بِیْ

اے میرے معبود تجھکو واسطہ محمدؐ کا اور تو محمود ہے اور بحق علیؑ (ابن ابیطالب) اور تو سب سے بلند تر ہے اور فاطمہؑ کا صدقہ تو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنیوالا ہے اور حسنؑ کا تصدق تو احسان کرنیوالا ہے اور حسینؑ کے حق کا واسطہ تو مرکز احسان ہے محمدؐ و آل محمدؐ پر اپنی رحمت کاملہ نازل کر اور میری مرادیں بر لا۔

منظوم عقیدت

در مدح عالیجناب تاج العلماء مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ دام ظلہ

ہر دعا خلاق عالم سے یہی بہر نبی ۔۔۔ یہ رہیں آباد دنیا میں پئے حضرت علیؑ

کس طرح سمجھے نہ ہر مومن انھیں اپنا امام ۔۔۔ عالم دیں متقی ہیں مولوی سید ذکی

خریداران الواعظ

رسالہ نہ پہونچنے کی شکایت ہم سمجھتے تھے کہ دفتر الواعظ میں ہوتی ہے مگر ہمعصر سرفراز، معاصر نور مرادآباد اور الفقیہ امرتسر کے نوٹ دیکھنے سے پتہ چلا کہ یہ بار عام ہے ہم اس سے قبل بھی لکھ چکے ہیں کہ اس بدنظمی کا سارا بار آپکے ڈاکخانہ اور پوسٹ مین حلقہ پر ہے اور یہی جواب اپنے پرچہ کے خریداروں کو ہمعصر الفقیہ نے بھی دیا ہے وہ لکھتا ہے "یہ قصور دفتر الفقیہ کا نہیں ہے آپکے ڈاکخانہ کا ہے ہم کوئی انتظام نہیں کر سکتے کوئی دنیا میں ہے جو اپنے کھانے میں خود زہر ملا دے"

درحقیقت خریداروں کو اخبار نہ بھیجنا اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مارنا ہے جو کوئی اخبار نویس نہیں کرتا، خریداروں کی بھی یہ ذہنیت ہے کہ کوئی صاحب کہتے ہیں کہ جنوری ۱۹۳۴ء کا پرچہ تو پہونچا تھا جب سے کوئی رسالہ نہیں آیا ان سے کون کہے کہ برسوں دن گذرنے کے بعد پرچے کہاں باقی رہ سکتے ہیں، ایک صاحب کہتے ہیں میں جب سے خریدار رہا ہوں صرف وہی وی پی پہونچتا ہے اگر آپ کو الواعظ سے محبت ہوتی تو مسلسل غیر حاضری پر کبھی تو چند سطریں لکھکر سبب پوچھتے نتیجہ یہ ہوا کہ ہم آپ کے پاس شکایات بالکل بے خبر ہیں، بعض حضرات نہایت طمطراق سے اپنی شکایت تو لکھتے ہیں مگر نام لکھنا بھول جاتے ہیں ایسے حضرات کے احکام کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

بہرحال پرچہ نہ پہونچنے کی شکایت کا انسداد جب ہی ہو سکتا ہے جب آپ اپنے ڈاکخانہ سے بھی بازپرس کریں یوروپین تہذیب یہ ہے کہ ایک گھر کے چند شخص علیحدہ علیحدہ ایک ہی اخبار خریدتے ہیں اور دوسرے شخص کا اخبار دیکھنا جرم سمجھتے ہیں اور ہمارے یہاں کی تہذیب یہ ہے کہ ایک اخبار ایک بستی کے لئے کافی ہے ایک شخص کا اخبار دوسرا لیتا ہے اور اسکو اطلاع بھی نہیں کرتا، الزام کارکنان دفتر پر عائد ہوتا ہے۔

منیجر

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت ۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت ۔
(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیمہ و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالہ شبہات
(۱۲) اکتشافات جدیدہ و حقائق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوا کریگا۔
۲۔ ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳۔ نمونہ کا پرچہ ۴/ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہو سکتا ہے۔
۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵۔ اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے

(۶) علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت وارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے ۔
(۷) شرح قیمت روسا، و والیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں ۔ عام خریداروں سے للعہ غرباء و طلباء سے بشرط تصدیق عکم

پتہ خط دفتر الواعظ، مدیر الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہو سکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے، اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا۔
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے ۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں ۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے ۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے ۔

انجمن مؤید العلوم | مدرسۃ الواعظین کی قابل قدر کتابیں

برادران ایمانی! السلام علیکم۔ اس زمانہ پر آشوب میں لامذہبیت کی تیز و تند ہوائیں قصر ایمانی کو متزلزل
[illegible] رہی ہیں ان کی بنیادوں کو پیش از پیش مضبوط و مستحکم کرنے کی ہر سعی امکانی سے دریغ
[illegible] کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ دنیا کے مختلف مذاہب کے پورے حالات بہ نظر غائر مطالعہ
[illegible] ئیں ادارہ آپ کے حکم کی شکریہ کے ساتھ تعمیل کرے گا۔

مدرسۃ الواعظین نمبر ۱۶ کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ

۱۶
جناب امیر الامراء نواب آغا سر سالار جنگ بہادر
حیدرآباد دکن
Hyderabad Deccan
INDIA POSTAGE

				نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
			۴/	مناظرہ معاد و تناسخ	۱/۶	کشف حقیقت	۴/
ترجمہ قرآن مجید حصہ		قربانی	۲/	الاعجاز	۱/۶	ذرا تصوف	
غیر مجلد	عـ/	[illegible]ون	۵/	فلسفۃ المذاہب	۱/۶	اسلامی بچوں کی	
ترجمہ قرآن مجید		[illegible] نسواں		النبی	۱ ۶	پہلی کتاب	۱/۶
دوم مجلد	عـا/	[illegible] اور اسلام	۶/	خصوصیات اسلام	۱/	قرآن السعدین	۴/
صحیفہ کاملہ حصہ		تحقیق البداء	۶/	اسلام و جہاد	۳/	شان صبر	۶/
اول مجلد	عـا/	راز شہادت	۲/	قرآن اور بائبل	۲/		
صحیفہ کاملہ حصہ دوم مجلد	عـہ	القول الجمیل فی		رد الاباطیل	۱/۶		
المودۃ القربیٰ غیر مجلد	عـہ/	التوراۃ والانجیل	۸/	رسالہ متعہ	۱/۶		
دی پرافٹ اینڈ خلافت	۸/	اسلام اور رواداری	۱/۶	سرادق عفت	۴		
اسلام [illegible] اینڈ [illegible]	عـہ/	کربلا کا مجاہد	۱/۶	شریعت الاسلام	۱/۶	صفت سادات	۶/
یونٹی آف گاڈ	۲/	مولود حرم	۱/۶	حصہ اول	۳	تراجم مسلمانان عالم	۳
اسلام ان دی لائٹ آف شیعزم	۱۲			شریعت الاسلام		تجلیات تاریخ اردو	للعہ
مین اینڈ ہل کنگ	۲	تعلیم اسلام	۲/	حصہ دوم	۸	ایضاح الاشکال عربی	۴/
ٹریجیڈی آف کربلا	۱/۶	یہ بشیرا اور تحقیق		شریعت الاسلام		ارشاد شیعہ	عـہ/
پریسں	۴/	مثیل موسیٰ	۶/	ضمیمہ حصہ دوم	۳/	تحفۃ الدرہ	عـہ/
اسلام ان روس	۲	قرآن اور قصاص دیات کی تعلیم	۸/	کارنامہ محرم	۳/	نصر المومنین فارسی	۱۲/
نماز	۲/	تنقید امامت زید	۲	اسلامی صحیفہ	۴/	بردہ پر نظم	۰/
تحفۃ الانبیاء جلد اول		عبائر الانوار جلد سوم	ﮯ/	سوانح عمری حضرت مسلم بن عقیل	عـہ/		

باہتمام [illegible] مرزا [illegible] لکھنؤ میں پرنٹر و پبلشر نے الواعظ صفدر پریس سے چھپوا کر شائع کیا

وبالنجم هم يهتدون

رجسٹرڈ نمبر ل ۳۵۹
ماہانہ مجلہ علمیہ

بیادگار حضرت نجم العلماء



الواعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

زیر سرپرستی والی ریاست عالیہ محمود آباد سرکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بالقابہ متولی منتظم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر نگرانی تاج العلماء جناب مولانا سید محمد زکی صاحب قبلہ مدظلہ نبیرہ سرکار نجم العلماء مجتہد صدر شعبہ تبلیغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

مدیر

فقیر باب اہلبیت سید آغا مہدی الرضوی

الواعظ صفدر پریس میں چھپ کے شایع ہوا

الواعظ

رسالہ الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کا واحد آرگن تبلیغی اور علمی مقالات کا خزانہ ہے ہندوستان کے سب سے بڑے مرکز تبلیغ دین سے ماہوار شائع ہوتا ہے اور ستائیس ۲۷ سال سے اپنے فرائض کو حسن و خوبی سے ادا کر رہا ہے، سیاست علویہ، علمی خیانتیں، اقوام عالم میں تبلیغ دین، تقیہ، متعہ، پردہ کی بحث، اقوام عالم میں ڈاڑھی کی حیثیت، حیات خضر حدود و ذاکری، سہ روزہ عطش وغیرہ وہ معرکہ آرا علمی کارنامے ہیں جو ہند اور بیرون ہند سے خراج تحسین و آفرین حاصل کر چکے ہیں الواعظ آجکل کے اصطلاحی مناظرہ سے بچتا ہوا انتہائی تہذیب و متانت سے مذاہب عالم پر تنقید و تبصرہ کرتا ہے آریہ، عیسائی، قادیانی، اہلحدیث وغیرہ کے مقابلہ میں اپنے مخصوص انداز سے ہر وقت حقائق کے لئے کمربستہ رہتا ہے۔

دین و مذہب کی اس بیکسی کے عالم میں جبکہ روز بروز دہریت کو عروج اور مذہب کا انحطاط ہو رہا ہے ضرورت ہے کہ آپ الواعظ کی صدا پر لبیک کہنے میں دریغ نہ فرمائینگے اور نہ صرف خود خریداری منظور کرینگے بلکہ اپنے احباب اور حلقۂ اثر کو دعوت دیکر نصرت و حمایت دین میں حصہ لیں گے۔

عام خریدار چار روپیہ سالانہ اور روساء و اکابر ملت پچاس روپیہ سال تک مرحمت فرماتے ہیں الواعظ کو آپ کی نظر توجہ کی بڑی ضرورت ہے۔

مینجر

اطلاع عام

خریداران الواعظ کو روانگی ڈاک کے سلسلہ میں دفتر سے وقتاً فوقتاً جو شکایات تھی۔ اس پر عرصہ سے غور ہو رہا تھا اور اب ذمہ داران ادارہ نے ان ذرائع کا انسداد کر دیا ہے جن سے دفتری بدنظمی کا امکان تھا۔

لہذا میں امید کرتا ہوں کہ اب قارئین کرام کو دفتر سے کوئی شکوہ مدنہ ہوگا۔ ایڈیٹر

الواعظ

جلد ۲۷ | بابت ماہ مئی ۱۹۴۶ء مطابق جمادی الآخر ۱۳۶۵ھ | نمبر ۵

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	فاتح خیبر	اڈیٹر	۲
۲	کربجین عورتیں نوٹ کرلیں	جناب پرنسپل صاحب مدرسۃ الواعظین دام ظلہ	۵
۳	کربلائے مصاحب الدولہ	جناب تصدق حسین صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل حنفی	۷
۴	دردِ دل	جناب بیباک صاحب ماہلی	۱۰
۵	لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار	جناب اکمل صاحب شاجاپوری	۱۵
۶	موت العالم موت العالم		۱۶
۷	تاثرات حسین ٹیکری	ماسٹر سید محمد احمد صاحب حسینی	۱۷
۸	تقریر	قطب الدین مولانا عبدالوالی صاحب فرنگی محلی	۲۵
۹	نعت	جناب محسن صاحب	۲۶
۱۰	ام الائمہ	اڈیٹر	۲۷
۱۱	احادیث رسول	مولانا سید اختر حسین صاحب متعلم مدرسۃ الواعظین	۳۰
۱۲	بہاء الدین عاملی	اڈیٹر	۳۳
۱۳	تفسیر قرآن	جناب سید علی صفدر صاحب ایم-اے	۳۷
۱۴	معراج	جناب سید افتخار حسین صاحب جج	۴۱

الواعظ

بابت مئی ۱۹۴۶ء

فاتح خیبر

ہواخواہان بنی امیہ کا نیا ڈھونگ

نمبر ۲

مسلمانوں کا یہ رویہ اسلام کو سب سے زیادہ بدنام کرنیوالا ہے کہ جس رسول کا کلمہ پڑھیں اُنکے خاندان کے خاص افراد کو نہ پہچانیں اور عام لوگوں کی محبت کا دم بھریں اس سے تو وہ اچھے ہیں جو سرے سے اسلام کی آغوش میں نہ آئے اُنکے ہاتھ سے جو کچھ تخریبی کوشش ہو وہ متوقع ہے لیکن نام نہاد مسلمانوں میں وہ دل جس میں غیر کی الفت ہو اور وہ قلب جس میں پیغمبرؐ کے جگر کے ٹکڑوں سے کینہ ہو یقیناً قابل نفرت ہے ایسے لوگ جنکے دماغ میں حق مشتبہ ہو معرفت کی وادی میں راہ راست پر کیا رہینگے، فتح خیبر کا محیر العقول کارنامہ جس پر اسلام کو ناز ہے اور جس کا ہر جزو دفتر ہے منقبت علیؑ کا ایک تنگ خیال ذات کے حملہ سے مٹ نہیں سکتا غزوۂ خیبر اپنے عالمگیر اثرات کے لحاظ سے اول سے آخر تک یاد رکھنے کے لائق ہے مگر یہ الفقیہ کی ذہنیت ہے کہ وہ ساری کامیابی کو رسول کے لعاب دہن کا نتیجہ سمجھتا ہے اور فتح خیبر کے کسی پہلو کا تعارف ہونے نہیں دیتا۔

لعاب دہن کے برکات کو جیسا ہم نے پہچانا ہے تم کیا پہچان سکتے ہو وہ مرکز علم و حکمت اور سرچشمۂ عصمت و طہارت ہے اس میں کسی خطا کار کا کوئی سہم نہیں ہے معترض کی نیت کا حال یونہی معلوم ہوگیا کہ حدیث نور کی خبر متواتر پر پردہ ڈال کے آنکھوں میں لعاب دہن لگانے کے واقعہ کو اچھالتے ہو لعاب دہن کو

اگر شجاعت سے کوئی ربط ہوتا تو حضرت علی مرتضیٰ اپنے شکم مبارک کیطرف اشارہ کرکے یہ نہ فرماتے هذا لعاب رسول الله هذا ما زقنی رسول الله زقاً زقاً یہ ہے نبوی لعاب دہن جو سطرح مرکز پہ پہونچا ہے جیسے پرندہ اپنے بچے کو بھراتا ہے۔ علوی شجاعت اور بہادری کا اگر سبب صحیح پوچھتے ہو تو اصولاً اتحاد نور تھا جو طاقت و قوت پیکر نبوت میں ہے وہی نور کا جزو ہونے کے لحاظ سے پیغمبر میں بھی تھی دنیا جانتی ہے کہ نبیؐ و علیؑ ایک نور سے ہیں اور یہ ہیئت اصلی جس کا نام نبوت و امامت ہے تبدیل ہونے سے پہلے دونوں کا مبداء و معاد ایک ہے جیسے ایک موتی کے دو ٹکڑے ہوں یا ایک آئینہ دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے تو ہر ٹکڑے کا رنگ، ڈھنگ، سنگ طبیعت واثر واحد ہی ہوگا مگر افسوس ہے کہ تم نے حقیقت کو تو چھوڑ دیا اور مجاز کے گرد پھرتے ہو تم نے معرفت کی وادی میں قدم ہی نہیں رکھے اگر پیغمبر کے لعاب دہن کی کامیابی کا یہی راز ہوتا تو تم سے پہلے کے ارباب دماغ اس حقیقت کو پیش کرتے شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۴۵ھ کہتے ہیں ؎

آں قلعہ کشائے کہ در قلعہ خیبر
برکند بیک حملہ و بکشود علیؑ بود

مفکر اعظم مصلح الدین سعدی شیرازی علیہ الرحمہ المتوفی ۶۹۱ھ کی فکر بلند کو دیکھا ہوتا ؎

شہسوار از میدان صفدر لشکر شکن
قاتل کفار خیبر صاحب ہمتا علیست

شیخ مشائخ سلطان ہند محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء کہتے ہیں ؎

امام حق کسے باشد کہ برکند او در خیبر
نبی گفتش کہ یا حیدر نگہبان خدا باشد

لا اعلم

سپر زنان صدائش قتال: بیفتاد از دست شاہ رجال: برآشفت آں شاہ عالی اثر: در قلعہ را کند و کردش سپر

اسلام کے تمام اکابر فتح کا سہرا علیؑ کے سر پر باندھتے ہیں اور تم لعاب دہن نبوی کو عہدہ دیتے ہو۔ ایں چہ بوالعجبی ست

قطع نظر اس سے جناب امیر المومنینؑ خود بھی فاتح خیبر اپنے تئیں کہتے ہیں۔ خطبۂ افتخاریہ (جسکو سید شہاب الدین نے توضیح الدلائل میں درج کیا ہے) میں ہے:-

انا الدرع الحصين انا الضارب بالسيفين انا الطاعن بالرمحين انا صاحب بدر وحنين انا شقيق الرسول انا بعل البتول انا سيف الله المسلول انا ادام الغليل انا شفاء العليل انا سوال السائل انا نجحة الوسائل انا مفرق الاحزاب انا قالع الباب۔

میں (پیکر راہب) کی مستحکم زرہ ہوں میں نے دو تلواروں سے جہاد کیا میں نے دو نیزے استعمال کئے میں ہی (اسلام) کی پہلی جنگ غزوۂ بدر اور آخری جنگ حنین کا فاتح ہوں میں ہمنفس رسولؐ ہوں میں شوہر بتولؑ ہوں میں خدا کی کھنچی ہوئی تلوار ہوں میں (مادیت و جہالت کے) بیماروں کا ذریعہ شفا ہوں میں ہوں مسائل حل کرنیوالا میں ہوں خیبر کے در کا اکھاڑنیوالا۔

(عبقات الانوار حدیث مدینہ)

دوسرے خطبہ میں جسے کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحہ القرشی نے درّ المنتظم میں اور شیخ سلیمان بلخی نے ینابیع المودۃ میں اور شہاب الدین نے توضیح الدلائل میں نقل کیا ہے اس مسلہ کو یوں نقل کیا ہے

انا ساقی الکوثر انا قسیم الجنان انا شاطر النیران انا یعسوب الدین انا امام المتقین انا وارث المختار انا طهیر الاطهار انا مبید الکفرہ انا ابو الائمۃ البررہ انا قالع الباب انا مفرق الاحزاب۔

میں ہوں (نہر) کوثر سے (دوستوں کو) سیراب کرنیوالا میں ہوں بہشت کا بانٹنے والا میں ہوں دین کا تاجدار میں ہوں پرہیزگاروں کا پیشوا میں ہوں مسلمانوں کی کمر کو مستحکم کرنیوالا میں ہوں کافروں کی بیخ و بنیاد اکھاڑنیوالا میں ہوں نیک کردار اماموں کا باپ میں نے در خیبر اکھاڑا میں نے دشمنوں کے جتھے پراگندہ کئے۔

حزب الاحناف کے مولوی صاحب اگر آپ حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مانتے ہیں تو بتائیں کہ ہم آپکے خلیفہ چہارم کو سچا سمجھیں جنکی زبان پر "انا قالع الباب" کا ترانہ ہے یا آپ کی تخیل کو صحیح سمجھیں۔ العیاذ باللہ انتساب کذب اس پیکر عصمت اور بلند و بالا ذات تک تو نہیں سکتا آپ ہی زد میں آئینگے۔

اس دعوی کا تمسک کوئی کتاب ہے حجۃ اللہ علی العالمین جسے دیکھکر محمد احمد صاحب نے اپنے گندہ خیالات کی بنیاد کو استوار کیا ہے وہ لکھتے ہیں: —

جب حضور علیہ السلام نے علیؑ کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالکر برائے جنگ بھیجا اور قلعہ فتح ہوگیا تو اسوقت حضور علیہ السلام نے حضرت علیؑ سے پوچھا کیف وجدت نفسک اے علیؑ کافروں کے مقابلہ میں تم نے اپنے نفس کو کیسا پایا حضرت علیؑ نے جواب دیا وجدت ان لو کان اھل المدینۃ فی جانب و انا فی جانب لقدرت علیہ سرکار اس لعاب دہن سے مجھ میں اتنی طاقت ہوگئی تھی کہ اگر مدینہ کے تمام باشندے ایک طرف ہوں اور میں ایکطرف پھر مجھ تنہا کا مقابلہ ان تمام مدینہ کے باشندوں سے ہو تو میں تنہا غالب آجاؤں۔

ناظرین یہ حدیث حجۃ اللہ علی العالمین میں موجود ہے اس حدیث سے روشن و مبرہن ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ میں یہ زبردست طاقت حضور علیہ السلام کے لعاب دہن کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی سبحان اللہ۔

(کالم ۲ صد الفقیہ ۲۱ فروری ۴۶ء)

حجۃ اللہ علی العالمین ایک نوزائیدہ کتاب ہے جس کا نام ہم نے پہلے پہل سنا کیا مضمون نگار صاحب بتا سکتے ہیں کہ یہ کس صدی کی تالیف ہے مؤلف کا کیا نام ہے قلمی ہے یا چھاپہ عربی میں ہے یا فارسی میں یا اردو اور از جملہ رجال اہلسنت کس کتاب سے اسکی توثیق ہوتی ہے اور اس روایت کا سلسلہ سند کیا ہے اگر ان پانچوں سوالات کا جواب ملے تو ہم انشاء اللہ آئندہ تبصرہ کرینگے سردست تو یہ ایک معمہ ہے جس کا نہ صحاح ستہ میں شمار ہے نہ مسانید میں ممکن ہے کہ انکے امام اعظم کے نتائج افکار ہوں یا حضرت ابوہریرہ کے جدت طراز ہاتھ سے ترطیب دماغ کے لئے کوئی حریرہ تیار ہوا ہو سطحی نظر سے دیکھنے کے بعد تو دل یہی کہتا ہے کہ اپنے ہاتھ کا بنایا ہوا گھڑندا ہے پیغمبر کا ارشاد ہوتا تو کوئی چول تو درست ہوتی اگر لعاب دہن آنکھوں میں ملنے کے بعد رسول پوچھتے تو اس خیال کی گنجائش تھی لعاب دہن کا استعمال ہوجاتے وقت اور پوچھا وایسی میں آخر کیونکر سمجھا جائے کہ اس آغاز کا یہ انجام ہے ایسے اجتہادات تاریخ پر ظلم ہیں کاغذ کی ناؤ کبھی نہیں چلتی۔ (باقی آئندہ)

کرستان عورتیں نوٹ کرلیں

:- جناب علامہ مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین

اس عنوان سے لکھنؤ کے مشہور انگریزی روزنامہ "پانیر" مورخہ ۵ اپریل ۴۶ء صفحہ ۵ کالم ۴ پر ایک خط نمایاں حیثیت سے شائع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں عیسائی ذمہ داران مذہب نے عیسائی عورتوں کے فیشن پر اشک فشانی کی ہے لیکن یہ خطاب نسبت اس مذہب کے مدعیوں کے جو تمدن یورپ کو مذہب پر فوقیت دیتے ہیں ان مدعیان مذہب کے لئے زیادہ عبرت خیز ہے جو ایشائی مذہب کی پابندی پر فخر کرتے ہوئے ایشائی تہذیب کو تمدن کو اپنے اپنے مذہب اور تعلیمات مذہب کا نتیجہ اور مایۂ ناز تصور خیال کرتے ہیں۔ اپنی عورتوں کی حیا و عفت کو یورپ کے عشق کے بت پر قربان کرتے ہوئے نہیں شرماتے۔

متضاد احکام و قوانین کی اجازت خود غرض افراد کا خاصہ ہے اور ایسے احکام کا جریان اعتدال کی گمشدگی و خصوصیات انسانی علی الخصوص امتیازات نسوانی کے لئے مہلک ہے اور بالآخر باہم سیرت آدمی صورت اشخاص کی کثرت شائستگی۔ تمدن۔ حیا اور فرائض صنفی سب کو خاک میں ملا دیتی ہے۔

یورپ کے پادری صاحبان اب اُن نتائج سے خوفزدہ اور دل شکستہ نظر آرہے ہیں جو عورتوں کی

بے جا آزادی سے بیدا ہوئے ہیں لیکن اُن کا یہ احساس بھی قابل مبارکباد ہے افسوس تو ان مغرب زدہ ایشیائی اور ہندوستانی عقلمندوں پر ہے جو کرناریں از سر تا پا صاحب بہادر ہیں اور تقریروں میں ؏
برڑے پاک طینت برڑے نیک باطن

ہم اس خط کا ترجمہ برائے عبرت ناظرین (خصوصاً اہل اسلام) درج ذیل کرتے ہیں :-

کرسچین عورتیں نوٹ کریں

ارناکولم ۴ اپریل
کوچین اور ٹراونکور کے پاپائے اعظموں نے رومن کیتھولک گرجاؤں اور انکے حلقہ کے عیسائی عبادت گاہوں (کے ذمہ داروں) کے نام اپنے حافظان امور مذہبی ہونے کی حیثیت سے ایک حکنامہ شائع کیا ہے کہ یہ ادارے نصرانی عورتوں کے لباس کے فیشن کے متعلق کچھ قوانین و قواعد بجبر نافذ کریں۔
پاپائے اعظم فرماتے ہیں "بہت دنوں سے عیسائی عورتوں میں یہ میلان بڑھتا جارہا ہے کہ وہ شائستگی اور شرم کو بھولاتی چلی جارہی ہیں چنانچہ نازیبا لباس میں اپنی نمائش کیا کرتی ہیں حالانکہ یہ بات عیسائی مذہب کے بنیادی مسائل کے خلاف ہے۔
اس فیشن کو پاپا صاحبان خوف زدہ عالم میں دیکھ رہے ہیں کیونکہ یہ ایک متعدی مرض اور لا مذہبی کی ایک نئی شکل ہے جو ساری دنیا کو تباہ کئے جارہی ہے۔ (بقول غالب ؎

ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے (از طرف مترجم)

آخر میں فرماتے ہیں کہ جبتک عورتوں کے لباس کے متعلق کوئی سخت اور تیز قانون معین نہیں کیا جاسکتا اُس حیا اور موزونیت کا لحاظ کرتے ہوئے جسکی بنیاد ایشائی نسوانی خصوصیات کو پیش نظر رکھکر ڈالی گئی ہو کوئی کم سے کم معیار ملحوظ رکھا جانا چاہیئے۔

مترجم عدیل اختر مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ایک ہمدرد قوم کو صدمہ

نہایت افسوس کیساتھ یہ خبر موصول ہوئی کہ کراچی کے مشہور بزرگ اور مخیر تاجر حاجی نور محمد صاحب جیٹھا گوکل کی رفیقۂ حیات نے ۲۲ جمادی الآخر کو انتقال کیا خداوند عالم مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ہمکو حاجی صاحب موصوف سے اس سانحہ میں دلی ہمدردی ہے قارئین کرام از راہ ہمدردی دینی سورۂ فاتحہ پڑھکر مرحومہ کی روح کو شاد فرمائیں۔

کربلائے مصاحب الدولہ لکھنؤ

از عالیجناب شیخ تصدق حسین صاحب حنفی بی۔ اے۔ ایل ایل بی وکیل لکھنؤ

یہ کربلا مصری کی بغیہ میں مصاحب گنج کے قریب واقع ہے، اسکے چاروں طرف کے مقامات جو کسی وقت بہت زیادہ آباد و گلزار تھے اب دستبرد زمانہ سے بالکل سنسان و ویران پڑے ہیں اس کربلا میں مصاحب الدولہ نے حضرت عباس علیہ السلام کا روضہ تعمیر کرایا تھا جس میں داخلہ ایک عالیشان پھاٹک کے ذریعہ ہوتا ہے جس کے دونوں بازوؤں میں غلام گردش ہے، اور سامنے کے رخ وسیع صحن کے بعد اصل روضہ ہے جو درگاہ حضرت عباس واقع رستم نگر کی مشہور عمارت سے بہت مشابہ ہے۔ روضہ کے شہ نشین پر ایک نہایت کہنہ مگر خوشنما ضریح سنگ مرمر کی رکھی ہوئی ہے۔ روضہ کے اوپر ایک بڑا خشتی گنبد ہے جسکے بالائی حصہ میں سنہری کلسی لگی ہوئی ہے۔ غلام گردش اور روضہ کے اوپر قدیم وضع کی منڈیر ہے جس میں محراب دار طاق بنا کر ان پر کمہاروں کی بنائی ہوئی سبز چمکدار روغنی گمزیاں برائے آرائش لگا دی گئی ہیں۔

چھوٹے خاں (انیس الدولہ) اور گھسیٹے خاں (مصاحب الدولہ) دو سگے بھائی قوم کے ڈھاڑی دہلی کے باشندے تھے۔ چھوٹے خاں غضب کا طبلہ نواز تھا۔ اس فن میں وہ استاد پیار خاں کا شاگرد تھا جو تانسین کے خاندان سے تھے۔ چھوٹے خاں بعہد دولت حضرت امجد علیشاہ معرفت غلام علی ڈھاڑی مرزا محمد واجد علی ولی عہد سلطنت کا ملازم ہوا۔ اُس نے اپنے بھائی گھسیٹے خاں کو ملازم رکھوایا اور دونوں بخطاب مصاحبان خورد سربلند ہوئے۔ ان دونوں پر ولی عہد کی بہت نظر عنایت تھی اور دونوں ہر دم اُنکے ساتھ سایہ کیطرح رہتے تھے۔

چھوٹے خاں کا سن بر وقت ملازمت تخمیناً ۳۵ برس کا تھا۔ اُس کا رنگ سرخ و سفید اور جسم کسی قدر بیمار تھا۔ یہ خوش طبع۔ خوش رو۔ شہ زور بجہد عیاش اور فن مصاحبت میں طاق تھا۔ رفتہ رفتہ مع ہمراہیاں (بہار محفل) کے خطاب سے سرفراز ہوا۔

ایک [1] روز چھوٹے خاں اور واجد علیشاہ میں اس بات پر شرط ہوئی کہ کوئی حسین عورت دونوں میں

---

[1] محلخانہ شاہی ترجمہ پریخانہ فارسی فرشتہ واجد علیشاہ [2] پریخانہ تفصیلات کے لئے دیکھئے محلخانہ شاہی صفحہ ۱۰۱

جسکی طرف مائل ہو جائے نہیں طرح دار ہے۔ چنانچہ بادشاہ خود فرماتے ہیں

اد ہر حسن صورت میں میں انتخاب ادہر سمجھا نہ آپ کو لا جواب

ہوئی بحث اک دن اسی بات میں چلی چوٹ بزم ملاقات میں

اس امتحان کے لئے ایک روز ایک گلبدن قمر طلعت عورت بلائی گئی چھوٹے خاں پہلے سے پرتکلف لباس میں ملبوس عطر میں لبابہ ایک خوشنما مکان میں اسکے ساتھ سرگرم اختلاط تھا کہ اتنے میں واجدعلیشاہ سادی ٹوپی پہنے اور سفید چادر کمر سے لپیٹے وہاں پہونچے انھیں دیکھتے ہی وہ عورت ماہ چھوٹے خاں سے منہ موڑ کر واجدعلیشاہ کیطرف ہمہ تن متوجہ ہو گئی اور مکان کا پتہ دریافت کر کے لگاوٹ بازی کرنے لگی اس طرح واجدعلیشاہ چھوٹے خاں سے مقابلہ حسن میں بازی لیگئے۔

سلطانعالم نے تخت نشینی سے پیشتر ہی چھوٹے خاں کو کوٹھانہ کی داروغگی کا خلعت مرحمت کر دیا تھا مابعد جب ۱۸۴۷ء میں صاحب تاج وتخت ہوئے تو چھوٹے خاں کو انیس الدولہ مونس الملک خانہ زاد خاں بہادر مصاحب خاص حضرت سلطانعالم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ، اور گھسیٹے خاں کو خطاب مصاحب الدولہ بہادر اور خدمت عرض بیگی اور چھوٹے خاں کو داروغگی کبوترخانہ وکوٹھانہ واہتمام خاص مکان مع اہتمام مکانذار کے عطا ہوئی۔

ان دونوں بھائیوں کی ترقی وعروج کے متعلق سید کمال الدین حیدر قیصر التواریخ کی جلد دوم میں تحریر کرتے ہیں:— انیس الدولہ۔ مصاحب الدولہ۔ قطب الدولہ۔ تاج الدولہ۔ ثابت الدولہ وغیرہ وغیرہ سب ارباب نشاط کو خدمات عالیہ ملیں قطب الدولہ کو کچھ علم تھا اس جہت سے دستخط وغیرہ ضداشت وغیرہ میں دخل تام ہوا۔ اور ان دونوں فرقۂ خاص (ڈوم وخواجہ سرا) کے احکام فوق احکام وزیراعظم ہونے لگے چنانچہ ان سب کا دماغ فلک مشتری سے گذر گیا تھا مصاحب الدولہ بوجہ اپنی صلاحیت مزاج کے فی الجملہ نیکنام رہے اور پابند صوم وصلوٰۃ بھی تھے۔"

بعد ضبطی سلطنت جب ۱۸۵۶ء میں سلطانعالم کلکتہ تشریف لیگئے تو انیس الدولہ اور مصاحب الدولہ بھی انکے ہمراہ کلکتہ چلے گئے پھر جب ۱۸۵۷ء میں شاہ معزول فورٹ ولیم (Fort William) نامی قلعہ میں زیر حراست کر دیے گئے تو اسی روز انیس الدولہ بھی اپنے جائے قیام موچی کھولے سے اپنے ولی نعمت کی رفاقت وغمگساری میں قلعہ پہونچ گئے۔ انیس الدولہ نے کلکتہ ہی میں رحلت کی اور وہیں سپرد خاک کئے گئے۔ انکی پوشاک پیچ گوشیہ ٹوپی۔ انگرکھا اور غرارہ دار پیجامہ تھی متروکہ میں انھوں نے دو لاکھ روپیہ سے زائد کی رقم چھوڑی لکھنؤ میں انکا ایک وسیع باغ موسومہ جھانکڑ باغ مفتی گنج کے

قریب تھا جسکے وسط میں ایک عالیشان کوٹھی تھی۔ باغ ایک حکیم صاحب کے قبضہ میں ہے مگر کوٹھی منہدم ہو چکی ہے۔

۱۔ باغ کے علاوہ انکی املاک قیصر باغ کے جانب غرب قریب کچہری کمشنری بھی تھی۔ محلسرا اور مسجد دونوں عمارتیں منہدم ہو چکی ہیں مگر ایک بارہ ابتک برقرار ہے اس میں تحصیلی کا دفتر ہے۔ تحصیلدار صاحب اور انکے نائبین اسی میں اجلاس بھی کرتے ہیں۔ ان[1] جائدادوں کے علاوہ انکے پاس دہلی میں شہزادہ داراشکوہ کا محل بھی تھا جسکو حضرت محمد علی شاہ شہنشاہ دہلی نے نواب برہان الملک سعادت خاں کو بجائے قیام عنایت فرمایا تھا۔ واجد علیشاہ نے یہ آبائی جائداد بھی جسکی قیمت کا اندازہ پچاس لاکھ روپیہ کیا جاتا ہے انیس الدولہ کو عطا کر دی تھی۔

۱۔ ۱۸۸۷ء میں جب واجد علیشاہ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے تو مصاحب الدولہ بھی لکھنؤ چلے آئے اور یہاں بڑے ٹھاٹھ سے میانہ زندگی بسر کرتے رہے ان کا رنگ گندمی اور قد کسی قدر پستہ قد تھا بوڑھے تھے پنج گوشیہ ٹوپی، انگرکھا اور عزادار پائجامہ وہ بھی استعمال کرتے تھے نشست ہر یا کی گاڑی میں سوار ہوتے تھے۔ انکے یہاں گھنٹہ بجتا تھا۔ علاوہ کربلا تعمیر کرنے کے انھوں نے اپنے نام پر محلہ مصاحب گنج بھی آباد کیا تھا جسکے چاروں طرف پھاٹک تھے، مصاحب گنج میں انکا ایک پختہ کنواں۔ دو محلسرائیں۔ ایک باغ اسمی مصاحب باغ اور ایک مختصر سی مسجد تھی جو ۱۲۶۹ھ / ۱۸۷۹ء میں تعمیر ہوئی اور ابتک موجود ہے۔ گوری بہت فیض اللہ گنج وغیرہ مواضعات اور بارکی مینڈھے والی کوٹھی انہیں کی ملکیت تھی۔

مصاحب الدولہ نے تخمیناً ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا اور اپنی مسجد کے سامنے والی آراضی میں مدفون ہوئے قبر پر ایک مقبرہ تعمیر ہوا تھا جسکے اندرونی جانب آیات قرآنی تحریر ہیں مگر یہ مقبرہ بالکل منہدم ہو چکا ہے قبر کے اوپر صرف خاک کا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔

مصاحب الدولہ لاولد مرے۔ انیس الدولہ کے صرف ایک بیٹے محمد حسین تھے جو پیدا ہوئے کہ بی مشتری سے پیدا تھے محمد حسین مشتری والے مشہور ہو گئے تھے دونوں بھائیوں کا ترکہ محمد حسین کو ملا جنھوں نے شروع میں کلکتہ میں رہکر خوب گلچھرے اڑائے۔ آٹھ دس گھوڑے سواری کے لئے رکھے۔ تیس چالیس رفقاء و مصاحبین روزمرہ انکی دربارداری کرتے تھے۔ کلکتہ ہی میں انھوں نے اپنی شادی ایک لڑکی ہاجرہ نامی سے کی جو ایک ہندو بنگالی اتاری کے نطفہ سے ایک مسلمان طوائف سے پیدا ہوئی تھی۔

---

[1] تواریخ اودھ مولانا نجم الغنی جلد پنجم بحوالہ نسخہ نہ جادید

بروقت نکاح محمد حسین سے انکی کل جائداد لکھنؤ بیوی کے دین مہر میں لکھوالی گئی تھی۔ اتفاقاً میاں بیوی میں کسی بات پر ناچاقی ہوگئی اور محمد حسین نے کلکتہ سے لکھنؤ آکر ایک دولہ کی لڑکی سے جو پہلے واجد علیشاہ کے متعہ میں تھی عقد کرلیا یہ خبر سنکر زوجۂ اولی نے زرمہر کا دعویٰ کر کے ڈگری حاصل کر لی جسکے ایفاء میں محمد حسین کی کل جائداد واقع لکھنؤ نیلام ہوگئی اور موصوف تونگر سے قلندر ہو گئے۔

محمد حسین کو راقم الحروف نے بسلسلۂ مقدمہ بازی دیکھا تھا۔ انکا رنگ گندمی۔ چہرہ طباقی۔ سر پہ پٹے خط بنا ہوا لبیں کتری ہوئی دوپلی ٹوپی انگرکھا اور ڈھیلے پائچوں کا پائجامہ پہنتے تھے۔ جائداد نکل جانے کے بعد محلہ نخاس میں قیام اختیار کیا تھا۔ تخمیناً ۱۹۲۰ء کے بعد پریشانی کے عالم میں پھر کلکتہ چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ انکی رحلت سے اس خاندان کا آخری چراغ بھی گل ہوگیا۔

دردِ دل

از جناب بیباک ماہلی زیدمجدہٗ

مذہبی جرائد کا تقاضہ ہے کہ حالات حاضرہ کی روشنی میں عزاداری پر مضامین لکھے اور جلد لکھے مگر حالات حاضرہ کی نہ توضیح ہے نہ تشریح اس کا فیصلہ میری فہم ناقص پر ہے۔

بہرحال حالات حاضرہ یہی ہیں کہ جنگ عظیم کے بعد بھی ایک طرف ہم بڑے کہ تم بڑے کا سوال پیدا ہے۔ روزانہ کانفرنسیں ہوتی ہیں۔ مجلسیں بیٹھتی ہیں مگر خود غرضانہ تجارت کا سوداگراں ہوتا جاتا ہے کسی عنوان میزان کا پلہ برابر نہیں ہوتا۔

دوسری طرف خورش و پوشش کی نایابی نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے ٹکٹ و کارڈ کی تقسیم کے بعد بھی تسکین نہیں ہے۔ خدا معلوم زمین کی اگلی ہوئی دولت کہاں چلی جاتی ہے جو کنٹرول کا بھوت اترتا دکھائی نہیں دیتا۔

تیسری طرف اکثریت اقلیت کو ہضم کرنا چاہتی ہے۔ اور اقلیت اپنی پوری قوت کیساتھ اکثریت میں مدغم ہونے سے بچنا چاہتی ہے۔ دونوں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہی ہیں اور ہندوستان میں پاکستان و پاکستان میں ایمانستان کا شور بلند ہے۔ قرآنی آیتیں درمیان میں لائی جا رہی ہیں۔ حدیثوں کے معنی بدلے جاتے ہیں روایتوں پر دانستوں کا پردہ ڈالا جاتا ہے۔ مصلحت وقت

دیکھی جاتی ہے ضرورت کے موافق فتوے ڈھالے جاتے ہیں۔ بین الاقوامی کی دھن میں مصلحت آمیز تصنیفیں ہوتی ہیں۔ اشتہارات چھپتے ہیں۔ پمفلٹ شائع ہوتے ہیں، روکنا ٹوکنا کام نہیں دیتا ضد و ہٹ دھرمی جاری ہے مذہب کا نام بدنام ہوتا ہے نہ خدا کا خوف ہے نہ رسول کا ڈر پھر حسین مظلوم کو کون پوچھے جو عزاداری کیا جائز نام ہو۔

غرض یہ اس شطرنجی بساط کی چالیں ہیں جہاں بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کے کھانے کی فکر میں ہیں۔ عزاداری کیا ہے؟ ایک مظلوم جنہیں تین شبانہ روز کے بھوکے پیاسے خدا کے محبوب کی یادگار ہے اسکے دہرانے اور تازہ کرنے کا ذریعہ ہے جس میں چند شہیدان راہ خدا کے کارنامے جاں نثاران حسین کے سوانح حیات اور کچھ بیکس، غریب، بیسر و سامان مخدرات کی درد آمیز کہانیاں ہیں جو صرف اسوجہ سے عرصۂ شہود پر آئیں کہ دنیا سے ظلم کا نام مٹ جائے۔ زبردست زیردست کی تلوار سے محفوظ رہے انسان مساوات و ہمدردی کو طلاق نہ دے۔ صبر و استقلال سیکھے تہذیب و شائستگی سے رہ کر خود زندہ رہے اور دوسروں کو زندہ رہنے دے تاکہ عبد و معبود کا نازک رشتہ قائم رہے ٹوٹ نہ جائے وہ کوس لمن الملکی نہ بجانے لگے اور مسخ ہوکر انسان سے حیوان نہ بنجائے۔

جس سے ظاہر کوئی لگاؤ واقعات حاضرہ، محرم اور غم سے معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر عزاداری کے ہیرو کی تعلیم و زندگی کا گہرہ مطالعہ کیاجائے تو ضرور یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حسین علیہ السلام اس موہوم بڑے کہ تم بڑے کی دنیا سے جس کی وجہ سے آج تمام دنیا کا نظام درہم برہم ہے۔ تنازع للبقا کی جنگ جاری ہے الگ تھے۔

حسین علمبردار حریت تھے، ان کی تمنا تھی کہ اخلاق حمیدہ سے بنی آدم (ہندو، مسلمان، آریہ، سکھ، پارسی، عیسائی، یہودی) کی آشنائی کراؤں اور اخلاق رذیلہ کے دور کرنے کا سبق دوں تاکہ مسلم و غیر مسلم سب کے سب سیدھی راہ چلکر انسانیت و آدمیت کے صفات سے متصف ہوجائیں اور دنیا امن دامان کی تصویر بنجائے، صلح و آشتی کا مسکن ہوجائے۔ رواداری و ہمدردی کے زیور سے مزین ہوجائے خدا و دھرم اور مذہب کے معنی جان لے جسکی کوشش سب ہی رسول، پیغمبر، نبی، وصی امام، ہادی، رشی، منی، عالم، فلاسفر، ریفارمر نے کی۔

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اخلاق ذمیمہ و افعال رذیلہ کے ترک کرانے کی کوشش تلوار کے زور سے نہیں کی، نہ فوج و لشکر جمع کیا بلکہ چند اپنے بوڑھے جوان، بچے، پرخلوص، باوفا، صابر، متحمل، راضی برضا رہنے والے ساتھیوں کو لیکر یزید جیسے بدچلن، بدکردار، بدافعال، زانی شرابخوار، بداخلاق بادشاہ

وقت کے سامنے آگئے جو چاہتا تھا کہ دنیا سے مذہب کا خاتمہ کر دوں، تہذیب و شائستگی و اخلاق حسنہ کو مٹا دوں تاکہ بنی نوع انسان انسانیت و آدمیت کے معنی نہ سمجھ سکیں! یزید نے اس موقع پر تاریخ گواہ ہے کہ اپنی پوری قوت کو اور حکومت و سلطنت کے تمام زور کو صرف کر دیا تھا لیکن حسینؑ نے اپنی انگلیوں پر گنی جانیوالی تعداد کی تنظیمی و اتحادی قوت سے بہتر کے گلے بہتر ہزار کی تلواروں کے نیچے نہایت حسن کے ساتھ رکھکر اتنی قلیل تعداد سے کثرت کی اتنی بڑی تعداد کو شکست دیدی کہ ظالم یزید گھبرا اٹھا اور آگے بڑھکر اپنے کئے پر آپ کف افسوس ملنے لگا۔

مگر اب اس کا کیا علاج ہے کہ حسین علیہ السلام کی اس روشن تعلیم سے انھیں لوگوں نے فیض نہیں اُٹھایا اور نہ اسوقت اٹھاتے ہیں جو آج ساڑھے تیرہ سو برس سے اس داستان کو دہراتے چلے آتے ہیں اور حسین علیہ السلام کو اپنا دینی و مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں۔ جو حسین علیہ السلام سے بہت قریب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جنھیں اپنی ہر سانس کے ساتھ حسین علیہ السلام کا نام لینا پسند رہے تو پھر دور کا لگاؤ رکھنے والے کی شکایت کیا۔ ان کی شکایت تو ہم اسوقت کرتے اور اس حالت حاضرہ پر نکتہ چینی کرتے جب ہم حسینی عمل کا نمونہ بنکر اپنے جتھہ و گروہ کے درمیان سے تمام برائیوں کو، نقائص کو دور کرکے دکھلا دیتے کہ دیکھو حسینی گروہ کی شان یہ ہے تو انھیں بھی یقین کامل ہو جاتا کہ بیشک حسینی تعلیم بنی نوع انسان کے لئے حقیقی تعلیم ہے مگر یہاں تو اسی گروہ کی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہو رہی ہے کہ کتابوں کے دیکھنے والے، اخبارات کے پڑھنے والے، اشتہارات پر نظر ڈالنے والے تھرا اٹھتے ہیں۔

افسوس کہ ہم نے اس سبق کو بھلا دیا، ہمارے لئے وہ درس عمل آموز رسمی ہوگیا۔ ہم اس بصیرت افروز تعلیم سے دور ہٹ گئے اور روزانہ ہٹتے جاتے ہیں پھر کیسے کسی کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ حسینی تعلیم "مصلح عالم ہے"۔ ہمیں تو چاہئے تھا کہ ہم مرتے وقت تک اس تنظیم و اتحاد کو یاد رکھتے جس کا سبق آقائے نامدار نے میدان نینوا میں دیا تھا تاکہ قلت و کثرت کے خیال سے ہم کبھی نہ گھبراتے نہ مرعوب ہوتے بلکہ جتنا ہی کثرت کی طرف سے تشدد بڑھتا جاتا ہم اپنی تنظیم و اتحاد کی رسی کو مضبوط کرتے جاتے یہانتک کہ ہماری جیت ہو جاتی۔

لیکن یہاں تو نہ کوئی تنظیم ہے نہ اتحادی اسکیم ہے، یہ روزانہ دیکھتے ہیں کہ سکھ، یہود، پارسی اور دنیا کی چھوٹی چھوٹی قومیں اپنے نظام و اتفاق سے ترقی و اخلاق کے میدان میں کہاں سے کہاں پہونچ گئی ہیں اور انکی قلت نے کثرت کو کہاں تک مرعوب کر لیا ہے پھر بھی انکی توجہ حسینی تعلیم کیطرف نہیں ہے دیکھئے حسین علیہ السلام نے انھیں حق پر جان دینے اور سچ بولنے کی تعلیم کربلا کے خونی دریا

میں خوطہ پر غوطہ لگا کر دی اور یہاں تک دکھا دیا کہ حق و صداقت کی بقا اور دین و ایمان کے تحفظ کے لیے حضرت علی اصغر جیسے معصوم شش ماہے بچہ کا معصوم خون چلو میں لیا جا سکتا ہے اور حضرت علی اکبر جیسے اٹھارہ برس کے کڑیل جوان کو سینہ پر زخم کھاتے ایڑیاں رگڑتے باپ دیکھ سکتا ہے لیکن حق و صداقت و دین و ایمان کے معاملہ میں پالیسی و مصلحت کو پسند نہیں کر سکتا مگر ان کے نقش پا پر چلنے والوں کو تھوڑی سی وقتی کامیابی نام آوری، نمائش، سود و بہبود اور سستی ہر دلعزیزی کے لئے اب تک مصلحت پسند ہے، پالیسی عزیز ہے خواہ اس کا اثر قوم و ملت کے عام افراد پر اچھا پڑے یا خراب۔

حسین علیہ السلام نے انھیں ظالم و مظلوم کا فرق اچھی طرح سمجھایا اور انھوں نے اسے ایسا سمجھا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زائد وقت گزر گیا کہ اسکے اظہار کے لئے مجالس محرم قائم کر کے یزید کی ظلم نوازی و حسین علیہ السلام کی مظلومیت کو واضح کرتے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ خود صرف تلوار کی دھار سے گلے کاٹنے کو ظلم سمجھتے ہیں حقوق و فرائض کی عدم ادائیگی کو ظلم نہیں سمجھتے قومی و ملی اتحاد کے نہ سنبھالنے کو ظلم نہیں تصور کرتے، قلم و زبان کی بیجا حرکت و گردش ان کے نزدیک ظلم نہیں ہے جس سے قومی و ملی اتحاد کو دھکا لگتا ہے۔ نظام مذہب کا شیرازہ بکھرتا ہے سیکڑوں بیوائیں سسکتی ہیں۔ ہزاروں یتیم روتے ہیں اور صدہا شوہردار عورتیں اپنے خاوند کے غیر شرعی دنا روا برتاؤ سے نالاں و نوحہ کناں نظر آتی ہیں جس کا علاج اس حسینی گروہ کے پاس کچھ نہیں ہے۔ واللہ اگر آج اس قوم کا نظام ملی درست ہوتا اور یہ اتحادی جذبہ کے ماتحت کام کرتی تو نہ معلوم ترقی کے کس زینہ پر ہوتی اور شکایتوں کا کہیں نام نہ ہوتا۔

آہ آہ! انھیں اسلام کی نہ تبدیل ہونیوالی تہذیب بتائی گئی۔ اخلاق حسنہ کا سبق مکمل طریقہ سے پڑھایا گیا۔ اور ہمدردی و مساوات کی تعلیم حضرت جون حبشی غلام جناب ابوذر غفاری کا سر زانوئے مبارک پر اس جگہ رکھکر دیدی گئی جہاں کہ حضرت علی اکبر و حضرت عباس کا سر مبارک رکھا گیا لیکن پھر بھی ان کی رواداری و ہمدردی و مساوات کا یہ عالم ہے کہ جاہل دنیا ہی کا مارا غلام کو بھائی نہیں جانتی۔ چچا بھتیجہ کا بھائی بہنوں کا دشمن ہے اور بہن بھائی سے، بیٹی باپ سے، زوجہ شوہر سے الگ ہے پھر غلام و لونڈی کا تو ایک ذہنیت میں کیا شمار۔

انھیں وعدہ وفائی کی تعلیم دی گئی اور اسکا عملی نمونہ اس شان کے ساتھ رکھا گیا کہ شاہزادی نور کے مبارک ہاتھوں کا سنوارا ہوا، سفیر ربانی محمد مصطفیٰ صلعم کے ذہن اقدس کا چہیتا ہوا تین دن کی بھوک و پیاس میں شمر لعین کے خنجر کے نیچے رکھدیا گیا اور زمین سے لیکر آسمان تک غم و رنج بپا ہو گیا۔ وعدہ وفا ہو تو ایسا ہو عرش پر ملائکہ اعلیٰ فخر و مباہات کرنے لگے مگر ان کے یہاں اس کا وزن نہیں، یہ

روزانہ کانفرنس کرتے ہیں لمبی چوڑی تقریریں ہوتی ہیں تنظیم و اتحاد ملی کی سیکڑوں اسکیمیں پاس کرتے ہیں وعدہ وعید ہوتے ہیں لیکن پھر قلم و قرطاس تک وقف ہو کر رہجاتے ہیں۔

مختلف اداروں کی نکتہ چینیاں کیجاتی ہیں انکی غلطیاں اچھالی جاتی ہیں شور و غل بلند ہوتا ہے ایک دوسرے پر الزام رکھتا ہے مگر یہ سوچکر کوئی درست نہیں کرتا کہ بگڑا ہوا نظام سنبھل جائے۔ اتحادی شان پیدا ہو جائے۔ اور قوم کی گاڑی چلنے لگے۔

بجنبہٖ یہی کیفیت انکی عبادت و ریاضت و احسان فراموشی کی بھی ہے جسے منظر عام پر اپنے گذشتہ مضامین میں لاچکا ہوں اور جانتا ہوں کہ میں بھی اسی حسینی گروہ کی ایک فرد ہوں اور ان سب باتوں کا عملی جواب دینا میرا بھی فرض ہے۔ مجھ میں بھی یہ تمام عیوب موجود ہیں۔ لیکن کیا کروں دردِ دل کو کیسے چھپاؤں اور ضعیفی سے شباب کو کیونکر بدلوں اسلئے جب کبھی موقع پاتا ہوں تو یہی کہانی اپنی زبانی سناجاتا ہوں تاکہ کوئی بندۂ خدا کھڑا ہو جاتا اور یہ نکبت و پریشانی حسینی گروہ سے دور ہو جاتی ان کا اضمحلال مٹ جاتا ان کی قلت انکے لئے نقصان رساں ثابت نہوتی جس کا سہل و آسان علاج موجودہ دور میں یہی ہے کہ ان میں حق و صداقت کے اظہار کے لئے وہی جذبہ پیدا ہو جائے جو رضا کاران حسینی کے دل میں موجزن تھا۔ اگر ان میں جناب عباس و جناب علی اکبر علیہم السلام کے سے جذبات یا اور بنی ہاشم کے سے حقیقی ولولے پیدا نہیں ہو سکتے تو حضرت حُر حبیب ابن مظاہر، بریر ہمدانی، وہب کلبی و حضرت جون و دیگر مجاہدین اسلام کے کارنمایاں کو سامنے رکھکر کچھ تو حسینی گروہ میں ہم زندگی پیدا کر سکتے ہیں اور ہماری محترمائیں جناب فضّہ کی تاسی میں بہت کچھ کر سکتی ہیں اور زندہ ۔ ۔ ۔ ۔ نمونۂ عمل ان کی کافی رہنمائی کر سکتا ہے، اور ایسی صورت میں ہم حالات حاضرہ کے اثرات بچ سکتے ہیں۔ واقعات عالم سے گھبرا نہیں سکتے۔ مایوسی و ناامیدی کا شکار نہیں ہو سکتے اور یہی غرض کی تکمیل کے لئے ہماری مجلسوں کا انعقاد ہوا۔ جلوس نکالنے و علم اُٹھانے کا رواج ہوا۔ سینہ زنی و نوحہ خوانی کی اجازت ہوئی۔ پیاسوں کے نام کی سبیلیں رکھی گئیں زیارت گاہیں قائم ہوئیں تاکہ دنیا حسین علیہ السلام کی مظلومیت و بیکسی و بے بسی کی کہانی کو ہمدردی و انسانیت کے تحت میں سُنے اور ان کی حق نما تعلیم سے فائدہ اٹھائے اور ہم صحیح معنوں میں ان کے اسوۂ حسنہ پر چلکر عملی نمونہ پیش کریں۔ ہمارا عمل دنیا کے لئے سبق آموز ہو۔

تقیہ

جناب الحاج مولانا سید اظہار حسین صاحب انگریزی میں تقیہ پر ایک مباحثہ کی ہر جگہ کی ناک بیت کا تعلق دیکھنے سے ہی قیمت ۸ر ملنے کا پتہ:- منیجر انجمن مؤیّد العلوم مدرسۃ الواعظین ۱۶ کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ یو۔ پی

لا فتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار

از نتیجۂ فکر بلند ایم اے اکمل منشی کامل شاجاپوری مدرس اعلیٰ مدرسہ نورانیہ راکاوٹ تلمیذ حضرت خبیر لکھنوی

نشترِ فکر و تردد سے اگر دل ہو فگار پنجۂ غم سے گریباں ہو گیا ہو تار تار
ہو چکا ہو نذرِ بیتابی دل صبر و قرار ہر بلائے رد شود گوئے اگر ہفتاد بار

شاہ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لا فتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار

ہو اگر فوجِ حوادث سے کسی کو اضطرار ضبطِ غم لازم ہے دل کو چاہیئے صبر و قرار
پنجتن کے واسطے سے کر دعا اے حق شعار صدقِ دل سے ایک سو دس بار پڑھ یہ بار بار

شاہ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لا فتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار

خلق کے ظلم و ستم تجھ پہ ہوں گے بے شمار بخت خوابیدہ ترا بیدار ہوگا ایکبار
گلشنِ امید میں آجائے گی فوراً بہار رکھ وظیفہ اس کا گر ہے خادمِ دلدل سوار

شاہ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لا فتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار

خنجرِ افلاس و ذلت سے نہ ہوگا دل فگار وادیٔ رنج و مصیبت میں نہ پھر ہوگا گذار
چشمِ مردم میں نہ ہرگز ہوگا تو پھر زشت و خوار یہ وظیفہ رنج و راحت میں پڑھا کر بار بار

شاہ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لا فتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار

سایۂ آسیب و دیو و جن نہ ہو اس سے دوچار دور بھاگیں مار و عقرب و نہ طاعون و بخار
ہو سکیں سیلابِ غم کو کند ہو خنجر کی دھار صدقِ دل سے پڑھ تو لے مومن بفضلِ کردگار

شاہ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لا فتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار

ہیں خبیرِ باخبر مداحِ شاہِ نامدار وہ مرے استاد ہیں مجھکو بھی ہے یہ افتخار
دور کر انکی پریشانی بھی اے پروردگار کہتا ہے بعدِ دعا اب اکمل مدحت شعار

شاہ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لا فتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار

حکم قرار دیئے جانے دیوالیہ

دفعہ ۲۷ - ایکٹ سنہ ۲۰ء

بعدالت جناب جج صاحب بہادر خفیفہ لکھنؤ

دیوالیہ ۱۲ سنہ ۴۴

بمقدمہ قرار دیئے جانے دیوالیہ مسمی سماۃ دلارا بنت رام زوجہ اونکار پرشاد قوم کہار عمر ۴۵ سال ساکن محلہ حسن گنج تیلی وال گلی لکھنؤ۔

کی درخواست دیوالیہ مورخہ ۲ مئی سنہ ۴۴ء کو پڑھنے اور فریقین کے بیانات کو سننے کے بعد یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مدیون مذکور دیوالیہ قرار دیا گیا اور وہ اپنی درخواست بریت اندر چھ ماہ گذارے بثبوت قرضہ ۵ جولائی سنہ ۴۶ء

آج بتاریخ ۲۳ ماہ اپریل سنہ ۴۶ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم مہر عدالت

مَوتُ العَالِم مَوتُ العَالَم

بمعصر پرچم اسلام ایران کے صفحات سے یہ المناک خبر معلوم ہو کر افسوس ہوا کہ حجۃ الاسلام آقا حاج شیخ جعفر نہاوندی نے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مشہور اہل قلم نواب احمد حسین خاں صاحب رئیس پرانواں مؤلف تاریخ احمدی کے انتقال سے بھی مذہب شیعہ کو جو علمی نقصان پہونچا ہے اسکی تلافی نہیں ہو سکتی۔ ہم کو ان حادثوں میں پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے۔

تاثراتِ حسینؑ ٹیکری

ازعالیجناب سید محمد احمد صاحب حسینی اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ نارمل اسکول لکھنؤ

حال ہی میں بتوفیق ایزدی میں آگرہ اور حسینؑ ٹیکری کی زیارت سے مشرف ہوا۔ لکھنؤ سے آگرہ تو بہت سے حضرات جایا کرتے ہیں اور دیگر مقامات سے بھی اسلئے شہید ثالث علیہ الرحمہ کے متعلق کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ ضرور عرض کرونگا کہ سوانح حیات جناب موصوف کے مزار پر دستیاب نہیں ہوتے۔ اسکی متعدد جلدیں ہونا چاہئیں۔ یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ فی الحال کہاں سے دستیاب ہوسکتی ہیں۔ بجلی کا انتظام قیامگاہ کے ایک حصہ میں نہیں ہے امید ہے کہ متولی صاحب اسکی طرف توجہ کرینگے نل بھی اسی حصہ میں نہیں ہے صرف ایک ٹونٹی لگنے کی ضرورت ہے۔ جناب ناصر ملۃ کی قبر مبارک پر بھی فاتحہ پڑھا۔ سرکار کی قبر مبارک ابھی تک خام ہے۔ شائد تبرکاً ایسی ہی رکھی گئی ہو۔ یا کوئی اور مصلحت ہو۔ مجاور صاحب یعنی سید مبارک حسین صاحب بہت ہی خلیق اور متواضع بزرگ ہیں مزار کی دیکھ بھال اور زائرین کی آسائش کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

حسین ٹیکری جانے کے لئے ہر شخص کو آگرہ فورٹ کے اسٹیشن پر پہونچنا چاہئے جہاں سے ۹ بجے شب کو ایک تھرڈ بوگی جسپر آگرہ فورٹ اور بمبئی لکھا ہوتا ہے چلتی ہے اس میں بڑی تیزی کے ساتھ گھسکر جگہ لینی پڑتی ہے۔ آگرہ فورٹ سے جاورہ تک کا کرایہ چھ روپیہ ۱۳ؔ ہے تیسرے درجہ کا۔ انٹر اسمیں نہیں ہوتا تین گھنٹہ کے بعد بیانہ اسٹیشن پر یہ بوگی پہونچتی ہے اور تین بجے شب کو ایک دوسری گاڑی لگادی جاتی ہے۔ اور چلتے چلتے ۴ بجے دنکو رتلام پہونچتی ہے یہاں اترنا پڑتا ہے اور دوسری ٹرین پر جو تیار ملتی ہے بیٹھکر ایک گھنٹے میں ۵ بجے شام کو جاورہ پہونچ جاتے ہیں۔ اگر رتلام پہونچنے میں دیر ہوئی تو پھر شب بھر قیام کے بعد دوسرے دن صبح ۸ بجے جاورہ کی گاڑی ملتی ہے۔ جاورہ اسٹیشن سے حسین ٹیکری تک تانگہ ۶ؔ لیتا ہے۔ شہر سے ایک میل باہر ہے بڑے حضرت کے روضۂ مبارک سے متصل ایک عمدہ مسجد ہے اور آس پاس ٹھہرنے کے لئے کمرے ہیں تقریباً پچاس ساٹھ کمرے ہیں ہر کمرے میں بجلی کی روشنی دو پلنگ پکانے کا سامان چائے کے برتن۔ پانی کے برتن وغیرہ ہیں۔ زائر کو کسی سامان کے لیجانیکی ضرورت نہیں۔ سامنے ہی ہوٹل ہیں جہاں سے کھانا چائے دہی دودھ انڈے کچے پکے

ملجاتے ہیں ۔ البتہ شکر ۱۲ سیر ہے اور گھی اصلی ۵ چھٹانک اور بناسپتی کی وہی قیمت جو ہر جگہ ہے۔ دہی ۸ سیر دودھ ۵ سیر گوشت ۱۴ سیر۔ کچھ کمرے زیر تعمیر ہیں۔ چھتیں اور دروازہ ابھی نہیں لگے ہیں جگہ کی قلت اور زائرین کی کثرت کی وجہ سے ان کمروں میں دو ایک دن قیام کرنا پڑتا ہے پھر کمرے خالی ہونے پر فوراً نمبروار ہر زائر کو کمرے ملتے جاتے ہیں کرایہ کم از کم ایک ہفتہ کا دینا ہوتا ہے۔ ماہوار چھ روپیہ ۔ آٹھ روپیہ اور ۲۲ روپیہ ماہوار کے کمرے بھی ہیں۔ سب سے بڑی کمی وہاں یہ ہے کہ طہارت کا کوئی انتظام نہیں۔ نہ کوئی غسلخانہ ہے نہ مسجد میں حوض ہے یعنی ہر کمرے میں نل ضرور لگا ہوا ہے ہمیں نہایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ کمرہ ملے۔ دوسرے یہ کہ پردے کا کوئی انتظام نہیں۔ اب جو عمارت بن رہی ہے اس میں اسکا خیال کیا گیا ہے۔ ان ہی دو باتوں کیطرف جناب سعید الملۃ نے بھی اپنی رپورٹ میں اشارہ فرمایا ہے۔ مجھے امید ہے کہ دیگر حضرات بھی وہاں کے متولی ولی اللہ صاحب کو اس طرف توجہ دلائینگے اور خود ہز ہائینس نواب صاحب کی خدمت میں بھی عرضداشت بھیجی جانا ضروری ہے ہز ہائنس تو ایک سال سے سرا کے دو کمروں میں مستقل طور سے مقیم ہیں اور نئی کوٹھی کی تعمیر قریب ہی ہو رہی ہے۔ آپ دمہ کے مرض میں مبتلا تھے حالت بہت خراب ہو گئی تھی ڈاکٹروں نے جواب دیدیا تھا۔ پھر محل چھوڑکر حضرت کے دربار میں گریہ وزاری کی۔ فوراً صحتیاب ہوئے اسوقت سے آستانہ نہیں چھوڑتے۔ زیادہ تر زائرین خوجہ اثنا عشری بمبئی گجرات اور سورت واحمد آباد سے آتے رہتے ہیں یو۔پی کے وہی ایک صاحب ملے۔ اور انھیں حضرات نے روضۂ مبارک میں چار چاند لگا دیے ہیں حاجی اسمٰعیل سیٹھ نے بڑے حضرت کا روضۂ مبارک بنوایا اور دعا کی کہ میری قبر بھی یہیں ہو۔ ایسا ہی ہوا۔ انکی قبر بھی ایک طرف صحن مبارک میں ہے۔ چھوٹے حضرت کا روضۂ مبارک سیٹھ علاء الدین خوجہ ساکن بمبئی نے بنوایا۔ "تاب" پر روضۂ مبارک وجبروت نواب صاحب نے بنوایا۔ حاجی داؤد سیٹھ نے تین لاکھ خرچ کر کے بڑے حضرت اور چھوٹے حضرت کے روضوں کی شبیہ مبارک سونے چاندی کی بنواکر روضوں میں نذر دی۔ واقعی شبیہیں بے مثل بنی ہیں اور بالکل مطابق اصل ہیں۔ انکے علاوہ بڑے حضرت میں ایک شبیہ مبارک بالکل مطابق اصل نواب صاحب رامپور نے چاندی کی نذر دی ہے بہت سی چھوٹی شبیہیں چاندی کی۔ چاندی کے جھولے۔ سونے چاندی کے علم وغیرہ عقیدتمندوں نے چڑھائے ہیں جو الماریوں میں محفوظ دکھائی دیتے ہیں۔ ایک خاص روحانیت کا عالم چھایا ہوا نظر آتا ہے آبادی مجاور سب ہی سُنی ہیں۔ زائرین البتہ شیعہ یا ہندو ہوتے ہیں اور قرب وجوار کے سُنی حضرات بھی اپنی مصیبتوں میں آکر مدد مانگتے ہیں مگر دور دراز کے ہیں۔ سُنی شیعہ کا تعصب نام کو نہیں۔

مسجد میں سنیوں کے طریقے پر اذان و جماعت ہوتی ہے۔ اگر کوئی شیعہ عالم ہو گیا تو جمعہ اور جماعت ہوئی وعظ ہوا۔ سب کچھ شیعوں کے طریقہ سے کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں محرم میں شیعہ ذاکر مجالس پڑھتا ہے اور جمعہ و جماعت اور وعظ بھی شیعوں کے طریقے پر ہوتا ہے۔ وہاں کی سنی اور ہندو بالکل بڑے اور چھوٹے حضرت سے بہت مرعوب ہے خصوصاً جب سے نواب صاحب نے آستانہ بوسی اختیار کی۔ وہاں مجالس زائرین برابر کرتے رہتے ہیں مگر افسوس کہ کوئی ذاکر وہاں مستقل نہیں ہے سوائے اس کے وہاں ایک "ٹینگو" ہیں جو اسم بامسمی ہیں۔ بوٹا سا قد۔ اصلی نام نہیں بتاتے ہیں پڑھے لکھے کچھ نہیں یعنی ان دنیاوی مدارس سے تعلیم حاصل نہیں کی سب کچھ وہبی ہے پھر وہ جیسی ذاکری فرماتے ہیں سبحان اللہ مگر وہی وہاں غنیمت ہیں انکے پاس ذاکری کی کتابیں بھی نہیں نہ مرثیے۔ امید ہے کہ مومنین کرام ٹینگو صاحب کو ذاکری کی کتابیں ضرور بھیج دینگے یہی انکی فرمائش بھی ہے میں نے بہت کوشش کی کچھ نذر کرنے کی مگر انھوں نے سخت انکار کیا۔

آخر میں معلوم ہو گیا کہ انکا نام قادر ہے اور لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ بڑے حضرت کے روضہ مبارک سے چالیس پچاس قدم پر چھوٹے حضرت کا روضۂ مبارک ہے اور اسی سے متصل معجزہ کا چشمہ یا کنواں ہے۔ اور اس کا مشہور نام جھالرے کا چشمہ یا کنواں ہے۔ اس سے تقریباً تیس قدم کے فاصلہ پر "ٹاپ" ہے ہر سمجھدار شخص کچھ نہ کچھ پچھلی تاریخ اور انکے وجود کے اسباب تلاش کرتا ہے۔ چنانچہ میں نے بھی اسکی تلاش کی۔ منشی جی نے مجھے سید احمد حسین صاحب بی۔ اے بی۔ ٹی کی تحریر دی موصوف نے مختصر حالات و معجزات لکھے ہیں جبکہ وہ نومبر ۳۲ء میں زیارت سے مشرف ہوئے تھے مجھ سے بھی زبانی بہت سے حضرات نے وہی واقعات بیان کئے جو موصوف نے لکھے ہیں۔ اور اسکے ساتھ ہی ساتھ ایک قلمی کتاب بھی دیکھی جس میں ہزاروں معجزات کا ذکر ہے جو وقتاً فوقتاً ہوتے آئے ہیں۔ منشی شرافت حسین صاحب نے کہا کہ یہ سب دہلی چھپنے گیا ہے اور جلد ایک کتابی صورت میں آجائیگا۔ ایک رجسٹر بھی رکھا جاتا ہے جسمیں معجزات مع نام اشخاص اور گواہان درج ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے بھی بحیثیت گواہ کے اس رجسٹر پر دستخط کئے جبکہ میرے دوران قیام میں ایک اندھے ہندو کی ۳۵ دن کے بعد آنکھیں بالکل روشن ہو گئیں۔ ہندو جو قرب و جوار سے آتے ہیں وہ میدان میں بڑے حضرت کے سامنے درختوں کے نیچے پڑے رہتے ہیں۔ زیادہ تر وہی ہوتے ہیں۔ مغرب کے بعد کوئی شخص چھوٹے حضرت یا ٹاپ پر نہیں جا سکتا۔ یہ سنا ہے کہ حضرت کا حکم ہے اور رات کے مختلف اوقات میں چھوٹے حضرت اور ٹاپ کے اردگرد ایک تیز روشنی چلتی پھرتی دکھائی

دیتی ہے کچھ دیر کے بعد غائب ہو جاتی ہے۔ رات بھر روزہ جاگے تو یہ زیارت کرے کیونکہ اسکا وقت مقرر نہیں۔ کبھی ہر شب کبھی دو چار دن ناغہ۔ ایک یہ معجزہ اندرون سرا جھالرہ کے چشمے کا پانی پینا اور اسی سے نہانا خاص معجزہ ہے اس سے جملہ بیماریاں دور ہو جاتی ہیں عام طور سے مشہور یہی ہے مگر ظاہر ہے کہ بہت سے مایوس بھی پھرتے ہیں یہ تو خلوص قلب اور تقدیر یا حکم باری پر موقوف ہے۔ یہ گارنٹی نہیں کی جا سکتی کہ ضرور ہی یہ کام ہو جائے گا "یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب" کی آیت قرآن سے غائب تو ہو نہیں گئی۔ بہرحال ایک قوی وسیلہ حصول مطالب کے لئے ضروری ہے کامیابی یا ناکامیابی مشیت ایزدی پر ہے۔ یہی بات اصل روضوں پر ہے یہ ضروری نہیں کہ وہاں بھی ہر دعا قبول ہی ہو جائے۔ اس اصول کو یاد رکھتے ہوئے اپنا ایمان درست رکھنا چاہیئے اور زیارت کے لیئے جانا ضرور چاہیئے۔

لکھنؤ میں بھی تمام روضوں کی شبیہیں ہیں مگر قوم کی بے حسی نے انکے برکات سلب کر دیئے اب میں اصل واقعات پر آتا ہوں۔

۱۳۰۳ھ میں احتشام الدولہ نواب محمد اسمعیل خانصاحب فیروز جنگ ثانی جاورہ کے عہد میں عشرہ محرم میں رام لیلا پڑا۔ جلوس امام باڑوں کے سامنے سے جانیوالا تھا جکے سامنے تعزیے رکھے ہوئے تھے ۸ محرم کو بحکم نواب جلوس رام لیلا کا نکالا گیا۔ مسلمانوں نے نواب سے عذر کیا پھر ہندوؤں سے کہا مگر ایک نہ سنی جب جلوس "پھوٹی باؤلی" کے تعزیے کے سامنے سے گذر رہا تھا تو یہ تعزیہ (جو سب سے بڑا تھا اور دادا مقیم خاں کا تھا) خود بخود بلند ہونا شروع ہوا۔ اتنا بلند ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر لوگ اسکے نیچے سے گذر سکتے تھے یہ اسوقت تک بلند رہا جبتک کہ جلوس گذرتا رہا پھر اپنے مقام پر نیچے آگیا۔ تمام تعزیہ داروں نے اپنے تعزیہ اور مقیم خاں نے بھی اپنا تعزیہ دریا میں دفن کر دیا۔ اور تمام شہر میں رونا پیٹنا اور عام بے چینی پھیل گئی۔ شب نہم نواب نے خواب دیکھا کہ ایک گھوڑے سوار سبز پوش ہاتھ میں خار دار کوڑا لئے ہوئے نقاب پوش آیا اور نواب سے کہا تم نے مسلمانوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا دونوں فریق کے حقوق کا خیال کرنا چاہیئے تھا تم نے مسلمانوں کو رنج پہونچایا دیکھو تعزیے دسویں کو حسب دستور اٹھائے جائیں اگر ایسا نہ ہوا تو ہمکو رنج ہوگا اور تم اسکے باعث قرار دیے جاؤ گے یہ کہہ کے نواب کو پلنگ سے نیچے پھینک دیا دو تین بار ایسا ہوا یہ معجزہ نمبر ۱ ہے۔ اسکے بعد معجزہ نمبر ۲ ہے۔ یعنی صبح ہوتے ہی نواب نے جلد سکریٹری کو بلوایا۔ اسی اثنار میں معلوم ہوا کہ ایک مہترانی کچھ عرض کرنا چاہتی ہے سامنے بلائی گئی اس نے کہا سرکار ۴ بجے صبح میں گاؤں سے باہر جنگل کی طرف جا رہی تھی کہ فلاں ٹیکری پر جاورے کے تمام تعزیے معہ تعزیہ داروں کے رکھے دیکھے اور انکے گرد سیکڑوں نقاب پوش نوحہ و ماتم کر رہے ہیں۔ روشنی بہت تیز ہو رہی ہے۔ چونکہ

میں نے بستی کے تعزیے کبھی اس جگہ نہیں دیکھے تھے اسلئے بہت تعجب ہوا۔ میں گھر واپس آئی اور اپنے لڑکے کو بھی دکھانے لے گئی۔ پھر تو گاؤں کے سیکڑوں آدمیوں نے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد تمام تعزیے مع سب لوگوں کے دکھن کی طرف چلے اور ٹیکری پر جاکر سب تعزیے رکھدیے اور ایک شخص اس مجمع میں جھنڈا یا علم لئے ہوئے نکلا اور درخت سے اُسے لگا کر وضو کرنے لگا۔ وہاں پانی کا پتہ بھی نہ تھا مگر وہ اسطرح ہاتھ منھ دہو رہا تھا جیسے کوئی دریا چشمہ سے دھوئے۔ یہ شخص پھر انھیں لوگوں میں ملگیا اور پھر کے سب نوحہ و ماتم کرنے لگے تھوڑی دیر کے بعد سب کے سب پھر اسی ٹیکری پر واپس آئے جہاں سے گئے تھے۔ پھر یکایک سب کچھ غائب ہو گیا۔

معجزہ نمبر ۳۔ نواب صاحب نے اس کا بیان سنکر خود اس جگہ جانے کا ارادہ کیا۔ جہرانی کو لیکر ٹیکری پر پہونچے تو جس جگہ تعزیے رکھے گئے تھے مشک و عنبر کی خوشبو آرہی تھی۔ نواب نے اور مصاحبوں نے مٹی اُٹھا کر سونگھی اسکے گرد ایک نشان لگا دیا گیا۔ معجزہ نمبر ۴۔ پھر نواب وغیرہ اس جگہ گئے جہاں سوار نے وضو کیا تھا تو دیکھا کہ ایک گڈھے سے پانی اُبل رہا ہے۔ اسکے گرد بھی ایک نشان لگا دیا گیا اور فوراً چہار دیواری اُٹھا کر گھیرنے کا حکم دیا گیا۔ وہ مقام جہاں تعزیے رکھے گئے تھے حسین ٹیکری ہوا اور جہاں وضو کیا تھا نہ جہالرے کا کنواں یا معجزے کا چشمہ مشہور ہوا جسکے پاس اب عباس نے حضرت کا روضہ ہے۔ پھر نواب نے سب تعزیے داروں کو بلوا کر بہت عذر کیا اور حکم دیا کہ کل یعنی دسویں محرم کو سب تعزیے نکالے جائیں۔ پورا خرچہ سرکاری خزانہ سے ملیگا لوگوں نے عذر کیا کہ وقت کم ہے مگر نواب نے اصرار کیا۔ خیر کسی طرح دسویں کو تعزیوں کا جلوس نکالا گیا۔ اسکے بعد ان مقامات سے سیکڑوں معجزے ظاہر ہوتے رہے۔ موجودہ نواب ہز ہائی نس کرنل نواب افتخار علی خاں صاحب بہت عقیدت رکھتے ہیں۔

معجزہ نمبر ۵۔ اسی سال محرم بعد ان واقعات کی شہرت سنکر ایک عرب حیدرآباد سے آیا۔ وہ انگریزی خیال اور انگریزی طرز معاشرت کا دلدادہ تھا۔ کہا کہ امام حسینؑ کربلا میں دفن ہیں یہ تم لوگوں نے بیٹھے بٹھائے کا ڈھونگ رچایا ہے۔ نہ ناتھاکوں کی مسجد میں ٹھہرا تھا۔ ان مقامات کو دیکھنے چلا اسکے ساتھ ناتھاکوں کا بھتیجہ مانو کوں بھی تھا اور بہت سے لوگ بھی تھے۔ جوتا پہنے ہوئے ٹیکری پر باوجود منع کرنے کے چلا گیا۔ وہاں اسکی طبیعت خراب ہوئی فوراً نیچے اترا اور ابھی جہاں چشمہ تھا وہاں آیا ایک چیخ مار کر بیہوش ہو گیا کئی دن بے ہوش رہا جب ہوش آیا تو بیان کیا کہ پورب کیطرف سے ایک نقاب پوش گھوڑے سوار نمودار ہوا جسکے ہاتھ میں خاردار کوڑا تھا اور رفتہ رفتہ وہ گھوڑا اور سوار

اتنا بڑھا کہ تمام زمین و آسمان کو گھیر لیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تو نے ہمارے متعلق یہ یہ باتیں کی ہیں یاد رکھ یہ سب باتیں سچی ہیں اور ہمارے ہی باعث ہوئی ہیں یہ کہہ کے ایک کوڑا میرے مارا اور میں بیہوش ہوگیا کوڑے کا نشان بائیں طرف موجود تھا اس واقعہ کے بعد جھالرے کے چشمہ سے تیس قدم پورب کی طرف ایک گھوڑے کی ٹاپ کا نشان پایا گیا جو بہت بڑا تھا۔ اور جا بجا جس سے عرب پر ضرب لگائی گئی تھی وہ زمین پر خط ڈالتی چلی گئی وہاں پر ایک گڑھا سا ہو گیا۔ لوگ وہاں سے برابر مٹی لیجاتے تھے مگر ٹاپ کا نشان مٹتا نہ تھا مٹی بہت میٹھی ہوتی تھی اور قرب و جوار کے کھیتوں میں درختوں پتوں پر مصری کے چھوٹے ٹکڑے ملتے تھے۔ جو مجاور اسوقت ٹاپ پر ہیں انھوں نے مجھ سے بقسم کہا کہ انھوں نے خود مٹی[1] کھائی اور مصری بھی کھائی اور بہت کھائی ہی ٹاپ کے پاس ایک کنواں ہے جس سے دودھ نکلتا تھا مگر اب صرف پانی ہی ہے۔ اس ٹاپ کے اوپر حال ہی میں عمارت موجودہ نواب نے بنوا دی ہے۔ اور ٹاپ کے اوپر ایک رکھدیا ہے جسپر ٹاپ کا نشان بنا دیا ہے اس پتھر کے نیچے کے حصے سے جو گڑھے کے اوپر ہے یعنی ٹاپ کے نشان والے گڑھے کے ٹھیک اوپر ہے اس سے برابر تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا رہتا ہے ممکن ہے کہ بھاپ یا ابخرے اس گڑھے کے پانی کی شکل میں مبدل ہو جاتے ہوں۔ وہ پانی میں نے خود اپنے ہاتھ سے نکالا بہت ذرا ذرا سا نکلتا ہے اور اسوقت ایک بھکرینڈی بو اس میں ہوتی ہے مگر شیشی میں رکھتے ہی اعلیٰ قسم کے کیوڑہ گلاب مشک وخس وغیرہ کی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے جو برابر باقی رہتی ہے چاہے جتنا پانی اس میں ملاتے جائیے۔ خوشبو دیتی بھی رہتی ہے یہ تو میرا مشاہدہ ہے اور ابتک وہ پانی میرے پاس موجود ہے مگر خوشبو میں کمی نہیں نواب صاحب روز صبح کو یہ پانی پیتے ہیں اسکے بعد برابر جھالرے کا پانی پیتے ہیں۔ تمام لوگ جھالرے کے چشمے سے نہاتے ہیں مگر بڑی بے ادبی ہوتی ہے اس کا پانی ایک کھیت میں جاذب ہوتا ہے اسکے بجائے ایک کنویں میں اسکو گرنا چاہئے۔ اور طہارت کے بعد اس پانی سے غسل کرنا چاہئے۔ اسی بے ادبی کیوجہ سے اثرات بھی کم ہو گئے ہیں۔ بہرحال عجیب جگہ ہے اور جسکے بارے میں حکم ہو جاتا ہے اسکی مرادیں بھی پوری ہوتی ہیں۔ معجزات تو کثرت سے ہوئے جنکے قائل اپنے ہی نہیں غیر بھی ہیں۔ جوگی پورا درحسین ٹیکری شیعوں کے لئے بے مثل و سلیمہ ہیں جہاں جاکر قسمت آزمائی کرنا چاہئے۔

[1] مٹی کھانا باتفاق علمائے شیعہ حرام ہے سوائے خاک تربت کوئی مٹی کھائی نہیں جا سکتی ۱۲ الواعظ

اطلاعنامہ بنام دائنان نسبت تعین تاریخ سماعت درخواست دیوالیہ
(دفعہ ۱۹ ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء)

بعدالت جناب عابد رضا صاحب بہادر جج خفیفہ لکھنؤ

درخواست دیوالیہ نمبر ۱۳ سنہ ۱۹۴۶ء

مقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ مسمی عثمان ولد اللہ دیا قوم شیخ ساکن ماڈل ہاؤس شہر لکھنؤ

بنام ۱- آفتاب احمد- کنٹونمنٹ روڈ لکھنؤ ۲- کے جی شنڈن اینڈ سنس امین آباد لکھنؤ ۳- ننھا لال اینڈ کو امین آباد لکھنؤ ۴- صفدر رضا اینڈ برادرس سری رام روڈ لکھنؤ ۵- زرینہ اینڈ کو امین آباد لکھنؤ ۶- کیش اینڈ کیری سری رام روڈ لکھنؤ ۷- بی- این مہروترا اینڈ کو۔ امین آباد لکھنؤ ۸- عبدالسلام خاں امین آباد لکھنؤ ۹- اودھ جنرل سٹورس امین آباد لکھنؤ ۱۰- محمد فصیح الدین امین آباد لکھنؤ ۱۱- جنرل ٹریڈرس حضرت گنج لکھنؤ ۱۲- بلن بیٹ ہاؤس حضرت گنج لکھنؤ ۱۳- بی- این ورما اینڈ کو حضرت گنج لکھنؤ ۱۴- پی- ڈی گوبا اینڈ کو امین آباد لکھنؤ ۱۵- یو- پی ٹیکسٹائل ایجنسی امین آباد لکھنؤ ۱۶- ہندوستان کمرشل بنک لمیٹڈ لاٹوش روڈ لکھنؤ ۱۷- نواکھالی بنک گوئن روڈ لکھنؤ ۱۸- محمد مبین لاٹوش روڈ لکھنؤ ۱۹- محمد یٰسین حضرت گنج لکھنؤ ۲۰- سیٹھ برادرس فتح گنج لکھنؤ ۲۱- اروڑا اینڈ کو اسٹیشن روڈ لکھنؤ- ۲۲- جیب جیک سٹور صدر لکھنؤ ۲۳- محمد توفیق محمد رفیق مسٹن روڈ کانپور ۲۴- محمد شفیق محمد سعید انبالہ کینٹ ۲۵- محمد سلیمان انبالہ کینٹ ۲۶- نور الحسن ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ ۲۷- حکیم غلام مجتبیٰ کنٹونمنٹ روڈ لکھنؤ ۲۸- فضل الرحمان جوہری نرالا باغ لکھنؤ۔

ہرگاہ مسمی محمد عثمان نے عدالت ہذا میں بذریعہ عرضی مورخہ ۳ ماہ مئی سنہ ۱۹۴۶ء درخواست کی ہے کہ وہ حسب منشاء ایکٹ دیوالیہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء دیوالیہ قرار دیا جائے اور تمہارا نام فہرست دائنان میں جو مدیون مذکور نے داخل کی ہے پایا جاتا ہے لہذا تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ عدالت نے تاریخ انیس ۱۹ ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۶ء واسطے سماعت درخواست مذکورۃ الصدر اور لینے بیان مدیون کے مقرر کی ہے۔ اگر تم کچھ اس معاملہ میں پیروی کرنا چاہتے ہو تو اصالتاً یا بذریعہ وکیل جو حال مقدمہ سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو حاضر ہو۔ تفصیل قرضہ جو درخواست مذکور میں تمہارا بابتی بیان کیا گیا ہے۔

آج بتاریخ ۳ ماہ مئی سنہ ۱۹۴۶ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

وقت حاضری عدالت ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک — دستخط حاکم — مہر عدالت

حامیان مدح صحابہ کانگریس کے غلام ہیں

مولانا قطب الدین عبدالوالی کی عالمانہ تقریر

جھوائی ٹولہ پارک حلقہ دولت گنج لکھنؤ کے تیس ہزار فرزندان توحید کے اجتماع میں مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی نے تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں ہمیشہ سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ سیاسی جلسوں میں تقریریں کرنا میرا شعار نہیں لیکن مسلمانوں پر ایسا ہی وقت آن پڑا ہے جو مجھے بھی گوشۂ تنہائی چھوڑنا پڑا۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ آج جبکہ مسلمانوں کی ہستی خطرہ میں ہے اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اتحاد و یکجہتی کی ضرورت ہے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے نہایت خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں۔ ایک طرف سے صدا آتی ہے کہ سنی سنی ایک ہو مدح صحابہ لیکر رہیں گے۔ دوسری طرف سے سنائی پڑتا ہے۔ شیعہ شیعہ ایک ہو شیعہ حقوق لیکر رہیں گے۔ بدترین قسم کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے مسلمان حیران ہیں کیا کریں اور کیا نہ کریں مولانا نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے دونوں بازوؤں کو متحد کرنے کے لئے یہ کوشش کی گئی تھی کہ جلوس محمدی نکالا جائے اور اس مرکز پر شیعہ اور سنی جمع بھی ہو گئے ہیں لیکن جلوس محمدی کو بدعت کہا۔ وہ آج جلوس صحابہ کا سوال اٹھا رہے ہیں۔ مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ کیا یہ آپ کی سمجھ میں آتا ہے کہ جلوس محمدی تو بدعت ہے اور جلوس مدح صحابہ جنکی تمام عظمتیں رسول اکرم کی ذات اقدس کی وجہ سے قائم ہیں فرض عین کہا جاتا ہے۔ اسکے بعد مولانا نے ارشاد فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ مدح صحابہ پر پابندی ہے اور ہم اس پابندی کو توڑنا چاہتے ہیں لیکن یہ غلط ہے مدح صحابہ پر نہ کبھی کوئی پابندی تھی نہ اب ہے اور نہ آئندہ کبھی ہو سکتی ہے ہم اپنے میلادوں میں نماز جمعہ کے خطبوں میں جلسوں میں صحابہ کی مدح ہمیشہ سے کرتے ہیں مگر عبادت کے طور پر کرتے ہیں۔ نہ کہ سڑکوں پر محض دوسروں کو اشتعال دینے کے لئے یہ لوگ جو اس قسم کا سوال اٹھاتے ہیں دراصل وہ کانگریس کے چشم و ابرو پر گردش کر رہے ہیں وہ مسلمانوں میں انتشار پھیلا کر انھیں مستقلاً کمزور کر دینا چاہتے ہیں تاکہ مسلمانوں میں ہندوؤں کے مقابلہ کی سکت نہ رہ جائے۔ اور بالآخر مسلمان ہندوؤں کی غلامی پر مجبور ہو جائیں۔ میں کسی کی ذات پر کوئی حملہ نہیں چاہتا لیکن میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ وہ لوگ جو کبھی اپنی مالی حالت درست کرنے کیلئے مجھسے سفارشی خطوط لکھوایا کرتے تھے آج اس تحریک کے ذریعہ مسلمانوں میں انتشار پھیلا کر صاحب جائداد ہو گئے ہیں مسلمان اب ان کے فریب کا شکار نہ ہوگا رہیگا کیونکہ وہ اس منظم سازش سے آگاہ ہو گیا ہے۔

آخر میں مولانا نے ارشاد فرمایا کہ پاکستان ہی مسلمانوں کی ہستی کا ضامن ہے اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ آپس میں متحد ہو کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کریں۔

(مشیر کانپور 19 5/46)

نعت

نتیجۂ فکر حکیم ملک سید محمد محسن صاحب گورنمنٹ رجسٹرڈ ساکن بڑا گاؤں ضلع جونپور مقیم حال دی بنگلہ سلطانپور (اودھ)

خدا کی شان ہے شانِ محمدؐ ۔ خدا کا دین ایمانِ محمدؐ
زہے عز و خہے شانِ محمدؐ ۔ فلک ہے فرش ایوانِ محمدؐ
بشر کو کب ہے عرفانِ محمدؐ ۔ خدا ہے مرتبہ دانِ محمدؐ
خدا کا حکم فرمانِ محمدؐ ۔ خدا کا عہد پیمانِ محمدؐ
چمکتا ہے جو خورشید آسماں پر ۔ ہے وہ چترِ زرافشانِ محمدؐ
کلی زہراؑ گل و ریحاں ہیں حسنینؑ ۔ علیؑ سروِ گلستانِ محمدؐ
حسنؑ ہوں یا حسینؑ فدیۂ حق ۔ ہیں اک تو روح اک جانِ محمدؐ
مہارِ دستِ حسنینؑ عید کے دن ۔ بنے گیسوئے پیچانِ محمدؐ
پرِ جبریل پر لکھا ہوا ہے ۔ علیؑ شیرِ نیستانِ محمدؐ
رہیں گے حشر تک پیوستہ باہم ۔ یہ آلِ پاک و قرآنِ محمدؐ
بنے گی سائبانِ روزِ محشر ۔ ردا زہراؑ کی دامانِ محمدؐ
سند لکھتے ہیں امت کو جناں کی ۔ کھلا ہے لو قلمدانِ محمدؐ
نہ جائے امتی دوزخ میں کوئی ۔ خوشا امیدوارانِ محمدؐ
مقرب ہے فرشتہ عقلِ اول ۔ مگر وہ بھی ہے دربانِ محمدؐ
شبِ اسریٰ براق چرخ پیما ۔ بنا تختِ سلیمانِ محمدؐ
ارم طوبیٰ و کوثر حور و غلماں ۔ یہ سب ہیں ساز و سامانِ محمدؐ
وہ عارف ہے خدا کے دو جہاں کا ۔ جسے حاصل ہے عرفانِ محمدؐ

بہشت اس کی ہوئی جاگیر محسن
ہوا جو دل سے قربانِ محمدؐ

امّ الائمہ حضرت فاطمۃ الزہرا

خواتین اسلام میں غیرت، حمیت، جفاکشی پیدا کرنے کیلئے بہترین نمونہ

نام نامی فاطمہؑ، لقب زہرا، والدہ کا نام خدیجہ بنت خویلد تھا پیغمبر اسلام کی اکلوتی بیٹی اور بنی ہاشم کی چشم و چراغ تھیں ۲۰ جمادی الآخر کو بعثت کے دو سال بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں اور ۳ جمادی الآخر سنہ ۱۱ھ میں اپنی پاکیزہ زندگی کو عالم نسواں کا ایک زبردست کارنامہ بنا کے دار دنیا کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیا بچپن ہی سے آپ میں جو غیر معمولی اوصاف پائے جاتے تھے اسکو دیکھکر آقائے نامدار تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور بیٹی کو اپنی جگہ عزت و احترام کے ساتھ بٹھاتے تھے کم از کم مسلمان تو اچھی طرح جانتے تھے کہ حضور سرور کائنات کی تعلیم و تربیت کے جو آثار اس معظمہ میں نظر آتے ہیں دنیا کی تمام عورتیں اسکی نظیر نہیں پیش کر سکتیں نہ اگر ایک طرف محراب عبادت کی زینت ہیں تو دوسری طرف نظم منزل کی اعلیٰ ترین ماہر انکی زندگی کسی حیثیت سے بھی نامکمل نہ تھی وہ ردا عصمت کی تاجدار تھیں دشمن بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انکی معصومیت کے متعلق کسی مخالف نے کبھی شبہ نہیں کیا۔

حضرت علیؑ سے شادی

یہ تقریب انتہائی سادگی کے ساتھ ہوئی۔ سیدہ علیؑ بن ابی طالب کی زوجیت میں آکر بے انتہا اطاعت شعار اور جفاکش بنگئیں۔ اپنے آرام کو شوہر اور بچوں کے آرام پر قربان کر دیا یہاں تک کہ قریش کی جاہل عورتوں نے تنگدستی پر طعن کرنا شروع کئے اور سیدہ کو اٹھتے بیٹھتے دل آزارانہ الفاظ سے یاد کیا اور فاطمہؑ ایسی پیکر عصمت باپ سے تذکرہ کرنے پر مجبور ہوئیں۔ امام اہلسنت عاصمی نے تفسیر سورۂ ہل اتیٰ میں اس گفتگو کو دہرایا ہے کہ جب فاطمہؑ سرور کائنات کی خدمت میں آبدیدہ ہو کر آئیں اور حضور اکرم کو جب یہ معلوم ہوا کہ شوہر کی تنگدستی پر قریش کی عورتیں طعنہ دیتی ہیں تو بقسم فرمایا:۔

ما یبکیکِ فواللہ زوجتک اقدمھم اسلاماً و اعظمھم حلماً و احسنھم خلقاً و اعلمھم باللہ علماً۔ (زین الفتیٰ)

ترجمہ:- کیوں روتی ہو خدا کی قسم میں نے تمہاری شادی اس شخص کے ساتھ کی جو سب سے پہلے دولت اسلام کیطرف بڑھا اور جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار اور سب سے زیادہ خلیق اور سب سے زیادہ عالم ہے۔

سیدہ کی افسردگی کو پیغمبر کی گہرافشانی نے مسرت سے تبدیل کردیا وہ پہلے بھی ظاہری شان و شوکت کو حقیر سمجھتی تھیں انکے نزدیک دنیاوی وجاہت کوئی چیز نہ تھی آج رسول نے یہ کہکر کہ علی اسلام میں سب پر سابق ہیں اور اصحاب میں سب سے ممتاز ہیں جو غنی ہونیکے دعویدار تھے انکو نقد کمال سے مفلس بتاکر حقیر کردیا۔

لباس آپکی پوشش پر قلم اٹھاکر ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ وہ استبرق و دیبا میں ملبوس رہا کرتی تھیں اور انکی ایسی زریں پوشاک تھی کوئی شاہزادی نہیں پہن سکتی یہ فخر شاہان عالم کے محلوں میں پرورش پانیوالی عورتوں کو مبارک رہے۔

شہنشاہ لولاک کی لخت جگر کے لباس کی حالت جناب سلمان فارسی کی زبان سے ملاحظہ ہو۔

نظر سلمان الفارسی الی الشملة وبکیٰ وقال واحزناه ان قیصر وکسریٰ لفی السندس والحریر وابنة محمد علیها شملة صوف قد خیطت فی اثنی عشر مکانا بسعف النخل

(نفس الرحمان ص۱۳۲ چھاپہ طہران)

ترجمہ:- سلمان نے چادر پیچیدہ پر نظر کی اور رونے لگے کہا وا مصیبتاہ قیصر و کسریٰ تو سندس و حریر پہنیں اور محمد عربی کی بیٹی کے نقاب میں بارہ جگہ لیف (چھال) خرمے کے پیوند ہوں۔

اپنے طرز عمل سے شاہزادی نے بتایا کہ دنیا میں جو خلعت عورت کی زینت ہے وہ عفت و عصمت اور انتظام خانہ داری اور عبادت الٰہی ہے اور بس۔

خوراک آل رسول کے دسترخوان پر کبھی سوکھے ہوئے خرمے کبھی جو کی روٹی کے سوا لذیذ غذائیں نظر نہ آئیں۔ اپنی روزی اپنے ہاتھ سے فراہم کی جاتی تھی۔ کبھی یہودیوں کے باغ میں درختوں میں پانی دیکر کبھی چکی پیسکر کبھی چرخہ چلاکر اسپر غریب نوازی کا یہ حال تھا کہ دروازہ سے سائل محروم نہجاتا تھا خود فاقہ کرتے تھے مگر محتاج کو سیر و سیراب کردینا روزانہ کا شیوہ تھا گو یا خلق خدا کی خدمت ہی کے لئے یہ حضرات دنیا میں آئے تھے اور اپنی کارگذاری کی کوئی جزا مخلوق سے لینا نہ چاہتے تھے۔ لا نرید منکم جزاءً و لا شکورا انھیں کی آواز ہے جو دسترخوان پر سے بلند ہوئی تھی۔

مصائب کا ہجوم پیغمبر خدا کی آنکھ کا بند ہونا تھا کہ مصائب کا سیلاب آگیا اور مصیبت کے پہاڑ

ٹوٹ پڑے نبی اکرم کو بے غسل و کفن چھوڑ دیا گیا اہلبیت رسول نے چند ہمدردوں کے ساتھ پیغمبر کی آخری خدمتیں انجام دیں، انکی خاندانی وجاہت اور روایتی عظمت کو بیدریغ مظالم نے مٹا دیا دروازہ پر ہجوم کیا گیا لکڑیاں اور آگ جمع کی گئی اور کچھ پرواہ نہ کی گئی کہ فاطمہ کی اذیت سے پیغمبر کو دکھ ہوگا یہ وہ وحشیانہ حرکات تھے جو اتنے بڑے سانحہ کے بعد تعزیت کے بجائے کئے گئے۔

وفات پیغمبرؐ کے بعد بلال نے اپنی جگہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اب کسی کے لئے مسجد میں اذان نہ کہونگا ایک مرتبہ معصومہ کونین نے خواہش ظاہر کی کہ میں باپ کے مؤذن کی صدا سننا چاہتی ہوں بلال کو یہ خبر پہونچی تو مسجد میں آئے اور اذان شروع کی جب اللہ اکبر کہا تو شہزادی کو پیغمبر خدا اور اُن کا زمانہ یاد آگیا اور رونا ضبط نہ کرسکیں یہانتک کہ بلال نے اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا فشھقت فاطمۃ علیھا السلام وسقطت لوجھھا وغشی علیھا فقال الناس لبلال امسک یا بلال فقد فارقت ابنۃ رسول اللہ الدنیا وظنوا انھا قد ماتت فقطع اذانہ ولم یتمہ فافاقت فاطمۃ وسالتہ ان یتم الاذان فلم یفعل (منتہی المقال چھاپہ ایران ص۷۲)

جناب فاطمہؑ نے ایک چیخ ماری اور زمین پر گر پڑیں غش آگیا لوگوں نے بلال سے کہا کہ بلال: بس کرو رسولؐ کی بیٹی رحلت فرما گئیں اور لوگ یہی سمجھے کہ معصومہ وفات پاگئیں بلال نے اذان موقوف کردی جب معصومہ کو افاقہ ہوا اور حکم دیا کہ اذان تمام کردی جائے تو بلال نے عذر کیا اور آپکی جان کے خوف سے پھر اذان نہ کہی۔

آخر کار ناگزیر مصائب نے جانبر نہ ہونے دیا اور ۳ جمادی الآخر کو انتقال کیا۔ امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام نے انتہائی بیکسی اور مجبوری کے عالم میں آخری خدمتیں خود بنفس نفیس انجام دیکر جنت البقیع میں سپرد خاک کردیا جناب رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد پہلی ذات جو آنحضرت سے ملحق ہوئی ہے وہ یہی معصومہ ہیں (صحیح مسلم جلد دوم ص۲۹۰)

قیامت کبریٰ کسے خبر تھی کہ وہ ستم رسیدہ جس نے سخت سے سخت مصیبتیں خندہ پیشانی کیساتھ گوارا کر کے دنیا سے منھ موڑا اور قبر میں پہونچکر راحت و آرام سے ہمکنار ہوئیں نام نہاد امتیوں کے مظالم سے لحد میں بھی ستائی جائینگی اور خدا کی خاص کنیز کی قبر مبارک سے بے ادبی کر کے اذیت پہونچائی جائے گی مسلمانوں کی بدقسمتی تھی جو ایک نام نہاد مسلم فرمانروا کے وحشی ہاتھوں یہ مظالم ڈھائے گئے اور ہم بے دست و پا کچھ نہ کرسکے بزرگان دین کی حرمت مٹادی گئی اور ہمارا بس نہ چلا۔ تمام دنیائے اسلام ابن سعود کے مظالم پر نفرین کرتی ہے۔

باب الاحادیث

از جناب مولانا سید اختر حسین صاحب صدرالافاضل متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال قال رسول اللہ التسلیم تطوع والرد فریضۃ

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ ابتداء بسلام سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے

(۲) قال من بداء بالکلام قبل السّلام فلا تجیبوہ وقال ابدأ بالسّلام قبل الکلام فمن بدء بالکلام قبل السّلام فلا تجیبوہ۔

رسول نے فرمایا جو شخص سلام کرنیکے قبل گفتگو شروع کرے اسکا جواب نہ دو فرمایا کہ گفتگو کرنے کے قبل سلام کیا کرو اگر کوئی سلام نہ کرے اور گفتگو شروع کرے تو اسکا جواب نہ دو

(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اولی الناس باللہ وبرسولہ من بدء بالسّلام رسول نے فرمایا خدا و رسول کے ساتھ وہ شخص زیادہ خصوصیت رکھتا ہے جو ابتداء بسلام کرے

(۴) عن ابی جعفر علیہ السّلام قال کان سلمان یقول افشوا سلام اللہ فان سلام اللہ لا ینال الظالمین۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب سلمان فارسی فرماتے تھے کہ خدا کے سلام کو خوب پھیلاؤ (یعنی زیادہ سلام کیا کرو) اس لئے کہ خدا کے سلام کو ظالمیں نہیں پا سکتے۔

(۵) عن ابی جعفر علیہ السّلام قال ان اللہ عزّ وجل یحب افشاء السّلام۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا سلام کے شائع کرنیکو دوست رکھتا ہے۔

(۶) عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال ان اللہ قال البخیل من یبخل بالسّلام۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا نے فرمایا کہ بخیل وہ ہے جو سلام سے بخل کرے یعنی سلام نہ کرے۔

(۷) عن الحسین بن منذر قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السّلام یقول من قال السّلام علیکم فھی عشر حسنات ومن قال سلام علیکم فھی عشرون حسنۃ ومن قال سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فھی ثلاثون حسنۃ حسین بن منذر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص السلام علیکم کہے اس نے دس نیکیاں کیں اور جو سلام علیکم کہے اس نے بیس نیکیاں کیں اور جو سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اس نے تیس نیکیاں کیں۔

تپ دق اور پرانے بخارات

JABRI
جبری
जबरी

جبری کا حیرت انگیز کرشمہ غور سے پڑھیں

سردار کرتار سنگھ لیس رائٹر ۶ع انڈین ملٹری جنرل ہسپتال کراچی کی زبانی

میری عورت عرصہ سے بیمار تھی حکیم دیا اور ڈاکٹروں کا مہینوں علاج ہوتا رہا کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوا آخر کار ہسپتال میں داخل کیا گیا اور وہاں ایکس رے (X-Ray) کرنے کے بعد ڈاکٹروں نے مرض تپ دق (T.B.) کا فتویٰ دیدیا اس خوفناک مرض کا نام سنتے ہی ہوش و حواس جاتے رہے ڈاکٹروں نے کہا کہ مریضہ کے دونوں پھیپھڑے خراب ہو چکے ہیں اب علاج مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے مریضہ کو دس پندرہ دن کی مہمان سمجھو اسکو ہسپتال سے لیجاؤ اور کسی علیحدہ کمرہ میں رکھدو۔ کوئی پاس نہ جاؤ۔ اسکے بلغم تھوک وغیرہ سے بچتے رہو۔ آخر کار مریضہ کو ہسپتال سے گھر لایا گیا۔

پھر کیا ہوا؟ اخبار "ملاپ" میں جبری کا اشتہار دیکھا۔ دل نے کہا جہاں سینکڑوں ہزاروں روپیہ حکیموں ڈاکٹروں کی نذر کر چکا ہوں یہ دوا بھی منگوا کر دیکھ لوں مریضہ نے کہا کہ جب ڈاکٹروں نے دونوں پھیپھڑے خراب بتلا کر مجھے ناقابل علاج بتلایا ہے تو پھر فضول خرچ کرنے سے کیا فائدہ ہے مجھے پرماتما (خداوند کریم) کے بھروسہ پر چھوڑ دو لیکن دل نے نہ مانا مثل مشہور ہے جبتک سانس تب تک آس۔ آخر جبری نمبر ۱ کا آرڈر دے ڈالا اور پانچویں روز ہی پارسل پہونچ گیا پرماتما (خدا) کا نام لیکر حسب ترکیب دوا شروع کرا دی۔

پھر کیا ہوا؟ وہی حیرت انگیز کرشمہ جو بخار چھ ماہ تک علاج کرنے پر بھی کم نہ ہوتا تھا دس بارہ روز ہی میں بخار جاتا رہا جو مریضہ چارپائی پر سے اٹھ نہ سکتی تھی جسم میں بالکل خون نہ تھا خون کی حرکت شروع ہو گئی دل میں ٹہلنے کی امنگ ہونے لگی آخر کار دل میں پورا اعتقاد ہو گیا کہ جس دوا نے اس معمولی عرصہ میں ایسا عجیب و غریب فائدہ دکھلایا ہے۔ مریضہ کو کہیں نہ اسی جگہ لیجا کر دکھلایا جائے تاکہ آئندہ علاج کا بہترین انتظام ہو سکے مریضہ کی بھی یہی رائے ہوئی۔

پھر کیا ہوا؟ جس مریضہ کے بارے میں ڈاکٹروں نے موت کا فتویٰ دیدیا تھا اور جو چارپائی سے اٹھنے کے

قابل نہ تھی نہ خوشی خوشی سیکڑوں میں سفر طے کر کے بذریعہ ریل وغیرہ جگادھری آگئی یہاں کارخانہ ہذا میں مکمل طور سے تشخیص کر کے بڑی ہمدردی سے آئندہ علاج کا انتظام کیا گیا۔ کارخانہ ہذا کا سلوک قابل تعریف ہے مریضہ کی حالت دن بدن بدلنے لگی اور اب پوری طرح صحت میں ہی نہیں بلکہ میرا تمام خاندان کارخانہ ہذا کا مشکور ہے جو میری عورت کو موت کے منہ سے بچادیا

صاحبان! یہ ایک نہیں پچاسوں سیکڑوں ایسے واقعات ہوچکے ہیں اور بھی دیکھیے :۔

(۲) جناب سید احمد شاہ صاحب ملٹری پنشنر کھاریاں گجرات (۳) جناب پیر سید حسن صاحب موضع سینہ ڈری ڈاکخانہ شہر کوٹ ضلع کوہاٹ (۴) بابو رام سنگھ صاحب مکان ۶۷ ریٹھ منڈی دہرہ دون (۵) بابو گجپت رائے صاحب ٹیاٹرز سب جسٹرار متھرا وغیرہ وغیرہ ہزارہا صاحبان کا یہی کہنا ہے کہ واقعی مریض کی جان بچانے کیلئے جبری ایک طاقت ہے جو کبھی فیل نہیں ہوتی اور تپدق جیسے خوفناک مرض کے جراثیم کو اول روز سے ہی ہلاک کرنا شروع کردیتی ہے اور سب صاحبان کے پتہ جات ٹھیک ہیں کوئی بات پوشیدہ نہیں آپ دریافت کرسکتے ہیں یا منگا کر تجربہ کریں۔

تپدق کے مریضو! اب بھی سمجھو! ورنہ پھر وہی مثل ہوگی (اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت) سیکڑوں حکیم ڈاکٹر وید صاحبان اپنے مریضوں پر استعمال کر کے نام پا رہے ہیں اور بذریعہ تار کے آرڈر دیتے ہیں تار یا خط وکتابت کے لئے صرف جبری جگادھری (JAGADHRI "JABRI" لکھ دینا کافی ہے قیمت اس طرح پر ہے

جبری سپشل نمبر۱ امیروں کے لئے جس میں ساتھ طاقت بڑھانے کے لئے سونا، موتی، ابرک وغیرہ کے قیمتی کشتہ جات بھی ڈالے جاتے ہیں مکمل چالیس روز کا کورس پچھتر روپے نمونہ دس روز بیس روپیہ

جبری نمبر۲ جس میں قیمتی جڑی بوٹیاں ہیں، مکمل کورس بیس روپیہ، نمونہ دس روپیہ چھ روپیہ محصول علحدہ ہے۔ آج ہی آرڈر دیکر مریض کی جان بچائیں۔

آرڈر میں اخبار کا حوالہ نیز نمبر۱ یا نمبر۲ ضرور تحریر فرمائیں

ٹیاٹرز رائے صاحب کے۔ ایل شرما اینڈ سنز رئیس اینڈ بینکرز

(B) شیلانگ یا پنجاب آفس جگادھری

علامہ بہاء الدین عاملی علیہ الرحمہ

شیعہ قوم میں جو زبردست ہستیاں اپنی زندگی دینی خدمتوں میں صرف کرکے ہمارے مذہب کو مستحکم کر رہی تھیں ان میں "بہاء الدین عاملی" کا نام بچہ بچہ جانتا ہے واقعہ نگاروں نے آپ کے اسم شریف کے پہلے "خاتم المجتہدین" کا گرانقدر لقب تحریر کیا ہے آپ کی شہرت و وقعت دنیائے تشیع میں نہ صرف اسلئے تھی کہ دین مبین کے حامی اور شیرازۂ مذہب کے محافظ تھے بلکہ آپکو جملہ علوم و فنون میں وہ کمال تھا کہ تمام اہل فن آپکو اپنا مقتدا سمجھتے ہیں اور آپ کی غزارت علم کا لوہا مانے ہوئے ہیں۔ فلکیات اور ریاضی میں آپ کو وہ کمال تھا کہ اپنے عہد میں سماوی آثار اور ستاروں کی چال کو آپ سے بہتر کوئی نہ سمجھ سکتا تھا یہی وہ خصوصیات ہیں جس نے ذات والا صفات کو غیر معمولی شہرت دے رکھی ہے۔

نام نامی و نسب بہاء الدین محمد بن حسین بن عبد الصمد حارثی ہمدانی عاملی تھا اور نسب شریف کی کڑیاں عبداللہ بن اعور ہمدانی تک پہونچتی ہیں جو حضرت مولانا امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کے صحابی خاص تھے اور تابعین میں بلند درجہ پر فائز تھے جناب امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کا جو شعر زبان زد خلائق ہے ؎

یاحار ہمدان من یمت یرنی ۔۔۔ من مومن او منافقٍ قبلا

ولادت و تربیت آپ کی ولادت قصبہ بعلبک میں ۱۷ ذی الحجہ ۹۵۳ھ بروز چہارشنبہ واقع ہوئی اور کمسنی میں آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ مملکت ایران پہونچکر مختلف اہل کمال سے تعلیم حاصل کی، معقولات کی تکمیل مولانا عبداللہ یزدی سے اور ریاضی کی تحصیل ملا علی مذہب اور ملا افضل قائنی سے اور طب کی تعلیم حکیم اعتماد الدین محمود سے کی اور عنفوان شباب ہی میں اپنی خداداد ذہانت کا سکہ دلوں پر جما دیا معقول و منقول تفسیر و حدیث فقہ کلام عربیت میں شہرۂ آفاق ہوئے یہانتک کہ "شیخ اسلام" کے معزز عہدہ پر سرفراز ہوئے۔

سیاحت آزادی پسند افراد کے لئے پابندیاں خواہ وہ کسی مذہبی فریضہ کے انجام دینے کے سلسلہ میں بھی کیوں نہوں بسا اوقات بار خاطر ہوا کرتی ہیں اور انسان اپنے دلی مقاصد کے لئے راحت و آرام کو خیرباد کہہ دیتا ہے چنانچہ آپ کو عالم شباب سے سیر و سیاحت کا شوق تھا اور مزاج میں فقیری ودرویشی کی جھلک تھی جس نے ترک وطن کی زحمت دی اور جناب علامہ نے آسائش کو خیرباد کہکر منصب سے

سبکدوش ہوئے اور تیس سال تک عراق و عرب و شام و مصر و بیت المقدس میں قیام کرکے مسافرت کے تجربات سے لطف اندوز ہوتے رہے اور اس سلسلہ میں حج اور زیارتوں سے بھی فارغ ہوکر ایک طویل مدت کے بعد وطن کی طرف رخ کیا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بہاء الدین عاملی اب وہ نہ تھے جو تیس سال قبل تھے سفر کی سختیوں نے ان کے ارادوں میں پختگی اور ہمت و حوصلہ میں بلندی پیدا کرنے کے ساتھ علم و فضل کو بہت کچھ بڑھا دیا تھا گویا یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بڑی مدت تک مختلف شہروں کے علما اور صاحبان کمال سے ملاقاتیں اور بحث و مباحثہ کرکے اپنے علمی جوہر کو چمکاتے رہے اور جب آفتاب علم نقطہ کمال پر پہونچ چکا اس وقت واپس ہوکر علم کی شعاعوں سے دنیائے تشیع کے چپہ چپہ کو جگمگا دیا۔

اشتغال آپ کا اپنی قیامگاہ سے چلا جانا بعینہ ایسا تھا جیسے کسی محفل سے میر مجلس رخصت ہوجائے اور حاضرین کی متجسسانہ نگاہیں اسکی خالی جگہ کو دیکھکر پھر واپس آنیکی آرزو میں چشم براہ ہوں۔ چنانچہ جس وقت آپ نے قیام کا ارادہ فرمایا تو طالبان علم دور دور سے کھنچکر آنے لگے اور آپ کی مجلس درس میں کافی سے زیادہ رونق پیدا ہوگئی حتی کہ وہ لوگ جو مسند اجتہاد پر عنان شریعت کے مالک سمجھے جاتے تھے آپ کے کمال کا اعتراف کرنے لگے اور تھوڑی مدت میں وہ جناب مرجع خلق ہوکر تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے اور آپ کے زبردست تجربات نے دلوں پر حکومت شروع کی سب سے پہلے سلطان عجم شاہ عباس صفوی نے آپ کی محبت کا دم بھرا اور اپنی سلطنت و عروج کو آپ کی سلطنت علمیہ کے مقابلہ میں پست سمجھ کر سر نیاز خم کیا اور عقیدت مندی کا یہ ثبوت دیا کہ سفر و حضر میں جناب علامہ کی مفارقت گوارا نہ تھی یہ وہ وقت ہے کہ بیواؤں کی پرورش یتیموں کی امداد فقیروں کی سرپرستی اور دیگر امور خیر انجام دینے میں جناب علامہ پورا حصہ لے رہے ہیں۔

اگرچہ شعر و شاعری اس سے کہیں پست ہے کہ آپ کی طرف اسکی نسبت دیجائے لیکن اصول واقعہ نگاری کے خلاف ہے اگر ہم آپ کے ذوق سخن سے قطع نگاہ کریں جناب کے حالات میں اہل رجال لکھتے ہیں۔ "او ذوق سخن پردازی بسیار دارد۔ و در سخن پروری گوئے سبقت از ربودہ بعربی و فارسی اشعار آبدار و نکات شیریں و دلنشیں دارد" جناب کے کلیات سات جلدوں میں جمع کئے گئے ہیں۔

حضرت بہاء الدین عاملی اور علمائے اہلسنت وجماعت

یہ عنوان اسقدر طویل الذیل ہے کہ اگر تمام وہ مکالمہ درج کئے جائیں جو جناب علامہ نے بغیر غور و فکر کئے

توکسی طرح گنجائش نہیں تاہم ناظرین کی توسیع معلومات کے لئے بعض افادات حوالۂ قلم کرتے ہیں۔
(۱) علمائے مصر میں سے کسی عالم کے سامنے جو سب سے زیادہ ذی علم اور تمام علماء میں افضل سمجھا جاتا تھا آپ نے اپنی شیعیت کا اظہار کرنا مصلحت نہ سمجھا اس نے آپکو شیعوں کا مخالف سمجھ کر سوال کیا۔

مصری عالم:۔ تمہارے شہر کے شیعوں کا خیال صحابۂ کرام کی نسبت کیا ہے؟

علامہ بہائی:۔ وہ میرے سامنے اپنی حقیت کے ثبوت میں دو حدیثیں پیش کرتے ہیں جنکے جواب سے عاجز ہوں۔

مصری عالم:۔ کیا؟

علامہ:۔ صحیح مسلم میں ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا من اذی فاطمہ فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ وکفر جس نے فاطمہؑ کو دکھ پہونچایا اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت پہونچائی اور کافر ہوگیا۔ اس خبر نبوی کے پانچ ورقوں کے بعد اسی صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ جناب فاطمہؑ نے جب دنیا سے رحلت کی تو صحابہ سے ناراض تھیں

مصری عالم:۔ مجھے مہلت دو کہ میں آج کی شب صحیح مسلم دیکھکر کوئی رائے قائم کروں۔

علامہ:۔ بہتر۔

اس گفتگو کے بعد صحبت برخواست ہوئی اور جب دوسری صبح ہوئی اور علامہ جواب کیلئے پہونچے تو مصری عالم نے باآں کمال صرف اسقدر جواب دیا کہ

"میں نہ کہتا تھا کہ وہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں میں نے جو دیکھا تو دونوں روایتوں میں پانچ ورقوں سے زیادہ فاصلہ ہے"

یہ جواب جس قدر کمزوری کا پتہ دیتا ہے اسکو صاحبان فہم سمجھ سکتے ہیں دنیا کے ترقی کرجانے کے بعد بھی اسی قسم کے جوابات ان لوگوں کیطرف سے ہوا کرتے ہیں مگر ایسے لوگ اب بھی اُن میں موجود ہیں جنھیں اطمینان ہوجاتا ہے کہ جواب ہوگیا۔

بایں ہمہ آپ کا طرز عمل سواد اعظم کے ساتھ اسقدر روا داری کا پہلو لئے ہوئے تھا کہ بعض سادہ لوح آپکو اپنا ہم مسلک سمجھنے لگے تھے علامہ جزائری فرماتے ہیں:۔
"شیخ بہائی ہر فرقہ کے لوگوں سے کر ملکہ مذاق میں گفتگو کرتے تھے یہانتک کہ علمائے اہلسنت میں سے

کسی عالم نے اُنکے تسنن کا دعویٰ کیا تو میں نے ثبوت میں مفتاح الفلاح پیش کی جو اتفاق سے میرے پاس موجود تھی اُسوقت انھیں خبر ہوئی کہ بہاء الدین عاملی شیعہ تھے"۔ (لولوۃ البحرین)

آپ صوفیوں کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتے تھے اور اُنکی تکفیر کا فتویٰ آپ کی خاص تجویز تھی آپکے سوانح حیات میں آقا باقر بہبہانی کا قول بہت مشہور ہے کہ انھیں اہل تصوف سے اس حد تک نفرت تھی اور انھیں اسلام سے اسقدر بے بہرہ سمجھتے تھے کہ جب صوفیہ میں سے کوئی آپکی صحبت میں آجاتا تھا تو اُسکے جانے کے بعد آپ فرش کو پاک کراتے تھے۔

وفات آخوند ملا محمد تقی مجلسی طاب ثراہ اپنے تصانیف میں تحریر فرماتے ہیں کہ انتقال سے چھ مہینے پہلے آپکے ہمراہ زیارت قبور کے لئے قبرستان گیا۔ رکن الدین اصفہانی کی قبر پر پہونچکر آپ نے مجھ سے پوچھا کہ قبر سے جو صدا آئی وہ تم نے بھی سنی میں نے عرض کیا نہیں یہ سنتے ہی آپ پر گریہ طاری ہوا اور شدت سے روئے جب میں نے پوچھا کہ آپ نے کیا سُنا تو میرے اصرار پر فرمایا کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ موت پر آمادہ ہوجاؤں اس واقعہ کے چھ مہینہ بعد ۱۲ ر شوال ۱۰۳۱ھ آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی، اس عظیم حادثہ کا دنیائے اسلام میں سخت اثر تھا اور آپکے جنازہ پر لوگوں کا ہجوم تھا بادشاہ وقت شاہ عباس صفوی اور ارکان سلطنت جنازہ کے گرد و پیش کاندھا دینے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے کوئی ادنیٰ و اعلیٰ ایسا نہ تھا جو ساتھ نہ ہو اور کثرت خلائق سے شہر کے وسیع راستے تنگی کر رہے تھے آخر کار مسجد جامع میں جنازہ نماز کے لئے لایا گیا، عظیم الشان مجمع نے نماز جنازہ ادا کی آخوند مجلسی مولانا محمد تقی اصفہانی رحمہ اللہ نے اس مجمع کا تخمینہ جسمیں سیکڑوں علماء و فضلاء طلبہ تھے پچاس ہزار کے قریب کیا ہے (نجوم السماء)

قبر اولاً آپکی لاش قبۂ امام زادہ حضرت زین العابدینؑ میں سونپ دی گئی پھر آپ کی وصیت کے مطابق روضۂ حضرت امام رضا علیہ آلاف التحیۃ والثناء کی طرف منتقل ہوئی اور امام کے پائین پا جس مقام پر آپ اپنے دوران قیام میں درس دیتے تھے دفن کئے گئے۔ اس واقعۂ ہائلہ پر شعراء نے اظہار رنج و ملال میں بکثرت تاریخیں نظم کیں۔ (نجوم السماء)

تصانیف ایک عالم کی سوانحعمری میں سب سے زیادہ باوقار موضوع اُسکے رشحات قلم ہیں جنکو وہ اپنی زندگی میں سرمایۂ حیات خیال کرتا ہوا ور بعد وفات باقیات صالحات سمجھے جائیں آپ کا علمی ذخیرہ کم و بیش سو تالیفات کی بڑی تعداد میں شمار کیا گیا جنمیں علم تفسیر حدیث، لغت، رجال نحو، فلسفہ، حکمت، ریاضی، ہندسہ، معانی بیان، نجوم وغیرہ میں تالیفات بلند مرتبہ پر شمار کی جاتی ہیں اور انکی وقت نظر سے فائدہ اُٹھانیکا بہترین آلہ ہیں۔

مشہور تصانیف میں کشکول بہائی اور جامع عباسی کا نام آجتک زبان زد خلائق ہے۔

تفسیر قرآن

از جناب سید علی صفدر صاحب ایم۔ اے لکھنؤ

حوائج انسانی کی تفصیل

انسان جو عبارت ہے حیوان ناطق سے اپنی ذات میں مجسم ہے۔ عاقل ہے۔ مرید ہے یعنی فاعل مختار ہے۔

مجسم ہونا بدیہی ہے اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں۔

عاقل ہے اور یہ امر ضروری تھا ورنہ انسان نیکی اور بدی میں نہ تو تمیز کر سکتا اور نہ پھر مکلف ہو سکتا فاعل مختار ہونا بھی ضروری تھا ورنہ خدا کا اسکو حکم دینا کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو درست نہ ہوتا۔

اب رضائے الٰہی کی تحصیل پر مکلف ہونیکے بعد سب سے زیادہ ضروری چیز رضائے الٰہی کا علم ہے یعنی یہ معلوم کرنا کہ کس عمل سے رضائے الٰہی حاصل ہو سکتی ہے اور کون سا عمل اسکی مرضی کے خلاف ہے لہذا شریعت سب سے زیادہ ضروری چیز ہوئی۔ یعنی سب سے بڑی حاجت ہے۔

دوم اس شریعت کا شریعت الٰہی ہونا ہمکو رسول کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے اور جو شریعت کے مقدمات (یعنی خدا کا ہونا معاد کا ہونا اور رسالت کی ضرورت) کی تحقیق میں ہماری اعانت کرتا ہے اور خود اسکی سنت شریعت کا جزو ہے۔ اور ہر جزوی امر میں ہمکو ہدایت کرتا ہے کہ فعل خیر کیا ہے۔

اور جو شریعت پر عمل کرکے اسکا ممکن العمل ہونا ثابت کرتا ہے ضروری ہوا یعنی دوسری اہم حاجت رسول ہے۔

سوم ایسے معاشرتی ماحول کا ممکن الوصول ہونا جسکے افراد تابع شریعت ہوں تاکہ انکے درمیان قیام کرنے سے شریعت کا علم اور اتباع آسان ہو جائے۔ تیسری حاجت ہے۔

چہارم وہ سامان جو بقائے نفس کے لئے ضروری ہے جیسے ہوا۔ پانی۔ غذا۔ لباس۔ مکان وغیرہ یہ سب ہمارے حوائج میں شامل ہیں۔

لیکن یہ حوائج بمقابلہ اُن حاجتوں کے جنکا اولاً ذکر ہوا یعنی شریعت رسول و ملت اسلام کم درجہ پر ہیں۔

کیونکہ اول الذکر کے پورے نہ ہونے سے ہمارا مقصود اصلی یعنی حصول رضائے الٰہی فوت ہوتا ہے لیکن سامان زندگی کسی وقت سلب ہوجائے تو انسان رضائے الٰہی کے تحصیل کے دوران میں فنا ہوجائیگا وہ مقصود حاصل رہیگا۔ اسواسطے خداوند عالم جس وقت تک کسی بندہ کو امتحان میں رکھنا اسکے لئے اصلح جانتا ہے رکھتا ہے اور جب وقت چاہتا ہے اسباب حیات کو سلب کر کے موت حادث کردیتا ہے لہذا اسباب حیات کا سلب ہونا کسی نہ کسی وقت لابدی ہے لیکن مقصود حقیقی سے متعلق جو سامان حوائج ہیں وہ کسی وقت سلب نہیں ہوتے لہذا شریعت کا موجود رہنا اور رسول کا موجود رہنا جو شریعت کا حافظ ہو ہر وقت ضروری ہے اجبتک کہ مکلفین موجود ہیں)

لہذا بسم اللہ الرحمن الرحیم میں صفت رحمۃ کے بیان پر تاکید کا وارد ہونا اس امر کا مثبت ہے کہ اس شریعت یا قرآن کا نزول خدا کی طرف سے من باب الرحمۃ ہے اور یہ رحمۃ راجع ہے تمام انسانوں کی طرف اسواسطے ہر سورہ کی ابتدا میں بسم اللہ واقع ہے۔ اور سورہ برات میں اسکا نہونا اس امر پر دال ہے کہ اسکے مطالب انسانوں کی ایک بڑی جماعت یعنی کفار سے غضب الٰہی کے مظہر ہیں اور انکے لئے دنیا میں سختی کا حکم دیا گیا ہے اور اسکے ساتھ عذاب آخرۃ کی وعید ہے۔

پس جو خطاب اظہار غضب کیساتھ ہو اسمیں بسم اللہ سے کلام کی ابتدا نہ ہونا اس امر کا مثبت ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ہر آیت کی ابتدا میں واقع ہونا اس امر کیطرف اشارہ ہے کہ قرآن کا نزول من باب الرحمۃ ہے۔

علاوہ بریں اور مناسبات جو ہمنے اوپر بیان کی ہیں وہ بھی ملحوظ ہیں۔

بسم اللہ کی توضیح

اسم اور اللہ کے درمیان اضافت توضیحی ہے یا تخصیصی؟

یعنی اگر اضافت توضیحی ہے تو یہ معنی ہوئے کہ لفظ اللہ ایک اسم ہے اور اس اسم سے ابتدا کلام ہو یا دوسرے لفظوں میں شروع اس اسم سے جو لفظ اللہ ہے کہ اس صورت میں اللہ بدل واقع ہوا اسم کا اور اگر اضافت تخصیصی ہے تو یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا جو اسم ہے اس سے ابتدا کلام ہے۔

اور یہ دوسری مراد صحیح ہے کیونکہ ابتداء کلام اللہ کے اسم سے اسوجہ سے ہے کہ وہ ذات باری کا نام ہے۔ نہ اسوجہ سے کہ لفظ اللہ میں فی نفسہ کوئی ایسا وصف ہے جسکی وجہ سے اس اسم سے کلام کی ابتدا ہونا چاہیئے اس صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ اگر کوئی بسم اللہ الرحمن کہے یا بنام خدا کہے تو وہ اس حکم کی تعمیل کرچکا۔ گو اتنی یہ ہوگا کہ بیان شریعت کا اتباع لفظاً اور معناً دونوں طرح حاصل ہو۔

ابتدائے کلام

سورۂ فاتحہ میں یہ کہنا کہ ابتدائے کلام اللہ کے اسم سے ہے کیونکر درست ہے جبکہ باعتبار واقع کے ابتدائے کلام حرف با سے ہے جو بسم اللہ کی ابتدا میں ہے۔

جواب

کلام سے مراد یہاں وہ معانی ہیں جو الفاظ سے ظاہر کئے جارہے ہیں اور وہ معانی یہ ہیں کہ اللہ کے نام سے ابتدا ذہن میں اللہ کا تذکرہ لایا گیا اُسکے بعد اور مطالب کیطرف رجوع کی۔ یعنی اللہ کے نام کو اول ذہن میں لائے۔

پس باعتبار اجرائے ذہن کے کلام میں اللہ کے نام کو تقدم ہے بسم اللہ میں با اور اسم کی مراد موقوف ہے اللہ کیطرف مضاف ہونے پر اور موقوف علیہ مقدم ہے موقوف۔

لہذا بسم اللہ میں اللہ مقدم ہے با اور اسم پر۔ چنانچہ اُردو میں اللہ کے نام سے بولتے ہیں اس زبان میں اس جگہ ترتیب خیال اور ترتیب الفاظ موافق ہیں۔

اسقدر بحث کے بعد کسی قدر بسم اللہ کی مراد کا تعین ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ابتدا اس کلام کی اللہ کے نام سے ہے جو رحمٰن ہے۔ بڑی رحمت کرنیوالا

اس کلام سے مراد یہ مجموعہ الفاظ و معانی جو سورہ فاتحہ پر مشتمل ہے کی ابتدا اللہ کے نام سے ہے اپنے آغاز میں اسم اللہ رکھتا ہے۔ یعنی باسم اللہ سورۃ کا جزو ہے۔

جو رحمٰن ہے۔ یعنی جسکا دوسرا نام رحمٰن ہے۔

بڑی رحمت والا۔ یعنی بندوں کی ہر حقیقی احتیاج کا پورا کرنیوالا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر احتیاج حقیقی کا پورا کرنیوالا ہے۔

اور اہدنا الصراط المستقیم میں بندہ مامور ہوا طلب ہدایت پر۔

لہذا ہدایت بندہ کی حقیقی احتیاج ثابت ہوئی کہ خدا خود اسکی طلب کا حکم دیتا ہے۔ لہذا اس احتیاج کے پورے ہونیکا سامان موجود ہونا لازم آیا اور ہدایت کا ضروری سامان کتاب ہے جسکو رسول لازم ہے۔

لہذا ان دو آیات نے ملکر کتاب کے موجود ہونے پر دلالت کی یعنی یہ سورہ کتاب الٰہی یا اسکا جزء ہے جسمیں اسکی ضرورت بیان کیگئی ہے کیونکہ رسل کا ذکر انعمت علیہم میں وارد ہے۔ جنکی سنت کو صراط مستقیم

بتایا ہے لہذا رسول کا موجود ہونا لازم ہوا اور رسول حامل کتاب ہونیکی وجہ سے اپنے ساتھ ضرور کتاب رکھتا ہے لہذا ان آیات نے اثبات کیا کہ

(۱) یہ کلام کلام الٰہی ہے۔

(۲) اور اسکا حامل رسول اللہ ہے

نوٹ۔ اس مقام سے پھر ثابت ہوا کہ بسم اللہ سورۃ کا جزو ہے

بسم اللہ میں حرف با کی دلالت

(۱) حرف با جب لفظ قرار پاتا ہے تو اسکے وضعی یا حقیقی معنی معیت یا ساتھ کے ہیں یعنی دو چیزوں کا یکجا ہونا خواہ وہ ذراسی دیر کو ہو جیسے مررت بزید

(۲) لیکن یہ لفظ ب معیت کے علاوہ معنی زائد پر بھی محل و قرینہ کے لحاظ سے دلالت کرتا ہے جیسے کتبت بالقلم میں قلم و کاتب کے معیت کے علاوہ استعانت یا آلہ ہونا بھی ب کا مدلول ہے۔

(۳) اور بعت ھذا بذاك (میں نے بیچا اسکو اس شے سے) میں معیت ذہنی کے علاوہ ب کے مدلول میں ایک شئی کا بدل ہونا بھی داخل ہے۔

تو یہ امر معین ہوا کہ قرآنی کلام سے ب کے مزید معنی ہر جگہ معین ہونگے پس بسم اللہ میں کہ اصلاً ابتداء کلام بسم اللہ ہے۔

ب کی دلالت صرف اسقدر نہیں ہے کہ ابتداء کو اور بسم اللہ کو معیت ہے۔ بلکہ مراد قائل کی استعانت یا تیمن ہے اسواسطے ب معیت بالاستعانت پر دال ہوا شامل ہے۔ چنانچہ نحوئین نے لفظ با کے اسقدر معنی کا تعین کیا ہے اور اسکے بعد وغیرہ وغیرہ کہکر کلام کو ختم کیا ہے جسکے یہ معنی ہوئے کہ قرآن کے لحاظ سے با اور معنی کا بھی حامل ہوتا ہے۔

(۱) استعانت۔ جیسے کتبت بالقلم

(۲) بدل یا عوض۔ بعت ھذا بذاك

(۳) استعطاف۔ ارحم بزید۔ مہر و کرم طلب کرنا

(۴) استعلاء۔ علیٰ کے معنی میں۔ من اهل الكتاب من ان تامنه بدينار

(۵) تعلیل۔ ظلمتم انفسكم باتخاذكم العجل

(۶) تفدیہ۔ بابی انت یارسول اللہ

(۷) قسم۔ باللہ لافعلن ھذا۔

معراج

عالیجناب سید افتخار حسین صاحب ریٹائرڈ جج غازی پور

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو الواعظ اپریل سنہ ۴۶ء

وسعت سابقہ یہ عرض کرچکا ہوں کہ رسولؐ کو معراج آسمان پر ہوئی۔ حالات جو بیان کئے اُس سے معلوم ہوا کہ معراج عرش تک ہوئی۔ عرش کیا چیز ہے اور کہاں ہے۔

عرش کی بابت عام خیال ہے کہ عرش ان سب آسمانوں کے اوپر ایک آسمان ہے اور وہ جلوہ گاہ قدرت ہے۔ بعض جو جسمانیت خدا کے قائل ہیں وہ یہاں تک بڑھ گئے کہ عرش پر خدا بیٹھا ہوا ہے اور عرش اسکے بوجھ سے چرچراتا ہے۔ اگر معاذ اللہ کسی روز عرش پھٹ پڑا تو خدا کے بھی بہت سخت چوٹ آئیگی اور ایک عالم پس لیا کر سرمہ ہو جائے گا۔ شیعوں میں جسمانیت باری کا کوئی قائل نہیں۔ خدا کا کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ خدا ہر جگہ ہے جہاں سے بادشاہ کے احکام جاری ہوا کرتے ہیں وہ ایک خاص مقام ہوا کرتا ہے بادشاہ وہاں ہو یا نہو۔ اس طور سے ممکن ہے کہ عرش خدا کا خاص مقام ہو۔ میری رائے میں عرش کوئی جسم نہیں ہے قرآن میں ہے۔ خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم [illegible] شں نے ترجمہ کیا ہے کہ خدا نے چھ یوم میں آسمان و زمین پیدا کئے اور [illegible] سکے بعد عرش کو خلق کیا میری رائے میں یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے اگر الی العرش ہوتا تو یہ معنی از روئے لغت ضرور ہوتے کہ متوجہ ہوا عرش کی طرف الی العرش نہیں ہے بلکہ علی العرش ہے۔ از روئے لغت معنی یہ ہیں کہ مستحکم ہوا عرش پر۔ اگر ان مترجمین کے معنی بتائے ہوئے ماننے جائیں یہ معنی ہونگے کہ پہلے آسمان و زمین پیدا کئے اُسکے بعد عرش کی طرف متوجہ ہوا یعنی عرش پیدا کیا اب ذرا ستہ ایام کو سمجھ لیجئے یوم کے معنی ۲۴ گھنٹے کی مدت جو اس دنیا میں رائج ہے یہ نہیں ہیں۔ اسکے معنی صرف مدت کے ہیں وہ جتنی ہو۔ ایک مقام پر قرآن میں یوم کے معنی ایک ہزار برس کے دیے ہوئے ہیں۔ سورہ معارج میں یوم کے معنی پچاس ہزار برس دیے ہوئے ہیں۔ اس سے زیادہ بھی معنی ہو سکتے ہیں۔ اگر پچاس ہزار برس مانئے تو چھ یوم کے معنی ہوئے تین لاکھ برس۔ قرآن میں ایک مقام پر ہے کہ دو یوم میں زمین

پیدا کی اور چار یوم میں حالت موجودہ پر آئی - موجودہ سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ لاکھوں برس کی مدت میں زمین حالت موجودہ پر آئی - جواب سائنس کہتی ہے یہ قرآن ہمکو تیرہ سو برس پہلے بتا گیا پھر میرا خیال یہ ہے کہ چھ یوم میں کل زمین و آسمان کی خلقت نہیں ہوئی بلکہ ہر سیارے کی خلقت میں چھ چھ یوم صرف ہوئے اور اسے میں نے صراحت سے قرآن کے انگریزی ترجمہ میں دکھایا ہے اور نیز کتاب احکامات وهدایات فی القرآن میں - یہاں اسکی بحث سے طوالت ہوگی - یہی مانئے کہ چھ یوم میں کل ارض و سما کے خلقت ہوگئی - اچھا تو خدا نے یہ چھ یوم یعنی لاکھوں برس اپنے خاص مقام کے بنانے میں تاخیر کیوں کی - چاہئے تو یہ تھا کہ سب سے پہلے عرش بنایا ہوتا -

میرے خیال میں مناسب معنی یہ ہیں کہ ارض و سما کی خلقت کے بعد علی العرش استوی کی منزل ہے یعنی تخت حکومت پر صورت کے لئے لازم ہے کہ محکوم ہو - بغیر محکوم کے وجود کے حکومت ہو ہی نہیں سکتی جب ارض و سماوات کی خلقت ہوگئی تب حکومت خداوندی مستحکم ہوئی - میں یہی معنی اس آیت کے سمجھا ہوں متقدمین علمائے شیعہ کی یہی رائے ہے کہ عرش کے معنی سریر سلطنت خداوندی کے ہیں جو صاحب چاہیں بحار الانوار کی جلد چہاردہم میں دیکھ سکتے ہیں - متاخرین علمائے اہلسنت کی بھی یہی رائے ہے - بعض نے عرش کے معنی علم کے لئے ہیں یا جمیع مخلوق کے جن پر حکومت ہے - اگر عرش علحدہ جسم ہے تو ابتدا کی بابت تو عرض کر چکا - انتہا سمجھئے، نہ مادی جسم ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ صور کی آواز پر نہ بھی فنا ہو جائے خواہ بعد کو دوبارہ خلق ہو - دوبارہ خلق ہونیکے قبل آخر یہ خاص مقام کہاں رہیگا -

ایک آیت قرآن میں ہے کان عرشہ علی الماء سائنس کہتی ہے کہ ابتدا میں پانی تھا - بعدہٗ ہر شئی کی خلقت پانی سے ہوئی اس سے مراد یہ ہے کہ جب ابتدا میں محض پانی تھا نہ بھی خدا کے زیر حکومت تھا باہر نہ تھا - ابتدائے خلقت سے نہ کسی صورت میں ہو خدا کی حکومت ہے - اگر یہ معنی نہیں ہیں تو پانی پر عرش کیسے تھا - پانی پر تھا نہ بہت ہلکا ہے - یہ ماننا آسان نہیں معلوم ہوتا -
سورۂ الحاقہ میں ہے یحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية اُس روز (حشر میں) عرش خدا آٹھ اُٹھائے ہونگے - کون آٹھ، بہت اختلاف ہے - ایک روایت یہ ہے کہ چار متقدمین میں سے یعنی حضرت نوحؑ - ابراہیمؑ - موسیٰؑ - عیسیٰؑ اور متاخرین میں محمدؐ - علیؑ - حسنؑ - حسینؑ - اگر عرش جسم عظیم ہے تو ان آٹھ حضرات کی قوت جسمانی ہرگز کافی نہیں ہوسکتی اور اگر قوت خداوندی سے اُٹھائے ہونگے تو آٹھ کی ضرورت ہی کیا کوئی ایک کافی ہوگا - یہ عام محاورہ ہے کہ فلاں فلاں سلطنت کا بار اُٹھائے

میں سلطنت کوئی جسم تو نہیں ہوتی ۔مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ کاروبار سلطنت انکے متعلق ہے اور وہ اسے باحسن وجوہ انجام دیتے ہیں یہ معنی لیجئے تو مطلب صرف یہ ہوا کہ محشر میں یہ آٹھ اشخاص سلطنت خداوندی کا کام انجام دینگے۔اب کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

عرش کی بابت کہا جاتا ہے کہ کل سمٰوات کو محیط ہے۔معنی صرف یہ ہیں کہ جو کچھ تمام عوالم میں ہے وہ خدا کی حکومت سے باہر نہیں ہے۔

رسول اللہ معراج میں عرش تک گئے یعنی اعلیٰ علییین میں جس مقام سے سلطنت خداوندی کے امور انجام پاتے ہیں وہاں تک گئے۔عرش کل عوالم کو محیط ہے رسول فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے بعد سدرۃ المنتہیٰ ہے وہاں گئے۔یعنی عوالم سیارگان کی جو حد ہے وہاں تک گئے اسکے بعد آپ فرماتے ہیں کہ وہاں سے بہت آگے بڑھے کوئی حد نہیں کہ کہاں تک اور عرش کے پاس پہونچے۔یعنی تمام عوالم طے کئے۔جنت دوزخ عالم ملکوت عالم ناسوت۔لاہوت وغیرہ سب طے کئے۔سدرۃ المنتہیٰ تک جانیکے معنی یہ ہوئے کہ ان عوالم سیارگان کی انتہا تک پہونچے۔اور اسکے بعد تمام دیگر عوالم کو طے کر کے کہ اسکے آگے کچھ نہ تھا عرش تک پہونچے۔

اب یہ دیکھئے کہ عوالم سیارگان کس قدر وسیع ہے۔جو حصہ کہ کہکشاں سے محدود ہے اسکی وسعت اسقدر ہے کہ روشنی جو ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل طے کرتی ہے ایک سرے سے دوسرے سرے تک صرف نو لاکھ چھیاسٹھ ہزار برس میں پہونچ جائیگی یعنی یہ فاصلہ ۱۵ سنکھ ۴ پدم ۲۷۰ نیل ۵۱۰ کھرب ۱۳۶۰ ارب کا ہے۔یہ معلوم ہی نہیں کہ کل کتنے مجموعے سیاروں کے ہیں۔قوی سے قوی دوربین بنائے۔موجودہ دوربین کا شیشہ کا قطر ساڑھے سولہ فٹ ہے۔اس سے نظر کروروں گنا تیز ہو جاتی ہے مگر پھر بھی کہکشاں کی حد نہیں معلوم ہوئی آخر میں سفیدی سی باقی رہ گئی۔یعنی سیاروں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔اور اسقدر بعد ہے کہ سیارے علحدہ علحدہ نہیں معلوم ہوتے بلکہ ایک سفیدی سی معلوم ہوتی ہے۔وسعت عوالم سیارگاں کی حد نہیں معلوم ہوتی۔معلوم کرنا ہمارے لئے محال معلوم ہوتا ہے ذریعہ یا ازدہم نہ قیاس معلوم ہوتا ہے۔رسول نے نصرف اسے ہی طے نہیں کیا بلکہ اسکے بہت آگے دیگر عوالم طے کئے اور عرش تک گئے جسکے آگے اور کسی قسم کا عالم نہیں ہے۔اس فاصلہ کے طے کرنے میں کیا وقت صرف ہوا۔

میں نے ذاکرین سے اکثر سنا ہے کہ رسول جاکر اسقدر جلد واپس آئے کہ زنجیر در ہل رہی تھی اور بستر کی گرمی باقی تھی۔مگر اسے کسی معتبر کتاب میں نہیں دیکھا حیات القلوب میں یہ ملا کہ رسول بعد نماز عشا گئے

تھے اور قبل از صبح واپس آئے۔ ہو سکتا ہے کہ جو سن رہا ہوں وہ اس معراج کی بابت ہو جو کسی سیارہ تک ہوئی اور جو کتاب میں دیکھا یہ اس معراج کی بابت ہے جو عرش تک ہوئی۔ یہی مان لیجئے کہ نماز عشا کے بعد سے صبح تک کا وقت صرف ہوا۔ عرش کے فاصلہ کی بابت پہلے عرض کر چکا۔ اب انصاف سے کہئے سرعت سیر کی کوئی حد ہے اور کچھ بھی قیاس کر سکتے ہیں کہ ایک منٹ میں کتنا فاصلہ طے کیا۔ آیا اس سرعت سیر کی کوئی مثال موجود ہے یا کوئی قیاس میں آتی ہے۔

ریل جہاز کی رفتار سریع ہے مگر چند میل فی گھنٹہ۔ ہوائی جہاز بہت تیز جاتا ہے مگر صرف ۳ سو میل فی گھنٹہ۔ یہ آپ کی اختیاری چیزیں ہیں۔ روشنی کی رفتار تقریباً ۲ لاکھ میل فی سکنڈ۔ بجلی کی رفتار نہیں کہہ سکتا کہ اس سے کم ہے یا زیادہ۔ مسمریزم کے معمول کی روح اس سے تیز جائیگی مگر اُسے کسی سیارہ میں جانیکے لئے کئی منٹ چاہئیں۔ اب بتائیے کوئی رسول کا مقابلہ سرعت میں کر سکتا ہے۔ معراج سے بتا دیا کہ سرعت سیر کی یہ حد ہے۔ بساط سلیمان کو کہ [illegible] سے زیادہ سرعت سے سفر کر سکتے ہیں۔ بساط اُس زمانہ کے لئے معجزہ تھا اگر اسوقت [illegible] دن میں نو سو میل جا سکتا تھا۔ ہم زیادہ جا سکتے ہیں۔ مگر [illegible] کامیاں بھی کر سکتا ہے۔ رسولؐ نے یہ حد سرعت سیر کی قائم کی ہے

دنیا کو بتانا تھا کہ تم لوگ بہت بطی السیر ہو سرعت اختیار کرو۔ تھوڑے سے فاصلہ کے لئے سرعت کی ضرورت نہو مگر طویل فاصلہ کے لئے بغیر سرعت کے کام نہیں چل سکتا۔ رسولؐ نے جو سرعت سیر دکھائی وہ دو طریقہ سے جہانتک عوالم تھے وہانتک براق و رفرف سے گئے۔ اور اُسکے بعد نہ براق تھا نہ رفرف۔ کوئی سواری نہ تھی صرف رسول کی ذات تھی وہ صرف اپنے جسم سے اور روح کی طاقت سے وسعت لامحدود کو طے کرتے ہوئے قرب خداوندی میں عرش کیطرف چلے جا رہے تھے۔ اس سے یہ بتانا تھا کہ جہانتک مادیات کا تعلق ہے وہانتک آلہ کی اور سواری کی فاصلہ طے کرنے کے لئے ضرورت ہے۔ اور جہاں مادیات کا تعلق نہیں ہے وہاں روحانیت سے بعد طے ہو سکتا ہے قرب خدا حاصل ہو سکتا ہے ابتدائی منزل مادیت سے طے کرو اور انتہائی منزل روحانیت۔ انسانوں نے سرعت سیر میں بہت فکر کی۔ اسوقت کی سرعت سیر کو کوئی نسبت زمانہ اولی کی سرعت سیر سے نہیں ہے۔ بہت سریع السیر ہیں مگر اب بھی بہت گنجائش ہے۔ ترقی کئے جاؤ۔ رسولؐ نے جو حد قائم کی ہے وہ بہت دور ہے جتنا مطمح نظر اعلیٰ ہوگا اسیقدر زیادہ ترقی کا امکان ہے۔ اسی لئے تو مثل ہے کہ خاک از تودہ کلاں بردار۔ اس میں بہت شک ہے کہ رسولؐ کی سرعت سیر کو انسان پہونچ سکے گا بلکہ ایک طرح

کا یقین ہے کہ نہ پہونچے گا مگر پھر بھی اگر اس سرعت سیر کو پیش نظر رکھکر کوشاں رہا تو بہت ترقی کی امید ہے ایک بات اور غور طلب ہے ۔ زمین سے رسولؐ بلند ہوئے تو براق پر براق کا مادہ ب ر ق ہے ممکن ہے کہ اس کا نام اس لئے تھا کہ اس میں برق کی سرعت تھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہو کہ سرعت سیر میں ترقی اور کافی بلکہ خاطر خواہ ترقی کا امکان برق کی امداد سے ہے حضرت انسان بخارات (steams) سے کام لے رہے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ اسٹیم سے بہت مدد ملی اور بہت ترقی کی مگر برق کی قوت کا بخارات کی قوت کوئی مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ ریل اگر قوت برقی سے چلائی جائے تو بہت سریع ہو سکتی ہے یہ ضرور دقت ہے کہ ریل کو بہت سریع نہیں کر سکتے بہت سے موانع ہیں ۔ مگر ہوائی جہاز میں تو موانع نہیں ہیں ممکن ہے کہ ہوائی جہاز اگر قوت برقی سے چلائے جائیں اور کافی قوت برقی دیجائے تو اسقدر سرعت سیر آ سکتی ہے کہ جس کا اسوقت گمان بھی نہیں ہے ۔

براق سے یہ سبق ہے کہ سرعت کافی یا بہت زائد انسان صرف برق کی مدد سے پیدا کر سکتا ہے دوسری چیزوں سے اسکا امکان نہیں ہے ۔

انسان کے لئے ترقی کا میدان بہت وسیع ہے کتنی ہی ترقی کر جاؤ اسپر نازاں نہو کہ اس سے زیادہ ناممکن ہے ۔ مادی ذرائع کچھ کم نہیں ہیں اور تجربہ اسپر دال ہے اور اگر مادی ذرائع ناکافی ہوں کام نہ دیں تو وہاں روحانیت سے کام لینا چاہئے رسولؐ نے یہ بھی بتا دیا افسوس ہے کہ اسوقت حضرت انسان نے مادی ذرائع پر اکتفا کر رکھی ہے ۔ روحانیت کی طرف توجہ نہیں ہے اور اگر ہے تو بہت کم ہے ۔

دیگر سیارات میں جانیکا امکان رسول اللہ معراج میں آسمان پر گئے اور عرش تک گئے یہ دکھا چکا ہوں کہ آسمان سے مراد سیارہ بھی ہے جبکا وہ آسمان یعنی مدار ہے ۔ عرش کی بابت بھی عرض کر چکا ہوں کہ وہ کوئی جسم نہیں ہے اسکے معنی محض سریر سلطنت خداوندی کے ہیں اور وہ تمامی عوالم کو محیط ہے یعنی تمامی عوالم کی انتہا ہے سیارگان میں اس کا شمار نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے عوالم کی انتہا خواہ وہ عالم ملکوت ہو یا کوئی اور عالم ۔ پس رسولؐ دیگر سیارگان میں معراج میں گئے اور وہیں نہیں بلکہ ہر قسم کے عوالم کی انتہا تک ۔ کیونکہ اسے اغراض معراج کے تحت میں دکھا چکا ہوں میری رائے میں اس سے یہ بھی غرض تھی کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ رسولؐ کے اختیارات اس حد پر واقع ہوئے ہیں ہم سے قوی تر قوی کا کوئی فرد کوئی کام کرے تو خیال اسکی بیرزی کا نہیں ہوتا اسلئے کہ اسکی قوتیں ہم سے زیادہ ہیں ہم وہ کام نہیں کر سکتے جو اس سے ممکن ہوا ۔ لیکن جب ہماری ہی سی قوتوں کا کوئی فرد کوئی اعلیٰ کام کو انجام دے تو عموماً نہیں تو کبھی کبھی یہ ضرور خیال ہوتا ہے کہ ہماری سی قوتوں کا وہ بھی ہے جب اس نے

انجام دیا تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم بھی انجام نہ دے سکیں اور یہ خیال ہوتا ہے کہ لاؤ ہم بھی کوشش کریں رسول ہمارے ہی سے انسان تھے خدا نے ہمیشہ اپنے پیغمبروں کو انسانوں کے لئے بنی نوع انسان سے بھیجا تاکہ یہ عذر کسی کو نہو کہ ہمارے قویٰ اسکے سے نہیں ہیں اور جو اُسنے کر دکھایا ہم وہ نہیں کر سکتے۔ اس معراج سے ہو سکتا ہے کہ یہ بھی غرض رہی ہو کہ رسول کے فضل اور انکی قوتوں کا اظہار ہو جائے اور انسانوں کو سبق ہو کہ وہ بھی کوشاں ہوں۔ پس رسول جب اس زمین سے بلند ہو کر دیگر سیاروں میں گئے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم نہیں جا سکتے۔ ہمارے بھی جانے کا امکان ہے کوشش شرط ہے۔ اور ایک دو سیاروں میں نہیں بلکہ تمام عوالم میں جانے کا امکان ہے انسانی ترقی کی رسول نے یہ حد قائم کی ہے یہ مشہور محاورہ ہے کہ فلاں نے فلاں شئی کی حد باندھ دی۔ ویسے ہی کہہ سکتے ہیں کہ رسول نے انسانی ترقی کی حدیں باندھ دی ہیں اور یہ معراج سے معلوم ہوتا ہے۔ میں اسے انسانی ترقی کی حد اسلئے کہتا ہوں کہ رسول بھی انسان تھے جب ایک انسان نے اس حد تک ترقی کی تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرا نہ کرے یا نہیں کر سکتا ضرور کر سکتا ہے مگر جس نے ترقی کی اُسکے سے صفات حاصل کیجئے تو اسقدر ترقی ممکن ہے اور ضرور ہو سکتی ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے وہ صفات آپ حاصل نہیں کر سکتے مجبوری ہے تو پھر اس حد تک ترقی سے بھی مجبوری ہے نہیں ہو سکتی۔ میرا اپنا عقیدہ ہے کہ دوسرا کوئی رسول کے سے صفات حاصل نہیں کر سکتا لہذا اس حد تک ترقی بھی محال ہے۔

معراج سے انسانی ترقی کی حدیں معلوم ہوئیں۔ عقلاً کسی کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ رسول تاریخ قدیم کے انسان تھے۔ ہم زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ ہمارے لئے اُن کا قول و فعل حجت نہیں ہے۔ جب اُن سے زائد ترقی کا قیاس بھی ممکن ہو اور ترقی کر دکھا دیجئے تب کہئے۔ کبھی کبھی اسوقت تک انسان کو صرف اس کا خیال پیدا ہوا ہے کہ دوسرے سیاروں تک جائیں ابھی گئے نہیں اور نہ کوئی دوسرے سیارے سے یہاں آیا۔ انتہا تک ہو آنا تو بڑی بات ہے ایک سیارے میں بھی نہیں گئے۔ ایک دو سیارے میں ہو آنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے رسول انتہائے عوالم تک ہو آئے۔ جب انتہائے عوالم تک ہو آئیے تب کہئے کہ ہم بھی اُسقدر ترقی یافتہ ہیں۔ اور اُسوقت آپ صرف برابر ہونگے بڑھیں گے نہیں۔ برابر ہونے پر بھی رسول کا فضل باقی رہیگا۔ اسلئے کہ وہ اسوقت ہو آئے جبکہ وسائل نہ تھے اور آپ جب رفتہ رفتہ ترقی کر کے اس حد پر پہونچیں گے تو اسوقت وسائل موجود ہونگے۔ مجھے تو محال معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس حد تک ترقی کر سکے۔ لوگ صرف مادی وسائل اختیار کر کے کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ اور میری رائے میں بغیر روحانی امداد کے ممکن نہیں۔

رسولِ معراج میں براق پر گئے۔ اور آخر میں کچھ نہ تھا اس سے معلوم ہوا کہ ترقی کی ابتداء مادی ذرائع سے ہو سکتی مگر انتہا بغیر روحانیت کے ممکن نہیں۔

رسول کی ایسی کوئی ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ دو ایک باتوں میں اگر کوئی ترقی بالفرض کر بھی جائے تو برابری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ وہاں تو ہر جانب انتہائی ترقی تھی اور اس انتہا پر کہ اُس کے آگے ترقی کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ اسے میں آئندہ اوراق میں اور بھی وضاحت سے دکھاؤں گا۔

ایک دو باتوں میں بھی ویسی ترقی کرنا بہت ہی مشکل ہے اور بظاہر محال معلوم ہوتا ہے اور جملہ امور میں اُس حد پر پہونچنا یقیناً محال ہے۔ پھر قول و فعل رسول ہمیشہ آئندہ کے لئے حجت رہیگا اور کبھی کوئی اس قابل نہ ہوگا کہ اُنکے مساوی بھی ہو سکے یا یہ کہہ سکے کہ وہ عہد ماضی کے انسان تھے ہمارے لئے پیروی اُنکی لازم نہیں۔ اسلام اسوقت تک کے لئے ہے جبتک اس دنیا میں نفس شماری کا نظام باقی ہے۔

مسلم کی یہ شان ہونی چاہئے تھی کہ کوئی کتنی ہی مادی یا روحانی ترقی کرے ان سے بڑھ نہ سکے اور آئندہ ترقی میں بھی اس کی عقل اور اس کا عمل خضر راہ بنا رہے۔

انسان کے لئے دوسرے سیاروں میں جانے کا اور شاید انتہائی عوالم تک بھی جانے کا بھی امکان ہے کوشش کیجئے مناسب اور ضروری ذرائع اختیار کرنے پر ممکن ہے کہ کامیابی ہو۔ معراج رسول نے امکان قائم کر دیا ہے۔

انسان گرم و سرد ہر جگہ جا سکتا ھے معراج کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول آفتاب کے بہت قریب بھی گئے تھے۔ آفتاب میں کسقدر گرمی ہے یہاں کوئی مثال تو ملتی نہیں کہ اُس سے تقابل کیا جاوے۔ زمین آفتاب سے کافی فاصلہ پر ہے نو کرور میل کا فاصلہ ہے پھر بھی کسقدر حدت محسوس ہوتی ہے کہ برداشت نہیں ہوتی۔ ریاضی سے معلوم ہوتا ہے کہ فاصلہ بڑھنے پر گرمی کس شرح سے گھٹتی ہے ریاضی داں حساب لگا کر بتا سکیں گے کہ یہاں جب اسقدر گرمی آفتاب کی محسوس ہوتی ہے تو آفتاب میں کسقدر حدت ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ زمین کی ہر شئی وہاں چند منٹ میں ہوا میں مبدل ہو جائیگی مگر رسول اللہ آفتاب کے پاس گئے۔ اس سے اسکا امکان معلوم ہوا کہ انسان گرم سے گرم مقام پر جا سکتا ہے اور وہاں کچھ دیر تک رہ سکتا ہے۔ شعبدہ گر آگ روشن کر کے اُس پر چلتے ہیں اور دوسروں کو بھی چلاتے ہیں۔ ایسے تماشے کئی بار دیکھے ہیں۔ مگر اس آگ کی گرمی کو آفتاب کی گرمی سے کیا نسبت ایسی بہت سی چیزیں ہیں کہ انھیں لگا لیجئے تو معمولی آگ اثر نہ کریگی۔ مگر ایسی چیز معلوم نہ ہوئی کہ جسکے لگانے سے سخت سے سخت چیز بھی اثر نہ کرے۔ مثلاً کوہ آتش فشاں کی آگ جسکے پگھلے ہوئے مادہ کی گرمی تین سال کے بعد بھی

محسوس ہوتی ہے حضرت ابراہیم کو آگ میں جلانا چاہا۔ آفتاب کی حدت سے اُس آگ کو کوئی نسبت نہیں ہو سکتی تاہم وہ بھی بہت سخت آگ تھی مگر ابراہیم پر گلزار ہو گئی۔ کیوں؟ دو وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو خود ابراہیم میں کوئی بات ایسی تھی اور اُنکی خود قوت کا یہ اثر تھا کہ آگ اُنکو مطلق ضرر نہ پہونچا سکی یا جیسا قرآن کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے اور ہونا چاہیئے کہ خدا نے حکم دیا کہ یا نار کونی برداً وسلاماً اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کے ساتھ۔ اور آگ ابراہیم پر گلزار ہو گئی اور مطلق نقصان نہ پہونچا یا۔ اگر خدا نے حکم دیا اور یقینی دیا تو یہ ماننا پڑیگا کہ حضرت ابراہیم میں کچھ صفات ایسے تھے کہ خدا ان سے خوش تھا جو اُس نے آگ کو ایسا حکم دیا ہر ایک کے لئے تو خدا یہ حکم نہیں دیا کرتا۔ آفتاب کی حدت اُس آتش نمرود سے کہیں زیادہ تھی مگر رسول کو قطعاً نقصان نہیں پہونچا سکی۔ غرضکہ انسان خود اپنی قوت سے (اس میں بہت شک ہے) اور نہیں تو خدا کو اپنے افعال سے خوش کر کے خدائی قوتوں سے یہ ضرور کر سکتا ہے کہ گرم سے گرم مقام میں جو قیاس میں آسکے کچھ دیر بسر کر سکے۔ اسوقت یہ معمولی بات تھی کہ فلاں مقام پر تو آگ برستی ہے ہم نہیں جا سکتے، اور فلاں مقام پر کرۂ زمہریر کی سی برودت ہے ہم تحمل نہیں کر سکتے معراج نے بتا دیا کہ یہ خیال غلط ہے۔ انسان گرم سے گرم مقام پر رہ سکتا ہے۔ اور جب گرم سے گرم مقام پر رہ سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سرد سے سرد مقام پر بھی نہ رہ سکے۔ انسان کوشش کرے تو ممکن ہے کہ اسوقت ہر گرم و سرد مقام پر جانیکی کوشش کر رہے ہیں اور ایک حد تک کامیاب ہوئے ہیں مادی ذرائع سے اور اگر اس سے نہیں یا جہاں وہ کام نہ دیں وہاں روحانی قوت سے انسان ہر مقام پر بسر کر سکتا ہے۔ رسول نے آفتاب کے پاس جا کر اسکی بھی ایک حد قائم کر دی۔ یہانتک ہم انسانوں کا کامیاب ہونا بہت ہی دشوار معلوم ہوتا ہے رسول نے جو حد قائم کی ہے وہ اس انتہا کی کہ اُس تک پہونچنا محال ہی سا ہے۔

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیمہ و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالۂ شبہات
(۱۲) اکتشافات جدیدہ و حقائق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوا کریگا۔
۲۔ ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳۔ نمونہ کا پرچہ ۴ر کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے
۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵۔ اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے
(۶) علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام مینیجر ہونا چاہیئے۔
(۷) شرح قیمت رؤسا و والیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ غربا و طلبا سے بشرط تصدیق ع۸ر

پتہ دفتر الواعظ مدیر الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہو سکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے، اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا۔
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ ہر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

...العلوم مدرسۃ الواعظین کی قابل قدر کتابیں

...اس زمانہ پر آشوب میں لامذہبیت کی تیز و تند ہوائیں قصر ایمانی کو متزلزل
...ی ہے کہ اسکی بنیادوں پر مثل سابق مضبوط و مستحکم کرنیکی ہر سعی امکانی سے دریغ
...اس وقت آپکے لئے ضروری ہے کہ آپ دنیا کے مختلف مذاہب کے پورے حالات پر نظر غائر مطالعہ
...طلب فرمائیں ادارہ آپ کے حکم کی شکریہ کیساتھ تعمیل کریگا۔

...العلوم مدرسۃ الواعظین نمبر ۱۶ کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب
۴ر	کشف حقیقت	۱/۶	مناظرہ معاد وتناسخ	۴ر	...فة		
	...تصوف	۱/۶	الاعجاز	۲ر	...ن		
	اسلامی بچوں کی	۱/۶	فلسفة المذاہب	۵ر	...القرآن	۳ر	
۱/۶	پہلی کتاب	۱/۶	النبی		حقوق نسواں		ترجمہ قرآن مجید حصہ
۴ر	قران السعدین	۱ر	خصوصیات اسلام	۶ر	اور اسلام	ع۸ر	دوم مجلد
۶ر	شان صبر	۳ر	اسلام زجہاد	۶ر	تحقیق البداء		صحیفہ کاملہ حصہ
		۲ر	قرآن اور بائبل	۲ر	راز شہادت	ع۸ر	اول مجلد
		۱/۶	رد الاباطیل		القول الجمیل فی	ع۸ر	صحیفہ کاملہ حصہ دوم مجلد
		۱/۶	رسالہ متعہ	۸ر	التوراة والانجیل	عہ ر	المودة القربیٰ غیر مجلد
		۴ر	سرادق عفت	۱/۶	اسلام اور رواداری	۸ر	دی پرافٹ اینڈ خلافت
۶ر	حقیقت سادات		شریعت الاسلام	۱/۶	کربلا کا مجاہد	ع۸ر	اسلام اِن ہسٹری اینڈ ٹرتھ
۳ر	فریاد مسلمانان عالم	۳ر	حصہ اول	۱/۶	مولود حرم	۲ر	یونیٹی آف گاڈ
للعہ	تجلیات تاریخ اردو		شریعت الاسلام			۱۲ر	اسلام اِن دی لائٹ آف شیعزم
۴ر	ایضاح الاشکال عربی	۸ر	حصہ دوم	۲ر	تعلیم اسلام	۲ر	امین اینڈ رائل کنگ
عہ ر	ارشاد مفیدہ		شریعت الاسلام		ید بیضا در تحقیق	۱/۶	ٹریجڈی آف کربلا
عہ ر	محیط الدائرہ	۳ر	ضمیمہ حصہ دوم	۶ر	مثیل موسیٰ	۲ر	پیریرس
۱۲ر	نصر المومنین فارسی	۳ر	کارنامہ محرم	۸ر	قرآن اور تعصبات یانی تعلیم	۲ر	اسلام اِن دس
ند	بردہ پر نظم	۴ر	اسلامی صحیفہ	۲	تنقید قرأت زید	۲ر	نماز
		عہ ر	سوانح عمری حضرت مسلم بن عقیل	۵ر	عبائر الانوار جلد سوم	سے ر	عبائر الانوار جلد اول

... پرنٹر و پبلشر نے الواعظ صفدر پریس سے چھپوا کر شائع کیا

وبالنجم هم يهتدون

رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۹
ماہانہ مجلۂ علمیہ

بیادگار حضرت نجم العلماء

الواعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

زیر سرپرستی والی ریاست عالیہ محمود آباد سرکار راجہ محمد امیر احمد خان صاحب بالقابہ متولی منتظم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر نگرانی تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مدظلہ برادر سرکار نجم العلماء مجتہد صدر شعبۂ تبلیغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

مدیر

فقیر باب اہلبیت سید آغا مہدی الرضوی

الواعظ صفدر پریس میں چھپ کے شایع ہوا

الواعظ

رسالہ الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کا واحد آرگن تبلیغی اور علمی مقالات کا خزانہ ہے ہندوستان کے سب سے بڑے مرکز تبلیغ دین سے ماہوار شائع ہوتا ہے اور ستائیس[۲۷] سال سے اپنے فرائض کو حسن و خوبی سے ادا کر رہا ہے، سیاست علویہ، علمی خیانتیں، اقوام عالم میں تبلیغ دین، تقیہ، متعہ، پردہ کی بحث، اقوام عالم میں ڈاڑھی کی حیثیت، حیات خضر حدود و ذاکری، سہ روزہ عطش وغیرہ وہ معرکہ آرا علمی کارنامے ہیں جو ہندا و بیرون ہند سے خراج تحسین و آفرین حاصل کر چکے ہیں الواعظ آجکل کے اصطلاحی مناظرہ سے بچتا ہوا انتہائی تہذیب و متانت سے مذاہب عالم پر تنقید و تبصرہ کرتا ہے آریہ، عیسائی، قادیانی اہلحدیث وغیرہ کے مقابلہ میں اپنے مخصوص انداز سے ہر وقت احقاق کے لئے کمربستہ رہتا ہے۔

دین و مذہب کی اس بیکسی کے عالم میں جبکہ روز بروز دہریت کو عروج اور مذہب کا انحطاط ہو رہا ہے ضرورت ہے کہ آپ الواعظ کی صدا پر لبیک کہنے میں دریغ نہ فرمائینگے اور نہ صرف خود خریداری منظور کرینگے بلکہ اپنے احباب اور حلقۂ اثر کو دعوت دیکر نصرت و حمایت دین میں حصہ لیں گے۔

عام خریدار چار روپیہ سالانہ اور روساء و اکابر ملت پچاس روپیہ سال تک مرحمت فرماتے ہیں الواعظ کو آپ کی نظر توجہ کی بڑی ضرورت ہے۔ منیجر

اطلاع عام

خریداران الواعظ کو روانگی ڈاک کے سلسلہ میں دفتر سے وقتاً فوقتاً جو شکایات تھی۔ اس پر عرصہ سے غور ہو رہا تھا اور اب ذمہ داران ادارہ نے اون ذرائع کا انسداد کر دیا ہے جن سے دفتری بدنظمی کا امکان تھا۔

لہذا میں امید کرتا ہوں کہ اب قارئین کرام کو دفتر سے کوئی شکوہ پیدا نہ ہوگا۔ اڈیٹر

الواعظ لکھنؤ

جلد ۲۷ | بابت ماہ جون ۱۹۴۶ء مطابق رجب ۱۳۶۵ھ | نمبر ۶

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	فاتح خیبر	اڈیٹر	۲
۲	لکھنؤ میں تیرہ رجب کی چہل پہل	ہمدرد لکھنوی	۷
۳	قصیدہ	جناب علی نصرت صاحب بجنوری	۹
۴	حضرت علیؑ اور کعبہ	جناب مولانا سید محمد قاسم صاحب الہ آبادی	۱۰و۵۲
۵	قصیدہ	حضرت محسن	۲۵
۶	قصیدہ	خان بہادر رائے محمد علیم صاحب دام اقبالہ رئیس پٹنہ	۲۷
۷	ازواج النبیؐ	جناب سید نجم الحسن صاحب اعظمی	۲۹
۸	علیؑ و کعبہ	اڈیٹر	۳۰و۴۲
۹	شاہ نجف لکھنؤ	جناب شیخ تصدق حسین صاحب جعفری بی اے ایل ایل بی	۳۶
۱۰	حُسنِ خط	اڈیٹر	۴۴
۱۱	علی کی گورنمنٹ	سوامی کلو گانند صاحب	۴۹
۱۲	رجب کی مجلسیں	اڈیٹر	۵۶

معذرت بوجہ کاغذ کی کمی کے ہم اس نمبر کو مقررہ تعداد سے کم چھاپ رہے ہیں جن حضرات کے نام تبلیغی لحاظ سے الواعظ حاضر کیا جاتا تھا اُنکو بھیجنے سے معذور ہیں۔

الواعظ

بابت ماہ جون ۱۹۴۶ء

فاتح خیبر

ہواخواہان بنی امیہ کا نیا ڈھونگ

نمبر ۳

یہودیوں کی بستی میں خیبر غرور و نخوت کا ایک پہاڑ سمجھا جاتا تھا جو مٹھی بھر مسلمانوں کو پیس دینا چاہتا تھا مگر یہ قدرت کا کرشمہ تھا کہ اُسی مستحکم قلعہ میں مرحب و عنتر سسکیاں لیتے ہوئے نظر آئے، اور وہ سربلند دروازہ جو کفر و شرک کی عظمت کا نشان تھا توحید پرستوں کے ہاتھ سے سرنگوں ہو کر خندق کا پل بنگیا اور کامیابی کا سہرا قدرت کے ہاتھوں علی مرتضیٰ کے سر رہا فتحمندی کے پھولوں نے اپنی تیز خوشبو پھیلا کر ظاہر کر دیا کہ توحید کی شمیم چار دانگ عالم میں پہونچکر رہیگی اور حال و استقبال کا کوئی ذی ہوش ایسا نہ رہیگا جو علمدار کی بہادری کی داد نہ دے۔ ایں سعادت بزور بازو نیست ؛ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ٭

خدا برا کرے تعصب کا جس نے الفقیہ کے ظالم نامہ نگار تک یہ خوشبو پہونچنے نہ دی اور اُس نے تمام حقائق سے قطع نظر کر کے تاریخ کے گلے پر کند چھری پھیر نی اُسکو یاد رہا تو لعاب ہن ٭

ہم خاک نشینوں کا ستانا نہیں اچھا ہل جائینگے افلاک جو فریاد کرینگے

دشمن کی اس چالاکی نے میرے دل و دماغ پر نہ غیر معمولی اثر کیا ہے کہ آج تیسری قسط نذر قرطاس ہے۔

اس جد و جہد سے صرف یہ مطلوب ہے کہ شاید کوئی ہوشمند شاہد معنی کے جمال کا نظارہ کر سکے اور ہدایت کے پیکر جمیل سے ہمکنار ہونیکی گرمجوشی محسوس کرے ورنہ دنیا کا حال تو یہ ہے کہ ہر طرف ایک عالم نظر آتا ہے

غفلت وجمود کا ناظر لقطوں پر سے عبور کرتا ہوا گذرا چلا جاتا ہے اور پلٹ کر بھی نہیں دیکھتا کہ ہمارے قدم کہاں پہنچے فتح خیبر ایک سرور ہے ابدی ایک لذت ہے سرمدی جس سے ایماندار اور نیکو کار لطف اندوز ہو رہے ہیں انکو معلوم ہے کہ دشمن کی آخری ہچکی کی صدا اب بھی آرہی ہے غمدیدہ ابن صفیہ کی آنکھ کا نکلا ہوا آنسو ابھی منجمد نہیں ہوا ہے اسکے مضراب اندوہ سے چھڑا ہوا نغمہ خاموش نہیں ہوا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات شدید القسورہ

کی آواز ابتک کانوں میں آرہی ہے وقت گذر گیا مگر ثناخوان کی زبان عصمت کا کلمہ لا فتیٰ خاموش نہیں ہوا ہے شکست خوردہ اور نام نہاد علمداروں کے پائے فرار سے جو گرد و غبار بلند ہوا تھا اس سے فضا ابتک مکدر ہے اور یہودیت صحابیت پر خندہ زن ہے۔

تاریخ کے تمام ادوار میں حدیث خیبر کو منزل تعارف و امتیاز پر لایا گیا یہ دماغ امت کی پیداوار نہیں ہے جی آموز کلام وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ اس کا محل صدور ہے عام لوگوں کے ذہن و ادراک کی ساری کائنات کا دائرہ اس سے زیادہ نہیں کہ جو کچھ بھی سوچے گا وہ اسکی اپنی ہی سوچ ہوگی جس میں غلطی کا احتمال باقی رہیگا پیغمبرانہ کلام اگر ایسے تنگ سانچے میں محفوظ ہو جائے تو وہ پیغمبری نہیں اسکے ملفوظات صدق محض ہیں جسمیں خطا یا کذب کا وہم و گمان بھی نہیں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ رسُول نے فرمایا کہ اب میں علم اُسکو دونگا جو کرار غیر فرار ہوگا وہی صفتیں علمدار کی بیان کیں اور لب و لہجہ سے واضح ہوا کہ کئی دن کی شکست سے رسُول کا دل جو عالم اضطراب میں تھا اس نے طے کرلیا تھا کہ علم اب فاتح کے سوا کسی ہاتھ میں نہ جائیگا جبین کلام پر شکن اور الفاظ کا زور دیکھکر وہ طبقہ جو ہمدردی کو اپنا فرض سمجھتا تھا چشم و ابرو پر ناظر تھا کہ دیکھیں کل علم کسکو ملتا ہے مسلمانوں کو اپنی شکست کا احساس تھا اور چہرے اُترے ہوئے تھے ہر طرف اداسی اور مایوسی پھیلی ہوئی تھی لیکن آتش حرب سے جھلسے ہوئے دلوں کے لئے پیغمبر کی صدا اور "لاُعطینّ" کی نوید نے برد و سلام کے چھینٹوں کا کام کیا۔ دنیا امید پر قائم ہے۔ اگر گلزار میں خار دار جھاڑیاں ہی اُگتی رہیں تو وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ پھول کھلیں اور کلفت دور ہو مصائب کے خار زار میں حدیث خیبر مہکتا ہوا پھول، جگمگاتا ہوا روشن تارا ثابت ہوئی لیکن اس پھول کی خوشبو حزب الاحناف کے شامہ تک نہیں پہنچی اور یہ کوکب تابندہ امر تسر والوں کو نظر نہیں آیا۔

آؤ ہم رہنمائی کرتے ہیں اور جن حقائق پر پردہ ڈالدیا ہے اُنکو قوم کے سامنے لاتے ہیں سُنو اور کان کھولکر سنو حدیث خیبر میں وہی مفہوم کسیقدر زیادتی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے جو حدیث طیر میں مسلمانوں کے سامنے آچکا تھا تاریخ طبری تاریخ ابن اثیر جذری تاریخ خمیس، تاریخ ابن عساکر تاریخ ابو الفدا، تاریخ

حبیب السیر، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سیکڑوں مستند اسلامی کتابوں میں یہ مفہوم موجود ہے، بخاری نے حدیث میں تحریف کی اور یحب اللہ و رسولہ اور کرار غیر فرار کی لفظوں کو خارج کر دیا، نسائی نے یحب اللہ و رسولہ کو تو لکھا مگر کرار کی لفظ انکے دل میں بھی کھٹک کر رہ گئی امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے حدیث کو بے کم و کاست نقل کیا مگر کہیں یہ نہیں کہا کہ فاتح خیبر لعاب دہن رسولؐ تھا۔

پیغمبرؐ نے حدیث خیبر سے علیؑ کی شان میں جو گہر افشانی کی ہے اُن میں فضیلت کا ہر پہلو ایک مخصوص مدح ہے جسکی نظیر تمہارے صحابۂ کبار کی زندگی میں نہیں ملتی۔

پہلی صفت یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے عطا کرنے سے انکو علم ملا قبل کے جانیوالے دستِ رسولؐ سے علم لیکر نہ گئے تھے اگر رسولؐ انکو بھی علم دیتے تو لاُعطینّ بے معنی ہے، ماننا پڑے گا کہ جسطرح مبدءِ فیاض سے ذاتی صلاحیت دیکھکر بارش کرم ہوتی ہے اسی طرح پیغمبرؐ نے بھی دست و بازو کی طاقت دیکھکر علم دیا ناممکن ہے کہ خلاف عالم شیر کا دل روباہ کے سینہ میں ودیعت کرے شئی ہمیشہ اپنے مرکز پر رہتی ہے، علم جبتک ناکارہ ہاتھ میں رہا اسلام پسپا ہوا مسلمانوں نے شرمندگی اُٹھائی اور جب مشکلکشا کے ہاتھ میں آیا اُسی وقت فتح کا پرچم لہرایا۔

اگر آقائے دوجہاں کی یہ مخصوص عطا ہوتی تو دوسرے دن آپ کے خلیفہ حضرت عمر بن خطاب سینہ تان کر علمداری کی آرزو میں نہ بیٹھتے اور حسرت نہ پوری ہونے پر عمر بھر اُنکے دل سے یہ ملال نہ جاتا لقد اعطی علی ثلاث خصال لا یکون لی واحدۃ منھن احبّ الیّ من حمر النعم فسئل ماھی قال زوّجہ ابنتہ فاطمہ و سکناہ فی المسجد یحل لہ ما لا یحل لی والرایۃ یوم خیبر حضرت عمر کا بیان ہے کہ علی کو تین باتیں ایسی دی گئیں کہ اُن میں سے اگر مجھے ایک بات بھی دیگئی ہوتی تو میرے لئے سرخ بال والے اونٹ سے بہتر تھی، آنحضرت صلعم کا اپنی دختر فاطمہؑ سے انکا نکاح کرنا۔ اور انکو مسجد میں رہنے کا حکم دینا انکے لئے وہ امور جائز ہیں جو میرے لئے نہیں جائز ہیں اور خیبر کے دن علم ملنا۔ (ارجح المطالب ص ۵۶۲) صفت عطا پر ہم آیندہ انشاءاللہ پھر بحث کرینگے۔

دوسری صفت "رجل" ہے جسکے معنی مرد کے ہیں اور مرد کی ضد نامرد ہے بزدل کو عموماً نامرد کہتے ہیں اگرچہ نہ مرد ہو، فرار کے بعد جو عام بدظنی معرور سے پھیلتی ہے یہ اُسکا فطری نتیجہ ہے برخلاف اسکے بہادر کی تعریف ہر جگہ ہوتی ہے، خیبر میں کس نے کام کیا اور کون رہ گیا اس کا فیصلہ واقعات سے ہر باخبر خود کر سکتا ہے اس ناکامیابی کے بعد مرسل نے علم ایک ہی شخص کو دیا تھا کامیابی جسکے قدم چومتی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ اناڑی نہیں ہے اسکے قدم پہلے پہل میدان میں نہیں آئے ہیں

بدر و اُحد میں اسکی تلوار کے جوہر آشکارا ہو چکے ہیں۔

اگر اسلام کا ابتدائی دور ہوتا اور خیبر کی شکست کا روز سیاہ بالفرض اسوقت آتا اور رسول حمزہ و جعفر کو بھی علی کے ساتھ بھیجتے تو رجل کے بجائے رجال کی لفظ استعمال ہوتی لیکن نہیں ہے کہ مرسل کا خزانہ خالی ہو چکا تھا اور بہت پہلے عروس مذہب پر وہ موتی نثار ہو چکے تھے اب نبوی سپاہ میں ایک مرد تھا جسکو رجل کہا، اور جہاں یہ حضرات جمع ہو گئے وہاں رجال موجود ہے وعلی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیماھم پ کچھ مرد اعراف پر ہونگے جو ہر شخص کو بہشتی ہو یا جہنمی صورت دیکھتے ہی پہچان لیں گے"

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں ابن حجر مکی نے ابن عباس کی روایت نقل کی ہے کہ عن ابن عباس انہ قال الاعراف موضع عال من الصراط علیہ العباس وحمزہ وعلی بن ابیطالب یعرفون محبیھم ببیاض الوجوہ ومبغضیھم بسواد الوجوہ کہ اعراف پر عباس حمزہ اور علی بن ابیطالب کھڑے ہونگے اور اپنے دوستوں کو انکے چہروں کی نورانیت اور اپنے دشمنوں کو روسیاہی سے پہچان لینگے۔

(صواعق محرقہ ابن حجر عسقلانی)

خدا نے اپنے حبیب کی استعمال شدہ لفظ کو قرآنی جامہ پہنایا اور جسکو مرسل نے خیبر میں رجل کہا تھا اسکو خدا بھی رجل کہہ رہا ہے۔ ایک اور آیت بتاتی ہے کہ رجل انسان کامل کو کہتے ہیں الذی خلقک من تراب ثم من نطفۃ ثم سواک رجلا پ۵

تیسری صفت کرار ہونا ہے چونکہ دشمن کی ٹڈی دل فوج پر پیہم حملے کئے تھے اور بار بار صف شکنی کا مظاہرہ ہونیوالا تھا اسلئے کرار کو صفت قرار دیا اور "حیدر کرار" نام ہو گیا خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی (جنکو آپ رحمۃ اللہ علیہ کہتے اور جنکے دیوان سے مسلمان فال دیکھتے ہیں اور اسکو لسان الغیب کا لقب دے رکھا ہے) نے بھی اس لقب کو یاد رکھا ہے نوشتہ بر در فردوس کاتبان قضا؛ بنی رسول خدا لی عہد حیدر کرار کرار کی لفظ سے جنگ میں دلچسپی اور جہاد میں شغف واضح ہوتا ہے عام لوگ تو جہاد کو ایک فرض سمجھکر انجام دیں اور اپنا ذاتی کام سمجھکر شمشیر زنی کریں پہلے حملہ کے بعد ہمت پست نہ ہو دوسرا حملہ کریں لولہ بڑھتا ہی جائے۔

چوتھی صفت غیر فرار ہونا ہے، بھاگنا اور دشمن کو پشت دکھانا حد درجہ قبیح اور ناقابل عفو گناہ ہے قرآن مجید میں بار بار اسکی مذمت ہے یاایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماوٰہ جھنم وبئس المصیر۔ پ۹ (حاصل مفہوم) اے ایمان لانیوالو جب تم سے لڑائی میں کافروں سے مڈ بھیڑ ہو جائے تو انکی طرف پیٹھ نہ پھیرنا اور جو شخص اس موقع پر پشت دکھائیگا مگر یہ کہ جنگی مصلحت سے مڑ جائے یا اپنی جماعت سے ملحق ہونے میں روگرداں ہو تو وہ غضب الٰہی سے بچ نہیں سکتا

اور اُسکا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے "

احادیث نبوی میں بھی فرار کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور پیغمبر اسلام نے اپنے ملفوظات میں جہاد میں دشمن کو پیٹھ دکھانے پر سخت ترین گناہ کا ارتکاب بتایا ہے وہ اسی لیئے تھا کہ اگر حسبنا کتاب اللہ والے ذاتی مصالح سے قرآنی آواز فلا تولوا ھم الادبار کو طاق نسیاں پر رکھدیں تو شائد کبھی رسول ہی کا قول یاد آجائے اسلئے آپ نے جہاد سے بھاگ کھڑے ہونیکو اکبر کبائر (گناہان کبیرہ میں بھی بہت بڑا گناہ) بتایا ہے۔ (ص۶۴ صحیح مسلم جلد اول چھاپ نول کشور ۱۳۱۹ھ)

اس ارشاد کے بعد اُس صحابی کو بھی فرار کی جرأت نہ کرنا چاہیئے تھی جس نے چند لمحہ کے لیئے بھی صحابیت کا فخر حاصل کیا تھا یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بیعت کے وقت رسول عورتوں سے جو اقرار لیتے تھے نہ شرک سے پرہیز، سرقہ سے بچنا، زنا کا مرتکب نہونا دختر کشی روکنا ہوا کرتا تھا اور مردوں سے بیعت میں صرف اسقدر اقرار لیا جاتا تھا کہ لڑائی میں نہ بھاگیں (فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۵ ص۲۴۵)۔

اس معاہدہ اور ارشاد کے بعد پیغمبرؐ کی بات کی لاج رکھنا ہر مسلمان کا فرض تھا لیکن وہ مجسمۂ حلم و بردباری بدر سے آجتک مسلمانوں کی بارہ صفت زندگی دیکھتے رہے یقینا غیر فرار کی لفظ استعمال فرماتے وقت رسول کے زیر نظر وہ مجرم تھے جو جنگ میں ہمیشہ لیت و لعل کرتے تھے اور خود اس جنگ میں فتح نہونے سے اسلام کو جو روز سیاہ دیکھنا پڑا تھا اسکا لازمی نتیجہ تھا کہ اب جو بھی میدان جنگ میں جاتا اسکا وزن دشمن کو محسوس نہوتا اسلئے پیغمبرؐ نے کرار کی لفظ کیساتھ غیر فرار کا اضافہ کیا عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت میں ہے کرار لیس بفرار وہ بھاگنے والا نہیں ہے " لیس بفرار ہو یا غیر فرار مقصد واحد ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مطلب کی ادائیگی جبھی ہوتی ہے جب جس چیز کا اثبات مقصود ہو اُسکے غیر کی نفی کیجائے قرآن مجید میں تمام سورۂ حمد سے بڑھکر کوئی کلام کیا مکمل ہوگا نا واقف بندہ کو دعا کرنے کا طریقہ تعلیم ہوا کہ وہ کہے اھدنا الصراط المستقیم بار الٰہا راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھ مطلب واضح تھا مگر دوسری آیت نے توضیح کی صراط الذین انعمت علیھم ان لوگوں کا راستہ جنپر تو نے (اپنی) نعمت عطا کی ہے اس تبصرہ کے بعد بھی نظر قدرت میں کلام کی تکمیل نہیں ہوئی اور قدرت کو غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہکر مطلب کو ختم کر دینا پڑا یہی لائحہ عمل رسول کے بھی سامنے تھا اور حدیث خیبر کی تمامی اسی وقت ہوئی جب کرار کے ساتھ غیر فرار کا اضافہ فرمایا جس طرح خدا کے کلام میں غیر کی لفظ کے بعد گمراہ اور غضب الٰہی میں مبتلا ہستیوں کی طرف اشارہ ہے اسی طرح حدیث نبوی میں جو گمراہ ہیں اور جنپر غضب ایزدی آنیوالا ہے اُن سے ممدوح کو ممتاز کیا ہے۔

(باقی باقی)

لکھنؤ میں تیرہ (۱۳) رجب کی چہل پہل

یوں تو رجب کی مسرت انگیز تاریخوں میں شہر میں جگہ جگہ محافل میلاد چراغاں نذر دستر خوان ہوتے ہیں مگر چند محافل مرکزی حیثیت رکھتی ہیں جن میں تمام اہل لکھنؤ اور بیرونجات کے مومنین جوق جوق شریک ہوتے ہیں۔

(۱) وقف حسین آباد مبارک شاہ نجف کی طرف سے تیرھویں شب کو نقل روضۂ مبارک میں چراغاں ہوا اور خطیب محترم جناب مولانا سید احمد صاحب قبلہ صدر الافاضل نے اپنے مخصوص انداز میں فضائل بیان کئے اور صلوٰۃ کے نعروں میں موعظہ ختم ہوا۔

(۲) اسی وقت پر مولود حرم کی سالانہ بزم میلاد امامباڑہ ناظم صاحب مرحوم میں منعقد ہوئی جس میں سرکار شریعتمدار تاج العلماء مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ نے نماز مغربین پڑھائی پھر جناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ نے روح پرور تقریر کی اور فضائل بیان فرمائے مشاہیر شعراء نے بھی اپنے کلام سے حاضرین کو لطف اندوز کیا جناب سید محمد تقی صاحب سکریٹری انجمن کے انتظامات اور انہماک قابل داد ہے۔

(۳) ۱۳ رجب کی صبح کو سرکار ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ کے پڑھنے کی قدیم محفل میں اُنکے چشم و چراغ سعید الملۃ جناب مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ نے بمقام امامباڑہ ناظم صاحب مرحوم بڑی خوبی سے فضائل بیان فرمائے اور آیۂ تطہیر پر نہایت بصیرت افروز ایمان پرور موعظہ فرمایا۔

(۴) شام کو مسجد تحسین علیخاں کا چراغاں اور میلاد نہ عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے جسکے دیکھنے کو ہندوستان بھر سے لوگ آتے ہیں اور عظیم الشان مسجد کو الکٹرک کی روشنی میں بقعۂ نور بنا دیا جاتا ہے امسال سالہائے ماسبق سے انتظامات کچھ بہتر ہی رہے اور روشنی، پھاٹک، دوکانداروں کی کثرت، شرکاء کے ہجوم سے چوک میں راستہ چلنا دشوار تھا اولاً سرکار شریعتمدار مولانا آقا مہدی صاحب قبلہ نے نماز مغربین پڑھائی پھر محفل شروع ہوئی اور جناب عمدۃ العلماء مدظلہم نے فضائل بیان فرمائے شعرائے کرام کے قصائد کا سلسلہ قبل و بعد نصف شب تک جاری رہا مجمع کی کثرت اور سامعین کے اژدہام میں لاؤڈ اسپیکر سے مقررین کی آواز پہونچائی گئی ہمکو یہ دیکھکر صدمہ ہوا کہ اس محفل کے سلسلہ میں ہزاروں محتاجوں کو جو کھانا تقسیم ہوتا تھا اسکا انتظام اس سال نہ ہو سکا غالباً کنٹرول کے انتظامات سدراہ ہوئے انجمن اگر چاہتی تو اس موقع پر محتاجوں کو حسب گنجائش نقد دوانیاں چونیاں تقسیم کر سکتی تھی تاکہ یہ فیض جاری رہتا اور جس سخی ترین مردم (اسخی الناس) کی ولادت تھی اُس کی یاد باقی رہتی۔

ناچیز سید مہدی حسین ہمدرد　کوچہ شاہ پیر لکھنؤ

قصیدہ

از نتیجۂ فکر علی نصرت صاحب نصرت قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ

بادۂ حب علی سے دل سرا سرشار ہے
نشۂ میں ڈوبا ہوا مدہوش یہ میخوار ہے

فاطمہ بنت اسد تو آگئیں نزد حرم
درد زہ بھی وجہ قرب ایزد غفار ہے

مس شکم کے ہوتے ہی دیوار کعبہ شق ہوئی
کتنا بیت اللہ پر بار امانت بار ہے

دیکھ لیں حالات مستقبل ابھی سے اہل دل
قوت شیر خدا کی آئینہ دیوار ہے

ملگئی دو ٹکڑے ہو کر دل جدار کعبہ کا
معجزہ بھی اور مسیحائی سے یہ دیوار ہے

ملگئی شق ہو کے جب پتھر کی دیوار حرم
اتحاد باہمی کیوں قوم میں دشوار ہے

آگیا تو غیب سے ایمان کامل آگیا
وہ مجسم حق بہ شکل غیرت طرار ہے

لیجئے جیب ابو طالب سے نکلا وہ گہر
جو محمدؐ کی رسالت کے گلے کا ہار ہے

آگیا صدیق تصدیق رسالت کیلئے
وحی حق بھی غیب سے آنے کو اب تیار ہے

گل ہوئے شعلہ جہنم کے مثال شمع قبر
اللہ اللہ سرد طبع شعلہ ہائے نار ہے

شیر سے تیار ہیں کیا ننھے ننھے ہاتھ پاؤں
ہے علیؑ آغوش میں یا ضیغم جرار ہے

ڈالتا ہے کس قیامت کی نظر اصنام پر
لو برہمن کے خدا پر تیروں کی بوچھار ہے

کفر کی دنیا الٹ دینگے کسی دن دیکھنا
بانکی ترچھی چتون سے صاف یہ اظہار ہے

بند ہیں تارا سی آنکھیں حسرت دیدار میں
آنکھ کی پتلی میں نور احمد مختار ہے

دوڑتی ہیں لب پہ امواج تبسم پے بہ پے
بجلیوں کا بجلیوں پر دیکھئے انبار ہے

آگیا کھنچکر نبی کی گود میں پردانہ وار
کتنا وصل گل کا طالب بلبل گلزار ہے

دیدی احمدؐ نے زباں دہن لسان اللہ کی
دیکھئے قطرہ میں پنہاں قلزم زخار ہے

دین حق نام نبیؐ جس سے چلیگا حشر تک
فاطمہؑ انسل رسالت کی امانتدار ہے

تیرے بیٹے بھی ہیں سردار جوانان جناں
جھکے کاندھوں پہ شجاعت کا خدائی بار ہے

جز جمال مرتضیؑ پیش نظر کچھ بھی نہیں
چشم نصرت میں شبیہ حیدر کرار ہے

قطعہ

از عالیجناب سید مصطفےٰ حسین صاحب ہمدم فیض آبادی

خانہ زاد کبریا مولا بنا آقا بنا
لامکاں تک بھی پہونچنے کا یہی زینہ بنا
حق نما مشکلکشا شیر خدا دست خدا
ایک ہی بندہ ہو لیکن دیکھئے کیا کیا بنا

حضرت علیؑ اور کعبہ

از محقق خبیر جناب مولانا حکیم سید محمد قاسم صاحب الہ آبادی

تاریخ اسلام اسکی شاہد ہے کہ کعبہ کو جو خصوصیتیں حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کیساتھ ہیں وہ کسی دوسرے کے ساتھ ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ اگر غلو و رفض کی غلط تہمت نہ دیدی جائے تو واقعات تاریخیہ کی شہادتوں کی بنا پر اگر بلا تکلف یہ بھی کہدیا جائے کہ جتنی خصوصیتیں کعبہ کو حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے حاصل تھیں وہ خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی حاصل نہ تھیں تو غلط اور نادرست نہ ہوگا اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی حقیقت ہے کہ کعبہ کو ان خصوصیتوں کا رسولؐ سے حاصل نہ ہونا کسی قسم کا بھی نقص یا شرف کا کچھ بھی کم ہونا۔ رسولؐ کے متعلق (معاذ اللہ) پیدا بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو جسطرح سے باعث خلقت و وجود آسمان و زمین تھے۔ بالکل اسی طرح سے خود کعبہ کے وجود کے بھی سبب اصلی تھے۔ کہ اگر حضرت کا وجود ذیجود نہ ہوتا تو پھر کعبہ کا وجود بھی دنیا میں ہرگز ہرگز نہ ہوتا۔

لہذا ظاہر ہے کہ جو باعث وجود کعبہ ہو۔ تو اُسے اپنے سبب وجود کو۔ خود کعبہ تو ہرگز ہرگز کوئی شرف دے ہی نہیں سکتا ہے اور نہ وہ اس قابل ٹھہر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قسم کا بھی کوئی شرف پہونچا بھی سکے، اور اس سے عالم کا کوئی ایک مسلمان بھی انکار نہیں کر سکتا۔ لہذا ان خصوصیتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ پایا جانا کسی قسم کے بھی نقص یا وہن کا سبب حضرت کے لئے کسی بھی دیندار اور صاحب عقل کی نظروں میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر یہ قول کہ حضرت علیؑ سے جو جو خصوصیتیں کعبہ کو حاصل تھیں وہ رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اسے حاصل نہ تھیں ہرگز ہرگز غلو و رفض نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دشمنان علیؑ اور نواصب کو یہ جملہ بھی اچھا نہ لگے اور رفض و غلو کی وہ تہمت لگاتے پھریں۔

۱۔ قرآن مجید بتلا رہا ہے کہ کعبہ کی تعمیر جناب ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے ہاتھوں ہوئی تھی جنکی ذرّیت

اور نسل میں جناب رسولخدا اور حضرت علی مرتضیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں ہی ہیں۔ اور دونوں کے دونوں اس بات کو فخریہ کہہ سکتے ہیں کہ کعبہ ہمارے مورث اور جد اعلیٰ کا بنایا ہوا گھر ہے اور اس میں ہرگز کسی قسم کا شک و شبہہ بھی کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر اسکے بعد کچھ اور آگے ترقی کیجائے اور یہ کہا جائے کہ کعبہ کی نگہبانی اور حفاظت خصوصًا۔ اور مکہ کی ریاست و حکومت عمومًا ہمارے خاص جد امجد جناب عبد المطلب علیہ السلام کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ تب بھی ہمیں بلا شک و شبہہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب امیر المومنین علیہ السلام دونوں کے دونوں ہی برابر کے شریک اور حصہ دار رہینگے۔ کیونکہ حضرت عبد المطلب دونوں ہی کے حقیقی دادا تھے۔ لہذا یہ دعویٰ بھی دونوں حضرات کا بالکل صحیح اور درست ہوگا۔

لیکن جب اس سے بھی کچھ اور آگے کو بڑھا جائیگا اور یہ کہا جائیگا کہ کعبہ کی حفاظت اور مکہ کی حکومت ہمارے باپ کے ہاتھوں میں تھی۔ تو بس اب یہیں سے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الگ ہوتے ہوئے دکھائی دینگے کیونکہ آپ کے دادا ہی کی زندگی ہی میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور آپکے والد حضرت عبد اللہ کو اپنے باپ کے بعد کعبہ کی حفاظت اور مکہ کی حکومت مل نہ سکی تھی۔ اس بنا پر کوئی شخص بھی رسول کو اس مقابلہ کے تحت میں ہرگز ہرگز پیش نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن ہاں علی ابن ابیطالب علیہ السلام اس موقع پر بھی آگے بڑھ کر بلا تکلف کہہ سکتے ہیں اور فخر بھی کر سکتے ہیں کہ میں وہ ہوں جسکا باپ بھی مکہ کا رئیس و حاکم اور کعبہ کا محافظ رہا ہے۔ ان تھا چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ کی جلد اول میں بصفحہ ۹ (چھاپہ مصر) حضرت علیؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وما اقول فی رجل ابوہ ابوطالب سید البطحاء۔ و شیخ قریش و رئیس مکہ۔

میں اس شخص کے بارے میں کیا کہوں کہ جسکے پدر بزرگوار ابو طالب ایسے ہوں کہ جو بطحا کے سردار۔ اور قریش کے شیخ و بزرگ اور مکہ کے رئیس حاکم رہے ہوں:

اسی طرح خود جناب ابوطالب علیہ السلام [illegible] بھی جناب [illegible] باب خدیجہ کے [illegible] اپنے بھتیجے کی شادی کے موقع پر پڑھا تھا اور اس میں بھی اپنا محافظ کعبہ و حاکم مکہ ہونا خود بھی ظاہر فرمایا تھا اور اسوقت تمام اہالیان مکہ اور قریشیوں سے وہ مجلس عقد بھری ہوئی تھی۔ اور اس خطبہ کو تمام مورخین اہلسنت اور اہل سیر نے بھی نقل کیا ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح کی جلد سوم کے صفحہ ۳۱۲ پر اور صاحب روضۃ الاحباب نے صفحات ۱۰۵ و ۱۰۶ پر پورا خطبہ درج کیا ہے، اور اسکا ترجمہ بھی فارسی زبان میں روضۃ الاحباب میں کر دیا گیا ہے جسکے لفظ بلفظ یہ الفاظ ہیں:-

"یعنی حمد و سپاس مر آں خدائے را کہ ما را از فرزندان ابراہیم و زرع اسمعیل گردانید۔ و ما را از اصل

معد و مضر بیرون اورد۔ و نگہبان بیت خود۔ و پیشوایان حرم خویش ساخت و خانہ بما ارزانی فرمود کہ مردم از اطراف و جوانب بقصد زیارت آں خانہ می آیند۔ و مارا حرمے عطا فرمود کہ ہر کس بآنجا آمد در امان باشد و مارا بر مردمان حاکم گردانید۔ ص۱۰۱

تعریف و ثنا اور شکر اسی خدا کے لئے مخصوص اور زیبا ہے کہ جس نے ہمکو اولاد ابراہیم اور نسل اسمٰعیل سے قرار دیا ہے اور معد و مضر کے خاندان سے ہمکو پیدا کیا ہے۔ اور اپنے گھر (کعبہ) کا نگہبان۔ اور اپنے حرم (مکہ) کا سردار اور پیشوا ہمکو بنایا ہے۔ اور وہ سا گھر ہمارے سپرد کیا ہے کہ جسکی زیارت کرنیکو تمام اطراف و جوانب سے لوگ آیا کرتے ہیں اور وہ سا حرم محترم ہمکو عطا فرمایا ہے کہ جو شخص بھی وہاں پہونچ جاتا ہے امان پا جاتا ہے اور ہمکو اس نے لوگوں کے اوپر حاکم قرار دیدیا ہے"

اور یہ تو ظاہر ہے کہ حاکم وقت اور محافظ و ارکان کو اپنی حکومت اور تولیت کے اندر چیزوں پر بہت کچھ قبضہ اور تصرفات کے حقوق بھی لازماً حاصل رہا کرتے ہیں۔ جو کسی غیر حاکم اور غیر متولی کو ہرگز حاصل نہیں ہوا کرتے لہذا یہ وہ خصوصیت خاصہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی ہے جسمیں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم بھی شریک نہیں تھے۔ اور صرف علی ہی اس بات کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ کہ کعبہ بھی میرے باپ کی حکومت اور تولیت کے اندر تھا۔ جسکی بناء پر مجھے بھی کچھ نہ کچھ حق تصرف کعبہ پر باپ کے ذریعہ حاصل ہے۔

اگرچہ اسوقت کے موضوع سے یہ بات تھوڑی خارج ہے۔ لیکن چونکہ موقعہ کی بات ہے۔ اسلئے اسکا عرض کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ جو شخص ایک رئیس اور حاکم مکہ کا لڑکا ہوا اور خود اپنے زمانہ میں بھی وہ مکہ کا حاکم اور رئیس رہا ہو۔ اسکی طرف فقر و افلاس کی نسبت دینا کسی بھی صاحب عقل اور ادراک کے نزدیک کہاں تک صحیح و درست ہوسکتا ہے؟ بالخصوص ایک ایسا شخص کہ جس نے اپنے ذمہ مکہ میں زائرانہ حیثیت سے آنیوالے مہمانوں کی میہمانی اور اُن کی سقایت بھی (پانی پلانا) مخصوص اپنے ہی ذمہ رکھ لیا ہو (تاریخ خمیس جلد اول ص۱۰۱) اور شرح نہج ابن ابی الحدید جلد سوم ص۴۶۱) بھلا ایسے مصارف کثیرہ کوئی فقیر و محتاج شخص کبھی بھی اپنے ذمہ لے سکتا ہے اور پھر یہی نہیں کہ فقط انہیں مصارف تک جناب ابو طالب کی ثروت و مالداری محدود رہی ہو۔ بلکہ دوسرے خاص خاص مواقع بھی بکثرت ایسے ہیں جو اسی امر پر شاہد ہیں کہ حضرت ابطالب علیہ السلام بہت بڑے امیر کبیر اور صاحب دولت و مال تھے اور ہرگز ہرگز وہ جناب فقیر و محتاج نہ تھے۔ چنانچہ خصوصیت کیساتھ وہ موقع بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ جب آپ نے اپنی خود شادی جناب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے ساتھ کی تھی تو اس سلسلہ میں آپ نے جس شان و عظمت کی دعوت ولیمہ تمام عربوں کی عموماً کی تھی۔ ویسی دعوت بھلا کوئی فقیر و محتاج کر سکتا ہے؟

چنانچہ اس دعوت ولیمہ کی شان کو عرب کے مشہور شاعر امیۃ بن الصلت نے اپنے ان اشعار میں واضح بھی کیا ہے۔

اشھر ناعرس ابیطالب　　وکان عرسا لین الجانب

ابوطالب کی دعوت شادی (یعنی ولیمہ) نے ہم سبھوں کو (چھا لیا تھا یا) اپنے اندر سمیٹ لیا تھا۔ اور وہ ایک ایسی دعوت شادی تھی کہ جس میں پہونچ جانا بہت ہی آسان تھا۔

اقراہ البدو باقطارہ　　من راجل خف ومن راکب

اس دعوت ولیمہ میں تمام اطراف وجوانب کے اعراب ابوطالب کے مہمان بنکر آئے تھے چاہے وہ لوگ پیدل اور پیادہ پا آئے ہوں یا سوار ہو ہو کر پہونچے ہوں

فنازلوہ سبعۃ احصیت　　ایامھا للرجل الحاسب

حساب داں کے حساب لگانے سے ابوطالب کی یہ دعوت ولیمہ اور میہمانداری سات دنوں تک مسلسل رہی تھی۔　(مناقب ابن شہر آشوب جلد دوم ص۱۳۲)

غرضکہ یہ تمام واقعات اسی پر شاہد ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام ہرگز ہرگز فقیر و محتاج شخص نہ تھے، بلکہ مکہ کے بہت بڑے مالدار و رئیس کبیر تھے۔ لیکن بقول بعض علمائے کرام حضرت ابوطالب علیہ السلام میں تنگ نظر دنیائے اسلام کی نظروں میں ایک بہت ہی بڑا عیب تھا کہ جسکی بنا پر دنیادار لوگ انکی حقیقی عظمت و ریاست کے مٹا دینے کے لئے بھی فکر میں اسطرح پڑ گئے کہ جسطرح سے انکی دیانتداری اور ایمانداری کے مٹانے کے بھی کوششیں انکو رہیں۔ اور وہ عیب صرف یہ تھا کہ ابوطالب علیہ السلام علیؑ کے باپ تھے بس فقط اسی ایک عیب نے دشمنوں کی زبان و قلم سے انھیں کافر بھی بنا دیا اور محتاج و فقیر بھی وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون غرضکہ یہ تو ایک خصوصیت تھی جو کعبہ کو حضرت علی علیہ السلام کیساتھ تھی۔

۲- دوسری بڑی خصوصیت جو کعبہ کو حضرت علی علیہ السلام سے تھی وہ یہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام اسی کعبہ کے اندر پیدا ہوئے تھے۔ اور یہ خصوصیت بھی ویسی ہی خاص خصوصیت تھی کہ جسکے اندر بھی جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریک نہیں تھے۔ اور اس عدم شرکت رسول سے بھی معاذ اللہ کوئی نقص رسول کے لئے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ رسول تو کعبہ کے لئے بھی سبب وجود ہی تھے۔ اس میں پیدا ہونا یا نہ ہونا حضرت کے لئے دونوں ہی مساوی تھا۔ لیکن علی کے لئے البتہ یہ وہ خصوصیت تھی کہ جس میں نہ حضرت کے قبل اور نہ حضرت کے بعد کبھی کوئی بھی شریک ہو سکا۔

یہ اور بات ہے کہ نواصب اور دشمنان علی نے جہاں تمام فضائل و خصوصیات اور صحیح و مستند روایات

کے مقابل میں ہمیشہ دوسرے ... بے شرف لوگوں کو علی سے بھی بلند تر بنایا یا کم سے کم شریک منقبت کردیا۔ ہاں ایسے ہی بعض دشمن ... نے یہ بھی تراش لیا کہ کعبہ کے اندر پیدا ہونے والے علیؑ نہ تھے بلکہ حکیم بن حزام نامی ایک کافر جاہل شخص تھا جو کعبہ کے اندر پیدا ہوا تھا کاش ان نا فہموں سے کوئی یہ بھی پوچھے کہ کیوں حضرت کعبہ تو ہمیشہ مقفل رہا کرتا تھا۔ اور اسکی کنجی حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے پاس یا اُن کے بعد حضرت ابو طالب علیہ السلام کے پاس رہا کرتی تھی۔ یہ مادر حکیم بن حزام کے لئے قفل کیسے کھُلا اور وہ کعبہ کے اندر داخل کیسے ہوگئی کہ وہیں اسکا لڑکا حکیم پیدا ہوا۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ کعبہ کے کھلنے ہی کے موقع پر۔ جو موسم کا زمانہ کہلاتا تھا۔ وہ کعبہ میں داخل ہوئی تھی اور وہیں اُسکے بچہ بھی پیدا ہوگیا تھا تو اول تو اسکے لئے صحیح ثبوت صحیح تاریخوں سے دینا لازم ہوگا۔ اور پھر دوسرے یہ کہ اتفاقیہ کسی امر کا واقع ہوجانا اور بات ہے کہ جس سے جانبین میں سے کسی کو بھی کوئی شرف حاصل ہی نہیں ہوا کرتا۔ اور قصداً کعبہ کے اندر اسی غرض سے داخل ہونا کہ یہیں ولادت ہوگی اور بات ہے۔ اور پھر خدا کی طرف سے بھی خوارق عادات چیزوں کا پیدا ہونا اسی کی واضح دلیل ہوگی کہ خود صاحب مکان اور مالک کعبہ کیطرف سے ماد حضرت علیؑ کو ولادت ہی کی غرض سے کعبہ کے اندر داخل ہوجانیکی اجازت بھی دیجارہی ہے اور یہ ایک ایسی مخصوص صفت ہوگی جو حضرت علی اور صرف حضرت علی ہی کے لئے مخصوص قرار پائیگی۔ چنانچہ اگر الفاظ کے ساتھ واقعات ولادت کا جائزہ لیا جائے تو صاف طور سے یہ واضح ہوجائیگا کہ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کعبہ کے اندر اتفاقی یا اضطراری نہ تھی۔ بلکہ قصداً اور اختیاری طور سے اور خدا ہی کی مرضی کے مطابق یہ ولادت واقع ہوئی تھی جسمیں جتنا فضل و شرف بھی حضرت علی کو خدا کیطرف سے حاصل ہوگیا ہو وہ ہرگز کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ ایک نہیں ہزاروں کو آپ کعبہ کے اندر پیدا کرادیجئے لیکن یہ بھی یاد رکھئے کہ آپکا کسی کو پیدا کرادینا اور بات ہوگی اور خود خداوند عالم کا خرق عادات کے ذریعہ سے کسی کو پیدا کرا دینا یہ ایک خاص بات ... اور دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہر صاحب عقل و ادراک کو نظر آئے گا۔

کتاب بشارۃ المصطفیٰ کی عبارت کو ملاحظہ فرمائیے کہ وہ حضرت علی کی ولادت کے واقعہ کو کن لفظوں میں تحریر کر گئے ہیں۔ اور اُن پر ذرا غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ کتنے خوارق عادات اس ولادت کے لئے خدا کیطرف سے ہوئے تھے جس سے اس اہتمام خداوندی کا بھی پتہ چلے گا جو اس نے مخصوص حضرت علیؑ ہی کی ولادت کے لئے کیا تھا۔ اور یہ وہ کتاب ہے جس سے شیعہ اور سنی دونوں ہی نے ولادت حضرت علیہ السلام کے واقعہ کو اپنی اپنی ضرورت کے موافق نقل کیا ہے کیونکہ اسکا مصنف سنی مؤلفین کی کتابوں سے اپنی کتاب مدون کر رہا ہے اور سنیوں کا معتمد علیہ ہے۔ چنانچہ علامہ اربلی رحمہ اللہ نے کتاب کشف الغمہ میں بھی اس پوری

روایت کو نقل کیا ہے جس میں سے صرف بقدر ضرورت یہ عبارت اخذ کیجاتی ہے ملاحظہ ہو کشف الغمہ ص ۱۹

ومن بشائر المصطفیٰ مرفوع الی یزید ابن قعنب قال کنت جالساً مع العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ وفریق من بنی عبد العزیٰ بازاء بیت اللہ الحرام اذ اقبلت فاطمۃ بنت اسد ام امیر المومنین وکانت حاملاً بہ لتسعۃ اشہر وقد اخذھا الطلق فقالت یا ربّ انی مؤمنۃ بک وبما جاء من عندک من رسل وکتب وانّی مصدقۃ بکلام جدی ابراہیم الخلیل وانہ بنی البیت العتیق فبحقّ الّذی بنیٰ ھذا البیت والمولود الذی فی بطنی الّا ما یسّرت علیّ ولادتی قال یزید بن قعنب فرأیت البیت قد انشق عن ظھرہ ودخلت فاطمۃ فیہ وغابت عن ابصارنا وعاد الی حالہ فرمنا ان ینفتح لنا قفل الباب فلم ینفتح فعلمنا ان ذالک من امر اللہ تعالیٰ ثم خرجت فی الیوم الرابع وعلیٰ یدھا امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام

"کتاب بشائر المصطفیٰ میں بعنوان مرفوع یزید بن قعنب سے یہ روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور اولاد عبد العزیٰ کے ایک گروہ کے ساتھ میں کعبہ کے سامنے ہی بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً فاطمہ بنت اسد مادر امیر المومنین علیہ السلام آئیں اور انھیں نو مہینہ کا حمل تھا اور درد زہ بھی عارض ہو چکا تھا (کعبہ کے پاس پہونچکر) اُنھوں نے یہ دعا کی کہ بار الٰہا میں تجھپر بھی ایمان رکھتی ہوں اور تمام اُن رسولوں اور کتابوں پر بھی ایمان رکھتی ہوں جنکو تو نے بھیجا ہے اور اس امر کی بھی میں تصدیق کرتی ہوں کہ میرے جد امجد حضرت ابراہیم کا کلام سچا تھا اور انھیں جناب نے اس کعبہ کو بنایا بھی تھا۔ پس خداوندا میں تجھے انھیں حضرت ابراہیم اور کعبہ کے حق کا واسطہ دیتی ہوں اور نیز اس بچہ کے بھی حق کا تجھے واسطہ دیتی ہوں جو میرے شکم میں ہے کہ تو اس امر ولادت کو میرے لئے آسان بنا دے۔ یزید بن قعنب کہتے ہیں کہ میں نے اسوقت دیکھا کہ دفعتاً خانہ کعبہ کی دیوار پشت کیطرف سے شق ہو گئی اور فاطمہ کعبہ کے اندر داخل ہو کر ہماری نظروں سے غائب ہو گئیں اور اسکے بعد ہی وہ دیوار پھر ملکر اپنی اصلی حالت پر ہو گئی تو ہم لوگوں نے دروازہ خانہ کعبہ کے قفل کو کھولنا چاہا لیکن کسی طرح سے بھی وہ قفل کھل نہ سکا تب ہم لوگوں نے یقین کر لیا کہ یہ سب کچھ خدا ہی کے حکم سے ہوا ہے پھر چوتھے دن علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں پر لئے ہوئے فاطمہ بنت اسد کعبہ سے باہر نکلی تھیں۔"

اسکے علاوہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی محدث نے بھی ازالۃ الخفا جلد دوم کے صفحہ ۲۵۱ پر اسی کتاب بشائر المصطفیٰ سے واقعہ ولادت امیر المومنین علیہ السلام کو مختصراً نقل کیا ہے بقدر ضرورت انکی عبارت حسب ذیل ہے

قال الحاکم فی ترجمة حکیم بن حزام قول مصعب فیه لم یولد مولود قبله ولا بعده فی الکعبة احد فقد تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت علیاً فی جوف الکعبة۔

" امام حاکم نے حکیم بن حزام کے حالات میں لکھا ہے کہ مصعب کا یہ قول ہے۔ کہ حکیم بن حزام کے قبل اور اُنکے بعد بھی کوئی دوسرا بچہ خانہ کعبہ کے اندر کبھی بھی پیدا نہیں ہوا ہے۔ حالانکہ یہ قول قطعاً غلط ہے کیونکہ روایتیں تحقیق کے ساتھ اس امر پر متواتر ہیں کہ فاطمہ بنت اسد نے علیؑ کو کعبہ ہی کے اندر پیدا کیا تھا۔"

پھر اسکے بعد تحریر کرتے ہیں:۔

کتاب بشائر المصطفیٰ فانه ولد یوم الجمعة الثالث عشر من شهر رجب بعد عام الفیل بثلثین سنة فی الکعبة ولم یولد فیها احد سواه قبله ولا بعده۔

" کتاب بشائر المصطفیٰ میں ہے کہ علیؑ کی ولادت تیرہ رجب کو جمعہ کے دن واقعۂ فیل کے تیس برس بعد خاص کعبہ ہی میں ہوئی تھی اور سوائے علیؑ کے کوئی دوسرا کبھی بھی کعبہ میں پیدا ہی نہیں ہوا نہ علیؑ کے پہلے اور نہ علیؑ کے بعد"

بشائر المصطفیٰ کی پہلی منقولہ عبارت میں حسب ذیل امور خاص طور سے قابل لحاظ ہیں۔

(۱) جناب فاطمہ بنت اسد کا خانۂ کعبہ کے پاس آن کر مذکورہ الفاظ سے دعا کرنا صریح طور سے آپ کیلئے قبل بعثت جناب پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ملت ابراہیمیہ پر موحدہ اور مومنہ کی حیثیت سے قائم رہنا واضح کررہا ہے۔

(۲) جناب فاطمہ بنت اسد قبل ولادت حضرت علیؑ ہی سے اس بات کو بھی سمجھتی اور جانتی تھیں کہ انکا یہ بچہ خدا کی بارگاہ میں اسقدر بلند مرتبہ ہے کہ اُسکا بھی واسطہ دلانا اپنی دعا کے مستجاب ہوجانے کا ایک یقینی وسیلہ ہے۔

(۳) جناب فاطمہ جبوقت کعبہ کے پاس گئی تھیں تو کعبہ مقفل تھا اور اس دروازہ کے راستہ سے جناب فاطمہ کعبہ کے اندر نہیں گئی تھیں بلکہ قفل بند کا بند رہا اور دیوار نے شق ہوکر جناب فاطمہ کے لئے کعبہ کے اندر داخل ہوجانے کی غرض سے ایک مخصوص اور جدید راستہ بنادیا جو بالکل خلاف عادت اور صرف خدا کی قدرت تھی۔

(۴) بعد داخلہ جناب فاطمہ ہرچند لوگوں نے کوشش کی کہ قفل کھولیں مگر کسی طرح بھی وہ قفل نہ کھل سکا۔

(۵) چار دن کے بعد جناب فاطمہ کے کعبہ سے نکلنے کے موقع پر بھی کسی کا قفل کو کھول دینا روایت میں مذکور نہیں ہے جسکے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ جسطرح سے وہ مخدومہ اندر گئی تھیں اسی طریقہ سے انکے لئے خدا نے پھر باہر نکلنے کا بھی سامان کردیا تھا۔

یہ تو وہ امور تھے جو بشائر المصطفےٰ کی پہلی عبارت سے لطور کرامت اور خوارق عادت کے واضح ہوتے ہیں لیکن شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریر سے پہلے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام حاکم کے قول کی بنا پر بروایت مصعب بن زبیر (جو علیؑ کے دشمنوں میں سے تھے) سوائے حکیم بن حزام کے جو اسوقت میں یقیناً جاہلی کافر تھا اور کوئی بھی دوسرا کعبہ کے اندر پیدا نہیں ہوا۔ نہ اسکے قبل نہ اسکے بعد۔

پھر ثانیاً اسی عبارت سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ یہ قول مصعبؔ کا محض تنہا انھیں کا قول ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ قول شاذ۔ یا احاد میں داخل ہے۔ جسکا قول صحیح اور متواتر کی موجودگی میں کبھی بھی اعتبار نہیں ہوا کرتا۔

تیسری بات امام حاکم ہی کے قول سے یہ بھی واضح ہوجاتی ہے کہ علی بن ابیطالب علیہ السلام ہی کا کعبہ میں پیدا ہونا متواترات سے ہے کہ جسکے صحیح ہونے میں کسی قسم کا بھی شک و شبہ کبھی بھی نہیں کیا جاسکتا۔

چوتھے یہ کہ شاہ صاحب نے بھی بشائر المصطفےٰ سے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ صرف حضرت علی علیہ السلام ہی کی وہ ذات ہے کہ جو کعبہ کے اندر پیدا ہوئی تھی اور اُن حضرت کے قبل یا بعد پھر کوئی بھی دوسرا شخص ہرگز ہرگز کعبہ کے اندر پیدا نہیں ہوا۔ اور یہی قول بلحاظ اپنے تواتر کے صحیح ہے لہذا خود امام حاکم ہی کے اسی قول سے مصعب والا قول اچھی طرح سے غلط اور جھوٹ ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ صرف غیر متواتر اور قول شاذ رہجاتا ہے۔

اسکے علاوہ بھی جب بعنوان تحقیق و درایت اس قول مصعب پر نظر ڈالی جائے تو پھر تو اس قول کے وضعی اور کذب محض ہونے میں بھی کسی قسم کا کوئی شک رہ ہی نہیں جاتا کیونکہ یہ مصعب ابن زبیر خاندانی نصاب رکھتے کہ جو حضرت علیؑ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا اور علیؑ کے دشمنوں کی بالعموم یہ حالت تھی کہ جتنے بھی فضائل و مراتب خداوند عالم نے اُنکو عطا فرمائے تھے۔ اُن تمام فضائل و خصوصیات کو انہیں لوگوں نے حضرت علی کی ذات سے چھین کر یا مٹا کر دوسرے بے شرف لوگوں کے ساتھ چسپاں کر دیے تھے۔

(اگر ان دشمنان علیؑ کی حالت کو تفصیل سے دیکھنا ہو کہ کس کس طریقہ سے اور کن کن بڑے بڑے لوگوں اور صحابیوں نے فضائل و مراتب حضرت علی علیہ السلام کو مٹایا اور چھپایا اور کن کن لوگوں کے حق میں جھوٹی جھوٹی روایتیں اور فضیلتوں کی حدیثیں بنائی گئی تھیں تو شرح ابن ابی الحدید کی پہلی جلد کے صفحہ ۳۵۶ لغایت صفحہ ۳۷۱ کو بغور ملاحظہ فرمایا جائے)

بس حدیہ ہے کہ آیۂ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ جو مخصوص حضرت علی ہی کی شان میں اسوقت نازل ہوا تھا کہ جب شب ہجرت میں رسولؐ کے بستر پر آپ بحکم رسولؐ سوئے تھے اور رسولؐ کی جان کو کفار قریش کی کھنچی ہوئی تلواروں سے آپ نے بچا لیا تھا۔ جسے تمام مفسرین اور مورخین

اہلسنت نے بھی بعنوان یقینیات اور متواترات کے تحریر کیا ہے۔ مگر باوجود اسقدر شہرت اور تواتر کے بھی اس فضیلت خاص کو بھی علیؑ کی ذات سے مٹا دینے کے لئے اور دوسرے شقی ترین امت کی ذات سے چسپاں کر دینے کا واقعہ ایک ایسے شخص کی زبان سے جسے لوگ رسول کے صحابیوں میں بھی شمار کرتے ہیں علامہ ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۶۱ جلد اول شرح نہج البلاغہ۔

وقد روی ان معاویۃ بذل لسمرۃ بن جندب مائۃ الف درھم حتی یروی ان ھذہ الآیۃ انزلت فی علی علیہ السلام "ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا۔ و یشھد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام۔ واذا تولیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد" وان الآیۃ الثانیۃ نزلت فی ابن ملجم وھی قولہ تعالیٰ "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ" فلم یقبل۔ فبذل لہ مائتی الف درھم۔ فلم یقبل فبذل لہ اربعمائۃ الف درھم فقبل وروی ذالک۔

"مروی ہے کہ معاویہ نے سمرہ بن جندب (صحابی رسول) کو ایک لاکھ درہم اس بات کے لئے دیا تھا کہ ایک تو وہ اس آیت کو (کہ جو منافقوں کی شان میں نازل ہوئی تھی) علیؑ کی شان میں نازل ہونے کی روایت بنا دیں۔ یعنی آیہ ومن الناس من یعجبک الخ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ "اور لوگوں میں سے کچھ لوگ (یعنی منافق) ایسے بھی ہیں جنکی باتیں اس زندگانی دنیا کے بارے میں تمہیں تعجب اور حیرت میں ڈالدیتی ہیں (کیونکہ) وہ لوگ اپنے دل کی باتوں پر خدا کو بھی گواہ بنا دیا کرتے ہیں (یعنی یہ کہا کرتے ہیں کہ خدا اسپر گواہ ہے کہ ہم آپ کے بھی اور سب ایمان لانے والوں کے بھی دوست ہیں حالانکہ) وہ لوگ بڑے فسادی اور پکے دشمن آپ کے ہیں۔ جب ایسے لوگوں کو حکومت ملجاتی ہے یا آپ کے پاس سے منھ پھیر کر الگ ہوجاتے ہیں تو پھر یہی لوگ زمین پر فساد بھی برپا کیا کرتے ہیں۔ اور زراعت اور نسلوں کو بھی تباہ و برباد کر دیا کرتے ہیں اور اللہ (کبھی بھی) جھگڑے اور فساد کو دوست نہیں رکھتا"

اور دوسرے وہ ایت بناکہ ومن الناس من یشری نفسہ الخ جسکا ترجمہ یہ ہے "کہ کچھ لوگ انہی آدمیوں میں سے ایسے بھی ہیں جو خدا کی مرضی کے عوض میں اپنی جان کو بھی بیچ ڈالتے ہیں" ابن ملجم (قاتل حضرت علیؑ) کی شان میں نازل ہونا اپنی روایت سے بنا دیں۔ تو سمرہ نے (اس رقم پر) اس کام کے کرنے سے انکار کر دیا۔ تب معاویہ نے دو لاکھ درہم دینے کو کہا تب بھی سمرہ نے منظور نہیں کیا۔ لیکن جب معاویہ نے چار لاکھ درہم انکو دیدیئے تو پھر یہ اس افترا کے کرنے پر راضی بھی ہو گئے اور انہی مضامین کی روائتیں بھی انھوں نے بنا ڈالیں"

یہ تو ظاہر ہے کہ اصحاب رسول میں شمار کئے جانیوالے حضرات محض روپیہ کی لالچ اور دنیا طلبی ہی کیوجہ سے جب اس طرح کی جھوٹی روایتیں گڑھ گڑھ کے علیؑ کی فضیلتیں مٹاتے ہیں۔ اور دوسرے اشقیائی امت کو بلا خوف خدا و رسولؐ انھیں فضیلتوں سے بلا تکلف ممتاز بھی بنا دیا کرتے تھے تو پھر مصعب ایسے شخص سے کیا تعجب ہے کہ جو پہلے ہی سے اور خاندانی حیثیت سے بھی علیؑ کے دشمن تھے۔ اور دوسری طرف حکیم انہی کے خاندان کا ایک مالدار شخص تھا اور اسکا بہت بڑا احسان بھی مصعب کے خاندان پر تھا کہ جس سے یہ لوگ کسی طرح بھی اپنا سر بلند نہیں کر سکتے تھے اور ہمیشہ انکے خاندان کو یہی فکر بھی رہا کرتی ہوگی کہ اسکے احسان کا کچھ تو بدلہ اسے دیدیا جائے چنانچہ حکیم بن حزام کا اگر شجرہ دیکھا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ یہ زبیر بن عوام کا چچیرا بھائی یعنی انکے سگے چچا کا بیٹا تھا عوام اور حزام دونوں حقیقی بھائی تھے اور اسی بنا پر دونوں کے نام ہم وزن و قافیہ بھی رہے دونوں کے باپ خویلد بن اسد تھے۔ اور انہی زبیر ہی کے بیٹوں میں مصعب بھی تھے۔ اور یہی زبیر وہ بزرگ ہیں جنھوں نے طلحہ کو اپنے ساتھ لیکر اور ام المومنین کو گھر سے باہر نکال کر حضرت علیؑ کے مقابلہ میں جمل کی لڑائی لڑوا دی تھی۔ اور انہی کے بارے میں حضرت علیؑ بھی کہا کرتے تھے مازال الزبیر منا اهل البیت حتی نشاء ابنه عبد الله الخ (شرح نہج صفحہ ۳۶۳ اول) اور دوستداران علیؑ اور امام حسینؑ کے ساتھ جو کچھ مظالم انھیں مصعب نے کئے ہیں اور نیز قاتلان حسینؑ کی امداد و ہمدردی جو ان سے ظہور میں آئی ہے اس سے تمام تاریخیں اور مقاتل بھرے ہوئے ہیں۔ بہر حال یہ تو معلوم ہے کہ زبیر عوام کے بیٹے تھے اور عوام خویلد ابن اسد کے۔ اور امام ذھبی عبر میں ۵۴ھ کے واقعات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وفیها حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد یعنی اسی ۵۴ھ میں حکیم پسر حزام بن خویلد ابن اسد نے بھی وفات کی تھی اور پھر کچھ حالات حکیم کے لکھکر یہ تحریر کرتے ہیں۔

وقد قال لابن الزبیر کم ترك ابوك من الدین قال الف الف درهم قال علیّ نصفها۔ حکیم بن حزام نے فرزند زبیر سے دریافت کیا کہ تمہارے باپ (زبیر) نے کتنا قرض اپنے ذمہ چھوڑا۔ پسر زبیر نے جواب دیا کہ دس لاکھ درہم۔ تو یہ سنکر حکیم نے کہا کہ اچھا اس میں سے نصف یعنی پانچ لاکھ درہم میرے ذمہ ہے میں ادا کر دونگا۔

امام ذھبی کی اس تحریر سے واضح ہے کہ زبیر اور حزام دونوں سگے بھائی تھے۔ اور زبیر کے ذمہ کا پانچ لاکھ درہم قرض انھیں حکیم نے اپنے ذمہ لے لیا تھا اور اولاد زبیر کو اتنی بڑی رقم سے سبکدوش کر دیا تھا تو اس سوال کا جواب بخوبی واضح ہو گیا کہ آخر مصعب ابن زبیر نے حکیم کے لئے ولادت کعبہ کا قصہ

کیوں وضع کیا تھا۔

۱۔ خود علیؑ سے انکی خاندانی عداوت اسکی مقتضی ہوئی کہ علیؑ کی خصوصیت کو مٹادیں۔

۲۔ خود حکیم سے انکی قرابت تھی کہ وہ انکا چچیرا چچا تھا۔

۳۔ خود حکیم ایک مالدار شخص تھا جس نے پانچ لاکھ روپیہ کا بار زبیر کا اپنے سر لے لیا تھا جس کا احسان کل اولاد زبیر پر تھا جس کی ایک فرد مصعب بھی تھے۔

یہی وہ اسباب ہیں جنکی بنا پر مصعب نے حضرت علیؑ کی خصوصیت خاصہ کو مٹا کر اپنے محسن چچا حکیم بن حزام کے ساتھ مخصوص بنا دیا تھا۔ اور اسپر سے یہ جرأت اور جسارت بھی مصعب کی دیکھنے کے قابل ہے کہ یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ حکیم بن حزام کے سوا کوئی دوسرا مولود ہی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ نہ اسکے قبل نہ اسکے بعد یہی جملہ تو خصوصیت کے ساتھ انکی اُس قلبی عداوت پر بھی روشنی ڈالتا ہے جو انکو حضرت علیؑ کے ساتھ تھی تاکہ اُنکے ماننے والوں کی نظروں میں علیؑ کی ولادت کعبہ کا واقعہ جو متواترات اور یقینیات میں سے تھا بالکل بے اصل اور غلط قرار پا جائے۔ ان کی خاندانی اور خصوصی عداوتوں کے علاوہ بھی بحیثیت نسل اور سکونت بھی مصعب کا دشمنان علی میں سے ہونا۔ علامہ ابن ابی الحدید کے ان فقرات سے بھی بہت زیادہ واضح ہوتا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ مصعب قریشی النسل ہیں اور مکہ انکا جائے سکونت ہو گیا تھا۔ ملاحظہ ہو ص۳ ۱ ول

فاما اهل مكة فكلهم كانوا يبغضونه قاطبة ۔ وكانت قريش كلها على خلافه وكان جمهور الخلق مع بنی امیّه مکہ کے رہنے والے سبکے سب ایک سرے سے علیؑ کو دشمن رکھتے تھے اور سارا قریش کل کا کل علیؑ کا مخالف تھا اور عام خلقت بھی سب کی سب بنی امیّہ کی ساتھی (علیؑ کی دشمن) تھی۔

لیکن عداوت علیؑ کا یہ اثر بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ یہ انکی کوشش قطعی طور سے ایک سعی نامشکور کی حیثیت سے ہو کر رہ گئی اسلئے کہ انھوں نے اس خصوصیت خاصہ علویہ کو اگر کسی دوسرے کے لگایا بھی تو پھر بھی انکی چشم بے بصیرت میں اس فضیلت کے چسپاں کر دینے کے قابل ایسا ہی شخص اُنکو ملا جو خود اپنی جاہلیت اور کفر کی اصلی حالت پر اُسوقت تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کفر کے ساتھ کوئی خداداد فضیلت کسی طرح بھی جمع نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ کفر باتفاق اہل اسلام کسی خداداد فضیلت کے حاصل کر لینے کا استحقاق ہی نہیں رکھتا ہے۔ لیکن اس روایت کے وضع کرنیوالے کی سمجھ میں یہ موٹی سی بات بھی کسی طرح نہ آسکی اور بالکل اندھوں کی طرح سے ایک کافر کو کعبہ کے اندر پیدا کرا دیا۔ لیکن ساتھ

ہی۔ اسکے یہ بھی اسی عدم استحقاق ہی کیوجہ سے منکشف ہوگیا کہ جب یہ نفضیلت اور خصوصیت حکیم بن حزام کے لئے خداداد نہ تھی۔ تو پھر اگر ایسا واقعہ ہوا بھی ہو تو وہ یقیناً محض ایک اتفاقیہ ہی بات ٹھہرگی۔ جس میں کوئی خصوصیت و عظمت پیدا ہی نہیں کرتی۔ اسکے علاوہ ہم تو حضرت علی علیہ السلام کے لئے کعبہ میں پیدا ہونیکو صرف ایک خصوصیت خاصہ حضرت کی جانتے ہیں بس اس سے زیادہ کچھ بھی شرف وغیرہ میں سے کسی چیز کا خیال ہی نہیں کرتے کیونکہ یہ بات بھی ذرا سوچنے کے قابل ہے کہ کعبہ کے اندر پیدا ہو جانے سے شرف کس کو نصیب ہوا؟ حضرت علیؑ کو یا کعبہ کو۔

اس مسئلہ کو اگر آسانی سے سمجھ لینا مقصود ہو تو پھر ہر ایک مسلمان کی سمجھ میں یوں آجائیگا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت بھی حرم خدا یعنی مکہ معظمہ میں ہوئی تھی۔ تو باوجودیکہ مکہ خدا کا حرم محترم بھی تھا اور ساری دنیا کے لئے امن و جائے پناہ بھی تھا اور ان سب سے زیادہ یہ عظمت اسے حاصل تھی کہ وہ کعبہ کو بھی اپنے ہی دامن میں لئے ہوئے تھا مگر بایں ہمہ یہ غور طلب ہے کہ رسولؐ کی ولادت سے مکہ کو شرف حاصل ہوا تھا، یا مکہ میں ولادت کے ہو جانے سے خود رسول کو کوئی شرف ملگیا تھا؟ دورانحالیکہ اسی مکہ میں ہزاروں ہزار کفار اور بت پرست بھی برابر پیدا ہوتے رہے۔

میرے خیال میں تو ایک مسلمان بھی ایسا نہ نکلے گا جو یہ کہدے کہ مکہ میں پیدا ہو جانے سے معاذاللہ رسولؐ کا کوئی شرف بڑھ گیا تھا بلکہ ہر ایک ایماندار بلا تکلف یہی کہے گا کہ رسولؐ کی ولادت باسعادت سے خود مکہ یقیناً اور ضرور مشرف ہوگیا تھا۔ اور جہاں کہیں بھی حضرت پیدا ہو جاتے وہیں یہ شرف ولادت رسولؐ اس مقام کو حاصل ہو جاتا لیکن خود ذات والاصفات رسولؐ کو کسی جگہ پر بھی پیدا ہو جانے سے کوئی شرف کسی قسم کا بھی ہرگز نہیں مل سکتا۔

بس یہی طرح سے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق بھی یہی حقیقت ہے اور ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ کعبہ میں پیدا ہو جانے سے حضرت علیؑ کو کوئی بھی شرف نہیں ملا۔ اور نہ خود کعبہ اپنی ذاتی حیثیت سے بھی حضرت علی علیہ السلام سے کسی طرح بھی شرف و فضل ہی تھا کہ جسکے اندر پیدا ہو جانے سے حضرت علیؑ کو مزید اور جدید شرف ہی ملجاتا اور بالخصوص ایسی حالت میں کہ جب حضرت علیؑ کی ولادت اسکے اندر ہوئی تھی تو اسوقت میں تو کعبہ کو قبلہ بننے کا شرف بھی نہیں ملا تھا۔ کہ جسکی وجہ سے کچھ بھی حصول شرف کا وہم بھی کسی کو پیدا ہو سکتا اگرچہ وہ بھی غلط ہوتا بلکہ سچ پوچھئے تو نماز ہی کا وجود اسوقت میں نہ تھا جسکے لئے قبلہ بنا دینے کی ضرورت ہی کعبہ کو پیدا ہوئی ہوتی مگر ہاں جب کعبہ کو قبلہ بنجانے کا شرف ملا تھا تو پھر اسکے اندر کے پیدا ہونیوالے کو بھی مع اسکی گیارہ اولادوں کے اپنا کعبہ اور تمام خلائق کے لئے قبلہ خداوند عالم نے بنا دیا تھا تاکہ امام کا شرف

کسی وقت میں بھی کعبہ سے گھٹنے نہ پائے۔

قال ابو عبداللہ علیہ السلام نحن کعبۃ اللہ و نحن قبلۃ اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہم تمام ائمہ خدا کے (بنائے ہوئے) کعبہ ہیں اور خدا ہی کے (قرار دیے ہوئے) قبلہ بھی ہیں

(مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳)

بہرحال حضرت علیؑ کی پیدائش کے وقت تو کعبہ کی حیثیت صرف ایک جمادی حیثیت سے زیادہ نہ تھی اور اُس پر سے مستزاد یہ تھا کہ مشرکین نے اسکی رہی سہی عزت بھی یوں برباد کر دی تھی کہ اُسے اپنا عظیم الشان بتخانہ بنا رکھا تھا۔ اس لحاظ سے کافروں کو چاہے اُن کے عقیدہ کے لحاظ سے کوئی شرف ملتا بھی ہو لیکن ہمارے عقیدہ اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے تو حضرت علیؑ کو کوئی شرف کسی طرح کا بھی اس ولادت کعبہ سے نہیں ملا لیکن ہاں کعبہ کو البتہ یہ شرف مل گیا کہ اُس وقت تک تو وہ کافروں کا بتکدہ بنا ہوا تھا مگر ۱۳ رجب سنہ ۳۰ کو جمعہ کے دن وہ ولی اللہ کا مولد اور زچہ خانہ بنگیا۔ یعنی جو برسوں سے ظلمتکدہ بنا ہوا تھا وہ پھر سے اب تجلّی کدہ بنگیا۔ لہذا اس حقیقت کے سمجھنے کے بعد اب جسکا بھی دل چاہے۔ ایک حکیم بن حزام نہیں بلکہ جتنی کثیر تعداد میں بھی چاہیں اپنے اپنے پسندیدہ لوگوں کو خانہ کعبہ میں پیدا کرا دیں مگر اسکو ذرا یہ بھی بتلاتے جائیں کہ فلاں فلاں شخص کے پیدا ہونے سے یہ یہ شرف خود کعبہ کو بھی ملتے گئے۔ ورنہ اگر کوئی شرف بھی کسی کی ولادت سے کعبہ کو کچھ بھی نہیں ملا۔ اور نہ خدا نخواستہ مل ہی سکتا تھا۔ تو پھر ایک حکیم بن حزام نہیں بلکہ ستر ہزار ابن حزام الیسوں کو آپ کعبہ کے اندر پیدا کرا دیں انکی ولادتوں سے کعبہ تو کسی طرح شرفیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ خصوصیت تو مخصوص حضرت علیؑ ہی کے ساتھ بہرحال رہیگی کہ انکی ولادت باسعادت سے خود کعبہ کو وہ شرف ملگیا جو اور کسی دوسری جگہ کو ہرگز نہیں ملا۔

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

یہانتک تو جو کچھ بھی عرض کیا گیا وہ مخصوص حضرت علی علیہ السلام ہی کی ذات والاصفات کے ساتھ متعلق تھا۔ اب ذرا جناب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا مادر گرامی حضرت علی علیہ السلام کی منزلت اور بلند پایگی کو بھی تو ملاحظہ فرمائیے کہ یہ مخدومہ خدا کے نزدیک کیا عزت و وقار رکھتی تھیں۔ اور بہ باتوں کو چھوڑتے ہوئے صرف ایک سوال عرض کر کے اُسکے جواب کیطرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد کو یہ دردزہ کی شکایت کس جگہ پر پیدا ہوگئی تھی۔ خود اپنے گھر پر یا کہیں راستہ میں؟

اگر یہ شکایت راستہ میں کہیں پیدا ہو گئی تھی تو پھر جناب فاطمہ بنت اسد سیدھی اپنے گھر کو کیوں نہ پلٹ گئیں جہاں پر کہ اُنکے لئے تیماردار عورتوں اور ضروریات کی پوری اور فراہم کر دینے والی بی بیوں اور لونڈیوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ تمام عورات بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب اور خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا وغیرہا سب کی سب تو انکی خدمت کے لئے وہاں پر مل سکتی تھیں مگر باوجود اس علم و یقین کے اپنے گھر کا رُخ نہ کرنا اور سیدھی خانہ کعبہ کیطرف آنا جہاں پر بظاہر کوئی تیماردار تھا اور نہ خدمت کا کرنیوالا اور نہ ضرورتوں کا پورا کرنیوالا تو باوجود ان تمام کھلی ہوئی باتوں کے پھر بھی کعبہ کیطرف آنے سے جناب فاطمہ بنت اسد کو کون سا اطمینان تھا اور کیوں آئی تھیں اور آخر کعبہ کیطرف آنے سے انکا مطلب کیا رہا ہوگا۔

اور اگر جناب اپنے گھر ہی سے کعبہ کی طرف جانے کا ارادہ کر کے چلی تھیں۔ تو آیا دردزہ شروع ہونیکے قبل چلی تھیں یا بعد۔ اگر قبل چلی ہوں اور دردزہ بعد میں پیدا ہوا ہو۔ تو پھر وہی راستہ والا مذکورہ سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر دردزہ کے شروع ہو جانے کے بعد اپنے گھر سے باہر نکلی تھیں تو کیا سمجھکر ایسی حالت میں نکلی تھیں۔ دنیا کی عورتیں تو ایسے وقت میں اپنا گھر کیا اپنا پلنگ بھی نہیں چھوڑا کرتی ہیں آخر یہ جناب فاطمہ کو کیا ہو گیا تھا کہ ایسے نازک وقت میں اپنے گھر کو چھوڑ کر سیدھے خانہ کعبہ تک پہونچنے کا ارادہ کر لیا اس سے انکا منشاء کیا تھا۔ کیا وہ اس بات کو جانتی نہ تھیں کہ کعبہ تو ہر وقت مقفل رہتا ہے اُسکے اندر جانا تو ناممکن ہے اور اگر کسی وجہ سے قفل کھلا ہوا بھی ملا تو کعبہ کے اندر عالم تنہائی میں میں اکیلی کیا کیا کر سکونگی۔ ضروریات وقتی کو کون پورا کریگا بچہ کی نال کیسے کاٹی جائیگی غسل مولود کیسے ہوگا۔ پانی کہاں سے آویگا اور کیسے ملیگا۔ خود میری تکالیف میں کون مجھے سہولتیں پہونچاویگا۔ یہ سب باتیں تو عورتوں کے لئے ایسی موٹی اور روزمرہ کی باتیں تھیں کہ جنکو ہر ایک معمولی عورت بھی سمجھ سکتی ہے نہ کہ جناب فاطمہ بنت اسد کی ایسی بی بی جنکی عقل و ادراک کا مرتبہ اُنکی اُسی دعا سے ظاہر ہے جو کعبہ کے پاس پہونچکر اُن جناب نے کی تھی۔ پھر جناب فاطمہ بنت اسد کی یہ پہلی ولادت بھی نہ تھی کہ تکالیف اور ضروریات ولادت سے آپ واقف نہ رہی ہوں۔ بلکہ تین بیٹے اسکے قبل بھی جناب فاطمہ کے پیدا ہو چکے تھے۔ پھر اُن تینوں پچھلی ولادتوں کے موقعہ پر جناب فاطمہ نے کبھی بھی نہ کعبہ کا رُخ کیا تھا اور نہ اپنے گھر سے کبھی بھی ایسے موقع پر باہر نکلی تھیں۔ یہ اسی ولادت علیؑ ہی کے مخصوص موقع پر جناب فاطمہ نے کیسے کعبہ کا رُخ اپنے گھر سے نکلکر کیا۔

کیا یہ تمام باتیں جناب فاطمہ کے اطمینان نفس اور ثبات و رسوخ کو نہیں بتلا رہی ہیں۔ یقیناً بتلاتی ہیں مگر سوچنے کی بات ہے کہ آخر یہ اطمینان و ثبات جناب فاطمہ کو کسطرح حاصل ہوا کہ سوائے کعبہ کے اور کسی دوسری طرف کا رُخ بھی جناب فاطمہ نے نہیں کیا۔

کیا یہ اسکی دلیل نہیں ہے کہ خود خداوند عالم ہی کیطرف سے جناب فاطمہ کو ایسی ہی ہدایتیں اور اطمینان دہی کی باتیں وحی یا الہام کے ذریعہ سے بتلائی جا چکی تھیں کہ جنکے بھروسہ پر وہ مخدومہ تن تنہا اور قصداً اور خود سے کعبہ کے پاس اس یقین و اطمینان کے ساتھ آئی تھیں کہ قفل بند ہے تو رہا کرے تنہائی اگر ہے تو نہ رہ جاوے گی ناف کاٹنے والا اگر کوئی نہیں ہے تو نہ سہی۔ میرے لئے تو ابھی ابھی دیوار ہی شق ہو جاوے گی اور میں اسکے اندر بھی پہونچ جاؤنگی اور وہاں میری ضروریات اور پوری آسائش کا سامان بھی خدا ہی کیطرف سے سب کا سب مہیا ہو جاویگا۔ کیونکہ میرا یہ بچہ خدا کے نزدیک حضرت موسیٰ سے بھی کہیں زائد محبوب اور باعظمت ہے۔

خدانخواستہ وحی والہام کے الفاظ سے غلو کی تہمت ناظرین کرام نہ دینگے کیونکہ یہ چیزیں بھی رسول ہی کیلئے مخصوص نہیں ہیں قرآن مجید کے الفاظ واوحینا الی ام موسیٰ اور واوحی ربک الی النحل وغیرہ کو اپنے ذہن میں رکھیں گے۔ اور پھر حضرت علامہ شوستری رحمہ کے ان الفاظ کو میری اس جرأت کا سبب بھی سمجھیں گے "زیرا کہ تولد آنحضرت بموجب اشارت غیبی والہام لاریبی در اندرون آن خانۂ ملائک آشیانہ بودہ" (مجالس المومنین ص ۱۴۷)

لہذا یہیں سے ایک درجہ خصوصیت کعبہ کا اور بھی آگے کو بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ ذاتی طور سے کعبہ کی خصوصیتیں تو ایک طرف ہیں۔ اور حضرت کے والد ماجد جناب ابوطالب علیہ السلام کی بحیثیت حکومت و حفاظت کعبہ کو خصوصیت دوسری طرف ہے تو آپ کی مادر گرامی جناب فاطمہ بنت اسد کے ساتھ بھی یہ خصوصیت تیسری طرف ہے کہ اشارات غیبی اور الہام ربانی کے ذریعہ سے خود خداوند عالم ہی نے اُن مخدومہ کے لئے خاص طور سے کعبہ کو انکا زچہ خانہ بنا دیا تھا لہذا کیا کہنا اس ذات گرامی کا کہ جسکو کعبہ اپنی خصوصیتوں کے ساتھ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہو۔

اللّٰھم صل علیٰ محمد وآل محمد۔

۳۔ تیسری خصوصیت حضرت علیؑ کو اس کعبہ سے یہ ہے کہ حضرت علیؑ ہی نے رسولؐ کے ساتھ آکر اسی کعبہ کو جو کفار کا بتخانہ بنا ہوا تھا۔ تمام بتوں سے پاک اور صاف کر دیا تھا۔ اور بڑے بڑے اور اونچے اونچے بتوں کو کہ جنپر ہاتھ بھی نہ پہونچ سکتا تھا۔ بحکم رسول پشت مبارک رسول اور مہر نبوت ہی پر اپنے قدموں کو رکھکر اس طرح سے ان بتوں کو دیوار کعبہ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینکا کہ سب کے سب ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور اسی دن سے حضرت کا لقب کاسر الاصنام۔ یعنی بت شکن بھی ہو گیا۔ اور اسی وقت سے کعبہ بھی پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا کہ وہ خدائے وحدہ لاشریک لہ کا گھر کہلائے۔ (بقیہ صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ ہو)

قطعہ

از سرآمد شعرا، فخر الاطبا، عالم طب قدیم و جدید حکیم ملک سید محمد محسن صاحب گورنمنٹ رجسٹرڈ۔ ساکن بڑا گاؤں ڈاکخانہ سرائے محی الدین ضلع جون پور

ریاض خلد سے چن چن کے گل لائے ملائک بھی ؛ سحاب رحمت حق کی طرح چھائے ملائک بھی
بنا ہے صحن کعبہ آج سطح آسماں محسن ؛ خدا کے گھر میں لڑکا دیکھنے آئے ملائک بھی

طرح

آج کعبہ میں ہوا پیدا امام انس و جاں

قصیدہ

جاہلیت میں عرب پہلے تھا مشہور جہاں ؛ اور تمدن کا نہ تھا اُس ملک میں نام و نشاں
تھے قبیلے کے قبیلے یونہی بس خانہ بدوش ؛ آج یاں ڈالے ہیں ڈیرے اور پڑے ہیں کل وہاں
ساتھ اُنکے ساز تھا کوئی نہ کچھ سامان تھا ؛ تھے اثاث البیت دُنبے، اونٹ، بھیڑیں، بکریاں
مستقل آبادیاں قریہ سے جو ہوسوم تھیں ؛ شہر کیا تھے چھوٹی چھوٹی جا بجا تھیں بستیاں
باغ و باغیچے نگاہوں سے نہ گذرے تھے کہیں ؛ اور نہ دیکھی تھیں کسی نے لہلہاتی کھیتیاں
اک غذائے عام تھی شیر شترا ور سوسمار ؛ خوانِ نعمت تھی پیاز اور جو کی گھری روٹیاں
تھا کہیں دورِ شراب اور تھا کہیں شغلِ نبیذ ؛ رات دن جھگڑے لڑائی شور و شر بدمستیاں
تھیں کھجوریں صرف میووں میں عرب کی کائنات ؛ کچھ انار۔ انگور آ جاتے تھے باہر سے وہاں
اسقدر نایاب پانی تھا کہ پانی کے لئے ؛ لڑ کے آپس میں بہا دیتے تھے خوں کی ندیاں
ظلم اور جور و ستم بغض و حسد کفر و نفاق ؛ اُنکی گھٹی میں پڑے تھے سب عیوب اور زشتیاں
فخر تھا ڈاکہ زنی مطبوع تھی دختر کشی ؛ تھی غلاموں اور کنیزوں کی تجارت بیکراں
تھے ستاروں سنگ و آتش کے پجاری خاص و عام ؛ قاضی الحاجات انکو جانتے تھے بدگماں
چند پتھر کے کھلونوں سے تھی بس کعبہ کی زیب ؛ کفر اور الحاد کی اٹھی ہوئی تھیں آندھیاں
تھی خدائے لات و عزیٰ و جبل کے پاک نام ؛ کوئی لیتا ہی نہ تھا نام خدائے دو جہاں
جوش میں ناگاہ آئی رحمتِ رب جلیل ؛ آگئے بہرِ ہدایت ختم پیغمبراں

گلشنِ اسلام میں پیدا ہوئی نشو و نما
رفتہ رفتہ دن بدن مٹنے لگا رنگ خزاں

پر نہ تھے اسلام کے بازو ابھی اتنے قوی
جو مٹا دیتے عرب سے کفر و بدعت کا نشاں

مصلحت آخر ہوئی ۔ خلاقِ عالم کی یہی
آئے احمد کی مدد کرنے کو ایک شیرِ ژیاں

جو مشیت اسکی تھی آخر ہوا اس کا ظہور
آج کعبہ میں ہوا پیدا امامِ انس و جاں

توڑ کر دیوارِ کعبہ بت شکن پیدا ہوا
بُت بنے بُت خوف سے انگشت حیرت در دہاں

کانپ اُٹھے اصنام بگڑے تیوروں کو دیکھکر
جب نبیؐ کے ہاتھ پر بچے نے لیں انگڑائیاں

چھائی رحمت کی گھٹا چلنے لگی ٹھنڈی ہوا
فصلِ گل کا عہد آیا مِٹ گیا دورِ خزاں

فضلِ باری سے ہوا فصلِ بہاری کا عمل
چپہ چپہ باغِ عالم کا بنا باغِ جناں

ذرہ ذرہ رقص میں ہر پتہ پتہ وجد میں
حسنِ فطرت ہو رہا ہے بوٹہ بوٹہ سے عیاں

کسقدر ہوتی ہے دلکش ابتدا برسات کی
کسقدر ہوتا ہے پیارا مینھ برسنے کا سماں

ذکر کیا انسان کا طائر مست ہیں رُت دیکھکر
گائی بلبل نے غزل بولا پپیہا پی کہاں

مدحِ مولا میں پڑھو محسنؔ کوئی مطلع نفیس
کیوں غزل پڑھکر کرو تم وقت اپنا رائیگاں

مطلع

مقصدِ تنزیل بلغ شرحِ امرِ کُن فکاں
یکہ تازِ انما ۔ شاہنشہِ کون و مکاں

بند کر دیوالا دشمن پہ درِ امن و اماں
دوستوں کے واسطے فتاحِ ابوابِ الجناں

ناہجِ منہاجِ دیں اسلام کا رکنِ رکیں
حق کا شیرِ خشمگیں ایمان کی روحِ رواں

روحِ معقولِ عُلا ۔ آئینہ صدق و صفا
بادشاہِ ہل اتیٰ ۔ معجز نما ۔ معجز بیاں

شیر داور ۔ میر کوثر ۔ عدل پرور ۔ داد گر
تیغ زن ۔ لشکر فگن ۔ خیبر شکن ۔ کشور ستاں

عالم علمِ لدنی ۔ اعلم و بابِ علوم
نکتہ رس ۔ نکتہ شناس و نکتہ سنج و نکتہ داں

قطعہ

بات معمولی نہ تھی خیرات مابین صلوٰۃ
اس کا خود مداح ہے قرآن میں ربِ جہاں

رنگ و سنگ ڈھنگ میں اتنی ہی کھلتی جائیگی
جسقدر ہوگی انگوٹھی کی پُرانی داستاں

قطعہ

کیا فرس ہے زیرِ ران شہسوارِ لافتا
طے کرے اکدم میں جو راہ زمین و آسماں

خوش ادا خوش چشم خوش تگ خوش خرام و خوش سفر
صوتِ بلبل کسطرح سبک رو بوئے گل سی خوش رواں

یوں نکل جاتا ہے راکب کا اشارہ پاکے رخش　　جیسے آنکھوں سے نظر ہاتھوں سے دل جسموں سے جاں
دل حلاوت پاگیا یعسوب دیں کے وصف سے　　مدح حاضر میں بھی ہونا چاہیئے رطب اللساں
تیرے رخ کے قبول میں ہے اسوقت تک کوئی بھی ہوئی　　خانہ کعبہ میں تو نے دی تھی جو پہلے اذاں
گفتگو میں پاگیا کونکر لب و لہجہ تیرا　　میہمانی میں نبیؐ کے پردے والا میزباں
تو نے خالق کی خدائی کو مسلم کر دیا　　تجھ سا بندہ نہ سراحق نے کیا پیدا کہاں
عقل اول کے معلم کیا تیری تعلیم تھی　　خانوادے نے دیے ہیں تیرے کیا کیا امتحاں
طول ناز یبا ہے محسن اب دعا کا وقت ہے　　کون ہے ان خشک مضمونوں کا تیرے قدرداں

ہے اگر اخلاص کامل دیکھنا حساں کیساتھ
یہ قصیدہ جائے گا پیش رئیسِ دوجہاں

کلام خان بہادر سید احمد علی صاحب بالقابہ رئیس پٹنہ

در مدح حضرت ابوالحسن علیؑ مرتضیٰ

دست خدا و فاتح خیبر ابوالحسنؑ　　سیف خدا و قاتل عنتر ابوالحسنؑ
حصن حصین صولت و رکن رکین رعب　　شیر عرین و حیدر صفدر ابوالحسنؑ
در خیبر و حنین و در احزاب حملہ ور　　بے مغفر و سپر چہ غضنفر ابوالحسنؑ
در غزوۂ سلاسل و در بدر و در احد　　منصور و فتحیاب و مظفر ابوالحسنؑ
بعد از شکست قلعۂ خیبر پئے سپاہ　　باپل بہ دست ساختہ معبر ابوالحسنؑ
در ہر محاربہ پئے پیغمبرؐ خدا　　با ولولہ بہ ہمہمہ یا در ابوالحسنؑ
حامی دین و ماحی عصیان مذنبیں　　رحمت مآب شافع محشر ابوالحسنؑ
اصل اصول ملت بیضا ابوالحسنؑ　　متن متین مصحف انور ابوالحسنؑ
صدر صدور امت وسطیٰ ابوالحسنؑ　　سرنامۂ صحیفۂ اطہر ابوالحسنؑ
معیار حق و حجت رب علا علیؑ　　مختار خلد و ساقی کوثر ابوالحسنؑ
فحوائے انما و ولی خدا علیؑ　　نشائے صہر و نفس پیمبر ابوالحسنؑ
وجہ وجیہہ خلقت کون و مکان علیؑ　　وہ منحصر بقائے جہاں بر ابوالحسنؑ
در سلک اولیا ست در بے بہا علیؑ　　وز باغ مصطفا ست صنوبر ابوالحسنؑ

در بزم درفشان ز عطا پالش مرتضیٰ　　در رزم سرفشان و دلاور ابوالحسن

فوق سپهر مجد ضیا بار مرتضیٰ　　داند محیط علم شناور ابوالحسن

دارای علم و دانش و تفسیر قل کفا　　دانای راز مخفی داور ابوالحسن

پاینده دار تخت سلیمان باحشم　　تابنده وار بخت سکندر ابوالحسن

پوشیده و علانیه الیاس خضر را　　در بر و بحر هادی و رهبر ابوالحسن

در مطلع جدید علیها بکن رقم　　مدح فروغ مسجد و منبر ابوالحسن

مطلع

توقیر بخش خسرو خاور ابوالحسن　　تنویر بخش ماه منور ابوالحسن

در فرخی طالع و در شدت جلال　　چون امس و شمس ابین و اظهر ابوالحسن

بیت الله پاک ز سعی خلیل رب　　وز ایزدی اراده مطهر ابوالحسن

از مولد علی شده بیت خدا رفیع　　زین واقعه که گفت موقر ابوالحسن

در قدر و منزلت ز رسولان ما سبق　　لاریب فیه برتر و بهتر ابوالحسن

آقا و عدل پرور و سلطان خافقین　　مولی و فیض گستر و سرور ابوالحسن

ماوای هر دو عالم و ملجای خاص و عام　　مامن پی گدا و توانگر ابوالحسن

ق

شد در غدیر خم چو مقرر به بزم عام　　مولای خلق مثل پیمبر ابوالحسن

تکمیل یافت دین الهی و زان شده　　وجه رضای خالق اکبر ابوالحسن

زان شد تمام نعمت منان چو بر امم　　شد محسن انام سراسر ابوالحسن

نفس بشر صغیر بود نزد عامیان　　گفتش ز لیک عالم اکبر ابوالحسن

بد بر زبان احمدؐ مدح ابوتراب　　کرده ثنای احمد از بر ابوالحسن

واحسرتا ز تیغ بن ملجم لعین　　در سجده زخم خورد چو بر سر ابوالحسن

خون ریخت سیل سیل ز سر وامصیبتا　　زان حادثه شد آه نه جان بر ابوالحسن

عباسؑ را سپرد به شبیر و زالم　　شبیر را سپرد به شبر ابوالحسن

برخاست تا به عرش خدا شور ناله‌ها　　تسلیم کرد جان چو به داور ابوالحسن

ماحیست سر است احمد و باشد امیدوار

دارد همیشه ایمنش از شر ابوالحسن

ازواج النبیؐ

دوستدار اہلبیت نجم الحسن صاحب اعظمی

یہ ایک واقعہ ہے کہ "ازواج النبی جماعت اہلبیت سے خارج ہیں" جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے، آیت مباہلہ کو سامنے رکھکر دیکھئے کہ نگاہ قدرت نے نصاریٰ سے مباہلہ کے لئے اہلبیت ہی کو منتخب کیا۔ اور یہ بات شیعہ و سنی کے نزدیک مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام صرف علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ علیہم الصلوٰۃ و السلام ہی کو اپنے ہمراہ لیکر مقام مباہلہ میں تشریف لے گئے آپ کے ساتھ نہ آپکی ازواج گئیں نہ کوئی دوسرا۔ لہذا معلوم ہوا کہ ازواج زمرۂ اہلبیت سے خارج تھیں ورنہ انکو حضور علیہ السلام ضرور اپنے ہمراہ مقام مباہلہ میں لیجاتے۔ اور مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت بھی موجود ہے۔

لما نزلت هذه الاية ندع ابناءنا وابناءكم دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عليا وفاطمة وحسنا وحسينا فقال اللهم هولاء اهل بيتي

جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے مولیٰ علی مرتضیٰ و جناب سیدہ و حسنینؑ کو بلایا اور دعا کی کہ خداوندا یہ میرے اہلبیت ہیں۔" (حمائل ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی صفحہ ۹۰ زاد المعاد ابن قیم جلد ۱ صفحہ ۴۹۶)

اب غور کیجئے اگر ازواج بھی اہلبیت میں داخل تھیں تو حضور نے ان کو بھی کیوں نہ بلالیا۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

جناب علی مرتضیٰؑ کو جب نفس پیغمبر کا لقب عطا ہو گیا تو اب آپ کا کوئی ہمسر نہیں ہے ۔

خدا نفس پیغمبرش خواندہ است — دگر را فضیلت کجا ماندہ است

اور سنئے جس وقت حضرت ام سلمہ نے چادر میں داخل ہونا چاہا تو حضرت رسول نے چادر کا کونہ ہاتھ سے کھینچ لیا اور صاف صاف کہدیا کہ تم نیکی پر ہو مگر اہلبیت میں شامل نہیں بلکہ ازواج میں ہو۔ یہ روایت بھی شیعہ و سنی دونوں کی کتب حدیث میں موجود ہے (ابلاغ المبین صفحہ ۲۶۷)

حضرات! آپ یہ نہ سمجھئے کہ ازواج النبیؐ کے اہلبیت سے خارج ہونے کے صرف شیعہ ہی قائل ہیں۔ نہیں بلکہ علمائے اہلسنت مثلاً ابوسعید خدری، مجاہد، قتادہ، اور کلبی بھی اس کے قائل ہیں۔ زید بن ارقم کا قول ہے کہ ازواج اہلبیت نہیں ہیں کیونکہ یہ تو آج ہیں کل طلاق ہوا الگ ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر خدا نے صدقہ حرام کیا ہے۔

واضح ہو کہ ابو سعید خدری اور زید بن ارقم صحابی رسول ہیں۔ ازواج رسول میں زیادہ تر بیبیاں وہ ہیں جو عمل صالح نہ تھیں پیغمبر کی مخالفت، ذاتی اغراض کی تربیت، اپنے والوں کو فروغ اُن کا خاص طرز معاشرت تھا بخلاف انکے آل رسول کی بلند شخصیت پر جو نظر کیجاتی ہے تو ابتداء زندگی سے آخر عمر تک اُن میں لغزش کا کیا ذکر ہے ترک اولیٰ کا بھی پتہ نہیں ملتا وہ پیکر عصمت ہیں، مجسمہ خیر ہیں انکو خدا نے معصوم اس لئے بنایا ہے کہ اگر انکے دامن عزت پر کوئی بھی دھبہ ہوتا تو پھر وہ امت کے لئے اسوۂ حسنہ قرار نہ پا سکیں گے اور اُن کی اطاعت بے معنی ہو گی وہ اگر واجب الاطاعت ہیں تو اُن کا معصوم ہونا بھی ضروری ہے اب رہا یہ امر کہ طہارت کے کیا معنی ہیں اسکو مفصل دیکھنا ہو تو مستند حدیث کساء ص۲۲ دیکھو۔

مولانا جلال الدین رومی نے عصمت کی طرف کیا خوب اشارہ کیا ہے۔

آفتاب وجود اہل صفا ؛ آں امام ہمہ ولی خدا ؛ آں امامے کہ قائم است از وے ؛ ایں زمین و زمان و ارض و سما
ذات او ہست واجب العصمۃ ؛ آں منزہ ز شرک کفر و ریا ؛ رہرواں طالب او مطلوب ؛ عارفاں صامت و علی گویا

علیؑ و کعبہ

اکتوبر ۱۹۲۶ء میں جسکو ۲۵ سال کا زمانہ ہوتا ہے اخبار دُرِّ نجف سیالکوٹ میں کسی ناواقف نے پوچھا تھا کہ علی مرتضیٰ کی ولادت کعبہ میں کس کتاب سے ثابت ہے؟

سائل کی بے سوادی اور اسلامی لٹریچر سے ناواقفیت پر انتہائی افسوس کہتے ہوئے ہم نے اس موضوع پر اپنے ناچیز معلومات اخبارات میں پیش کر کے بتایا تھا کہ اہل اسلام میں ایک جم غفیر اس بات کا قائل ہے کہ آقائے کونین کعبہ میں پیدا ہوئے موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے پھر ہم نے اس بحث میں مکمل رسالہ لکھدیا جو ۱۳ رجب ۱۳۵۰ھ عید میلاد کے موقع پر چھپا اور شیعی دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچکر خدمت دین انجام دی اس رسالہ میں اہلسنت کے مستند علماء کے اقوال سے جو ذخیرہ پیش کیا گیا تھا انکے اسماء درج ذیل ہیں:۔

(۱) ابو الحسن علی بن حسین بن علی مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ مؤلف مروج الذہب (۲) ابو الحسن علی بن محمد بن طیب جلابی معروف بہ ابن مغازلی شافعی المتوفی ۴۸۳ھ مؤلف مناقب۔

(۳) خواجہ معین الدین اجمیری چشتی المتوفی ۶۳۲ھ (۴) کمال الدین ابو سالم قاضی محمد بن طلحہ شافعی المتوفی ۶۵۲ھ مؤلف مطالب السئول (۵) شمس الدین ابو المظفر یوسف بن قزغلی المعروف بہ سبط ابن جوزی المتوفی ۶۵۴ھ مؤلف تذکرہ خواص الامہ (۶) مولانا روم المتوفی ۶۷۲ھ مؤلف مثنوی (۷) احمد بن منصور کازرونی المتوفی ۸۵۷ھ مؤلف مفتاح الفتوح (۸) ملک العلماء قاضی شہاب الدین بن شمس الدین دولت آبادی المتوفی ۸۴۹ھ مؤلف ہدایت السعداء (۹) شیخ الامام نور الدین علی بن احمد المعروف بابن صباغ مالکی مکی المتوفی ۸۵۵ھ مؤلف فصول مہمہ (۱۰) امام النحاۃ ملا عبد الرحمن جامی المتوفی ۸۹۸ھ (۱۱) حسین بن علی الواعظ الکاشفی البیہقی السبزواری المتوفی ۹۱۰ھ مؤلف روضۃ الشہداء (۱۲) نور الدین علی بن برہان الدین حلبی قاہری شافعی المتوفی ۱۰۴۴ھ مؤلف انسان العیون فی سیرت الامین المامون (۱۳) عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی بخاری المتوفی ۱۰۵۲ھ مؤلف مدارج النبوۃ (۱۴) فاضل سعید گجراتی (۱۵) میر صالح کشفی ترمذی المتوفی ۱۰۶۰ھ مؤلف مناقب (۱۶) مرزا محمد خاں بدخشانی مؤلف مفتاح النجا (۱۷) شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ مؤلف ازالۃ الخفا (۱۸) مولوی صدر الدین احمد بردوانی مؤلف روائح المصطفٰے (۱۹) شاہ محمد حسن صابری چشتی مؤلف آئینہ تصوف (۲۰) غلام امام شہید حنفی مؤلف انشاء بہار بے خزاں (۲۱) مولوی عبد اللہ مظہر جمال المتخلص بہ بسمل امرتسری مؤلف ارجح المطالب (۲۲) مولوی عبد الحمید خاں دہلوی مؤلف سیر الخلفاء (۲۳) عبد المسیح انطاکی عیسائی عالم

افسوس ہے کہ موضوع رسالہ کا اب بازار میں وجود نہیں ہے اور تمام کاپیاں ختم ہو گئیں دوسرے اڈیشن کی سختی سے ضرورت محسوس کیجا رہی ہے مگر کون چھاپے اور کس کے پاس سرمایہ ہے ؟ یہ سوال ہے جو زمانہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے عقدۂ لاینحل ہے خیر میں اس مضمون میں لکھی ہوئی باتوں کو دوبارہ نقل کرنا نہیں چاہتا بلکہ جناب امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کے کعبہ میں ولادت کے مزید ثبوت پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ اسلامی تاریخ میں اس واقعہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور ہر طبقہ کے اہل علم و کمال ہر دور میں اس فضیلت عظمیٰ کا ثبوت دیتے رہے ملاحظہ ہو بقیہ فہرست اُن علمائے اہل اسلام کی جنکی کتابوں میں حضرت علیؑ کے کعبہ میں ولادت کا پتہ ملتا ہے اگرچہ یہ گروہ متاخرین کا ہے لیکن اظہار حقیقت میں ہمنوا ہے (۲۴) غلام محی الدین قریشی (۲۵) خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی (۲۶) ظہیر العلماء حافظ شاہ ظہیر احمد صاحب سہسوانی (۲۷) مولوی محمد مبین حنفی فرنگی محلی (۲۸) حافظ محمد علی حیدر اہتی حافظ شاہ علی انور صاحب قلندر کاکوروی (۲۹) نعمت اللہ لاہوری مؤلف برہان الصداقت

(۳۰) سلطان العلوم شہریار دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ (۳۱) عزیز حسن بقائی نقشبندی (۳۲) داغ جونپوری

محی الدین قریشی کی تحریر سے ثبوت فاضل مؤلف یوں رقمطراز ہے :۔

"حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ قاطع ماسوی سرور اولیا کنیت الشبان ابوالحسن و ابوتراب و لقب مرتضیٰ و اسداللہ و نام شریف علیؑ ہو ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ولادت در مکہ معظمہ درون خانۂ مبارک روز جمعہ سیزدہم رجب بعد از واقعہ فیل بسی سال (صفحہ ۴۵ اشعاب العشق)

(ترجمہ) حضرت علی مرتضیٰ جو تمام اہل ایمان کے امیر اور اولیاء کے سردار اور دنیا سے کنارہ کش تھے کنیت آنحضرت کی حسن کا باپ اور ابوتراب (مالک زمین) اور لقب مرتضیٰ اور شیر خدا اور نام علیؑ ہے وہ ابوطالب کے بیٹے ہیں جو فرزند عبدمطلب پسر ہاشم ولد عبدمناف ہیں انکی پیدائش عرب کے شہر مکہ میں کعبہ کے حجرہ کے اندر روز جمعہ ۱۳ رجب کو واقع ہوئی یہ وہ زمانہ ہے کہ کعبہ کو گرانے کے لئے ہاتھیوں کا جو لشکر آیا تھا اسکو ۳۰ سال گذر چکے ہیں"

خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی کا ارشاد ممدوح کی ذات صوفیائے کرام میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور ہندوستان کا بچہ بچہ انکے بلند کمالات سے باخبر ہے آپنے اپنے مشہور قصیدے میں حسب ذیل الفاظ میں اظہار عقیدت فرمایا ہے۔

گرخواہی کہ در محشر شفیع مصطفیٰ باشد — قسیم جنت و دوزخ علیؑ مشکل کشا باشد
امامت را کسے شاید کہ شاہ اولیا باشد — بزہد و عصمت و دانش مثال انبیا باشد
امام دیں کسے باشد کہ چون تاج و کمر دارش — بفرق از ہل اتیٰ تاج و کمر از انما باشد
امام حق کسے باشد کہ او در طینت آدم — پیمبر را ہمہ بودہ ولایت را ولا باشد
امام دیں کسے باشد کہ در وقت ولادات او — بود در کعبہ و کعبہ زکعبش و صفا باشد

قصیدہ طولانی ہے اور یہی منقبت کے مقطع میں عقیدتمند شاعر کہتا ہے ؎

نظام الدین حیادارد کہ گوید بندۂ شاہم — ولیکن قنبر اورا کمینہ یک گدا باشد

ظہیر العلماء کا حقیقت افروز بیان ممدوح نے اپنے مناقب میں کمال عقیدت و اخلاص کے ساتھ کعبہ میں ولادت پر تبصرہ کیا ہے :۔

" روایت میں ہے کہ آپ کی پیدائش جوف کعبہ میں ہوئی اور سوائے آپ کی ذات اقدس کے اور کوئی جوف کعبہ میں پیدا نہیں ہوا چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس شرف خاص سے کعبہ کو معظم فرمایا ہے اور بعض کتب سیر میں حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ ہم اور عباس ایک جماعت کیساتھ

اولاد ہاشم اور عبد المطلب سے مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے تھے ناگہاں فاطمہ بنت اسد آپ کی والدہ ماجدہ تشریف لائیں اور کعبہ کے طواف میں مشغول ہوئیں کہ یکایک آپ کو دردزہ شروع ہوا اور آثار مولود ظاہر ہوئے اسوقت آپ میں اسقدر طاقت نہ رہی کہ آپ کعبہ سے باہر تشریف لیجائیں بس دیکھا ہم نے کہ دیوار کعبہ شق ہوئی اور فاطمہ بنت اسد اُس میں سماگئیں ہرچند ہم نے چاہا کہ اُس میں جائیں مگر نہ جاسکے اس امر کی شہرت مکہ معظمہ میں عام ہوگئی پس معلوم ہوا کہ چوتھے دن حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علیؑ کو گود میں لیکر باہر آئیں اس واقعہ کے متعلق حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رباعی مستزاد ؎

روزے کہ بکعبہ مرتضیٰ شد صلوات اللہ — درکون ومکاں قبلہ نما شد پیدا سبحان اللہ
جبرئیل بہ تہنیت فرود آمد وگفت اے ختم رسل — فرزند بخانۂ خدا شد پیدا واللہ باللہ

اور فقیر ظہیری عرض کرتا ہے ؎

دھوم ہے عالم میں شاہ لافتیٰ پیدا ہوئے — سرور دنیا و دیں مشکلکشا پیدا ہوئے
حضرت عیسیٰ ہوئے بیت المقدس سے جدا — اور کعبہ میں علیؑ مرتضیٰ پیدا ہوئے
فرض بوسہ سنگ اسود کا ہوا اس واسطے — اسکے پہلو میں علیؑ مرتضیٰ پیدا ہوئے
نال کعبہ میں گڑی اللہ ری شان بوتراب — سچ ہے یہ ناف زمیں پر مرتضیٰ پیدا ہوئے

(ظہیر البشر در فضائل ائمہ اثناعشر ص۱۸ طبع بدایوں ۱۹۰۸ء)

اس عبارت میں فاضل مؤلف نے بہر ز طریقہ سے بتایا ہے کہ کعبہ میں آپ کے سوا کوئی پیدا نہیں ہوا اور کعبہ کو آپ کی ولادت سے عزت حاصل ہوئی لہذا حکیم بن حزام کی ولادت کا شاخسانہ بے بنیاد اور اہانت کعبہ ہے۔

فرنگی محلی عالم کی شہادت

مولوی محمد مبین حنفی فرنگی محلی لکھتے ہیں:۔

"وآں معدن کرامت روز جمعہ سیزدہم ماہ رجب بعد از بست وہشت سال ونزد جمعے بعد از سی سال از عام الفیل در مکہ بود روایت کردہ اند کہ پیدا شد در جوف کعبہ وپیدا نگشت کسے در جوف کعبہ بجز وے وخدائے تعالیٰ مخصوص گردانید اورا بایں فضیلت ومشرف گردانید کعبہ را بایں شرف"

(وسیلۃ النجاۃ ص۱۰ مطبوعہ گلشن فیض ۱۸۹۵ء لکھنؤ)

(ترجمہ) وہ کرامات کی کان جمعہ کے دن ۱۳ رجب کو ۲۸ یا ۳۰ سال واقعہ عام الفیل کے بعد مکہ میں پیدا ہوئے روایت ہے کہ وہ حضرت کعبہ میں پیدا ہوئے اور انکے سوا کوئی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا خدا

عالم نے اس فضیلت کو اُن جناب سے خاص قرار دیا ہے اور کعبہ کو بھی اس شرف سے محقق کیا صلادت نواز حق گو مؤلف نے جہاں کعبہ میں پیدائش کو حضرت علیؑ کی مخصوص فضیلت تسلیم کیا ہے وہاں وہ اس ولادت سے کعبہ کا بھی شرف سمجھتے ہیں اس عقیدہ کو برادران اہلسنت یاد رکھیں ۔

شاہ علی حیدر کی گواہی مولوی حافظ محمد علی حیدر صاحب، ابن حافظ شاہ علی انور قلندر کاکوروی تحریر کرتے ہیں :-

"جناب امیر خانۂ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں بحوالہ مستدرک حاکم لکھتے ہیں کہ یہ خبریں بحد تواتر پہنچ چکی ہیں کہ فاطمہ بنت اسد نے جناب امیر کو جوف کعبہ میں جنا ۔ ولدته فی حرم المعظم امه طابت و طاب ولیدها والمولد جناب امیر کو اُنکی والدہ نے حرم محترم میں جنا مولود اور والدہ اور جائے ولادت یہ سب پاک ہیں ؎

گوہر چو پاک بود صدف نیز پاک بود ۔۔۔ آمد میانہ حرم کعبہ در وجود
کعبش ز فیض کعب صفا داشت لاجرم ۔۔۔ بر دوش سید دو جہاں جلوہ می نمود
با شیر خدا کسے چہ محرم باشد ۔۔۔ ذاتش بہ نبی قریب و ہمدم باشد
سرّیست دریں کہ کعبہ اش مولد شد ۔۔۔ یعنی کہ علی امام عالم باشد

(احسن الانتخاب فی ذکر معیشۃ سیدنا ابی تراب صـ۲۱ مطبع اصح المطابع ۱۳۳۲ء)

فاضل لاہوری کا اقرار مولوی نعمت اللہ لاہوری لکھتے ہیں :-

"اللہ تعالیٰ نے علی بن ابیطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول اللہ صلعم کی جان ارشاد فرمایا ہے بس یہ لفظ اول دلیل ہے کہ محمدؐ اور علیؑ کی خلقت نور واحد سے تھی اسی واسطے اللہ جل شانہ نے محمد صلعم کو منزلہ جسد قرار دیکر حضرت علیؑ کو جان پیغمبرؐ کی ارشاد فرمایا اور جو خدا کے نور سے پیدا ہوگا وہ بے شبہ نجاسات ظاہریہ و باطنیہ سے مبرّہ و منزّہ ہوگا بنا بر آں اللہ تعالیٰ نے تصدیق رسالت اور اپنے نور سے پیدا کرنے آنحضرت صلعم کی مہر نبوت سے جو کتف رسول اللہ پر تھی اور تصدیق جزئیت نبی ہونے حضرت علیؑ کے اپنے گھر میں یعنی خانۂ کعبہ میں پیدا ہونے سے کہ یہ شرف کسی پیغمبر یا سلف کو عطا نہیں ہوا ۔

کسے را میسر نشد ایں سعادت ۔۔۔ بکعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

بسبب اسکے کہ جز علی کے کوئی شریک سہیم نور محمدی کا نہ تھا لہذا صلاح عالم نے اس فضیلت کو خاصہ حضرت علیؑ کا ٹھہرایا یہ درحقیقت تعظیم و تکریم نور محمدی کی تھی کہ ولادت باسعادت حضرت علیؑ کی کعبہ میں ہوئی ۔ (برہان الصداقت فی تحقیق الخلافۃ صـ۲ چھاپہ احمدیہ سٹیم پریس لاہور)

اس عبارت میں نکتہ سنج مؤلف نے کعبہ میں ولادت کو سبب قرار دیا ہے نور محمدی سے ہونے کا یہ پاکیزہ تخئیل اُنکی حق پسندی کا ثبوت ہے اور یہ روز روشن طریقہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ جب انبیاء کو یہ شرف نہیں ملا تو حکیم ابن حزام کیا چیز ہے۔

تاجدار دکن کا زرّیں فرمان سلطان العلوم اعلیحضرت میر عثمان علیخاں شہریار دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ اپنے منظوم کلام میں ذمہ دارانہ حیثیت سے فرماتے ہیں۔

علیؑ کو نازش بیت الحرام ست — دراں اورا ولادت لاکلام است

مسرت گوید اے عثماں کہ امروز — خوری گر مے نہ باور کن حرام است

سُنّی جرائد کی رائیں معزز ہمعصر عزیز حسن بقائی نقش بندی جو اُردو ادب کے ایک نامور اہل قلم ہیں اور خاندان رسالت سے کافی عقیدت رکھتے ہیں آپ نے اپنی مخصوص نثر میں جناب امیر المومنین علیہ السلام پر جسطرح سلام کیا ہے وہ درج ذیل ہے:-

"سلام ہو اس مہر سپہر کرامت پر جسکے آستان جلال کو بوسہ دینے کے لئے آفتاب مغرب سے واپس ہوا۔ سلام ہو اس نیّر برج شرف پر جسکے حریم ہمائے صبح تبریزیوں سے چاند اپنی پیشانی منور کرتا ہے سلام ہو اُس شاہ خیبر شکن پر جسکے زور ید الٰہی نے خیبر کفر کی دیواروں کو متزلزل کر دیا۔ سلام ہو اُس قاتل مرحب پر جنکی برش ذوالفقار دشمنان توحید کے سروں کی بھینٹ طلب کرتی ہے۔ سلام ہو علم رسول کے اس پاک دروازے پر جس سے گذر کر منزل عرفان کا سراغ ملتا ہے۔ سلام ہو اُس وفادار بھائی پر جس نے شب ہجرت اپنے بھائی کے بستر پر آرام فرما کر دشمنوں کے تیغ و سناں کو خندہ پیشانی کے ساتھ لبیک کہا۔ سلام ہو ابو طالب کے اس جلیل القدر بچے پر جسکا زچہ خانہ خدا کا گھر بنا۔

(رسالہ بیتہ اعلیٰ نمبر شعبان ۱۳۵۳ھ)

مولوی شیخ عبد الشکور مدیر النجم کا مسلمہ لسان القوم داغ جونپوری نے النجم صحابہ نمبر میں چاریار کے عنوان سے چار رباعیاں درج کی ہیں چوتھی رباعی یہ ہے:-

علی نے بھی میرے نام خدا کیا نام پایا ہے — خدا کے گھر سے کیا اعزاز کیا اکرام پایا ہے

ہوئی کعبہ میں پیدائش شہادت پائی مسجد میں — عجب آغاز پایا تھا عجب انجام پایا ہے

(النجم صحابہ نمبر جلد ۱۴ نمبر ۹ صفحہ ۶۰ مورخہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ)

شاہ نجف لکھنؤ

جناب شیخ تصدق حسین صاحب بی اے حنفی ایڈوکیٹ

نواب سعادت علیخاں مرحوم نے ۲۹ رجب ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۸۱۴ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ انکی وفات پر انکے بڑے بیٹے نواب غازی الدین حیدر خاں مسند نشین ریاست ہوئے انھوں نے موتی محل سے تھوڑے فاصلہ پر سکندر باغ کی بغل میں ۱۲۳۲ھ میں اپنا امامباڑہ موسومہ شاہ نجف تعمیر کرایا۔ اصل روضہ بمقام نجف اشرف حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مزار پُرانوار پر بنا ہوا ہے مگر دونوں کی وضع قطع میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

امامباڑہ شاہ نجف میں داخلہ ایک خوشنما اور عالیشان پھاٹک کے ذریعہ ہوتا ہے جسکے اوپر پورے قد کے دو خاکی شیر بنے ہوئے ہیں اول پھاٹک کے سامنے ہی تھوڑے فاصلہ پر ایک دوسرا پھاٹک کسی قدر بلندی پر ہے دونوں پھاٹکوں کے درمیان پختہ راستہ ہے جسکے دونوں جانب وسیع صحنوں میں سبزہ لگا ہوا ہے اور کہیں کہیں پر چمن بندی بھی کیگئی ہے۔

دوسرے پھاٹک میں داخل ہونے پر روضہ کی پشت جانب جنوب ملتی ہے۔ اس دروازہ میں اوقات دریافت کرنے کے لئے گھنٹہ نصب ہے۔ روضہ کے چاروں طرف غلام گردش ہے اور بالائی حصہ میں ایک بڑے قد کا خوبصورت گنبد تعمیر ہے جسپر سنہری کلسی لگی ہوئی ہے۔

امامباڑہ میں داخلہ شمالی جانب سے ہوتا ہے جسکی برساتی سے ایک پختہ راستہ سامنے کیطرف چلا گیا ہے جسکے اختتام پر ایک پھاٹک ہے۔ پھاٹک کے باہری جانب چند ہی قدم پر دریائے گومتی لہریں لے رہا ہے بالفاظ دیگر فرمانروایان اودھ کی دیگر عمارتوں کیطرح یہ عمارت بھی لب دریا بنی ہوئی ہے۔

امامباڑہ کے اندر سنگ مرمر کا فرش ہے جس میں سیاہ و سفید چوکیوں سے شطرنجی بنائی گئی ہے دیواروں پر نسخ و نستعلیق کے قطعہ، طغرے چوکھٹوں میں لگے ہیں جن میں بعض فن خطاطی کے بہترین نمونے ہیں، اندر داخلہ کے دروازوں میں بوہاکی بنی ہوئی خوشنما نقشی جوڑیاں لگی ہوئی ہیں جنکے بغلی پاکھوں میں بانی امامباڑہ شاہ غازی الدین حیدر و نواب سر محسن الدولہ و نواب ممتاز الدولہ

کی تصویریں مسز جاپلنگ رُد (Mrs Japling Rause) کی بنائی ہوئی آویزاں ہیں جنکی نقاب کشائی نواب فغفور مرزا پسر نواب ممتاز الدولہ سینیر متولی وقف حسین آباد نے تخمیناً ۱۹۰۸ء میں مسٹر اے۔ ایل ساندرس (A. L. Saundres) کمشنر لکھنؤ سے کرائی تھی راقم سطور اس تقریب میں مدعو تھا نواب فغفور مرزا اس زمانہ میں عموماً انگریزی لباس میں ملبوس رہتے تھے مگر اس روز سیاہ ایرانی ٹوپی بوٹیدار اطلس کی شیروانی سفید فلالین کا پتلون اور پمپ شوز زیب تن کئے تھے۔ اور کمر میں ایک مرصع ڈاب بھی لگائے تھے جس سے تلوار لٹک رہی تھی۔ نواب محسن الدولہ و ممتاز الدولہ بعد غدر حسین آباد کے متولی ہو گئے تھے تاریخ تعمیر شاہ نجف یہ ہے

باحسن عقیدت نجف اشرف را	فرمود بنا بہند نواب وزیر
تاریخ مبارکش چو جستم از عقل	ہاتف گفتہ عجب نجف شد تعمیر

۱۲۳۲

مسز حسن علی (Mrs Hasan Ali) ایک انگریز خاتون نے شاہ نجف کی زیارت ۱۸۲۵ء میں کی تھی انکے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی عمارت میں بعض تبدیلیاں ہوگئی ہیں موصوفہ[1] تحریر کرتی ہیں:۔

اامباڑہ کے بیرونی صحن میں داخلہ بذریعہ ایک خوشنما پھاٹک کے ہوتا ہے جو خشت اور مسالہ سے بنایا گیا ہے اور جسپر استرکاری کر کے ایسی جلا کر دیگئی ہے کہ وہ بعینہ سنگ مرمر کا معلوم ہوتا ہے۔ پھاٹک کے برابر ہر طرف اور دونوں بازوؤں میں آفت زدگان و خانماں برباد غریب غربا کے قیام کے لئے مختلف درجے بنے ہوئے ہیں جنکی پچھلی دیواریں اامباڑے کی حدبندی کرتی ہیں۔ اصل روضہ پھاٹک ہی سے نظر آتا ہے اور چوکور عمارت معلوم ہوتی ہے جسپر گنبدی چھت بنی ہے۔ روضہ کے اندر سیاہ اور سفید سنگ مرمر کے چوکونے شطرنجی فرش بنایا گیا ہے۔ اور اندرونی جانب دیواروں اور قبہ میں نفیس منبتی کام بنا کر اسکو مطلا کر دیا ہے۔ عمارت کے بیرونی جانب بھی گنبد اور کارنسوں پر نہایت خوشنما منبت کاری کیگئی ہے اور اسپر بھی سونے کے پانی کی تحریریں ہیں۔ گنبد کی چوٹی کی آرائش ایک بڑے قد کے تاج سے کی گئی ہے جو خالص چاندی کا بنا کر اسپر سونے کا ملمع کر دیا گیا ہے

محرم کی روشنی و آراستگی کے بارے میں موصوفہ[2] تحریر کرتی ہیں:۔

"زمانۂ محرم میں جو آرائش و زیبائش اس عمارت کے اندرونی حصہ میں ہوتی تھی اسکی شان

[1] Observations on the Mussalmans of India by W. Crooke — Manners & customs of the Mussalmans of India

دشکوہ کی کیفیت پورے طور پر الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتی۔ اسکی دیواریں بکثرت خوشنما شیشہ آلات اور آئینوں سے مزین تھیں اور ہر قسم کے سو سو شمع بتی والے عالیشان جھاڑوں کے درمیان زرد نیلی اور سبز رنگ کی ہانڈیاں روشنی کی تڑپ کو حد اعتدال پر قائم رکھتی ہیں اور اس حیرت انگیز اور دلفریب منظر کو پرستان کے مثل بنا دیتی ہیں۔ امامباڑہ کے بیچ بیچ میں نہایت خوشنما سبز بلوری تعزیہ رکھا تھا جو انگلستان سے ڈھل کر آیا تھا اور جس پر سنہرا مینا کیا گیا تھا۔ تعزیہ کے اردگرد مومی شمعیں روشن تھیں اور اسکے داہنے جانب ایک بڑے قد و قامت کا شیر تھا اور بائیں جانب ایک مچھلی تھی جو کہ نشان فرمانروائی و شہریاری ہے یہ دونوں چیزیں بھی تعزیہ کے ہمرنگ تھیں۔ بیشکے نہایت بیش قیمت نفیس اور کثیر تعداد میں تھے جیسے علم بھی انہی کے موافق نہایت شاندار اور بیش بہا لگے تھے۔ ایشائی عمارتوں میں طاق اور روشندان کل مناسب مقاموں پر ضرور رکھتے ہیں اور امامباڑوں میں اُن میں عجوبہ روزگار اور نادرالوجود پرانے زمانہ کی اشیاء رکھدی جاتی ہیں جیسے مکہ معظمہ کے روضۂ اقدس کی نقل۔ خیمہ گاہ حضرت امام حسینؑ۔ پھاٹک کربلا وغیرہ۔ اس امامباڑہ میں یہ تینوں چیزیں نقرئی تھیں اور چاندی ہی کی میزوں پر رکھی تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سے عجیب و غریب ساخت کے مختلف زمانوں کی ڈھالیں۔ خنجر زرہ بکتر اور نیزے وغیرہ بھی بہت خوش سلیقگی سے سجے ہوئے اندرونی حصۂ عمارت کو زینت بخش رہے تھے۔ منبر بھی نقرئی بہت خوبصورت ساخت کا ہے۔ کل امامباڑہ کی سجاوٹ اور آراستگی بادشاہ سلامت کی زیر نگرانی ہوتی تھی اور اس موقع پر جس تمیزداری اور خوش ترتیبی سے چیزیں نظر آتی تھیں اُسکے لئے اعلیحضرت ہی کی سلیقہ شعاری کو داد دینا چاہیئے"

خانم پارکس (mesm Parkes) ایک فرانسیسی خاتون نے بھی بزمانۂ حکومت شاہ غازی الدین حیدر امامباڑۂ شاہ نجف کی زیارت کی تھی اسکے تعزیوں کے متعلق موصوفہ لکھتی ہیں :-

" تعزیوں کی وضع قطع کا خیال کم کیا جاتا ہے یا بالکل نہیں کیا جاتا۔ یہ مختلف شکلوں اور مختلف چیزوں کے بنائے جاتے ہیں۔ شاہ اودھ کے امامباڑہ شاہ نجف میں بزمانہ محرم جس تعزیہ کی زیارت کرائی جاتی ہے وہ سبز بلور کا میناکار ہے۔ اسکے علاوہ بعض دوسرے تعزیے ہاتھی دانت۔ آبنوس۔ صندل۔ چاندی کے گنگا جمنی یا کسی دوسری شے کے بنے ہوئے ہیں۔ زیادہ قیمتی اور صنعتی تعزیے امامباڑوں میں محفوظ رکھے رہتے ہیں اور کم قیمت جلوس کیساتھ بیسویں محرم کو کربلا میں دفن کر دیے جاتے ہیں"

امامباڑہ شاہ نجف میں حضرت غازی الدین حیدر کی تین بیویاں تہ خاک موت کی ابدی نیند سوتی ہیں امامباڑہ میں داخل ہونے پر بادشاہ کا مرقد سامنے ہی ملتا ہے جسپر نقرئی کٹہرا لگا ہے، اُس کے

داہنی جانب نواب مبارک محل کی آخری آرامگاہ ہے جسپر ایک شاندار زنگا جمنی کٹہرہ ہے۔ نجف کی تمام قبروں سے اس قبر کا ساز و سامان پر شوکت اور بیش قیمت ہے بادشاہ کی قبر کے بائیں جانب نواب ممتاز محل بادشاہ کی دوسری نو مسلم بیوی کی قبر ہے جسپر چاندی کا کٹہرا ہے اور بائیں جانب کے گوشہ میں بادشاہ کی تیسری محبوب بیوی سرفراز محل کا مدفن ہے جسپر چوبی کٹہرا رکھا ہوا ہے۔

مبارک محل[1] کے باپ ایک انگریز کرنیل عیش ساکن کانپور تھے اور ماں ایک ہندوستانی عورت چمپا نامی تھی اُن کا نام شرع میں مریم[2] تھا۔ موصوفہ نصرانی مذہب کی پیرو اور حسن و جمال میں چندے آفتاب اور چندے ماہتاب تھیں۔ غازی الدین حیدر اُنکے جانا سے گھر سے پردم دینے لگے انکو کانپور سے لکھنؤ لے آئے اور مذہب اسلام کی تلقین کی جب وہ آغوش اسلام میں آگئیں تو ۱۸۱۵ء میں اُن سے عقد کرکے اُن کا اسلامی نام عزت النساء بیگم مہد علیا مبارک محل رکھا۔ اور ۱۷ اگست ۱۸۲۵ء سے اُن کا وثیقہ چند شرائط کے ساتھ دس ہزار روپیہ ماہوار کا جاری کردیا حکیم بندہ مہدی ساکن کڑہ ابو تراب خاں کا اُنکے یہاں بڑا اختیار تھا ۸ جون ۱۸۴۹ء کو بعہد دولت جانعالم واجد علی شاہ موصوفہ نے موت کی چاشنی چکھی۔ میر علی اوسط رشک نے قطعہ تاریخ وفات مندرجۂ ذیل کہا جو امامباڑہ میں لگا ہوا ہے

افسوس مبارک محل این مریم عصر	رو کرد سوئے گلشن رضوان اے ہائے
تاریخ وفات خامۂ رشک نوشت	ہشتم بودہ ز ماہ شعبان اے ہائے

ممتاز محل اودری لال بقال کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ جگنا تھ بقال اشرف الدولہ غلام رضا خاں نو مسلم بانی روضۂ کاظمین واقع منصور نگر اُنکے رشتہ دار تھے۔ شاہ غازی الدین حیدر نے بعد انتقال مساۃ صبح دولت المخاطب بہ ممتاز محل والدۂ شہزادہ نصیر الدین حیدر موصوفہ سے نکاح کرکے انھیں بھی ممتاز محل کے خطاب سے ممتاز فرمایا، یہ امامباڑہ شاہ نجف کے قریب ہی ایک مکان میں رہتی تھیں جو دریا اور امامباڑہ کے درمیان واقع تھا۔ یہ مکان ۱۹۱۳ء میں جب بنڈ روڈ دریا کے کنارے نکالی گئی تو کھُد گیا۔ اب صرف اسکی ایک دیوار لب دریا بطور نشانی باقی رہگئی ہے بیگم کا وثیقہ

---

[1] قیصر التواریخ

[2] Historic Lucknow by Miss Sydney Hay

[3] مبارک محل کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے مضمون راقم السطور مندرجہ زمانہ ماہ اگست ۱۹۲۰ء

گیارہ سو روپیہ ماہوار کا ماہ اگست ۱۸۲۵ء سے جاری ہوا تھا۔

موصوفہ آخر میں محلہ گولہ گنج میں اپنے مکان ذاتی موسومہ ممتاز محل میں سکونت پذیر تھیں یہ مکان فروخت ہوکر اب منہدم ہو گیا ہے صرف بیرونی پھاٹک اُنکی یاد دلانے کو باقی ہے مگر انکی ایک خوشنما مسجد محلہ چاندی خانہ میں کنگھے محل کے امامباڑہ کے پاس ابتک قائم ہے جو اُنکے نام کو روشن کئے ہوئے ہے، مسجد میں ایک قطعہ سنہ تعمیر بھی نصب ہے جو زیادہ تر مٹا ہوا ہے صرف الفاظ مندرجۂ ذیل بہ وقت پڑھے جا سکے۔

عاشق فاطمہ ممتاز محل[۱] ۔۔۔ صاحب عفّت . . . . .

زوجِ بادشاہ غازی الدین ۔۔۔ خود خورشید . . . .

مسجد نہایت زیبدہ زیب ہے۔ منبّت کا کام بھی نہایت دلکش ہے مگر سنہ تعمیر پڑھا نہیں جا سکا سرفراز محل[۲] سماۃ حسینی خانم کا خطاب تھا جو ملیح آباد کی رہنے والی تھیں۔ اُن کا چہرہ کتابی، رنگ سانولا نمکیں، آنکھیں رسیلی اور بڑی بڑی۔ قد لانبا جسم گداز اور ہاتھ پیر گول تھے، پہلے پنج محلہ واقع مچھی بھون میں رہتی تھیں ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں نے مچھی بھون پر قبضہ کرلیا تو محمود نگر میں چڑھائی کے اوپر اپنا ذاتی مکان بنوا کر اس میں رہنے لگیں۔ ۲۸ اکتوبر ۱۸۷۶ء کو لاولد انتقال کیا۔ میر مونس نے چہلم کی مجلس پڑھی۔ اُن کا وثیقہ ایک ہزار روپیہ ماہوار اگست ۱۸۲۵ء سے جاری ہوا تھا۔ مکان مسکونہ منہدم ہوکر فروخت ہو چکا ہے نواب غازی الدین حیدر نے بتاریخ ۹ اکتوبر ۱۸۱۹ء مطابق ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۳۵ھ بروز عید غدیر لارڈ ہیسٹنگز گورنر جنرل کے ایما پر شاہ دہلی اکبر شاہ ثانی سے رشتۂ اتحاد توڑ کر اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا اور اسی روز تخت نشین اودھ ہو گئے۔ خطاب شاہی ابوالمظفر معز الدین شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ غازی ہوا۔ نائب الریاست نواب معتمد الدولہ مختار الملک سید محمد خاں ضیغم جنگ عرف آغا میر کو خطاب وزیر اعظم عطا ہوا اور جو چودہ کرور روپیہ نواب سعادت علیخاں نے کمال حسن انتظام اور خوش تدبیری سے جمع کر کے بر انتقال خزانہ میں چھوڑا تھا وہ بے غل وغش صرف ہونے لگا ایک کرور روپیہ کی لاگت سے تاج و تخت شاہی و سامان جلوس تیار ہوا۔ کل اعزہ و اراکین دولت و اہلکاران رزیڈنسی کو خلعت فاخرہ عطا ہوا۔ خطاب بادشاہت کی مسرت میں خوب خوب جشن ہوئے۔ تاجپوشی کی یادگاریں

---

[۱] ممتاز محل کے مکمل سوانح حیات کیلئے دیکھئے مضمون راقم السطور مطبوعہ زمانہ ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء۔

[۲] انکے مفصل حالات کیلئے دیکھئے مضمون راقم مندرجۂ زمانہ ماہ فروری ۱۹۴۱ء

دو محلے بادشاہ نگر اور حیدرآباد دریا کے اوس پار قائم کئے گئے جو ابتک انھیں ناموں سے موسوم ہیں شیخ امام بخش ناسخ نے تاریخ تاجپوشی کہی :- شاہ اسکندر روز بزار سطابیس ۱۷ر اگست ۱۸۲۵ء مطابق یکم محرم ۱۲۴۱ھ کو غازی الدین حیدر بادشاہ نے مبلغ ایک کرور روپے معرفت رزیڈنٹ اودھ مسٹر رکٹس (Mr Ricketts) بطور قرض مو بدبہ تقرر سود پانچ روپیہ فیصد سالانہ خزانہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں جمع کرائے جسکا ماہوار سود مبلغ ۴۱۶۶۶-۱۰-۸ ہوتا ہے اسی سود کے روپیہ سے بادشاہ نے اپنی چار بیگموں مبارک محل۔ سلطان مریم بیگم ممتاز محل۔ سرفراز محل و نواب معتمد الدولہ وغیرہ کے وثیقے جاری کرنے کے علاوہ اپنے امام باڑہ شاہ نجف کے اخراجات کے لئے بھی مبلغ گیارہ سو سینتیس روپیہ دس آنہ آٹھ پائی ماہوار مقرر کئے۔ اسی رقم سے امامباڑہ کے مصارف چلتے ہیں غازی الدین حیدر نے بتاریخ ۲۷ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸ر اکتوبر ۱۸۲۷ء بروز دیوالی شب شنبہ کے پچھلے پہر چودہ برس حکومت کرنیکے بعد مرض اسہال سے بعمر ۵۶ سال موتی محل میں قضا کی۔ بادشاہ بیگم خاص محل سے ناموافقت تھی۔ بادشاہ کی حالت نازک سمجھکر بیگم صاحبہ مع اپنی نواسیوں کے عیادت کی غرض سے تشریف لیگئیں مگر ان سے کوئی بات نہ کی بادشاہ نے منھ پر کھینچ لیا۔ جنازہ بڑے جلوس سے اٹھا۔ فوج ارکین دولت اعزہ و اقربا سب جنازہ کے ساتھ تھے وقت عصر اپنے تعمیر کردہ امامباڑہ میں دفن ہوئے۔ بعد وفات خلد مکان لقب ہوا۔ شیخ امام بخش ناسخ نے تاریخ وفات کہی۔

از وفات جناب شاہ زمن — گوئیا عالمے ہلاک شدہ
زہر گردید بہر ما دوزخ — بہ بہشت آن جناب پاک شدہ
دیدہ باشد بما تش نمناک — سینہا آہ دردناک شدہ
رفت دامان صبر از دستم — جیب صبر و شکیب چاک شدہ

تاریخ ذیل انکے مدفن پر لگی ہوئی ہے

چوں رفت شہ زمن ز دنیا — ماتم دل خاص و عام بگرفت
از روئے بکا و آہ گفتم — حیدر بہ نجف مقام بگرفت
۱۲۴۳ھ

۱۸۵۷ء کے بلوۂ عظیم میں سپاہ باغی نے سکندر باغ اور شاہ نجف میں بھی مورچہ لگایا تھا، ار نومبر سنہ مذکور کو انگریزی فوج زیر کمان سر کالن کیمپل (Sir Colin Campbell) ہندی محصورین

لہ یہ بھی انگریزی تھیں ان کے مفصل حالات کیلئے دیکھئے مضمون راقم مندرجہ زمانہ جون ۱۹۴۲ء

بیلی گارد کی کمک کے لئے شاہ نجف کی طرف سے گذرے دونوں مقاموں پر فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی اس ہنگامہ میں شاہ نجف کا بہت سا سامان تہس نہس ہوگیا اور بلور کا ولائتی تعزیہ بھی ٹھنڈا ہوگیا۔ شاہ مرحوم کے وقت کا سامان جو لڑنیوالوں کی دست برد سے بچ گیا اس میں صرف تین چیزیں قابل تذکرہ ہیں اول تو ایک نہایت نفیس چاندی کی گول ضریح ہے۔ دوسرے ایک آئینہ ہے جسمیں انسان سر سے پیر تک بالکل دُبلا پتلا سینک سلائی ایسا نظر آتا ہے تیسرا بھی ایک آئینہ ہے جس میں انسان کا چہرہ چسم آدمی کی طرح ایسا چوڑا اور بدقطع دکھائی دیتا ہے کہ دیکھنے والے کو خود اپنا عکس دیکھکر بے اختیار ہنسی آنے لگتی ہے۔

اس امامباڑہ میں دومرتبہ خاص طور سے روشنی ہوتی ہے پہلی دفعہ تو نواب مبارک محل کے دیسہ کے روز دوسری بار محرم کی آٹھویں و نویں تاریخ کو بجلی کی روشنی بہت کثرت سے ہوتی ہے جبکہ عمارت کی آراستگی و تزئین بے شمار رنگ برنگ بجلی کے قمقموں سے کیجاتی ہے جنکی دلفریب روشنی سے پوری عمارت جگمگا اٹھتی ہے اور رات کے وقت دن کا ایسا سماں معلوم ہونے لگتا ہے یہ امامباڑہ بھی متولیان حسین آباد کے زیر انتظام ہے مجالس میں پڑھنے کیلئے سوزخوان مرثیہ خوان مستقل طور پر ماہوار تنخواہیں پاتے ہیں اور قبروں پر قرآن خوان ملازم ہیں۔

کعبہ میں حکیم بن حزام کی ولادت کا شاخسانہ (بسلسلہ صہ ۱۹)

خاندان رسالت کی مخالف طاقتوں نے ذاتی اغراض کے تحت میں جلب منفعت کے لئے اُن حضرات کے فضائل و مناقب کا جامہ زیب دوسرے لوگوں کو بنایا اور آیات قرآنی کو غلط طور پر تاویل کی آل محمدؐ کے القاب غصب کئے حدیثیں وضع کر کے اپنے نزدیک فضائل چھین لئے اور ذاتی خصوصیات دوسرے لوگوں کے سر تھوپے تو بھلا کعبہ میں ولادت کب نظر انداز ہو سکتی تھی اس مخصوص منقبت پر بھی حملہ ہوا اور حکیم بن حزام کا نام پیش کر کے دعویٰ کیا کہ کعبہ میں وہ بھی پیدا ہوا ہے، حکیم بن حزام کون ہے علیؑ و کعبہ کے مطبوعہ رسالہ میں ہم اس کا تعارف کرا چکے ہیں، مزید براں جو کہنا ہے وہ یہ کہ حکیم بن حزام کی پیدائش کا قصہ زبیر بن بکار کی غلط بیانی کا نتیجہ ہے اس روایت کا سلسلہ زبیر تک پہونچتا ہے جسکو علم رجال میں حدیثیں گڑھنے والا بتایا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو میزان الاعتدال)

یہ شخص ساٹھ برس تک کفر و شرک کی گندگی میں پھنسا رہا ماں باپ بھی مسلمان نہ تھے حالت کفر میں

اسکی ماں طواف کعبہ کر رہی تھی اور پورے دن سے تھے لوگوں کی کشمکش میں ایک دھکا لگا اور بچہ جن دیا یہ اچانک حادثہ اس کافر کے لئے کیونکر سبب عزت ہو سکتا ہے جو اپنے آغاز سے جوانی اور بڑھاپے تک کفر کے دائرہ میں رہا اور طویل مدت تک ایمان و اسلام کا نام بھی نہ جانتا تھا دین نبوی کی بڑھتی ہوئی رفتار کو دیکھکر آنحضرت کی وفات سے تین سال پہلے یہ ظاہری طور پر مسلمان ہوا اور اپنی اسلامی زندگی میں نہ کوئی خدمت دین انجام دی نہ کسی غزوہ میں قدم پہونچے اہلسنت کی کتابوں کی سیر سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم نے اس شخص کو ایک مرتبہ عید قرباں کے موقع پر مینڈھا خرید کر لے آنے کی خدمت سپرد کی تھی غایت الاوطار میں ہے ۔

ووکل علیہ الصلوٰۃ والسلام حکیم بن حزام لیشتری اضحیۃ (ترجمہ اردو درمختار جلد سوم ص ۳۲۵ چھاپہ نولکشور ۱۸۷۶ء کانپور) چونکہ قربانی کے جانور کے اعضاء صحیح و سالم ہونا چاہیئے اور خریدنے والے کا یہ فرض ہے کہ دیکھ لے جانور تمام عیوب سے پاک اور خصی تو نہیں ہے، حکیم بن حزام جانور دیکھکر خریدتا تھا اور ممکن ہے کہ اسکو سلیقہ ہو اس ایک کام کے بعد زندگی کا ورق سادہ ہے ۔

کیا ایسی گمنام ہستیوں کا نام امیرالمومنین کے نام کیساتھ لیا جا سکتا ہے اور ولادت حضرت علی مرتضیٰ کا وہ خاص اہتمام جو مشیت ایزدی کے تحت میں تھا بنت اسد کا گھر چھوڑ کر طواف کے لئے آنا، مولود کا واسطہ دیکر دعا، ہاتف غیبی کی صدا، دیوار کا شق ہونا، تین دن تک اندر حجرے میں قیام، چوتھے دن پھر دیوار کعبہ کا شق ہو کر اپنے مہمان کو رخصت کرنا خرق والتیام وہ اہم ترین اہتمام ہیں جنمیں ہر جزو ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اسکے مقابلہ میں ایک کافرزادہ، غیر مسلم کا مجمع کی کشمکش سے پیدا ہو جانا اور پھر بیرون کعبہ کیا حیثیت رکھتا ہے ۔

کعبہ ایمان

جب عنان سخن یہانتک پہونچی تو یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ جناب امیرالمومنین علی بن ابیطالب کی عظیم القدر شخصیت کعبہ میں پیدا ہونے سے معزز نہیں ہوئی بلکہ کعبہ کو آپکی ولادت نے شرف بخشا مولوی روم اور مولانا جامی نے کعبہ کو صدف اور ذات علویہ کو موتی سے یاد کیا ہے اور رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود آنحضرت کو کعبہ فرمایا ہے۔ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری معروف بہ ابن اثیر نے اس فضیلت کو جناب سرور کائنات صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے وحی آموز کلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا انت منی بمنزلۃ الکعبۃ تؤتی ولا تاتی فان اتاک ھولاء القوم فسلموھا الیک یعنی الخلافہ (ص ۳۱ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جزء چہارم مطبوعہ مصر ۱۲۸۶ھ)

یا علیؑ تم بمنزلہ کعبہ کے ہو چاہیئے کہ لوگ تمہارے پاس آئیں نہ کہ تم لوگوں کے پاس جاؤ اگر یہ قوم تمہارے پاس آکر منصب خلافت کو سپرد کردے تو قبول کرنا ورنہ تمکو اُسکے پاس جانیکی ضرورت نہیں ہے۔ یہ الفاظ آپ کی شان میں ایک نصب العین کی حیثیت رکھتے ہیں اور پیغمبر خدا کے کمال علم پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ وہ مستقبل کی ریشہ دوانیوں سے واقف تھے اور علیؑ کو روک چکے تھے کہ تم خلافت کے لئے ہاتھ نہ پھیلانا تمہاری مثال کعبہ کی ہے اگر لوگ آئیں تو تم سے فیضیاب ہوں ورنہ اپنی جگہ رہنا

جناب امیرؑ کا حُسن خط

دلی خیالات کی ترجمانی اور ضمیر کو الفاظ کا جامہ پہنانے کا بہترین ذریعہ کتابت ہے جسکے ذریعہ سے خاموش انسان صدیوں کے واقعات و حالات دنیا کے سامنے پیش کرسکتا ہے اور زبان کو جنبش تک نہیں ہوتی قلم ہی کی گردش انسانی پستی و عروج کی ذمہ دار ہے اور اسکی کشش سنوارنے اور بگاڑنے کے دو متضاد اثر رکھتی ہے جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں اقوام کی ترقی اور انکی نشو و نما کا معیار ہی قلم ہے جس قوم میں زبردست اہل قلم موجود ہیں وہ اپنے حقوق کی ترجمانی آسانی کے ساتھ کرسکتی ہے اور زور قلم ہی پر قومی ارتقا موقوف سمجھا جاتا ہے ؎ قلم گوید کہ من شاہ جہانم

جس نے کہا ہے کیا خوب کہا ہے بیشک جولازوال سلطنت قلم کو حاصل ہے وہ کسی تاجدار شہنشاہ کو نہیں نصیب بادشاہوں کی بادشاہی اور ان کا نظام سلطنت حرکت قلم کا ہی شرمندہ ہے بلکہ یہ کہوں کہ جہالت کی گھنگھور گھٹاؤں سے آفتاب علم کی جلوہ نمائی بھی گردش قلم ہی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے اور ضلالت و گمراہی کا سیلاب قلم کی طاقت سے رکتا ہے فتنہ و فساد کا سدباب اگر قلم نہیں کرسکتا تھا تو پیغمبر ختمی مرتبت نے وقت آخر دوات و قرطاس کیوں مانگا مسلمانوں کا نبی فرماتا تھا :۔

ایتونی بدوات و قرطاس اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی دوات و قرطاس لاؤ تاکہ تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ جاؤں کہ میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہو یہ حدیث شریف پیغمبر کے عہد کرامت عہد میں کاغذ کے وجود کا پتہ دیتی ہے اور آپ کے قول سے ان لوگوں کی رد ہو رہی ہے جو کہتے ہیں کہ آپ امی بایں معنی تھے کہ لکھ نہ سکتے تھے یہ معلوم نہیں کہ نبوی دور کا کاغذ کس شئی سے بنتا تھا تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک وہ وقت تھا جب دھات کی تختیوں پر اور درخت کی پتوں پر،

جانوروں کی جلد (کھال) پر قلم چلتے تھے، جوں جوں اہل دنیا میدان ترقی میں گامزن ہوئے کتابت کو ترقی ہوتی گئی اور حسن خط روز افزوں ہوا گلزار، غبار، ماہی طغرا قوام ایجاد ہوئے ماہرین فن نے جدت طرازیوں کو معراج کمال پر پہونچا دیا چونکہ قدر دانوں سے ہر دور چھلک رہا ہے اسلئے خوشنویسوں کی بڑی عزت ہوتی تھی اور صاحبان ثروت ایک ایک حرف کی قیمت میں اشرفیوں کو بھی کم سمجھتے تھے اہل قلم کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کرتے تھے اور انکے شایان شان لمبے چوڑے خطابات دیے کسی کو یاقوت رقم کوئی زمرد رقم ہوا محمد بن علی بن حسن بن عبداللہ نے جو دنیا میں ابن مقلہ کے نام سے مشہور ہوا اپنے حسن خط سے اتنا وقار پیدا کیا کہ مقتدر باللہ نے عہدہ وزارت پر ممتاز کیا اور قاہر باللہ کے دور حکومت تک منصب وزارت پر متمکن رہا حتیٰ کہ کسی خطا پر بادشاہ نے اسکا داہنا ہاتھ قطع کر ڈالا تاکہ پھر کبھی اپنے کمال کتابت کے جوہر نہ دکھا سکے درحقیقت یہ سزا گردن زدنی سے بھی زیادہ سنگین تھی۔ مگر ابن مقلہ نے پھر بھی اپنے کمال میں چار چاند لگا دیے۔ ابن عمرو وردی مشہور مورخ نے اسکے حالات میں لکھا ہے کہ کان یربط القلم علی عضدہ ویکتب وہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے قلم کو داب کر لکھتا تھا اور خوش نویسی کے جوہر دکھاتا تھا (ملاحظہ ہو تاریخ ابن وردی)

اہل تحقیق میں اختلاف ہے کہ آیا سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے لکھنا سکھایا یا حضرت ادریس نبی نے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ فن تحریر کو رواج حضرت ادریس ہی نے دیا۔

یہ ناقابل انکار ہے کہ جتنے علوم دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان کا سرچشمہ محمدؐ وآل محمدؐ تھے اور ہر فن میں کمال رکھنے والے اپنا انتساب انھیں مقدس ذوات کی طرف فخر سمجھتے تھے چنانچہ علم الکتابت کو بھی دنیا نے خاندان رسالت سے سیکھا ممکن ہے کہ بعض تنگ نظر عنوان بالا کو دیکھکر کہیں کہ "حسن خط" کوئی خاص شرف نہیں اور علم الکتابت پر روشنی ڈالنے کا نتیجہ کیا ہے؟

مگر جس وقت وہ تقطیع لکھتے وقت حسنین علیہم السلام کے افتخار کو تاریخوں میں دیکھیں گے تو ضرور ثابت ہوگا کہ پیغمبرؐ کی آغوش کے پالے کچھ تو شرف سمجھے جب قلم اُٹھایا اور فیصلہ کارخانہ قدرت سے معصومٔ عالم کے گردن بندکی تقسیم کی صورت میں ظاہر ہوا۔

حسن کتابت پر افتخار

امام حسن عسکری علیہ السلام جو سلسلہ عصمت کی گیارہویں فرد تھے۔ بکمال افتخار اس شرف پر نازاں ہیں اپنے کلمات میں فرماتے ہیں:-

قد صعدنا ذری الحقائق باقدام النبوة والولایة ونورنا سبع طبقات بالهدٰی

فنحن غیوث الندی وفینا السیف والقلم فی العاجل ولواء الحمد والعلم فی الاجل
(بشارت الشیعہ)

(حاصل) ہم اقدام نبوت وولایت سے حقیقت کی چوٹی تک پہونچے اور ہفت طبق کو ہدایت سے روشن کیا ہم ہیں ابر جود وکرم ہم ہی میں سیف وقلم ہے اور قیامت کے دن لوا الحمد کے حامل ہونگے آج ہم ابو الحسن ارواحنا فداہ کے انداز تحریر پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں اور ارباب مناقب کی اس تقصیر پر افسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے اگر عنوان کتابت قائم کیا تو صرف یہ لکھکر اس باب کو ختم کر دیا

کتابت کے فوائد وہ حضرت فرماتے تھے علموا اولادکم الکتابت فان فی الکتابت همم الملوک والسلاطین اپنی اولاد کو لکھنا سکھاؤ اسلئے کہ کتابت میں بادشاہوں تاجداروں کی توجہ مبذول ہوتی ہے۔ اور دوسرا ارشاد حضرت کا یہ بھی بیان کیا ہے کہ علیکم بحسن الخط فانہ من مفاتیح الرزق خوش خطی سیکھو اسلئے کہ وہ رزق کی کنجیوں میں سے ہے۔

(ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب)

اگرچہ ان ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرت علم الخط میں درجہ کمال پر فائز تھے لیکن ہمیں **حضرت علیؑ کے اختراعات** سے بھی بحث کرنا ہے ارباب قلم میں یہ مسئلہ اپنی جگہ پر طے ہے کہ خط کوفی جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ایجاد ہے:۔ اس تحریر کے کتبہ جہاں بھی نظر آئیں سمجھ لینا چاہیئے کہ رسم الخط علی کا ہے۔

کیا سیدۃ النساء العالمین لکھتی تھیں مسئلہ تعلیم نسواں اپنی جگہ اسقدر مبسوط بحث ہے کہ ہم اس کو نئی روشنی والوں کے سامنے چھیڑنا نہیں چاہتے مگر عقائد کی اصلاح اور آئین مذہب کی تعلیم تو ایسی ضروری ہے کہ جس سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ اب رہا یہ عورتوں کو لکھنا سکھانا چاہیئے اس کی بابت ہم صرف اسقدر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر خدا کی وفات کے بعد جب بنت رسول فراق پدر میں روتی تھیں اور فرشتہ تسکین خاطر کے لئے مستقبل کی باتیں بیان کرتا تھا تو معصومۂ عالم ان خبروں کو حضرت علیؑ سے لکھواتی تھیں اور مصحف فاطمہ کے کاتب مولانا علی ابن ابی طالب تھے۔

حضرت علیؑ کی کتابت اور ملائکہ کا مظاہرۂ مسرت یہی عنوان روح کلام ہے اور وہ شرف ہے جو جناب امیر علیہ السلام کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہیں ہوا۔ یوں تو بارگاہ رسالت سے کتابت کا عہدہ مختلف لوگوں کو تفویض تھا مگر صلحنامہ حدیبیہ کے کاتب جناب امیرؑ تھے۔

ابن عباس اس شرف پر فخر کرتے تھے کہ ان کاتب الکتاب یوم الحدیبیۃ علیؑ بن ابی طالب

(مناقب آل ابی طالب)
(ترجمہ) بیشک حدیبیہ کے دن صلحنامہ کو علی ہی نے لکھا۔ دنیا میں بہت سے صلحنامے ہوئے اور کاتب کا نام پردۂ خفا میں رہا مگر یہ تحریر کچھ اسقدر دلکش اور اہتمام بالشان تھی کہ ابن عباس کے دل سے اس کی یاد محو نہ ہوئی مگر خاندان رسالت کے ناعاقبت اندیش دشمنوں نے اس خصوصیت پر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش، زہری سے پوچھا گیا کہ صلح نامہ حدیبیہ کس نے لکھا فضحک وقال ھو علی بن ابیطالب ولو سالت ھؤلاء یعنی بنی امیہ لقالوا ھو عثمان (ریاض النضرۃ)
زہری نے ہنسکر کہا اسکے لکھنے والے تو حضرت علیؑ تھے۔ اور اگر بنی امیہ سے پوچھو گے تو عثمان کا نام بتائینگے۔" یہ اقتباس سواد اعظم اسلام کی مستند کتاب کا ہے۔ اس سے مسلمانوں کے رشک و حسد کا پتہ چلتا ہے کہ وہ فضائل علیؑ کو دیگر صحابہ کے سر منڈھتے تھے۔
اس کتابت کی نوعیت بھی جداگانہ تھی دنیا کے بہتر سے بہتر خوشنویس اپنی تحریروں سے اہل دنیا کو مداح بنا سکتے ہیں۔ لیکن اس کتابت کی تعریف عالم بالا کے رہنے والوں نے کی اس وقت جبکہ ید اللہ کے ہاتھ کا قلم رکا اور صلحنامہ مکمل ہوا تو پیغمبر نے فرمایا
یاعلی ماکتبت حرفا الا و جبرئیل ینظر الیک و یفرح ویستبشر بک (مناقب آل ابیطالب)
(ترجمہ) اے علیؑ۔ تم نے ایک بھی حرف ایسا نہیں لکھا کہ جبرئیل نے تمہاری طرف دیکھا ہو۔ اور خوش ہو کر تمہیں مبارک باد نہ دی ہو۔

بادی النظر میں تو جبرئیل ایسے خادم دیرینہ کی صدائے تبریک تھی مگر جب اسکے اعداد و شمار کے غیر محدود ہونے کا تصور ہوتا ہے تو مرتبہ کی جلالت کی قدر ہوتی ہے اگر کوئی شخص ایک معمولی خط لکھنے بیٹھے اور خط تمام کرکے حرفوں کے شمار کرنے کی زحمت گوارا کرے تو ایک مختصر تحریر میں صدہا حروف آجائیں گے صلحنامہ حدیبیہ معمولی خط کی عبارت سے کہیں زیادہ تھا۔ جسکے ہر حرف پر روح الامین نے مبارکباد دی کسقدر قدر شناس تھا وہ ثناخوان جو تحریر کی مجموعی تعریف کو ناکافی سمجھکر ہر حرف پر داد دینے کی ضرورت محسوس کرتا تھا، اور کثرت تہنیت سے نہ گھبرایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی ولی کا قبضہ سیف و قلم دونوں پر تھا۔ اگر ہاتھ میں قلم آگیا تو ملائکہ ثناء و صفت کے لئے آسمان سے اتر پڑے۔ اور اگر تلوار قبضہ میں آگئی تو لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار کی صدا بلند کرنے میں عذر نہ ہوا۔

قرآن اور امیر المومنین کا علم الکتابت جب ہم پیغمبر کے اقوال سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ کا انداز تحریر ممتاز تھا تو اب قرآن سے کسی شاہد کے پیش کرنیکی ضرورت نہیں اسلئے کہ رسولؐ کی کوئی گفتگو ایسی نہیں

جو جی: الہام کا خلعت نہ پہنے ہوتا ہم اس موضوع پر قرآن ساکت نہیں ہے اور ارشاد ہوتا ہے ن والقلم وما یسطرون۔ ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ قرآن میں قلم سے مراد علی کا قلم ہے جسکی خدا نے قسم کھائی ہے بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ اس آیت میں خود علی ابن ابیطالبؑ قلم ہیں، اور یہ بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ ہم محمد بن فضیل کے شرمندۂ احسان ہیں جنھوں نے امام موسیٰ کاظمؑ سے آیت کی تفسیر پوچھکر مطلب صاف کر دیا اور حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ن سے مراد پیغمبرؐ اور قلم سے مراد وصی پیغمبر ہے۔ وسمی امیر المومنین بالقلم لما فی القلم من المنافع للخلق وھو احد لسان الانسان یودی عنہ مافی جنانہ وبہ یحفظ احکام الدین وکذالک امیر المومنین۔ (تاویل الآیات)

(حاصل مضمون) اور امیر المومنین کا نام قلم اس لئے ہوا کہ قلم میں فوائد ہیں وہ ایک زبان ہے انسان کی جسکے ذریعہ سے ضمیر کی ترجمانی کیجاتی ہے اور اسکے سبب سے دینی احکام محفوظ ہوتے ہیں یہی شان علی بھی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ قرآن مجید کی آیات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کلام معجز میں رب العزت نے یہ مذاق اختیار کیا ہے کہ جسکو جس صفت میں اعلیٰ پیمانہ پر پایا اسکو بجائے اس وصف سے موصوف کرنیکے خود صفت سے تعبیر کر دیا قرآن مجید میں اسکی نظیریں کثرت سے ہیں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے :۔

حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان (حجرات)

اس آیت میں ایمان سے مراد مومنین کی فرد اکمل اور کفر و فسوق و عصیان سے سر برآوردہ دشمنان دین مقصود ہیں۔ اور اسی مذاق قدرت کا لحاظ کرتے ہوئے باتفاق فریقین مرسل نے جنگ احزاب میں جناب امیر المومنین کی شان میں فرمایا ہے برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ یہاں مجسمہ ایمان علی اور پیکر کفر عمرو ابن عبدود ہے ممکن ہے کہ رب العزت نے آپ کو قلم سے اس لئے تعبیر کیا ہو کہ آپ حسن خط میں اپنی آپ نظیر تھے تو بجائے وصف کتابت سے موصوف کرنیکے خود قلم کا خطاب دیا۔

قرآن مجید کے استعارات پر بلاغت ختم ہے اور جو لفظ اس لاثانی کتاب میں ہے وہ اپنے وسعت دامن کی انتہا نہیں رکھتا قلم کہنے میں ایک نہ باب منقبت وا ہوا جو دیکھنے کے لائق ہے۔ تھوڑا غور و تامل کرنیکے بعد ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ قلم سے تحریری خدمات یوں بھی انجام دیے جاتے ہیں کہ لکھنے کے ساتھ غیر صحیح اور غلط عبارتیں محو کر کے قلمزد کر دی جاتی ہیں اور بے جا نقش و نگار کو قلم سے کاٹ دیتے ہیں یہ خاص خدمت اس قلم سے صفوۂ کعبہ پر لیگئی کہ جب فاطمہ بنت اسد طواف کعبہ کو آتی تھیں تو جنین کی ہیبت سے کعبہ کے بت گر گرتے تھے اور خانۂ خدا کا ورق سادہ ہونا شروع ہوتا تھا منی کے بتوں نے گرا کر دیا تھا تو جدار کعبہ نے شق ہو کر بوتراب کو اپنی اطاعت کا اثر دکھایا اور بنت اسد خدائی مہمان خانہ میں نئے دروازہ سے

داخل ہوئیں۔ علی کعبہ کی چار دیواری میں اسلئے پیدا ہوئے کہ کلہ اژدر چیر ڈالنے والے دست بازو کو کسی کی نظر بد نہ لگے پیدا ہوتے ہی تھوڑے وقت میں صحف آدم اور توریت و انجیل و زبور و قرآن پڑھے لوگ اس اعجاز کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ نو سو واس فصاحت کے ساتھ آسمانی کتابیں پڑھے کسقدر تعجب کی بات ہے، ہم کہتے ہیں کہ تمام آسمانی صحیفوں کا پڑھنا ایک محدود وقت میں آج اگر تسلیم کر لیا گیا تو پھر معراج سے بھی کسی کو انکار نہ ہوگا نظام قدرت اہل عالم کو عادی کر رہا ہے کہ جب علیؑ وقت ولادت تمام صحف انبیاء پڑھ سکتے ہیں تو نبی آسمانوں کی سیر کر کے اسقدر جلد واپس ہو سکیں گے کہ فرش خواب پر جسم کی حدت کا اثر تک موجود ہوگا اور زنجیر در متحرک ہو گی۔

اچھا ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ توریت و انجیل و زبور آپ کی ولادت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں مگر قرآن ابھی لوح محفوظ میں تھا اسکو کیونکر علی پڑھ سکے ؟

یہ سبب ہے کہ جب علیؑ قلم تھے تو ممکن ہے کہ اسی قلم سے لوح محفوظ پر قرآن لکھا گیا ہو پھر ان پر

علیؑ کی گورنمنٹ میں جیلخانہ کا خاتمہ

تیرہ رجب کی خوشی

حسینی پنتھ کا سیوک کلجگانند سوامی ، چرچ روڈ ، دھلی

آج دنیا میں قحط گرانی ، جنگ اور طرح طرح کی تکالیف کیوں ہیں ؟ یہ ایک اہم سوال ہر ایک دل میں اور زبان پر ہے۔

وجہ یہ ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو کام کم سے کم کرنا پڑے اور سکھ زیادہ سے زیادہ ملے انکی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ آنند لوٹنا چین کی بنسی بجانا معمولی نوجوان سینما دیکھنے ، ریڈیو سننے ، اور پارٹیوں میں شریک ہو کر رنگ رلیاں منانے اس طرح سے زندگی ختم کر دینا۔

اسکے لئے چوری کرنا۔ بزرگوں کی محنت اور تکلیف سے کمائی ہوئی دولت کو بے دردی سے خرچ کر دینا یہ سب معمولی کام ہیں۔

دیہاتوں میں کھیتوں کو خوشنما بنانا۔ شہروں میں سڑکوں اور گلیوں کو صاف رکھنا یہ کام صرف ایک خاندان کو نسلاً در نسلاً سپرد کر دینا اور اس طرح کے کام جبریہ اس خاندان سے کرا کے زندگی کو ختم کرا دینا کیونکہ وہ دوسرے کام کرنے کا حق مذہبی قانون سے نہیں رکھتا ہے۔

تلسی کی رامائن جو گھر گھر کتھائیں پڑھی جاتی ہے یہ کہتا ہے

پوجئے دپر شیل گن ہینا
شودر نہ پوجئے گن گیان پردینا

یعنی برہمن میں چاہے کوئی بھی خوبی نہ ہو تو بھی اُسکو پوجنا چاہئے۔ اور شودر چاہے جس خوبی کا ہو اعلیٰ تعلیمیافتہ گیانی بھی ہو تو بھی اسکی قدر نہ کرنا چاہیئے۔ اسکے علاوہ برہمن ہر طرح کی خدمت شودر سے لے یہانتک کہ شودر کی کمائی اور دولت کا مالک بھی برہمن ہی ہے۔

یہ رسم و رواج اور سختی کے ساتھ قانوناً مذہبی طریقہ سے صرف اسی ملک انڈیا میں ہے۔ اپنی زندگی میں اس ملک کے تمام باشندے سب مل کر کام کریں یا باری باری کریں اس کو توہین بے عزتی کرنا۔ بھوکوں مرجانا پسند کرینگے لیکن یہ کام نہیں کرینگے۔

ہر شخص یہاں کا سوراج چاہتا ہے۔ سلطنت کی آرزو دل میں ہے۔ خدا سے دعائیں کرتا ہی منتیں مانگتا ہے اور اس سلسلہ میں جیل تک جانیکو تیار ہے۔ یہ کس لئے سلطنت برائے حکومت لیکن خدمت کیواسطے نہیں اگر یہ معلوم ہوجائے کہ سلطنت تو ملے گی لیکن پھٹے پرانے کپڑے اور سونے کیواسطے اونٹ کی کھال ٹاٹ کا بوریہ استعمال کرنا ہوگا۔ اور اسی کے ساتھ غریبوں کا گھٹر سر پر لادنا ہوگا۔ کھیتوں میں بیل اور اُونٹ کے ساتھ جوتنا ہوگا۔

اسکے علاوہ اپنے رشتہ دار پڑوسیوں اور دوستوں کو خاص فائدہ پہونچا کر اپنی پارٹی بنانا جرم ہوگا ان شرطوں کے ساتھ کی سلطنت برائے خدمت کرنا ہوگی۔

اس طرح کی سلطنت "علیؑ کی گورنمنٹ" تھی جس میں کل انسان شہری و دیہاتی مل جل کر کام کرتے تھے، حضرت علیؑ تیرہ رجب کو اُس مقدس مقام میں پیدا ہوئے جو جغرافیائی حیثیت سے تمام دنیا کا بیچ رہا۔ اور ہر قوم و مذہب کا وقتاً فوقتاً معبدگاہ رہا ہے جسکو کعبہ کہتے ہیں، اس تیرہ رجب کی خوشی میں اس ملک کے پچیس کروڑ سچھوت و اچھوت (شودر) بھی شریک ہیں۔

حضرت علیؑ کے بعد آپکی بڑی اولاد حضرت امام حسنؑ نے دوسروں کو اپنی سلطنت دی کہ اسی طرح سے سلطنت کرو جیسا کہ حضرت علیؑ نے کر کے دکھایا تھا۔

لیکن جب دوسرے سلطنت کے اس بار کو نہ سنبھال سکے تو پھر اس خدائی امانت کے لئے خدا کی راہ میں تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے اپنی اور اپنے خاندان اور اپنے ساتھیوں کی جانیں تک قربان کر کے نمایاں خدمت کی ہے یہ قربانی کا راستہ حضرت علیؑ کی چھوٹی اولاد حضرت امام حسینؑ نے بتایا ہے جن کا محرم ہوتا ہے۔ جو کوئی اس راستہ پر چلے گا رہتی دنیا تک اس کا نام عزت کے ساتھ لیا جائیگا۔

علیؑ کی گورنمنٹ میں جیل خانہ اور یتیم خانہ نہیں تھا آپ نے فرمایا ہے کہ اسیر کو مثل مہمان کے رکھ کر اسکی ایسی اصلاح کرو کہ پھر وہ خطا نہ کرے اور یتیم کو مثل اولاد کے پرورش کرو۔

اب جبتک کہ علیؑ کی گورنمنٹ نہ ہوگی دنیا میں امن نہیں ہوسکتا ہے آئیے ہم آپ سب ملکر علیؑ کی گورنمنٹ قائم کریں۔ یہ تیرہ رجب کی خوشی سب کو مبارک ہو۔

جلوس سفر الحمد للہ کہ سید زوار حسین صاحب خادم العزا لکھنؤ کے زیر اہتمام جو جلوس ۲۸ رجب کو اٹھتا تھا وہ اپنی روایتی شان و شوکت سے اٹھکر درگاہ آیا اس مرتبہ مجمع اور گریہ و بکا بہت زیادہ تھا۔ رپورٹر

ضرورت رشتہ ایک علمی خاندان کے شیعہ نوجوان کیواسطے جو انٹرمیڈیٹ فائنل میں زیر تعلیم ہے ایک حسین وجمیل نا کتخدا سید زادی سے رشتہ مطلوب ہے۔ مہدی رضا محلہ پانی فتحپور

ممکن ہے کہ کوئی بے بصیرت یہ کہدے کہ بت شکنی کی صفت تو قرآن مجید کی روشنی میں حضرت علی ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت توڑنا اور کعبہ کو بھی بتوں سے پاک کرنا خود قرآن مجید ہی میں صاف لفظوں میں مذکور ہے۔ لہٰذا اس بت شکنی کی صفت کو کوئی خصوصیت تنہا حضرت علیؑ ہی کی ذات کے ساتھ تو نہیں رہجاتی۔ لہٰذا اسکے جواب میں بھی بطور دفع دخل یہ عرض کئے دیتا ہوں کہ نہیں یہ خیال تو صحیح نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت اس سے تو کچھ اور بھی زیادہ خصوصیت حضرت علی کے ساتھ بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی یقیناً بت شکن تھے اور پہلے بت شکن تھے۔ اور ہرگز ہرگز اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن یہاں تو افضلیت اور خصوصیت کی بحث صرف اس امت محمدیہ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ہو اکرتی ہے نہ کہ حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں انکا تو اس موقع پر خیال ہی کرنا قطعاً بے محل اور غیر متعلق ہے۔ مگر باوجود اسکے بھی ایک دوسری بات اور بھی تو غور کرنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر حضرت ابراہیم اور جناب امیر المومنین حضرت علی علیہما السلام کی بت شکنیوں اور تطہیر کعبہ پر انصاف کی نظر سے جائزہ لیا جاوے تو پھر اگر ایک طرف حضرت علی کی یہ خصوصیت بڑھتی ہوئی نظر آئیگی کہ دادا بھی بت شکن تھا اور پوتا بھی بت شکن ہوا۔ تو اس سے تو ایک درجہ حضرت علی کی خصوصیت کا اور بھی بالاتر ہو جائیگا۔ اور دوسری طرف یہ بھی سوچنے کے قابل ہوگا کہ دونوں بت شکنوں کی تطہیر کعبہ کا نتیجہ اور کتنا فرق ہوا۔ کس بت شکن کی صفائی اور تطہیر کعبہ بالکل مٹ کر محض عارضی اور ناپائیدار بنی اور کس کی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مستحکم اور پائدار ٹھہری۔ تو پھر یہیں سے حضرت علی کی خصوصیت کچھ اور بھی آگے ہی کو بڑھتی ہوئی نظر آنے لگے گی۔

کیونکہ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تطہیر کعبہ ہمیشہ کے لئے کامیاب نہیں رہی۔ صرف تھوڑے ہی دنوں کے لئے کعبہ بتوں سے پاک رہ سکا۔ اور پھر اسکے بعد تو وہی کعبہ انھیں حضرت ابراہیم کی نسل کے ہاتھوں ایک بڑا زبردست بتکدہ قرار پا گیا۔ کہ جسمیں پہلے وقت سے بھی کہیں زیادہ کی تعداد میں یعنی تین سو ساٹھ بتوں کو اسی کعبہ میں جمع کر دیا گیا۔ اور حضرت ابراہیم کا وہ کارنامہ جو محض تنہا انھیں کا بھی نہ تھا بلکہ حضرت اسمعیل بھی انھیں کے ساتھ شریک تھے (یعنی بتوں سے کعبہ کو پاک کرنے میں) انھیں کی اولاد کے ہاتھوں بالکل مٹ گیا۔

لیکن پوتے نے جب دادا کے اسی مٹے ہوئے کارنامہ کو ازسرنو انجام دینے کے لئے اپنے سر لیا اور رسول کے حکم سے مہر نبوت پر قدم رکھکر تطہیر کعبہ بت شکنی کیساتھ کر دی تو پھر وہ ایسی پائیدار تطہیر اور مستحکم

بت شکنی ہوگئی کہ جسکے بعد پھر کسی کو بھی اور کبھی بھی یہ جرأت ہی نہ ہو سکی کہ وہ پھر کعبہ کو بتخانہ بنا سکے، اور انشاء اللہ تا قیام قیامت اب یہ کعبہ اسی طور سے پاک و صاف بنا ہوا صرف علی ہی کے ہاتھوں کا ممنون احسان رہیگا۔

یہ بھی یاد رکھئے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تطہیر کعبہ میں ایک ایسی کمی باقی رہگئی تھی جس کا نتیجہ لازم یہی تھا کہ انکی تطہیر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کامیاب نہ رہ سکے اور اسکی توضیح نمبر ۲ میں انشاء آپ حضرات ملاحظہ فرمائینگے۔

۴۔ چوتھی خصوصیت کعبہ کو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ یہ تھی کہ جسطرح سے حضرت علی نے کعبہ سے بتوں کو توڑکر باہر نکالدیا تھا۔ اور کعبہ کو بالکل پاک اور صاف بنا دیا تھا۔ بالکل اسی طرح سے انھیں حضرت علی ہی نے بت پرستوں کو بھی کعبہ اور اسکے اطراف و جوانب سے اس طریقہ پر نکال باہر کیا تھا کہ بحکم خدا و رسول آپ نے مکہ میں پہونچکر آیات سورۂ برأت کی تبلیغ کی تھی۔ اور نہایت ہی جرأت و جسارت کے ساتھ کفار مکہ اور بت پرستوں کو خدا کا یہ حکم پہونچا دیا تھا کہ خبردار اب آئندہ سے کوئی کافر و بت پرست کعبہ کے حج کے لئے یا طواف کی غرض سے ہرگز ہرگز کعبہ کے پاس بھی نہ آوے۔ ورنہ بالآخر اسکا خون بھی بہا دیا جائیگا۔ اور مال و اسباب بھی لے لیا جائیگا۔

چنانچہ صاحب روضۃ الاحباب کے الفاظ اس واقعہ کے متعلق یہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۶ و ۱۵۷ جلد اول

"جبرئیل علیہ السلام بر حضرت نازل شد و گفت اداء رسالت و پیغام نکند الا تو۔ یا کسیکہ از تو باشد۔ آں سرور علی مرتضیٰ را کرم اللہ وجہہ بطلبید و از کیفیت واقعہ خبردار گردانید و گفت بر دار عقب ابوبکر و اوائل سورۂ برأت را از و بگیر و در موسم حج بر مردم بخواں و ایں چہار کلمہ را بر مردم برساں۔ یکے آنکہ در بہشت درنیاید مگر نفسے کہ مومن باشد۔ دوم آنکہ ہیچ عریاں طواف خانہ کعبہ نہ کند۔ سوم آنکہ بعد از امسال ہیچ مشرک حج نگزارد۔ چہارم آنکہ ہر کس از کافران کہ عہدے از خدا و رسول خدا داشتہ باشد و آں عہد موجل بود۔ بر عہد خود ثابت باشد تا انقضائے آں مدت۔ و اگر عہدے نداشتہ باشد۔ یا اصلاً عہدے موقت نبود۔ وے تا مدت چہار ماہ در امان باشد و بعد ازاں اگر مسلمان نشود مال و خون وے ہدر بود۔ و ناقہ خاصہ خود را کہ عضباء نام داشت بعلی داد تا براں سوار شود"

جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہو کر کہا۔ کہ خدا کی رسالت اور پیغام کو کوئی دوسرا شخص نہیں پہونچا سکتا۔ یا تو آپ خود پہونچائیں یا وہ شخص پہونچاوے جو آپ ہی سے ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بلا کر اس واقعہ کی اطلاع دی اور یہ کہا کہ (ابوبکر گئے ہوئے ہیں) تم انکے

پیچھے فوراً چلے جاؤ اور سورۂ برأت کی ابتدائی آیتوں کو تم خود اُن سے لے لو۔ اور حج کے موقع پر ان آیتوں کو پڑھکر لوگوں کو سُنا دینا۔ اور یہ چار باتیں بھی لوگوں تک پہونچا دینا۔
ایک تو یہ ہے کہ کوئی شخص بھی جنت میں سوائے ایمان لانیوالوں کے داخل نہیں ہوگا۔ اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص بھی خانہ کعبہ کا طواف برہنہ ہوکر ہرگز نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ اس سال کے بعد پھر کوئی بھی مشرکوں میں سے حج نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ جس کسی کافر کا بھی کوئی معاہدہ خدا و رسول سے ہو چکا ہو اور اس کی میعاد کے ختم ہونے میں ابھی تاخیر ہو۔ تو وہ اپنے اُسی عہد پر اسوقت تک قائم رہے کہ جبتک اسکے معاہدہ کی میعاد پوری نہ ہوجائے۔ اور اگر کسی سے کوئی معاہدہ نہ ہو تو پھر اسکے لئے کوئی میعاد بھی نہیں ہے بس صرف چار مہینہ کی مدت تک کے لئے اُسے امان دیجاتی ہے۔ اور بعد اس مدت کے پورے ہوجانے کے۔ اگر وہ اس مدت کے اندر مسلمان نہ ہوگیا ہو تو اسکا مال اور خون دونوں کے دونوں مباح ہوجائینگے۔ (یعنی اسکا سب مال بھی لے لیا جادیگا اور خون بھی اسکا بہادیا جادیگا) یہ ہدایتیں کرکے رسول نے اپنی خاص سواری کا ناقہ جسکا نام عضباء تھا علی کو دیکر حکم دیا کہ اسی پر سوار ہوکر چلے جاؤ"۔
اس عبارت میں سب سے پہلے یہ الفاظ ہی قابل غور ہیں کہ خدا کا پیغام جبرئیل نے رسول کو یہ دیا تھا کہ
"رسالت خدا کو سوائے آپ کے یا اُس شخص کے جو آپ ہی سے ہو کوئی دوسرا نہیں ادا کرسکتا"
اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ خدا کی رسالت ہی کا ادا کرنیوالا، رسول خدا کہلاتا ہے تو کیا اس اپنے خاص کام کے لینے کے لئے ایک ہی وقت میں خداوند عالم نے اپنے ہی حکم سے اپنے دو رسول بنا دیئے تھے ایک عام اور ایک خاص، یعنی ایک تو خود ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور دوسرا وہ جو رسول سے ہوا اور مخصوص اس کار رسالت کو انجام دے یعنی علی مرتضیٰ علیہ السلام۔ معاذ اللہ اسے تو کوئی ایک مسلمان بھی کسی طرح سے تسلیم ہی نہیں کرسکتا ہے۔ اور نہ واقعاً ایسا ہو سکنا بھی ممکن ہی ٹھہر سکتا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ خداوند عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخصوص ذات گرامی پر عہدہ اور سلسلہ رسالت کو حتمی طور سے ختم کردیا تھا جنکے ساتھ یا بعد پھر کوئی بھی دوسرا رسول ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ تو پھر اس امر کے مسلم ہونے کے بعد اس قول خدا کے بموجب اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام کی حیثیت یعنی اس تبلیغ خاص میں خدا کیطرف سے کیا ٹھہرتی ہے؟
مسلمانو! ذرا سوچو اور عقل و انصاف سے جواب دو۔ عقل کے نزدیک تو لامحالہ یہی ماننا پڑیگا کہ اس حکم کے ذریعہ سے خود خدا اور اُسکے رسول نے رسالت کے محض خاص امور کی تبلیغ کے لئے حضرت علی علیہ السلام کو رسول کا صرف نائب اور بعد اسوقت سے قرار دیدیا تھا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے امت رسول کو یہ ایک معیار استحقاق خلافت بناکر سمجھا دیا تھا کہ دیکھو یاد رکھنا ہمارے رسول کی نیابت اور جانشینی

صرف وہی کرسکتا ہے جو رسول سے ہو بھی ورنہ کوئی بھی غیر شخص جو رسول سے نہ ہو ہرگز ہرگز اس کا اہل او رمستحق نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور خلیفہ اول کی معزولی بھی خدا و رسول ہی کیطرف سے اس موقع پر محض اسی غرض ہی سے کر دی گئی تھی کہ خدا و رسول کے شرعی احکام کی تبلیغ و اشاعت کا ایسا شخص ہرگز ہرگز نہیں کر سکتا اور نہ ایسوں کو رسول کی نیابت و قائم مقامی کا منصب ہی دیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ رسول سے نہیں تھے لہذا ہمیں سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ رسول کا حقیقی نائب جانشین اور خلیفہ برحق اس خدا کے فیصلہ کے مطابق صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو رسول سے ہو۔ اور جو رسول سے نہو تو وہ پھر کسی طرح بھی خدا کے نزدیک نہ نائب رسول قرار پا سکتا ہے اور نہ خلیفہ و جانشین۔ بلکہ ایسا خلیفہ بن جانیوالا درحقیقت خدا و رسول کے اسی فرمان اور معیار کی صریح مخالفت کرنیوالا اور بلا استحقاق کے زبردستی خلیفہ بن جانے والا قرار پائے گا۔

اور دوسری بات اسی عبارت سے یہ بھی واضح ہے کہ علیؑ ہی کی ذات وہ ذات ہے جس نے انتہائی دلیری اور شجاعت کے ساتھ تمام اُن کافروں اور مشرکوں کے کثیر مجمع میں کہ جنکے خاندان والوں پر علیؑ کی تلوار بارہا چل چکی تھی اور تقریباً ہر ایک کے گھر میں ایک نہ ایک کو علیؑ نے قتل بھی ضرور کیا تھا مگر باوجود انکی اس دشمنی اور کینہ کے بالکل ہی بے خوف اور نڈر ہو کر آیات سورۂ برأت کی تبلیغ بھی کی اور مشرکوں کو کعبہ کے پاس تک آنے سے بھی دی ہوئی میعاد کے بعد سے قطعی طور سے روک دیا۔ اور یہ بھی کہدیا کہ میعادوں کے ختم ہو جانیکے بعد پھر اگر کوئی ایک مشرک بھی اپنے شرک پر باقی رہتے ہوئے مکہ میں پایا جاوے گا تو پھر اسکا خون بھی بلا تکلف بہا دیا جا دیگا اور اسکا سب مال بھی لے لیا جاویگا۔ یہ تھی وہ چوتھی خصوصیت جو حضرت علی کے ساتھ اس کعبہ کو رہی اور جسکے لئے خدا و رسول ہی کیطرف سے صرف علیؑ ہی کی ذات کے ساتھ خصوصیت قرار بھی دیگئی تھی۔

اب اسی کے ساتھ ہی ساتھ حسب وعدہ یہ عرض کر دینا بھی بے محل نہ ہو گا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کعبہ کی تطہیر و بت شکنی کے ناکام رہنے اور حضرت علیؑ کی بت شکنی کے کامیاب اور پائیدار ہو جانیکا اصل سبب تو یہی تھا کہ حضرت ابراہیم کی بت شکنی اور تطہیر کعبہ میں ایک کمی اور نقصان بھی باقی رہگیا تھا جسکی وجہ سے اُنکی تطہیر و بت شکنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کامیاب نہ بن سکی تھی کیونکہ حضرت ابراہیم نے تطہیر کعبہ تو ضرور کی تھی مگر بت پرستوں کو وہ جناب کعبہ اور مکہ سے باہر

کر کے نکال نہ سکے تھے کہ جنکی بدولت اُنکی تطہیر کعبہ بالمدار اور مستحکم بھی نہ رہ سکی۔ اور انھیں بت پرستوں نے پھر کعبہ پر قبضہ کر کے اُسے اپنا بتکدہ بنالیا۔ اور حضرت علی نے اپنی اسی بت شکنی اور تطہیر کعبہ کے ساتھ ہی ساتھ تمام بت پرستوں کو بھی کعبہ کے پاس تک بھی آنے ہی سے قطعی طور سے روک دیا تھا اور یہ صاف طور سے اور کھلے ہوئے لفظوں میں بتلادیا تھا کہ اگر کسی نے بھی وہاں آنے کا یا بعد معیاد رہنے کا ارادہ بھی کیا تو پھر اسکا خون بلاتکلف بہادیا جاوے گا۔ یہی وہ ڈر اور خوف تھا جو مشرکوں کے دلوں میں علیؑ کی شجاعت اور قتال تلوار کی بدولت ایسا بیٹھ گیا تھا کہ پھر کسی کی بھی جرأت کعبہ کے قریب آنیکی نہ پڑ سکتی تھی۔ چہ جائیکہ بتوں کا کعبہ میں پھر سے رکھ دینا۔ یہ تو قطعی طور سے ناممکن اور محال ہو گیا تھا بالخصوص جبکہ کعبہ کے تمام اطراف و جوانب بھی اسی خوف و دہشت سے تمام بت پرستوں سے خالی ہو گئے تھے۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء من عبادہ۔

رجب کی مجلسیں

محافل رجب کی رپورٹ ایک مقامی نامہ نگار کے قلم سے کسی دوسرے مقام پر درج ہے۔ مجالس عزا میں سب سے پہلے وہ مجالس قابل ذکر ہیں جو خاندان اجتہاد لکھنؤ کے بانیان کیطرف سے قدیم و جدید مجالس کی صورت میں منعقد ہوئیں مقصد کی اہمیت کے لحاظ سے اس صدا پر پوری قوم ہم آواز ہے لیکن زمانہ کی گوناگوں مشکلات موسم کی سختی، قوم کی اقتصادی کمزوری اور دیگر موانع نے اس تحریک کو جیسا دل چاہتا تھا اسقدر فروغ ہونے نہیں دیا پھر بھی دونوں محترم جماعتوں کیطرف سے جو مجالس ہوئیں وہ عصر حاضر کیحالت کو دیکھتے ہوئے کامیاب ہی مجالس کہی جا سکتی ہیں۔ ۲۴ لغایت ۲۷ مرثیہ خوانی کی مجلسیں بھی خیر خوبی سے ہوئیں جناب مہذب، فائز اور مرزا رفیع، حضرت قمر، نسیم امروہوی نے شاعری کے کمالات کا خوب خوب مظاہرہ کیا اور خراج تحسین و آفرین حاصل کیا، مداح آل پیغمبر حضرت قمر کا مرثیہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہترین کلام تھا اس مرثیہ میں واقعہ کربلا کی تاریخی حیثیت، قرآنی تعلیم، لطف زبان، شان عصمت مرثیت سب ہی کچھ تھا حاضرین (جس میں ہر طبقہ کے لوگ تھے) نے کافی داد دی اور مجلس نہایت کامیاب ہوئی۔

محسن قوم کو صدمہ

ہمکو یہ دریافت کر کے انتہائی افسوس ہوا کہ جناب حاجی محمد جعفر صاحب دام اقبالہ شریف دیوجی سکریٹری شعبہ تبلیغ مدرسۃ الواعظین افریقہ (جن سے دنیائے تشیع اچھی طرح واقف ہے) کی والدہ محترمہ نے انتقال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون، اولاد کے لئے ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھنا انتہائی رنج اور ملال کا باعث ہے ہمکو اس صدمہ میں آپ سے دلی ہمدردی ہے خداوند عالم حاجی صاحب موصوف کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو غریق رحمت کرے قارئین کرام سورہ حمد پڑھکر مغفورہ کی روح کو شاد کریں

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق وآداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات وہدایات
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ ونقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیمہ وجدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام وازالۂ شبہات
(۱۲) اکتشافات جدیدہ وحقائق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوا کریگا۔
۲۔ ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳۔ نمونہ کا پرچہ ۴؍ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہو سکتا ہے
۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵۔ اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط وکتابت طے ہو سکتی ہے
(۶) علمی معاملات کے متعلق خط وکتابت وارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
(۷) شرح قیمت رؤسا، ووالیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ غربا و طلبا سے بشرط تصدیق عگر

پتہ دفتر الواعظ، مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہو سکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیے، اڈیٹر کو تغیر وتبدل کا اختیار ہوگا۔
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

مؤید العلوم مدرسۃ الواعظین کی قابل قدر کتابیں

...ام علیکم۔ اس زمانۂ پرآشوب میں لامذہبیت کی تیز و تند ہوائیں ... کو متزلزل
...ملئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بنیادوں پر مثل سابق مضبوط و مستحکم کرنے کی ... سے دیکھے
...ں جو رہوں سوقت آپکے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ دنیا کے مختلف مذاہب ...
...یک جلد ضرور طلب فرمائیں اداره آپ کے حکم کی شکریہ کیساتھ تعمیل کرے گا۔

ابن مؤید العلوم مدرسۃ الواعظین

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
		النبوۃ والخلافۃ	۴ر	مناظرہ معاد و تناسخ	۱/۶	کشف حقیقت	۴ر
ترجمہ قرآن مجید حصہ اول		انسانی قربانی	۳ر	الاعجاز	۱/۶	در تصوف	
غیر مجلد عہ مجلد	عہ	اعجاز القرآن	۵ر	فلسفۃ المذاہب	۱/۶	اسلامی بچوں کی	
ترجمہ قرآن مجید حصہ		حقوق نسواں		النبی	۱/۶	پہلی کتاب	۱/۶
دوم مجلد	عہ	اور اسلام	۶ر	خصوصیات اسلام	۱ر	قرآن السعدین	۴ر
صحیفہ کاملہ حصہ		تحقیق البداء	۶ر	اسلام و جہاد	۳ر	شان صبر	۶ر
اول مجلد	عہ	راز شہادت	۲ر	قرآن اور بائبل	۲ر		
صحیفہ کاملہ حصہ دوم مجلد	عہ	القول الجمیل فی		رد الاباطیل	۱/۶		
المودۃ القربیٰ غیر مجلد	عہ	التوراۃ والانجیل	۸ر	رسالہ متعہ	۱/۶		
دی پرافٹ اینڈ خلافت	۸ر	اسلام اور رواداری	۱/۶	سرادق عفت	۴ر		
اسلام اِز یونی اینڈ ٹرتھ	عہ	کربلا کا مجاہد	۱/۶	شریعت الاسلام		حقیقت سادات	۶ر
یونٹی آف گاڈ	۲ر	مولود حرم	۱/۶	حصہ اول	۳ر	فریاد مسلمانان عالم	۳ر
اسلام ان دی لائٹ آف شیعزم	۱۲ر			شریعت الاسلام		تجلیات تاریخ اردو	للعہ
اپن اینڈ بل کنگ	۲ر	تعلیم اسلام	۲ر	حصہ دوم	۸ر	ایضاح الاشکال عربی	۴ر
ٹریجڈی آف کربلا	۱/۶	ید بیضا در تحقیق		شریعت الاسلام		ارشاد مفید	عہ
پیرپس	۲ر	مثیل موسیٰ	۶ر	ضمیمہ حصہ دوم	۳ر	محیط الدائرہ	عہ
اسلام ان دس	۲ر	قرآن و قصاص کی تعلیم	۸ر	کارنامہ محرم	۳ر	نصر المومنین فارسی	۱۲ر
نماز	۲ر	تنقید امت وید	۲ر	اسلامی صحیفہ	۴ر	بردہ پر نظم	۵ر
عجائب الانوار جلد اول	سے	عجائب الانوار جلد سوم	۵ر	سوانح عمری حضرت مسلم بن عقیل	عہ		

بادشاہ مرزا اثر لکھنوی پرنٹر و پبلشر نے الواعظ صفدر پریس سے چھپوا کر شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۹
ماہانہ مجلۂ علمیہ



وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ

بیادگار حضرت نجم العلماء



الواعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

زیر سرپرستی — والیٔ ریاست عالیہ محمود آباد سرکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بالقابہ متولی منتظم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر نگرانی — تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مدظلہ نبیرۂ سرکار نجم العلماء مجتہد عصر و صدر شعبۂ تبلیغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

مدیر

فقیر اہلبیت سید آغا مہدی الرضوی

الواعظ صفدر پریس میں چھپ کے شائع ہوا

الواعظ

رسالہ الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کا واحد آرگن تبلیغی اور علمی مقالات کا خزانہ ہے ہندوستان کے سب سے بڑے مرکز تبلیغ دین سے ماہوار شائع ہوتا ہے اور ستائیس سال سے اپنے فرائض کو حسن وخوبی سے ادا کر رہا ہے، سیاست علویہ، علمی خیانتیں، اقوام عالم میں تبلیغ دین، تقیہ، متعہ، پردہ کی بحث، اقوام عالم میں ڈاڑھی کی حیثیت، حیات خضر حدود وذاکری، سہ روزہ عطش وغیرہ وہ معرکہ آرا علمی کارنامے ہیں جو ہندا ور بیرون ہند سے خراج تحسین وآفرین حاصل کر چکے ہیں الواعظ آجکل کے اصطلاحی مناظرہ سے بچتا ہوا انتہائی تہذیب ومتانت سے مذاہب عالم پر تنقید وتبصرہ کرتا ہے آریہ، عیسائی، قادیانی اہلحدیث وغیرہ کے مقابلہ میں اپنے مخصوص انداز سے ہر وقت احقاق حق کے لئے کمربستہ رہتا ہے۔

دین ومذہب کی اس بیکسی کے عالم میں جبکہ روز بروز دہریت کو عروج اور مذہب کا انحطاط ہو رہا ہے ضرورت ہے کہ آپ الواعظ کی صدا پر لبیک کہنے میں دریغ نہ فرمائینگے اور نہ صرف خود خریداری منظور کرینگے بلکہ اپنے احباب اور حلقۂ اثر کو دعوت دیکر نصرت وحمایت دین میں حصہ لیں گے۔

عام خریدار چار روپیہ سالانہ اور روساء وا کابر ملت پچاس روپیہ سال تک مرحمت فرماتے ہیں الواعظ کو آپ کی نظر توجہ کی بڑی ضرورت ہے۔ منیجر

اطلاع عام

خریداران الواعظ کو روانگی ڈاک کے سلسلہ مین دفتر سے وقتاً فوقتاً جو شکایات تھی۔ اس پر عرصہ سے غور ہو رہا تھا اور اب ذمہ داران ادارہ نے ادن ذرائع کا انسداد کر دیا ہے جن سے دفتری بدنظمی کا امکان تھا۔

لہذا مین امید کرتا ہون کہ اب قارئین کرام کو دفتر سے کوئی شکوہ ہ نہ ہوگا۔

الواعظ

جلد ۲۷ | بابت ماہ اگست ۱۹۴۶ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ | نمبر ۸

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	فاتح خیبر	اڈیٹر	۲
۲	مدرسۃ الواعظین	تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ	۷
۳	انصار دین کا زریں سلسلہ		۸
۴	استیصال زمینداری	جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین	۹
۵	کربلائے عظیم اللہ خاں	جناب شیخ تصدق حسین صاحب ایڈووکیٹ	۱۴
۶	باب الاحادیث	جناب مولانا اختر حسین صاحب صدر بالائی فاضل متعلم مدرسۃ الواعظین	۲۰
۷	کربلائے معلیٰ کا رمضان	ماخوذ	۲۱
۸	حکیم عنتری	اکمل شاہ جاپوری	۲۴
۹	تفسیر قرآن	جناب سید علی صفدر صاحب ایم اے لکھنؤ	۲۵
۱۰	معراج	جناب سید افتخار حسین صاحب پنشنر ڈجج	۳۳
۱۱	امامباڑۂ جنت مآب	ایک فاضل کے قلم سے	۴۱
۱۲	نظم	جناب اکمل صاحب شاہجاپوری	۴۳
۱۳	مدح سید الشہداء	جناب افسر صاحب	۴۴
۱۴	شہنشاہ مجاہد	جناب رباب صاحبہ	۴۵
۱۵	نماز حاجت	اڈیٹر	؍؍
۱۶	برائے اطلاع زائرین مشہد مقدس	فرمان علی صاحب صدر انجمن امامیہ کوئٹہ	۴۶
۱۷	اشتہار	.	۴۷
۱۸	سمن	.	۴۸

الواعظ

بابت اگست ۱۹۴۶ء

فاتح خیبر

ہوا خواہان بنی امیہ کا نیا ڈھونگ

شہادت امیر المومنین کے موقع پر حدیث خیبر کی روایت

نمبر ۵

گذشتہ نمبروں میں فاتح خیبر کے عنوان سے العقیدہ امرتسر کے نامہ نگار نے جو زہر اگلا تھا اس پر نقد و تبصرہ کیا جا چکا ہے العقیدہ کے نزدیک مفاد اسلامی کی حفاظت اسی میں نظر آتی ہے کہ فضائل علی سے دل کھول کر انکار کیا جائے اور انکے لاتنا ہی مناقب کو عام نظروں میں سبک کر کے حق پوشی اور باطل پروری کا مظاہرہ ہونا ممکن ہے کہ ایسے کمزور اور نا عاقبت اندیش ہاتھوں سے ایوان منقبت کے نقش و نگار محو ہو جائیں ایک ایسے میدان جنگ کی روداد کو جسکی فتحیابی پر اسلام کی عظمت موقوف ہے حملہ کرنا ہی اسلام سوز روایہ ہے جسکو ایک سچا مسلمان ہرگز روا نہیں رکھ سکتا۔

خیبر کی جنگ میں جناب امیر المومنین علی مرتضی علیہ السلام کی وہ یادگار قربانی جس کا انکار دن کو رات کہنے کے مرادف ہے اور اہل اسلام اس جذبۂ نصرت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے یقیناً فتح خیبر وہ فضیلت ہے جسکے اجزاء کو پردۂ خفا میں رکھنے سے حق کا تعارف نہیں ہوتا اور دشمن باطل کو بھیل بھیل کے آگے بڑھاتا ہے جس کا پول کھولنا ہمارا فرض اولیں ہے قلم اٹھانے میں شرح و بسط سے کام لیا گیا صرف اسلئے کہ اعتراض تو

سہل ہے جواب بہت دشوار ہوتا ہے مطالبہ آسان ہے مطلب کی ادائیگی مشکل ہے صفحات سیاہ کرنا پڑتے ہیں اُسوقت انسان عہدہ برآ ہوتا ہے ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم (عرفی) چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

ہم شکریہ ادا کرتے ہیں کہ دشمن نے الواعظ کی تحریروں کو شربت کے گھونٹ کی طرح پیا اگر وہ حوالے صحیح نہوں جو ہم نے دیے تو کیا ہم یہ آرزو کر سکتے ہیں ؎

جنگ کردی آشتی کن زانکہ نزد عاقلاں (جامی) ایں مثل مشہور اول جنگ آخر آشتی

بات یہ ہے کہ حدیث خیبر اگر اصلی خدوخال میں پیش کردی جاتی تو معلوم نہیں کس کس خانہ ساز وقار میں ٹھیس لگتی اور تقیفہ بنی ساعدہ کی کوشش رائیگاں ہوجاتی اگر خیبر پر قلم اٹھایا تھا تو بتانا پڑے گا کہ (۱) پہلے کون علم لیکر گیا اور قلعہ فتح کیوں نہ ہوا (۲) یہ علمدار کس کی اجازت سے تھے (۳) جب جنگ سر نہوئی تو رسول نے علمدار کو بدل دیا یا فوج کو (۴) سپاہیوں نے کیا بیان دیا۔ اگر تم ان موضوعات پر قلم اٹھاتے تو دنیا دیکھ لیتی کہ حق کدھر ہے اگر ان سوالات کے جواب بھی نہ دے سکو تو اتنا بتاؤ کہ دشمن کو پیٹھ دکھانا اور فرار کے ناقابل تلافی گناہ کا مجرم کون ہے؟ اور فاتح کون ذرا اسکا فیصلہ کرو کہ بہادر کی طرف دل کھنچتا ہے یا بزدل کیطرف ؎

مجھے تو ہے منظور۔ مجنوں کو لیلیٰ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

دول متحاربہ کا قانون ہے کہ صف جنگ سے ہٹنے والے کو شوٹ کردو یہ مذہب اسلام کی وسعت خیال ہے کہ فرار کی سزا کو عقبیٰ پر اٹھا رکھا اور بھاگنے والوں کو مقاطعہ سے بچایا البتہ تمہارے ہیرو کی لائف میں کوئی حسین پہلو ہے تو اسقدر کہ جب دو آدمی لڑتے ہیں اور ایک بھاگ جاتا ہے تو بھگّا پھر منہ نہیں کرتا اور مغلوب ہو کر فاتح کو پہچانتا ہے۔

عمر بن خطاب نے دودن کی شکست کے بعد پھر ہمت کر کے لباس حرب زیب جسم کیا اور بڑے شدومد سے ظاہر کیا کہ انسان کو آخر تک ہمت نہ ہارنا چاہیئے، دودن اُس رزمگاہ سے شکست اٹھا کر بھی پیرانہ سالی میں اُنکے دلولہ کا یہ حال تھا کہ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:-

"اکابر صحابہ علم نبوی کی امید میں بڑے سروسامان سے ہتھیار سج سج کے آئے ان میں حضرت عمر بھی تھے اور اُن کا خود بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کے سوا علمبرداری اور افسری کی آرزو نہیں کی لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علیؑ کے لئے اٹھا رکھا تھا چنانچہ آنحضرت نے کسی طرف نہیں کی اور حضرت علیؑ کو بلا کر علم اُنکو عنایت کیا۔ (الفاروق ص۱۴۷ چھاپہ دہلی ۱۹۲۶ء)

نویں صفت پیغمبرؐ کے ہاتھ سے علم پانا

معلوم ہوتاہے کہ جن ہاتھوں پر جنگ ختم ہونیوالی تھی پیغمبر انھیں کو ڈھونڈھتے تھے اور یہ گوارہ نہ تھاکہ علم اسلام کو مزید ہزیمت اٹھانا پڑے خیبر کے دن پیغمبر خدا کے وعدہ کے بعد علم کا ملنا وہ خاص منصب تھا جسکی آرزو میں تمام صحابہ تھے مگر علم فاتح کے ہاتھ میں آیا اور شکست خوردہ منھ دیکھ کر رہ گئے صحاح ستہ میں بھی یہ تصویر موجود ہے کہ سرور کائنات صلعم نے علم علیؑ مرتضیٰ کو دیا: -

فاعطاه الراية فقال علي يارسول الله اقاتلهم حتىٰ يكونوا مثلنا قال ادعهم الى الاسلام واخبرهم بما هو يجب عليهم من حق الله . (صحیح مسلم جلد دوم ۲۷۹ چھاپہ نولکشور)

پس پیغمبر خدا نے علیؑ کو نشان لشکر دیا اور (حضرت) علیؑ نے کہاکہ اے خدا کے رسول میں اسقدر لڑوں کہ دشمنوں کو اپنا ایسا بنادوں فرمایا ہاں اسلام کی طرف دعوت دو اور بندوں پر خدا کے جو حقوق واجب ہیں انکو بتاؤ۔

شبلی نعمانی نے جو ٹھاٹھ علم لینے والوں کے لکھے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ پیغمبر خدا کے ہاتھ سے علم آج بھی لے گا جو ہر کہ ومہ حدیث خیبر کا جامہ زیب ہونیکے لئے آمادہ نبرد ہے پھر جب رسول کے ہاتھ سے علم آج اور صرف آج ملنے والا ہے تو قبل ازیں علمداری کوئی فضیلت نہ رہی اور اگر پہلے بھی رسول کے ہاتھ سے علم مل چکا ہوتا تو آج امیدوار بننے کی کوئی ضرورت نہ تھی ان احتمالات کو یقین کے درجہ تک اُن حقیقت فروز بیانات نے پہونچادیا ہے جنھیں واقعہ نگار نے تصریح کی ہے کہ پیغمبر خدا کو درد شقیقہ کا مرض تھا اور جب اس درد کا دورہ ہوتا تھا تو آپ دو دو تین تین دن تک گھر سے برآمد نہ ہوتے تھے خیبر میں مسلمانوں کی بدقسمتی سے مزاج نبوی ناساز ہوا فلم یخرج الی الناس (سیرت ابن ہشام ومناقب خطب وغیرہ) آپ خیمہ سے برآمد ہی نہیں ہوئے تو علم کون دیتا رسول عربی کے پس غیبت جس نے چاہا علم حاصل کیا اور از خود لڑنے لگا کوئی روحانیت تو کارفرما نہ تھی اسلئے جس ولولہ سے گیا تھا اسی جوش سے بخوف جان واپس بھی ہوا۔

دسویں صفت مرض سے بے پرواہ ہونا

عام مسلمانوں کا تو یہ حال ہے کہ ذراسی بات کو بڑھاکر افسانہ کردیتے ہیں، ایک مشہور صحابی جنگ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں پیغمبر کی لے پالک رقیہ کی تیمارداری میں مصروف تھا یہ خوش لیکن علیؑ خود بیمار ہیں تیماردار سے بیمار کا درجہ سخت ہے قرآن نے بیمار کو جہاد سے مستثنیٰ کیا ہے اور حالت یہ ہے کہ مسلم بن اکوع کا بیان ہے جئت به اقوده دهوار۔ میں علیؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے انکو کھینچتا ہوا لایا علیؑ کو پیغمبر کے دست شفا پر ایسا کامل تھا اسلئے یہ سمجھ کر چلے تھے کہ میں اچھا ہو کر رہوں گا۔

گیارھویں صفت شوق جنگ دوسرے لوگ شکست اُٹھا کر دوڑتے ہوئے واپس ہوئے تھے تو آپ جنگ کے اشتیاق اور سرفروشی کے ذوق میں دوڑتے ہوئے گئے سیرت ابن اسحاق کا فقرہ میں کبھی نہ بھولوں گا فخرج واللّٰہ یھرول ھرول خدا کی قسم علی علم لیکر دوڑتے ہوئے میدان جنگ کی سمت گئے سچ میں ہرولہ ہے مگر جہاد میں ہرولہ آپ نے کیا آفریں اس ولولہ پر۔

بارھویں صفت موسیٰ کی پیشینگوئی ہے جب یہودی نے بالائے قلعہ سے پوچھا کہ تم کون ہو اور آپ نے اپنا نام بتایا تو سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ اس نے کہا علوتم ما نزل علی موسیٰ تمہیں غالب ہو گے خدا نے موسیٰ بن عمران سے جھوٹ نہیں کہا۔ کیا یہ مخصوص فضیلت بھی نظرانداز کرنے کے لائق تھی۔

تیرھویں صفت ملائکہ کا جھرمٹ کفر و شرک کے ماحول میں رہنے والے جن کی رجس و آلام میں تربیت ہوئی وہ اور رہیں اور بزم قدس کے بیٹھنے والے اور ہیں انکی نقل و حرکت پر ملائکہ مصلائے فلک چھوڑ کر زمین پر اُتر پڑتے ہیں اور اُنکی نگاہ میں آسمان سے برتر وہ زمین نظر آتی ہے جس پر یہ فلک رسا نفوس تشریف رکھتے ہیں بھلے جانیوالے چند مسلمانوں کو لیکر میدان میں آئے تھے اور شاہ مرداں کی فوج میں عصمت پوش ملائکہ ہیں، امرتسری نامہ نگار کی اتنی نظر کہاں جو امام نسائی کے بیان پر توجہ ہو صبیرہ میں مریم ناقل ہے کہ خرج الینا الحسن بن علی علیہ السلام وعلیہ عمامۃ سوداء حین قتل علی جب جناب امیر شہید ہوگئے اور حسن مجتبیٰ سے ہم سے پہلی ملاقات ہوئی تو انکو اس شان سے دیکھا کہ سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا، لقد کان فیکم بالامس رجل ما سبقہ الاولون ولا یدرکہ الآخرون وان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحب اللّٰہ ورسولہ و یحبہ اللّٰہ ورسولہ یقاتل جبرئیل عن یمینہ ومیکائیل عن یسارہ ثم قال لا یرد الرایۃ حتی یفتح اللّٰہ علیہ۔

(ایہا الناس) کل تک تم میں وہ شخص موجود تھا جس پر اگلے لوگوں میں نہ کوئی سبقت لیگیا اور نہ آنیوالی نسلیں اُسکے بلند و بالا مرتبہ تک پہونچ سکتی ہیں اُسکی شان میں رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ کل میں علم ایسے شخص کو دونگا جو خدا اور اُسکے رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اسکو دوست رکھتے ہیں جبرئیل اُسکی داہنی طرف اور میکائیل بائیں جانب لڑتے ہونگے وہ علم کو واپس نہ لائے گا جبتک کہ

انصار دین کا زرّیں سلسلہ

جملہ اہل اسلام اور حقیقی تبلیغ اسلام کے شائقین میں یہ خبر نہایت مسرت سے سُنی جائے گی کہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے تبلیغی مرکز **مدرستہ الواعظین لکھنؤ** کی عظیم الشان خدمات پر نظر کرتے ہوئے کارکنان ادارہ نے مدرسہ کیلئے **سرمایہ مستقل** جمع کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور عنقریب اس اہم مقصد کیلئے کام شروع کیا جارہا ہے اور یہ طے پایا ہے کہ جو رقم سرمایۂ مستقل کے نام سے جمع ہو صرف **اُسکے منافع کے** صرف کرنے کا حق مدرسہ کو ہوگا، اصل رقم کا تصرف کسی وقت جائز نہوگا، بنابریں چند پرجوش افراد قوم نے عوام کی سہولت کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ادارۂ عالیہ کیلئے **ہر مومن اپنے گھر کے تمام نفوس کیطرف سے عمر بھر میں فی کس صرف ایک روپیہ مرحمت کردے**۔ یہ رقم الہ آباد بنک میں سرمایۂ مستقل کے نام سے جمع ہوگی قوم کے تمام افراد آواز پر لبیک کہکر اس مقصد کو بہت کچھ مدد پہونچا سکتے ہیں اور قوی امید ہے کہ یہ طریقہ ہرگز بار خاطر نہوگا۔ اور ہر شخص پہلا اور آخری عطیہ دیکر انصار دین میں شامل ہو۔

تحویل سابق در بنک عسہ

تاریخ وصولیابی	نام معطی	پتہ	ذریعہ وصولیابی	بقایا رقم موعودہ	رقم وصول شدہ	کیفیت
۱۷ اگست	حضور سرکار متولی منتظم صاحب بہادر دام حشمتہ	قلعہ محمود آباد	جناب حاجی مولوی سید ...	۰	ضمہ	
	جناب مولوی سید انصار حسین صاحب قبلہ واعظ	کاظمین لکھنؤ	محمد تقی	سےعہ	عہ	
	اہلیہ محترمہ	״	״	۰	عہ	
					صہ	
				سابق تحویل	عسہ	
				کل میزان	معہ	

استیصالِ زمینداری

از عالیجناب مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

صوبہ متحدہ کی قانون ساز جماعت میں کانگریسی وزیر مالیات نے زمینداری توڑنے کا رزولیوشن پیش کر دیا اور مسلم لیگ کے نمایندوں نے اسکی مشروط تائید بھی کر دی بحیثیت ایک ہندوستانی اور غیر ملکی تسلط سے آزادی خواہ ہونیکے میں بہت خوش ہوتا اگر اس اقدام میں حرف بحرف وہی پالیسی نہ اپنا لی گئی ہوتی جس پر غیر ملکی جابر اور قابل ملامت سیاسیین گامزن رہے ہیں یعنی لڑاؤ اور حکومت کرو اس طرح کہ ایک طبقہ سے ہمدردی اور طرفداری اور دوسرے سے بے نیازی حالانکہ دونوں طبقے ہندوستان میں سو وقت سے موجود ہیں جب ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود بھی نہ تھا۔ انگریزوں کی پالیسی مذہبی بنیاد پر لڑانے کی کہی جاتی ہے اور یہ لڑائی اقتصادی اور طبقاتی بناء پر قائم کی جا رہی ہے۔ ایک مشہور مورخ نے بیان کیا ہے کہ "وطن پرستی یا سیاست کی نقاب میں بڑی سے بڑی متضاد حرکت اور کھلم کھلا اختلاف بیانی ڈھانکی جا سکتی ہے" اگر یہی سیاست یہ وطنی حکومت بھی چلائی گئی تو ایک دن اس جال کو ٹوٹنا پڑیگا ٹھیک اسی طرح جس طرح انگریزوں کی سیاست بے نقاب ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے۔

راقم الحروف بحمد ہ ہندوستان کی کسی سیاسی یا نیم سیاسی جماعت سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا نہ یہ کسی ادارے کی رائے ہے بلکہ یہ میری ذاتی رائے ہے جس کا ذمہ دار میں خود ہوں لہذا میری تحریر کو محض استدلال کی روشنی میں پڑھنا چاہیے۔ کانگریس اور لیگ کے ارباب اقتدار سے التماس ہے کہ وہ انگریزوں کیطرح نشۂ حکومت میں سرشار نہ ہو جائیں اور اسی طرح صرف چند ہمخیال ٹولی کے افراد کے سوا اور کسی کی تقریر و تحریر کو ٹھکرا دینے کی غلطی یا زبان و قلم پہ پہرہ بٹھلانے کی قابل نفرت و ملامت پالیسی نہ اختیار فرمائیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی مالی ترقی و بہبود کا ایک بہترین اور اہم ذریعہ زراعت ہی ہے اس لئے زراعت کے متعلق کوئی اقدام بغیر کافی غور و خوض کے بہت ممکن ہے کہ نفع رسانی کے عوض نقصان رساں ہو جائے۔

کانگریس کا دعویٰ کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کے ہر طبقہ کی نمائندہ ہے اور کبھی کاشتکاروں کی نمائندہ بن جاتی ہے اور کبھی وہ صرف غریب طبقہ کی حامی بنجاتی ہے اور کبھی دولتمند سے مراد صرف زمیندار رہکر قابل دفن قرار دیدیے جاتے ہیں حالانکہ یہ دعویٰ کھلم کھلا متضاد اور ان لوگوں کے لئے نہایت درجہ مایوس کن ہے جن سے باوجود ہندوستانی ہونیکے انتقام اور محض غلط طریقہ پر منتقم مطمح نظر رہ جاتا ہے۔ وزیر مال کی تقریر میں یہ الفاظ کہ حکومت نے یہ رزولیوشن

انتقامی جذبہ میں نہیں پیش کیا ہے بلکہ اُن لوگوں کی خواہش کی تعمیل کے طور پر کیا ہے جنکے وہ نمایندے ہیں۔"
اور اسکے بعد ہی یہ الفاظ کہ "اگرچہ جس طبقہ پر اس رزولیوشن کا اثر پڑتا ہے اس نے خودرائی سے دفتری حکومت کی اعانت ہر اس موقع پر کی ہے جب ملک کی آزادی کی مہم چلائی گئی ہے۔" دل کی گہرائیوں کا اندازہ کرنے کو کافی ہیں ایک شخص یا جماعت جب عصمت پوش مان لی جائے اور حکومت بھی ہاتھ میں ہو تو کس کی طاقت ہے کہ اس کی نیک نیتی پر حرف لا سکے۔

ممکن ہے کہ وزیر مال مذکورۂ بالا قول کے اعتبار سے اس تضاد کو سیاست کے برقع میں چھپالیں کہ وہ ہندوستان کی ہر جماعت کے نمائندے اور بہی خواہ ہیں اور وہ صرف کاشتکاروں ہی کے نمائندے اور دولتمندوں کے بدخواہ بھی ہیں لیکن ہندوستان کے سب لوگ کانگریس کو معصوموں کی جماعت نہیں مانتے اور نہ سب لوگ کانگریس کے ان داتا ہونے پر ایمان لائے ہیں۔ وزیر صاحب زمینداری، جاگیرداری اور تعلقداری کو بیک وقت قرون وسطیٰ کی یادگار قرار دے کر بہت جلد قابل دفن سمجھتے ہیں۔ کبھی مغلوں کی شاداب کی ہوئی کھیتی قرار دیکر اور کبھی انگریزوں کی پیدا وار بیان کر کے ناقابل معافی جرم قرار دیتے ہیں لیکن وزیر صاحب شاید یہ بھول گئے کہ گاؤں گاؤں کی پنچایت جو بنام گرام سدھار وغیرہ ہندوستان میں کانگریسی پروگرام میں داخل ہے اس کی خوبی کی دلیل ہی قدیم زمانہ کی یادگار ہونا قرار دیا جاتا ہے۔ کھدر اور لنگوٹی ہندوستان کی قرون وسطیٰ ہی کی یادگار ہے پھر صرف (__) ہونے کے سبب زمینداری ہی کیوں قبرستان بھیجی جائے۔ اگر مغلوں کی سرسبز کی ہوئی زمینداری مستوجب عتاب ہے تو مغلوں کے زمانے کے قوانین مالگذاری وٹیکس اور ارزانی کی قصیدہ خوانی سب دفن کئے جانے کے لائق ہیں۔

اگر انگریزوں کی پروردہ زمینداری ناقابل معافی جرم ہے تو ان کل قواعد اور دستور العمل کو خصوصاً انشورنس اور جوائنٹ اسٹاک کمپنی، بینکنگ وغیرہ سب کو چھوڑ کر کوئی نئی راہ نکالنا چاہیئے۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وزیر مال صاحب نے روس میں کتنے دن قیام فرما کر وہاں کی جنت کا نظارہ کیا ہے لیکن یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ وہاں بار بار اور جلد جلد قوانین جنکی حیثیت نظریہ اور اصول کی ہے بدلتے جاتے ہیں۔ جنگ گذشتہ میں صدر روس کو وہی اختیار اور اقتدار حاصل تھا جو ڈکٹیٹر کو ہوتا ہے حالانکہ جب ضرورت پڑتی ہے تو ڈکٹیٹری کی مذمت کی کوئی حد نہیں چھوڑی جاتی، بہرحال اسی کے ساتھ ساتھ ہم یہ مزید عرض کریں گے کہ جس طرح انگریزوں کا طرز حکومت قابل نفرت ہے ہندوستان کے لئے روس کی تقلید بھی بالکل نامونوں ہے ہندوستان اور روس کی طبعی ساخت کو اس میں بڑا دخل ہے۔ جب تک کانگریس اور ہندوستان کے دوسرے طبقے مذہب کی بقا اور وجود کے قائل ہیں سرزمین ہندروسی روش کو بنظر استحسان نہیں دیکھ سکتی (اگر آیہ کے پروپیگنڈسٹ لاکھ مدح کریں اس باب میں روس کبھی نمونہ بنائے جانے کی قابلیت نہیں رکھتا)

یہ مانا کہ روس کا نظام زار کے بعد ضرور چل رہا ہے لیکن موجودہ دنیا میں اور بھی بہت سے نظام چل ہی رہے ہیں اپنی قومی حکومت کے ارباب حل و عقد کو تو اس پر غور کرنا چاہیے کہ ہندوستان، ہندوستان رہتے ہوئے کیسے ترقی کر سکتا ہے جہاں مختلف الخیال مذہب و ملت کی بڑی بڑی جماعتیں موجود ہیں جنکو انگریزوں کی بنائی ہوئی اصطلاح کے اعتبار سے ایک لفظ ہندوستانی میں لایا جاتا ہے ورنہ حقیقتاً ایک دوسرے سے قول و فعل لباس و خوراک، مزاج و زبان مذہب و معاشرت میں اتنے تباین ہیں کہ اسکی نظیر کسی دوسری جگہ مشکل ہے اور سب کو ایک کرنا آسان نہیں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ قانون ہرچند نہایت عمدہ بھی بنا دیا جائے جبتک اسپر عمل کرنیوالے باقاعدہ قانون کے پابند نہونگے امن و خوشحالی امر محال ہے۔ ہندوستان کے ارباب اقتدار لیگ والے ہوں یا کانگریس والے صرف قانون کو خوبصورت بنانا چاہتے ہیں جو عین انگریزی پالیسی ہے اور اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہندوستان کی تباہ حالی میں قانون کی خرابی ہرگز اتنی دخیل نہیں جتنی حکام کی نالائقی موثر ہے۔

یہ بات ضرور قابل یقین ہے کہ طاقتور زمیندار اکثر کاشتکاروں پر بڑے مظالم کرتے ہیں لیکن لیگی اور کانگریسی ارکان ہندوستان ہی کے باشندے ہیں کاشتکاروں کی نا دہندی اور اصل لیکر انکار یا بھاگ جانے یا مالک کو بقایا لگان کی نالش پر مجبور کرنے سے ناواقف نہونگے ایسی صورت میں صرف ووٹ لینے کے لئے کثرت کی نمایندگی اور اقلیت سے بے پروائی کسی طرح قومیت کے ادعا کے ساتھ زیبا نہیں معلوم ہوتی۔

وزیر صاحب کے ہم آواز کانگریسی مسٹر جابیر تیاگی کے الفاظ بھی قابل توجہ ہیں آپ بھی ایکطرف تو نوابوں کی مشکلات میں ہمدردی فرمانے کے الفاظ زبان پر لاتے ہیں لیکن وزیر صاحب ہی کی طرح آپ کو بھی یہی سبق پڑھنا پڑا ہے کہ یہ اقدام انتقامی جذبہ میں نہیں ہے اور پھر اسکے ساتھ یہ فرمائش کہ "نوابوں کو نوشتۂ دیوار پڑھنا چاہیے اور انھیں کاشتکاروں کی طرفداری کیا جانا چاہیے جنکو ابتک لوٹتے رہے ہیں" صاحبان عقل جو تنکا کی ڈاڑھی میں تنکا کی مثل نہیں بھولے۔ یہ بار بار کیوں یاد کرایا جارہا ہے کہ انتقامی جذبہ نہیں ہے آخر آپ کے الفاظ کا مطلب وہ لوگ بھی سمجھ ہی سکتے ہیں نیک نیتی اور بدنیتی کا سمجھنا صرف مدعی کے بیان پر موقوف نہیں رہتا اگر یہ اقدام انتقامی جذبہ یا ووٹ حاصل کرنے کی غرض سے نہوگا تو لیگ خود بھی تو کچھ سمجھ رکھتے ہیں سمجھیں گے۔

زمینداری کی مذہبی حیثیت

کانگریس کے ارباب اقتدار نے توجہ کچھ کیا وہ کیا ہی، لیگ کے نمایندوں نے تو قلم ہی توڑ دیا ہندو مذہب میں جو کچھ ہے وہ ظاہر ہے گائے کھانے والا اور گائے کو نامحترم جاننے والا دونوں ہندو رہ سکتے ہیں گائے کے بچے کو ہلاک کرنیوالا مہاتما بھی رہ سکتا ہے اور گائے کو ذبح کرنیوالا واجب القتل بھی۔ پھر مذہب کے احکام میں جو جی چاہے تغیر فرمائیں

ان سے کون پوچھے کہ جناب والا زمین کا مالک بادشاہ نہیں ہوتا زمین کا مالک اپنی زمین کو وقف کر سکتا ہے۔ منوسمرتی آج بھی اسے بآواز بلند کہہ رہی ہے، انگریزوں سے ہندوؤں، جینیوں اور بدھوں نے اپنے اپنے معابد قبل از امور خیر کے لئے زمینیں وقف کی ہیں اور ان پر امید ثواب رکھتے ہیں اور منوسمرتی میں زمین کا دان کرنے والوں کے لئے بڑا اجر بیان کیا گیا ہے آپ اس اصول کو کس طرح توڑ سکتے ہیں جبکہ یہ امر مذہبی ہے اور اگر یہی حال ہے تو لینن صاحب کے روس کی طرح مذہبی عبادت گاہوں کو تفریح گاہیں بنانے میں آپ کو کتنی دیر لگے گی ابھی تو آپ دو کئے آدمی کئے پیر شدی، کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہر حال ہندوؤں کو اختیار ہے مگر کیا مسلم لیگ سرمایہ داری کی مخالفت کر کے شیعہ سنی اصول کو ابھی سے خیر باد کہہ دینے پر آمادہ ہے؟

کیا حضرت عثمان نے مروان بن حکم کو جاگیر نہیں دی (ملاحظہ ہو تاریخ ابو الفداء، روضۃ المناظر وغیرہ) اور کیا جاگیرداری اس کے علاوہ کوئی چیز ہے اور آیا جاگیرداری کے اصول کی مخالفت کے بعد سنت و جماعت کے مسلمہ ا تبعوا سنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین بعدی (مسلمانو! میری اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرنا) کی دھجیاں اُڑتی ہیں یا نہیں؟

کیا پاکستان میں یہی طرح اسلامی مسلمات کی بھی شامت آنیوالی ہے اس کے علاوہ اگر سرمایہ داری مطلقاً بری چیز ہوتی تو حضرت عثمان کے ساتھ لفظ غنی کا امتیاز کسی کو اچھا معلوم ہوتا حالانکہ ابتدائے زمانۂ اسلام سے یہ لقب اہلسنت میں بہ نظر استحسان دیکھا جا رہا ہے اسکے علاوہ اگر مطلقاً سرمایہ داری لغو ہو جائے تو اسلامی احکام زکوٰۃ و خمس و حج سب باطل ٹھہرتے ہیں اس طرح جاگیرداری کے اصول اور سرمایہ داری کی مخالفت اسلامی احکام پر ایک ضرب کاری ہے اور کھلی کھلی مداخلت فی الدین ہے شیعہ نقطۂ نظر سے آج تک وہ باغ موجود ہے جو باغِ امام جعفر صادق کے نام سے موسوم ہے اس طرح زمین کی ملکیت بادشاہ وقت کے ساتھ مخصوص نہیں رہتی ائمہ کے اوقاف زمین سے تاریخیں مملو ہیں۔

وقف کے احکام اور اسلامی ممالک میں وقف امور خیر کی کثرت خصوصیت سے ملک زمین پر موقوف ہیں وقف کی تعریف میں شیعہ و سنی دونوں ہی حبس العین و التصدق بالمنفعۃ کا مطلب بیان کرتے ہیں اس طرح زیادہ حصہ اوقاف میں غیر منقول جائداد سے متعلق رہتا ہے اور یہ امر ایسا اہم ہے کہ ائمہ اور انبیاء کی سنت قرار پایا ہے خود سرورکائنات کے صدقات و تفیہ کا تذکرہ کتابوں میں موجود ہے اور فتاویٰ قاضی خاں جلد چہارم ۶۰۵ مطبوعہ نولکشور کی یہ عبارت کہ تعامل الناس باتخاذ الرباطات والخانات اولھا وقف الخلیل صلوات اللہ وسلامہ علیہ (لوگ برابر رباطات اور خانات وقف کرتے رہے جن میں سب سے پہلا وقف جناب ابراہیم خلیل صلوات اللہ سلامہ علیہ کا ہے) بتلاتی ہے کہ یہ امر سنت ابراہیمی ہے۔

زمین کا مالک حکومت کو قرار دینے کے بعد آئندہ کسی شخص کو مسجد بنانے کے ثواب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم کر دینا ہے حالانکہ اسلامی روایات میں بنا مسجد کے ثواب کی کثرت بہت زیادہ ہے زیادہ طول ہو جانے کے سبب سے اور تشریح نہیں کی جاتی مختصراً یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ زمینداری، تعلقداری، جاگیرداری کسی نام سے پکاری جائے اگر ان سب کے توڑنے سے مقصد یہ ہے کہ زمین کا مالک عایا کو نہ قرار دیا جائے اور حکومت کو مانا جائے تو اس طرح بہت سے اسلامی احکام اور عبادات قطعاً ممنوع ہو جائیں گے آئندہ لیگ اور کانگریس کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔

اب رہی عام سرمایہ داری اس کے متعلق بھی یہ عرض ہے کہ اسلامی اور عام عقلی قواعد کے اعتبار سے بری نہیں بلکہ اچھی ہے البتہ سرمایہ پرستی اور سرمایہ کا ناجائز استعمال یا ناجائز روک رکھنا ممنوع ہے۔ میرے خیال میں بجائے زمینداری کو توڑنے کے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے قوانین بنا دیے جائیں کہ زمیندار ظلم نہ کرنے پائیں اور کاشتکار جائز حقوق کو ادا کرتے رہیں۔ اور اس سے زیادہ ضروری حکام کی اصلاح ہے کہ وہ معاملات کو صحیح قانون کے مطابق چلائیں ورنہ اگر زمینداری توڑ بھی دی گئی تو بھی عوام الناس کو فراغ بالی نہ نصیب ہوگی اور کاشتکار زمیندار کے بجائے حکومتی انسپکٹروں کے مظالم کے شکار رہیں گے۔ مثال کے طور پر آج بھی ایک نمونہ راشننگ کا موجود ہے یعنی غلہ اور کپڑا حکومت تقسیم کر رہی ہے۔ لیکن عوام الناس فریادی ہیں اور حکام ان کے رشتہ دار اور احباب آج بھی مزے کر رہے ہیں اگر غلہ کی تقسیم حکومت کے ہاتھ میں آ بھی گئی تو حکام کی عصمت کا ذمہ دار کون ہوگا اگر زمینداری کے باقی رہتے ہوئے حکام ایماندار ہوتے تو ہرگز اس کا موقع نہ آنے پاتا کہ مضبوط زمیندار ظلم کرتے یا سرکش کاشتکار مقدمہ بازی کی دعوت دیتے۔

ملک کی افلاسی کیفیت اور عوام الناس کی عزبت کا سبب زمینداری نہیں ہے بلکہ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ مالیہ بشکل روپیہ لیا جانا قرار پایا ہے۔ انگریزوں کو چونکہ یہاں سے باہر لیجانا تھا لہذا غلہ کے بجائے آمدنی کے لئے روپیہ بہتر قرار پایا اگر کانگریس اور لیگ ہندوستانیوں کے کھانے اور کپڑے کا اطمینان واقعی چاہتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ زراعت پر مالیہ اصل غلہ کو قرار دیں اس صورت سے کہ ہر فصل میں حکومت کا امین پیداوار کا کوئی معین حصہ جو حکومت کی طرف سے مقرر ہو وصول کرلے اس طرح نہ زمیندار کو مالیہ کے بہانہ کاشتکار پر ظلم کرنے کا موقع ملے گا نہ کاشتکار کو بہانہ یا چون وچرا یا واقعی پیداوار کی مقدار میں گفتگو کا موقع باقی رہیگا اور بارش اور ٹڈی کا ناجائز بہانہ ہاتھ آسکے گا نہ معافی کی درخواست کی زحمت ہوگی پھر ہر ضلع اور ہر صوبہ میں حکومت کے پاس کافی مقدار میں غلہ رہیگا جس سے قحط کا خطرہ بھی کم ہوگا اور ہندوستان کے عوام الناس کی کافی تعداد بے کاری سے بچ جائے گی جس کا رونا روز رہتا ہے۔

البتہ اس میں یہ خرابی ضرور رہیگی کہ ہزاروں روپیہ کی تنخواہ والے حکام کو نقدی کم ملے گی اور انکی موٹروں اور ہوائی جہازوں پر کنٹرول ہو جائے گا۔ تین۔ پانچ۔ دس۔ یا تیس سال کی پیداوار کا اوسط لگا کر روپیہ مقرر کرنا اور اسباب ارضی و سماوی کو اپنے قابو میں سمجھ لینا کسی طرح ملکی حکومت کے لئے درست نہیں ہو سکتا۔

یہ سطریں اگرچہ صاحبان اقتدار کی توجہ کے لائق نہ ہونگی کیونکہ مقتضائے حکومت یہی ہے لیکن دوسرے صاحبان فکر سے استدعا ہے کہ اس پر غور فرمائیں اگر میری غلطی بتائینگے تو میں اعتراف کروں گا اور ضرورت ہوگی تو سرمایہ داری اور غربا پروری جو ملک کیلئے زیبا ہو اسکے لئے معقول حل پیش کرونگا۔

کربلائے عظیم اللہ خاں لکھنؤ

از جناب شیخ تصدق حسین صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ

اس کربلا میں عظیم اللہ خاں اعظم الدولہ نے متصل کربلائے میر خدا بخش روضہ حضرت امام رضا علیہ السلام بعہد دولت حضرت محمد علیشاہ تعمیر کرایا تھا مشہور ہے کہ یہ روضہ اصل روضہ واقع مشہد مقدس سے بہت مشابہ ہے۔ روضہ کے چاروں طرف غلام گردش ہے وسط صحن میں بحیثیی کی طرح کی نہر ہے۔ روضہ میں مسالہ سے دلکش گلکاری کیگئی ہے جس کے جانب غرب ایک مسجد ہے اُسکے صحن میں سنگی حوض ہے بعض مقامات سے عمارت شق ہوگئی ہے۔ فرش میں مختلف رنگوں سے دیدہ زیب شطرنجی بنائی گئی ہے ایک درجہ میں چوبی ضریح اور منبر رکھا ہے۔ اندرونی مسجد کے علاوہ ایک مسجد باہر بھی ہے۔ اسپوری عمارت بوجہ بے مرمتی بہت خراب حالت میں ہے۔

عظیم اللہ خاں[1] (اعظم الدولہ) اور میر اعظم علی (رفیق الدولہ) نصیر الدولہ نواب محمد علیخاں پسر نواب سعادت علی خاں کے قدیم رفیقوں اور غمگساروں میں تھے۔ عہد حکومت غازی الدین حیدر میں جو ۱۸۱۴ء سے لیکر ۱۸۲۷ء تک قائم رہا) جب اخراجات سرکاری بہت بڑھ گئے نواب معتمد الدولہ آغا میر وزیر اعظم نے گورنر جنرل لارڈ ماٹرا[2] کو ایک عریضہ ارسال کیا کہ بادشاہ کے بھائیوں کی تنخواہ ہزاروں روپیوں کی ہے اور بوجہ دیگر مصارف کثیرہ اُنکو تنخواہ دینے میں دقت اور دیر ہوتی ہے جس سے اُن کو شکایت کا موقع ملتا ہے لہذا بہتر ہوگا کہ ہر ایک کی تنخواہ نصف کر دیجائے۔ وہاں سے جواب آیا کہ امور خانگی میں آپکو ہر طرح کا اختیار ہے ہماری

---

[1] قیصر التواریخ جلد اول
[2] Lord Moira

اجازت کی ضرورت نہیں چنانچہ بادشاہ کے کل بھائیوں کی تنخواہ نصف کردی گئی مگر اسکی ادائی بھی برسوں میں ہوتی تھی اس سبب سے اکثر مرشدزادوں کو فاقہ کشی کی نوبت آجاتی تھی آخر تنگ ہوکر ایک روز نواب نصیر الدولہ مع سب بھائیوں کے رکٹس صاحب (Mr. Ricketts) رزیڈنٹ کے پاس دادخواہی چھاؤنی منڈیاؤں گئے مگر وہاں سے کورا جواب پاکر ناشاد و نامراد واپس آئے۔ چونکہ نصیر الدولہ سب سے بڑے تھے فوج شاہی نے انکے دولتخانہ کو گھیر لیا ہر طرف توپیں لگادیں جابجا پہرے بٹھادیے آمد و رفت بند کردی کئی دن تک یہ ہنگامہ برپا رہا۔ آخر عظیم اللہ خاں نے معرفت اعظم علیخاں کچھ دیکر تصفیہ کرلیا جس سے فی الجملہ عافیت پیدا ہوئی اسوقت سے عظیم اللہ خاں دربار نواب میں حاضر ہونے لگے اور ہر طرح خوشامد کرتے رہے۔

واقعات مرقومہ بالا کو مولانا نجم الغنی نے تواریخ اودھ حصہ چہارم صفحہ ۱۶۴ میں بہت وضاحت سے بیان کیا ہے موصوف تحریر کرتے ہیں:۔

نواب شمس الدولہ احمد علیخاں (پسر نواب سعادت علیخاں) بنارس چلے گئے تھے اسلئے وہ لکھنؤ کے مخصوں سے آزاد تھے۔ غازی الدین حیدر کے دوسرے بھائی جو یہاں موجود تھے انکو معتمد الدولہ نے بہت دق کیا انکی تنخواہیں وقت پر انکو وصول نہوتی تھیں۔ یہانتک کہ متعدد بار بادشاہ سے عرض و معروض کی نوبت آئی اور رزیڈنٹ نے بھی بادشاہ سے سفارش کی۔ پہلے نصیر الدولہ جو بمقابلہ دوسرے بھائیوں کے بڑے تھے۔ تنخواہ کے خواستگار ہوئے معتمد الدولہ نے عرض کیا اگر حساب بے حسابی کا نام ہے تو جو کچھ ارشاد ہو بجالاؤں۔ اور اگر حساب چیز قابل شمار ہے تو نواب سعادت علیخاں کے خزانے کے کل کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ نصیر الدولہ حساب مقدمات مالی و ملکی کے بالکل مالک تھے۔ اور دیوانی اور دیہات خالصہ کے جملہ امور ان سے متعلق تھے۔ شمس الدولہ کا صرف اخبار اور جرنیلی کے کام سے تعلق تھا۔ اسکے قطع نظر رجوع مقدمات کے وقت عاملوں سے سالہا سال زر نقد جو انکو دستیاب ہوا اس سے ان کا صاحب دولت و ثروت ہونا سب پر ظاہر ہے۔ دولتمندی میں کوئی انکا ہم پلہ نہیں ہے۔ چوراسی لاکھ روپیہ نقد امانتاً انکی تحویل میں جمع ہے۔ اسکو منافع سمیت خزانہ عامرہ میں داخل کریں اسکے بعد تنخواہ کا حساب پیش فرمائیں۔ یہ بیچارا تقریر سنکر بادشاہ اور رزیڈنٹ نے کہا بے شک امانت لے لینا چاہیے اور ان مفسدوں کو سزا دینی مناسب ہے۔ اسی وقت ایک توپ۔ نجیبوں کے تمن۔ اور تلنگوں کی کمپنی نے نصیر الدولہ کے دروازہ پر پہونچکر انکو تاکید کی کہ نواب سعادت علیخاں کا زر امانت بادشاہی خزانہ میں داخل کردو اور انکے تمام رفقاء کی آمد و رفت بند کردی عظیم اللہ خاں اور رحیم اللہ قوم حجام جو نصیر الدولہ کے رفیق اور مشیر تھے انکی طلبی کا حکم ہوا اور عظیمن طوائف جو عظیم اللہ خاں کی آشنا تھی اسکو بھی گرفتار کرکے بلوایا چوکی پہرے اسکے گھر پر بھی مامور کردیے عظیم اللہ نے عالم اضطراب میں سوائے رجوع ہونیکے اور کوئی چارہ نہ دیکھا

اسلئے در گذر کر دینا ہی مناسب خیال کیا اور نصیر الدولہ بھی معتمد الدولہ کے پنجۂ غضب سے عظیم اللہ کی رہائی غنیمت سمجھے۔
اکتوبر ۱۸۳۷ء میں نصیر الدین حیدر کے انتقال کے بعد نصیر الدولہ محمد علیخاں تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئے
تو خود محمد علیشاہ کا لقب اختیار کیا اور عظیم اللہ خاں کو اُنکی دیرینہ خدمات اور اطاعت شعاری کے صلہ میں اعظم الدولہ
خطاب اور دیوانخانہ عام کی داد دہی عطا کی اُنکے پیشدست داروغہ عاشق علی ہوئے۔
اعظم الدولہ کی عادات و اطوار کے متعلق سید کمال الدین حیدر تحریر کرتے ہیں :- وہ لپنے عیش دنیا۔ لباس
کھانے اور آراستگی مکان محض اپنی تن پروری میں رہے۔ مگر مرنجاں مرنج۔ کسی کو کوئی فائدہ بھی اُن سے نہوا
کوئی رفیق خاص بھی نہ تھا۔"
ماجد درگا پرشاد بھی اعظم الدولہ کی سیرت و دیگر حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بوستان اودھ میں تحریر کرتے ہیں :-
"عظیم اللہ خاں حجام بخطاب اعظم الدولہ مخاطب گشتہ۔ دخل کلی بکار و بار سلطنت یافت۔ او در نازک مزاجی و خوش
وصفی و امارت مشہور دیار و امصار بود۔ در تابستان خسخانہ اش را از کیوڑہ و گلاب تر میکردند۔ دیگر امارت او
ازینجا قیاس تواں کرد۔ صحبت او با منور الدولہ ترک روزگار کردہ و رخصت گرفتہ روانہ بیت اللہ شد۔
یعنی عظیم اللہ خاں حجام کو خطاب اعظم الدولہ عطا کیا کاروبار سلطنت میں اُسکو پورا دخل تھا۔ اُسکی نازک مزاجی
خوش وصفی اور دولتمندی دور دور مشہور تھی گرمی کے زمانہ میں اُسکا خسخانہ کیوڑہ اور گلاب سے تر کیا جاتا تھا
اُسکے دوسرے امیرانہ ساز و سامان کا اسی بات سے اندازہ کرنا چاہیئے۔ اس سے اور منور الدولہ سے کبھی موافقت
نہ ہوئی۔ چونکہ بمقابلہ دوسروں کے وہ بادشاہ کے مزاج میں زیادہ دخیل تھا اور اس کا اقتدار بھی بے انتہا تھا،
اسی سبب سے منور الدولہ ترک ملازمت کر کے بیت اللہ روانہ ہو گئے"۔
عظیم اللہ خاں کی شکل و شباہت و سیرت کے بارے میں اُنکے ہمعصر مرزا رجب علی بیگ سرور بھی فسانۂ عبرت
میں اپنے طرز خاص میں لکھتے ہیں :-

تواریخ اودھ مولانا نجم الغنی حصہ چہارم صفحہ ۱۵۲۔ اعظم علیخاں ایک بازاری اور جاہل شخص تھا جو لڑکپن سے معتمد الدولہ
کا رفیق تھا جب معتمد الدولہ کو وزارت نصیب ہوئی تو کاغذ اور قلمدان اور نذر کی اشرفیاں اعظم علی کے ہاتھ میں رہنے لگیں۔
دوشالہ اور پوشاک وغیرہ انعام میں پاکر معتمد الدولہ کے مزاج میں بہت دخیل ہو گیا رفتہ رفتہ خفیہ ہو کا رازدار ہو کر خزانہ اور
توپخانہ وغیرہ کی افسری اُسکو ملگئی۔ اور جائز اور ناجائز طریقہ سے اتنی کثیر دولت پیدا کی کہ کروڑ پتی مشہور ہو گیا تھا۔
اسکی عمارتیں بھی معتمد الدولہ کی عمارتوں کے برابر ہی شان سے تعمیر ہوئیں۔ جسوقت سوار ہوتا تھا تو ہزار پانچسو روپیہ
فقیر فقرا کو تقسیم کر دینا اُسکے نزدیک ایک معمولی سی بات تھی۔ اُسکے خدمتگار بھی قیمتی پوشاک سے آراستہ رہتے تھے
اور ہزارہا روپیہ رقص و طرب میں صرف کرتا تھا۔

" پروردگار نے عجیب خلقت بنائی تھی۔ صورت ایسی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ لیکن سازو سامان دنیا کا مہیا تھا۔ فلک نے ایسی گردش دکھائی تھی۔ دنیا کا چین خوب کیا تانا شاہ کی طبیعت بنائی تھی۔ اللہ کی قدرت ہے محمد علیشاہ باین فہم و فراست ایسے خود غلط ہو گئے۔ جس کا ایک خط بنانے میں ہاتھ تھرائے وہ صاحب دستخط ہو جائے "

راقم الحروف کی نظر سے ایک قلمی تصویر عظیم اللہ خاں کی گذری جسمیں چہرہ گول بھرا ہوا، رنگت سانولی مائل بہ تیرگی ہے خط بنا ہوا، مونچھیں کتری ہوئی آنکھیں بڑی جسم کسی قدر گداز گٹھا ہوا۔ سر پر لٹو دار پگڑی گلے میں جامہ وار کی کلی دار اچکن کاندھے پر شالی رومال پیروں میں غرارہ دار پائجامہ اور گھیتلا جوتا ہے۔

۱۲۵۳ھ میں محمد علیشاہ نے اپنا امامباڑہ حسین آباد بھی عظیم اللہ کے زیر اہتمام بنوایا تھا جیسا کہ قطعات ذیل سے ظاہر ہے جو امامباڑہ مذکور کے پھاٹک اول پر کندہ ہیں۔

قطعہ اول

فدوی خاص و امین و سرفروشش و معتمد　　جاں نثار بادشاہ کشور ہندوستاں
صاحب فہم و خلیق و عاقل و دانائے خلق　　عاشق و شیدائے حضرت ہست بشک بیگماں
روز و شب مصروف حکم شاہ بیباشد بدل　　جز باین کارے ندارد ہیچ کارے در جہاں
نیست این تاریخ نادر مثل تاریخ دگر　　واقعی صنعت بطرز نوشدہ از راقم عیاں
کم کن اول یکہزار و دو صد و پنجاہ و چار　　تا سنہ ہجری نماند اہل بینش را نہاں
از ترقی شد دو چنداں سال این تاریخ سعد　　مہتمم بالطف حق بودہ عظیم اللہ خاں
بہر سال عیسوی در گوش ہوش سامعیں　　از فلک آمد ندا نامی عظیم اللہ خاں
۱۸۳۸ء

قطعہ دویم

از عنایات کریم و کارساز دو جہاں　　شاہ گردوں احتشام و خسرو ہندوستاں
بے نظیر و بے عدیل و بے مثال و بے بدل　　ناصر عالم معین الدین ابو الفتح زماں
آیۂ رحمت بعالم ہست بہر جزو کل　　تا ابد دارد خداوند دو عالم در اماں
روضۂ پاک شہید کربلا تعمیر ساخت　　اہتمام او بدل کردہ عظیم اللہ خاں
صحن جنت نہر کوثر نخل طوبی عرش باب　　فی الحقیقت نیست در عالم نظیرش بیگماں
مسجد پر نور را کعبہ اگر گویم بجاست　　ہست زمزم چاہ بہر مومنات و مومناں
بردرش خط سڑک گشتہ صراط المستقیم　　بر زمیں پیدا شدہ گویا جواب کہکشاں

باب الاحادیث

از جناب مولانا اختر حسین صاحب صدر الافاضل متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

عن ھشام عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال قلت فطرۃ اللہ اللّتی فطر النّاس علیھا قال التّوحید۔

ہشام کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق سے پوچھا فطرۃ اللہ اللتی فطر الناس علیہا میں فطرۃ سے کیا مراد ہے امام نے فرمایا کہ توحید مراد ہے۔

(۲) عن زرارۃ قال سئلت اباعبد اللہ علیہ السّلام عن قول اللہ عزّ وجل فطرۃ اللہ اللّتی فطر النّاس علیھا قال فطرھم جمیعاً علی التّوحید۔

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق سے خدا کے اس قول فطرۃ اللہ اللتی فطر الناس علیہا کے متعلق پوچھا کہ وہ فطرۃ کیا ہے امام نے فرمایا کہ تمام لوگوں کو توحید پر پیدا کیا۔

(۳) عن عبد اللہ بن سنان عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام فی قول اللہ عزّ وجل صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ قال الاسلام

عبد اللہ بن سنان امام صادق سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اس آیت صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ کے متعلق پوچھا کہ صبغۃ اللہ سے کیا مراد ہے۔ امام نے فرمایا کہ اسلام۔

(۴) عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام فی قول اللہ عزّ وجل حنیفاً مسلماً قال خالصاً مخلصاً لیس فیہ شئ من عبادۃ الاوثان۔

امام صادق نے حنیفاً مسلماً کے متعلق فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ ایسا خالص اسلام ہو جس میں بتوں کی عبادت کا شائبہ نہ ہو۔

(۵) عن ابی جعفر علیہ السّلام قال بنی الاسلام علی خمس الصلوٰۃ والزکوٰۃ والصّوم والحج والولایۃ ولم ینادِ بشئ مانودی بالولایۃ

امام محمد باقر نے فرمایا کہ بنیاد اسلام پانچ ہیں نماز زکوٰۃ روزہ حج ولایت (محمد و آل محمد) اور کسی کی اتنی تاکید نہیں کی گئی ہے جتنی ولایت کی تاکید کی گئی ہے۔

(۶) عن عجلان بن ابی صالح قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السّلام اوقفنی علی حدود الایمان فقال شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وانّ محمداً رسول اللہ والاقرار

بماجاء من عند اللہ و صلوٰۃ الخمس واداء الزکوٰۃ و صوم شھر رمضان و حج البیت و ولایۃ ولینا و عداوۃ عدونا والدخول مع الصادقین۔

عجلان بن ابی صالح امام صادق سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے امام سے کہا کہ مجھے ایمان کی حدیں تعلیم فرمائیے امام نے فرمایا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ و محمد رسول اللہ کی گواہی اور جو کچھ خدا کے یہاں سے آیا اُس کا اقرار اور نماز پنجگانہ زکوٰۃ دینا ماہ رمضان کے روزے رکھنا خانہ کعبہ کا حج کرنا اور ہمارے ولی کی ولایت کا اقرار ہمارے دشمنوں سے دشمنی رکھنا اور صادقین کے ساتھ ہونا۔

کربلائے معلّٰی کا رمضان

آغا محمد میرزا صاحب لکھنوی اُردو کے ایک بلند پایہ ادیب تھے جو شباب کی منزل سے گذرنے کے بعد عرصہ تک علاقہ گورنمنٹ صوبہ بندیلکھنڈ میں نائب ریاست رہے پھر یوپی کی ہندو ریاست تلوئی میں اسسٹنٹ منیجر ہوگئے موصوف نے غدر ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں بچپنے ہی میں وطن چھوڑا اپنی آنا کی گود میں لکھنؤ سے کاکوری اور معلوم نہیں کس کس گاؤں میں بھاگ کر پناہ لی اور سخت مصیبتیں اُٹھا کر کراچی بندر آئے وہاں سے بادی جہاز پر بیٹھکر مسقط اور بصرہ ہوتے ہوئے کربلائے معلی پہونچے اور زیارت سے مشرف ہوئے آپ نے اس سفر کے حالات بڑے دلچسپ اور دلفریب انداز سے اپنے سفرنامہ میں درج کئے ہیں جو ۱۸۹۹ء منشی نولکشور کے عہد میں چھپا ہے امتداد زمانہ سے اب اس کتاب کی ایک کاپی بھی کہیں نہیں ملتی ناچیز کے پاس اسکا حصہ اول موجود ہے جس کا مرقومۂ بالا اقتباس ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے درج ہے، شہادت حسین سے نماز روزہ کو جو غیر فانی مدد پہونچی وہ بنص معصوم اشھد انک قد اقمت الصلوٰۃ واتیت الزکوٰۃ کی گواہی سے واضح ہے حائر سید الشہداء روحی فداہ میں ماہ مبارک کی چہل پہل اُسی جدو جہد کا نتیجہ ہے جسکے بعد کربلا والوں کی آنکھ بند ہوگئی رہروان جادۂ تسلیم و رضا منزل پر پہونچ گئے مگر اُنکے برکات باقی ہیں۔ (اڈیٹر)

" سر شام رویت ہلال کے لئے جابجا لوگوں کا جمگھٹ دیکھا اور توپ کی آواز سنتے ہی یہ تمکو معلوم ہو جائیگا کہ حسب عادت والے مہینہ (رمضان) کی آمد میں تین دن بیشتر خوش گلو موذن نے مینار پر تہنیت کہی تھی وہ اسوقت سے شروع ہوگیا لیکن صبح کو جب باہر نکلو گے تو شہر بھر کا طرز ہی دوسرا دیکھو گے جو تم نے کل تک گرم بازاری اور چہل پہل دیکھی تھی آج کچھ بھی نہیں نہ راستہ میں کوئی قہوہ خانہ کھلا ملے گا نہ بازاروں میں

یا کسی حمام کے قریب ابلے ہوئے شلغم کا پتیلا کمل میں لپٹا ہوا دکھائی دیگا نہ کوئی چائے فروش ہوگا نہ کسی حلیم والے کی دوکان پر پے درپے گھنٹیاں بجنے یا گھی داغ کرکے بگھارنے کی جھنکار سنائی دے گی نہ آب گوشت و سبزی کی دوکان ہوگی نہ در قبلہ پر جائے قلب یا شلہ ازو والا ملیگا اگر دو ایک نیم وا دوکانیں روٹی والوں کی دیکھو گے تو انمیں بھی تھوڑی سی باسی روٹیاں اونگھتے ہوئے بڈھے یا لڑکے کے پاس رکھی ہونگی جنکی بکری محض مریض اور بچوں پر منحصر ہے بجائے مختلف شور و غل کے جو کل تک بازار میں تھا آج صرف ایک ہلکی گنگناہٹ سنائی دیگی جو وظیفہ خواں راہگیروں کی جنبش لب سے سربند اور مسقف بازاروں میں گونج رہی ہے صحن و حرم مطہر حضرت امام حسینؑ و حضرت عباسؑ میں بھی سوائے قرآن خوانی و زیارت و وظائف کے اور کچھ نہ سنو گے ظہر کی اذان ہوتے ہی حرم میں آدمیوں کی کثرت ہو جائے گی نماز کے بعد قرآن خوانی میں ہر شخص مصروف ملے گا مقبروں کے حافظ اور قاری کا خوش لحانی سے قرأت کرنا خدام و طلبا و علما و فضلا اور بازاروں کے اکثر دوکاندار تک کا تلاوت میں مشغول ہو جانا لائق دید ہے اس مہینے میں روٹی اور کھانے کی دوکانیں تیسرے پہر سے کھلتی ہیں اور رات بھر بازار جاری رہتا ہے قہوہ خانے کھلے حمام گرم کھانے پینے کی دوکانیں آراستہ اور بہت لوگ حرم سید الشہداء اور حضرت عباسؑ میں مصروف تلاوت و نماز رہتے ہیں اذان مغرب کے وقت روزہ کھولنے کیلئے توپ داغی جاتی ہے لوگ نماز جماعت کے بعد گھر جاتے اور کھانا کھاکر پھر صحن حضرت میں واپس آتے ہیں حاجی ملا باقر شیرازی یا ملا آقائے ترک کا مشہور وعظ سنتے ہیں بڑا مجمع حاجی ملا باقر کے وعظ میں ہوتا ہے جنکی آواز فصاحت اور طرز تقریر نہایت مسلسل مرغوب طبائع ہے اور علاوہ انکے جابجا دیگر ملا بھی ہمیشہ وعظ کہا کرتے ہیں لیکن کوئی وعظ ایسا نہیں ہوتا جسکے آخر میں شہادت امام حسینؑ کا جوڑ نہ لگایا جائے مقفّی خطبہ اور نام پیغمبر خدا (محمد مصطفیٰ) پر خوب چلا کر درود پڑھا جاتا ہے حاضرین نصائح اور احکام شرعیہ و مسائل اخلاق بڑی رغبت سے سنتے ہیں اور مصائب امام حسینؑ پر رونے کا نعرہ بلند کرتے ہیں دو ڈھائی یا تین گھنٹہ بعد ختم وعظ پر "یا اللہ" کا غل دور دور کی مجلس والوں میں بھی صدائے زنبور عسل کی طرح گونج کر عورتوں کو انکے مالکوں کی آمد سے اطلاع دیتا ہے۔

آدھی رات کے بعد سے مناجاتیں شروع ہو جاتی ہیں اور تین مرتبہ توپ بھی دغتی ہے پہلی توپ پر عورتیں اٹھکر کھانا پکانے کا بندوبست کرتی ہیں دوسری توپ پر مردوں کو جگا کر کھانا کھلاتی ہیں اور تیسری توپ پر کھانا بند کیا جاتا ہے اور جلدی جلدی حقہ پیا جاتا ہے لیکن ہر ایک کے کان مینار و مساجد کی مناجات کرنیوالوں پر لگے رہتے ہیں جو بہ مناسبت وقت بڑی بلند آواز سے دعا یا عربی و فارسی اشعار بے ثباتی دنیا کے پڑھتے ہیں مثلاً کوئی خدا کی تعریف اور اس سے التجا کرتا ہے کوئی صحیفۂ کاملہ کی دعا پڑھتا ہے کوئی عربی میں کہتا ہے کہ کھاؤ پیو اور عبادت کرو خدا کی قبول کرے۔ خدا ہمارے تمہارے اعمال و روزہ و نماز ہر سال کوئی قریب طلوع صبح کہتا ہے ۔۔

می دمد صبح سعادت نفسی شو بیدار — وقت فیض است سراز بالش غفلت بردار
مرغ و ماہی و ملائک ہمہ در تسبیح اند — حیف باشد کہ تو در خوابی و مرغاں بیدار

جیسا کھانے پینے کے شروع کرنے کو "چوں گوش روزہ دار بر اللہ اکبر ست" مشہور ہے ویسا ہی اُسکے ترک کرنے کو لفظ "آب و تریاک" سننے کے لئے کان کھڑے رہتے ہیں جو نہیں دور سے ہوا میں تیّاق ہوئی آواز آب و تریاک کی سنائی دی فوراً حقہ وغیرہ چھوڑ دیا گیا اور پانی پی کر یا افیون کھا کر روزہ کی نیت کرنے لگے مناجات کرنیوالوں کی مکرر سہ کرر "آب و تریاک" یا اشربوا الماء وعجل قبل ما یات الصباح، اشربوا الماء ھنیئاً اَتَنہٗ مَاءً مباحا کہنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے عالم سکوت ہوجاتا ہے۔

ایک وقت شناس عرب جسکی نگاہ مینار سے افق پر جمی رہتی ہے صبح صادق کے انتظار میں تھم تھم کر نرم آواز سے درود پڑھتا ہے اور طلوع صبح دیکھتے ہی اللہ اکبر کہتا ہے اُسکے ساتھ ہی دوسرے میناروں کے مؤذن بھی اللہ اکبر کہنے لگتے ہیں اور مساجد مدارس مکانات کے کوٹھوں سے بھی اللہ اکبر کا شور بلند ہوجاتا ہے اذان کا غل سنکر اکثر لوگ وضو کرکے تاروں کی چھاؤں میں وظیفہ پڑھتے روضۂ مقدس یا مسجدوں کیطرف نماز جماعت کے لئے جانے لگتے ہیں۔

اس مہینہ کی رات بھر میں جسوقت حرم جاؤ گے مقدس لوگوں کو نماز و تلاوت قرآن میں مصروف پاؤ گے خصوصاً شب قدر کو ہزار ہا آدمی ضریح کے گرد رواق اور صحن میں قرآن سر پر رکھے "بک یا اللہ، بک یا اللہ" اور بحمد بحمد کہتے یا قرآن و دعا پڑھتے لیں گے نماز کے وقت جناب شیخ زین العابدین مجتہد العصر اور دیگر مجتہدین و پیشنمازوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو جہانتک جگہ ملیگی لمبی لمبی صفیں کھڑی ہوجائینگی جنمیں بڑے بڑے شیخ سید رئیس شریف دوکاندار موچی چمار حتی کہ حلال خور وغیرہ بھی پاک وصاف کپڑے پہنے سب برابر ایک ساتھ کھڑے ہوکر اپنے خدا کی پرستش کرتے ملیں گے اور بعد نماز کسی ذلیل پیشہ ور سے کسی شہزادہ کو بھی مصافحہ کرنے میں اسلئے عار نہوگا کہ اسلام میں پیشہ کے سبب سے کوئی شخص رذیل نہیں ہوسکتا۔ اس مہینہ کی انیسویں تاریخ سے سارا شہر رونے پیٹنے میں مشغول ہوجاتا ہے اور اکیسویں کو دن بھر بازاروں میں عرب اور ایرانی سب کے سب ماتم کرنے میں مصروف رہتے ہیں اسلئے کہ یہ حضرت علیؑ کی شہادت کا دن ہے جن کو ابن ملجم لعین نے ایک عورت (قطامہ) کے کہنے سے صبح کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے شہید کیا تھا یہ دن مسلمانوں کے لئے بڑے رنج و ماتم کا ہے مگر ہنگامۂ محرم کی برابری نہیں کرتا۔ (تذکرۂ کربلا صہ ۲۵ لغایت ۳۱)

حکیم عنتری

از ایم اے اکمل صاحب منشی کامل ہیڈ ماسٹر مدرسہ نورانیہ راجکوٹ

اگرچہ یہ حکیم ایسا کچھ نامور نہیں ہوا۔ لیکن اسکے نصائح بہت ہی عمدہ ہیں اور وہ عربی زبان کا بہت سنجیدہ طبع شاعر تھا لہذا اسکی مختصر سی سرگزشت قلمبند کرنی ضروری ہے۔ حکیم عنتری ابوالمؤید محمد بن المجلّی ایک تجربہ کار طبیب اور علامۂ روزگار تھا۔ تشخیص مرض اور تجویز نسخہ میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ عنتری کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شروع شروع میں عنتری عبسی کی حدیثیں لکھا کرتا تھا لہذا اُسی طرف منسوب ہوکر شہرت پاگیا۔ حکیم عنتری کے حکمت آموز مقولے حسب ذیل ہیں۔ جان پدر! علم ضرور سیکھو چاہے اسکے ذریعہ سے تمہیں دنیا میں اتنا ہی فائدہ ملے کہ کوئی تمکو جا و بیجا طور پر اپنا غلام نہ بنا سکے۔ جاہل غلام ہے قید غلامی سے اُسکی آزادی صرف علم و معرفت پر منحصر ہے۔ ابی المؤید عنتری کا عالمانہ کلام یوں تو بہت کچھ ہے لیکن ہم ناظرین الواعظ کے لئے بطور نمونہ اُسکی ایک نظم کے متعدد اشعار مع مطلب خیز ترجمہ کے ذیل میں درج کرتے ہیں یہ قصیدہ علم طب کے مسائل اور طبیب کی مناسب ہدایت پر مشتمل ہے:۔ واجعل طعامک کلّ یوم مرّۃً ؛ واحذر طعاماً قبل ھضم طعام ہر روز صرف ایک دفعہ کھاؤ۔ اور ایک غذا ہضم ہونے سے پہلے دوسری غذا کھانے سے ڈرتے رہو۔

لا تحقر المرض الیسیر فانہ ؛ کالنار تصبح وھی ذات ضرام۔ تھوڑے مرض کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ وہ آگ کی چنگاری کی طرح سلک کر شعلہ زنی کرنے لگتا ہے۔ لا تشربنّ بعقب اکل عاجلاً ؛ او تاءکانّ بعقب شرب مدام ہرگز کھانا کھانے کے بعد ہی جلدی سے پانی نہ پیا کرو۔ یا شراب پینے کے بعد تکیہ لگا کر بیٹھنے کا ارادہ کرو (یعنی) اس سے محترز رہو۔ اس حکیم کے تصانیف بھی عمدہ ہیں۔ **حکیم ارسطاطالیس**۔ اس حکیم نے علم نجوم حاصل کرلیا تھا تو ایک دن خیال آیا کہ وہ کونسا علم ہے جو میری قسمت میں نہیں فوراً زائچہ کھینچکر دیکھا۔ معلوم ہوا کہ علم طلسمات مقدر میں نہیں ہے لکھا ہے کہ نہایت افسوس کیا اور سب کاموں پر اسکو مقدم جانکر تحصیل طلسمات میں ہمہ تن مصروف ہوا تھوڑے ہی دن میں وہ کمال پیدا کیا کہ اپنے ہم جنسوں پر سبقت اور فوقیت لیگیا۔ اس حکیم کا قول ہے کہ جو چیز انسان کی قسمت میں نہیں ہے وہ بیشک محنت و کوشش سعی و تردد جستجو و تگاپو سے میسر آسکتی ہے۔ کسی کا یہ شعر محنت کی شان میں صادق آتا ہے۔

مشکل بہ توجہ تو آساں ؛ آساں بہ تغافل تو مشکل۔ اس شخص کے برابر دنیا میں کوئی نادان اور جاہل نہیں جو یہ سمجھکر کوشش علم سے محروم رہے کہ میری قسمت میں نہیں محنت وہ چیز ہے کہ محال کو ممکن اور مشکل کو آسان کردیتی ہے بے محنت تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور محنت سے سب کچھ مل جاتا ہے۔ بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد ؛ اگر خارے بود گلدستہ گردد

کرتا ہے کشش دونوں طرف جذبۂ الفت ؛ تو جسکی طلب میں ہے وہ ہے تیری طلب میں

تفسیر قرآن

از جناب سید علی صفدر صاحب ایم اے لکھنوی

صفات ذاتیہ

اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ذات کامل ہے یا محمود مطلق ہے اور صفات کمال۔ علم و قدرت ہیں۔ لہذا علم و قدرت اُسکے مفہوم ذات میں شامل ہیں اسواسطے انکو صفات ذاتیہ کہنا درست ہے۔

اب اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے یہ صفات زائد بر ذات ہوں تو اُسکی ذات کا مرکب ہونا لازم آئے گا۔ اور واجب الوجود کا مرکب ہونا محال ہے۔

لہذا لازم آیا کہ اُسکی ذات، ذات و صفات سے مرکب نہ ہو بلکہ اُس کی ذات ہی ذات ہو۔ کیونکہ صفات عین ذات ہیں۔

لیکن اس ذات کا بوجہ کمال کے قدیر و علیم ہونا معلوم ہے لہذا ثابت ہوا کہ خدا بالذات علیم و قدیر ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اُس کی ذات کے علاوہ یہ صفات ہوں کہ اُس ذات پر ادبیر سے طاری ہوئیں اسکے یہ معنی ہوئے کہ خدا کی صفات علم و قدرت عین ذات ہیں۔ زائد بر ذات نہیں۔

صفات اضافیہ

جب کوئی امر خدا کے ارادہ سے حادث ہوتا ہے جیسے زید کو خلق کرنا یا اُسکو رزق پہونچانا تو یہ کہا جاتا ہے کہ خدا زید کا خالق یا رازق ہے پس خالق ہونا یا رزاق ہونا ایک علاقہ ہے مابین ذات باری اور مخلوق کے یا مرزوق کے اور علائق کا وجود خارج میں نہیں ہوا کرتا ہے بلکہ وہ صرف ذہن میں کسی عاقل کے موجود ہوتا ہے۔

ہاں منشاء انتزاع اس علاقہ کا خارج میں موجود ہوتا ہے۔ پس مفہوم خالق کا منشاء انتزاع خدا کا قادر علی الخلق ہونا اور مرید ہونا ہے اور زید کا وجود پذیر ہونا ہے لہذا کل صفات اضافیہ صفات ذاتیہ سے متفرع ہیں اور خدا کیطرف اُنکا انتساب اعتباری ہے۔

بعض لوگوں نے اس مقام پر دھوکا کھایا ہے اور کہا ہے کہ علم و قدرت بھی صفات اضافیہ ہیں کیونکہ علم مضاف ہے معلوم کی طرف اور قدرت مضاف ہے مقدور کی طرف۔

حالانکہ علم موجود ہونے میں معلوم کے موجود ہونے کا محتاج نہیں کیونکہ خدا کو کل اُن اشیاء کا علم ہے جو

ابتک معدوم ہیں اور آیندہ ہونگے۔

اسی طرح قدرت کو موجود ہونے میں اس کی احتیاج نہیں کہ مقدور بھی موجود کر دیا گیا ہو۔ بلکہ خدا کی قدرت بہت سے ممکنات پر حاوی ہے جو عدم سے وجود میں نہیں آئے۔

اس کے خلاف صفات اضافیہ کی حالت یہ ہے کہ خدا کو زید کا خالق اسی وقت کہہ سکتے ہیں جبکہ وہ زید کو خلق کر دے اور رازق زید جب ہی ہوگا جب زید کو رزق پہونچائے۔

لہذا خالق اور رازق صفات اضافیہ ہیں لیکن علم و قدرت نہیں، علاوہ بریں علیم و قدیر ہونا خدا کے مفہوم ذات میں ہے لیکن خالق زید ہونا اور رازق زید ہونا مفہوم ذات میں نہیں

دوسری غلطی

اسکے علاوہ بعض متکلمین نے علم و قدرت کو صفات سلبیہ قرار دیا ہے اور اسپر دلیل یہ لائے ہیں کہ عالم کے معنی ہیں جاہل نہ ہونا اور قادر کے معنی ہیں عاجز نہ ہونا۔

حالانکہ صفت ثبوتیہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ کسی وصف کے موجود ہونے پر دلالت کرے۔

گو ہر اثبات کو ایک سلب لازم ہے اور ہر سلب کو ایک اثبات لازم ہے بواسطہ کہ زید کو کاتب کہا تو لازم آیا کہ وہ غیر کاتب نہ ہوا اور جب زید کو کہا کہ کاذب نہیں ہے تو لازم آیا کہ وہ صادق ہے۔ پس شناخت صفت ثبوتی اور صفت سلبی کی یہ ہوئی کہ جب صفت کسی امر وجودی پر دلالت کرے تو ثبوتی ہے اور جب صفت کسی امر وجودی کے عدم پر دلالت کرے تو سلبی ہے اسواسطے عالم صفت ثبوتی ہے کہ اس میں ایک امر وجودی علم ہے اور علم مصدر آثار ہے۔

اور جاہل کہ علم کی نفی پر دال ہے صفت سلبی ہوا۔

اور قادر ایک صفت ثبوتی ہے کہ قدرت ایک امر وجودی ہے اور مصدر آثار ہے۔

پس کسی صفت کو سلبی اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے کہ اسکی ضد کے لئے ایک لفظ زبان میں موجود ہے بلکہ دیکھنا یہ ہوگا کہ آیا وہ صفت کسی امر وجودی پر دال ہے یا نہیں۔

پس کوئی شبہ نہیں کہ انسان میں علم ایک امر وجودی ہے اور اس کی نفی جہل ہے

اب اگر یہ کہا جائے کہ خدا کو ہم عالم اس معنی سے نہیں کہتے کہ وہ علم جو انسان کو حاصل ہے خدا میں بھی ہے بلکہ ہم صرف جہل کی نفی کرتے ہیں۔

تو جواب یہ ہے کہ خدا کی ذات کے لئے علم دو طرح ثابت ہے، اول صفت کمال ہونیکی وجہ سے جیسا کہ ادپر بیان ہوا اور صفت کمال ثبوتی ہے کیونکہ کمال کسی صفت کے عدم کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا

امر وجودی ہونا لازم ہے

دوسرے عالم میں آثار تدبیر و حکمت سے خدا کا عالم ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ سب آثار اس کے علم کے ہیں اور جو امر مصدر آثار ہو وہ موجود ہے اور وجودی ہے کیونکہ موجود کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ مصدر آثار ہو پس بہر تقدیر علم کا صفت وجودی ہونا ظاہر ہے۔ پس کیفیت ان متکلمین متعصبین کی یہ ہے کہ بعض اخبار میں یہ دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تصوّر اور افہام سے بالاتر ہے اور ان اخبار کی حقیقی مراد تک تو نہ پہونچ سکے اس بنا پر کہنے لگے کہ خدا کی ذات کا عرفان ہم کو نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ان اخبار میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اُس کی مراد صرف یہ ہے کہ خدا کا تصور بمعنی حصول تصویر ذہنی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تصویر ذہنی حاصل نہیں ہو سکتی جیسی کہ اشیاء محسوس کی حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً زید کو جب کوئی دوست یاد کرتا ہے تو اسکی تصویر ذہنی نفس کے سامنے آتی ہے لیکن خدا کے لئے ایسا نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ جمیع ممکنات میں ذات علاوہ صفات کے ہے یعنی صفات زائد بر ذات ہیں لیکن واجب الوجود اسکے خلاف ہے لہذا اذہان اُس کی ذات کا قیاس اشیاء ممکن کے ذوات پر نہیں کر سکتے۔ اور مجہول کی ہیئت کا معلوم کی ہیئت سے منطبق کرنا وہم ہے لہذا ذات باری افہام سے بالاتر ہے۔ پس اخبار میں جو کچھ وارد ہے وہ نہ تو اس امر قطعی کے مخالف ہو سکتا ہے کہ دلیل قطعی سے اسکا موجود ہونا معلوم ہے اور نہ اس امر قطعی کے کہ اُسکا عالم و قادر ہونا دلیل سے حاصل ہے اور نہ اسکے کہ صفات ذاتیہ یعنی علم و قدرت اُسکی عین ذات ہیں کہ دلیل عقلی اُس پر قاطع ہے۔

پس جبکہ خدا کے علیم و قدیر ہونیکا علم ہمکو حاصل ہے اور علم و قدرت اُسکی عین ذات ہے تو لازم آیا کہ خدا کی ذات کا علم حاصل ہے مگر چونکہ اس علم و قدرت کی تفاصیل بے شمار ہیں جیسا کہ ہم نے انسان کے علم و قدرت کا ذات باری کے علم و قدرت سے متعدد جہات سے مختلف ہونا ظاہر کیا ہے اور اُن بے شمار تفاصیل سے چند کا ذکر کیا ہے۔ لہذا اسکی ذات کے علم کو عرفان سے تعبیر کرنا اس معنی سے مناسب ہے کہ عرفان علم کا ایک پست درجہ ہے۔

چنانچہ اس عرفان کے حاصل کرنیوالوں میں جو سب سے افضل ہے وہ فرماتا ہے ماعرفناک حق معرفتک یعنی بار آلہا تیری معرفت جیسی کہ چاہیئے ہمکو حاصل نہیں ہوئی۔

یعنی حصول معرفت کا اثبات ہے لیکن کمال معرفت کی نفی ہے پس یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ہمکو ذات باری تعالیٰ کا علم ہے اور حاصل ہو سکتا اور یہ تحصیل عقلی ہے۔ اور تحصیل اس معرفت کی معصوم برابر کرتا رہتا ہے اور یہی اسکے مرتبہ کو برابر بڑھاتی رہتی ہے اور یہی ایک کی دوسرے پر فضیلت پیدا کرتی ہے

چونکہ ذات باری محمود مطلق ہے ۔یعنی اس کی ذات کا خیر مطلق اور حسن مطلق ہونا ثابت ہے ۔
اور حسن یا خوبی کا اقتضاء یہ ہے کہ عارف میں جذبہ مدح اور رغبت پیدا کردے ۔یعنی ہر انسان عاقل جب کسی حسین شئی یا ایسے امر کا مشاہدہ کرتا ہے جو خوبی سے متصف ہو تو اُسکے نفس میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی اُس کا دل اُسکی تعریف کرتا ہے اور اُسکی رغبت کرتا ہے ۔
لہذا عرفان الٰہی کے حصول سے جب عارف پر خدا کی ذات کا کمال و خوبی منکشف ہوتی ہے تو وہ اُسکی حمد و ثنا اور تعظیم پر بے اختیار ہو جاتا ہے اور اُسکے دل میں خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے ۔
چنانچہ سرگروہ عرفا جناب امیرالمومنین علیہ السلام اس کیفیت کا بیان ان الفاظ میں فرماتے ہیں :-
"خداوندا تیری عبادت اسلئے کرتا ہوں کہ تو اس لائق ہی ہے کہ تیری پرستش کی جائے"
یہ وہ کیفیت ہے جو زیادتی عرفان سے پیدا ہوئی ۔
اب جن لوگوں نے انکار کیا کہ ہمکو ذات باری کا علم نہیں ہے وہ کچھ مغالطہ آمیز استدلال بھی اپنے دعوے کے تائید میں لائے ہیں ۔مناسب ہے کہ اُنکے استدلال کے مغالطات کو یہاں ظاہر کردیا جائے تاکہ لوگ گمراہی سے بچے رہیں ۔

(رازی) پہلی دلیل ۔
خدا کے بارے میں ہم صرف چار باتیں جانتے ہیں
اول اُس کا موجود ہونا ۔
دوم ۔اُس کا ہمیشہ سے موجود ہونا ۔
سوم ۔صفات جلال (یعنی علم و قدرت)
چہارم ۔صفات اکرام (صفات اضافیہ)
وجود ذات نہیں ہے بلکہ زائد بر ذات ہے ۔اسواسطے وجود کی ہمیشگی بھی زائد بر ذات ہوئی ۔
اور صفات اضافیہ بھی خدا کی ذات نہیں کیونکہ اضافی ذات کا مغائر ہے ۔
اور صفات جلال یعنی علم و قدرت سلبیہ اور اضافیہ ہیں ۔

کشف مُغالطہ

ابھی اوپر ہم نے ثابت کیا کہ علم و قدرت نہ صفات سلبیہ ہیں اور نہ اضافیہ بلکہ صفات ذاتیہ اور ثبوتیہ ہیں یہی فرض اس دلیل میں مغالطہ ہے جسکو مصادرہ علی المطلوب کہتے ہیں ۔

(رازی) دوسری دلیل ۔

استقرار تام سے حاصل ہے کہ احوال اشیاء ہمکو یا تو حواس سے معلوم ہوتی ہیں یا وجدان سے جیسے الم ولذت وفرح وغم یا عقل سے جیسے حقیقت وجود وعدم و وحدت وکثرت وجوب و امکان یا دہ امور جو ان تینوں کے ماحصل سے عقل وخیال استخراج کرے لیکن ذات الٰہی ان سب کے مغائر ہے۔ لہذا ذات الٰہی کا ادراک نہیں ہو سکتا۔

کشف مغالطہ

رازی خود اس بات کا مقر ہے اور سب اسکو جانتے ہیں کہ ذات باری کے موجود ہونے اور اس کے علیم وقدیر ہونے کا علم دلیل عقلی سے حاصل ہے۔

جیسے اثیر کہ وہ محسوس نہیں لیکن اس کا موجود ہونا دلیل سے ثابت ہے اور باوجودیکہ اثیر اپنی ماہیت میں تمام دیگر اشیاء سے مغائر ہے مگر اسکی ماہیت معلوم ہے۔

پس یہ فرض کرلینا کہ جو شئی اپنی ماہیت میں اور اشیاء سے مغائر ہو اُسکی ذات کا علم نہیں ہو سکتا فرض باطل ہے۔ پس بطلان کبریٰ سے دلیل کا سقوط ہوا

(رازی) تیسری دلیل۔

حقیقت مخصوصہ (کسی شئی کی) علت ہے اُسکے لوازم کی جو صفات ذاتیہ یا اضافیہ یا سلبیہ ہیں۔ اور معلول کے علم کی علت علم علت ہے (یعنی اگر معلول کی علت معلوم ہو جائے تو معلول کا علم ہو جاتا ہے) پس اگر حقیقت مخصوصہ معلوم ہو تو صفات کا علم اُنکی اصل کے اعتبار سے حاصل ہو گا، لیکن یہ حاصل نہیں ہے لہذا انسان کے لئے حقیقت حق عقلاً حاصل نہیں۔

رد۔

اس استدلال میں تین مغالطے ہیں۔

اول۔ یہ فرض کرنا حقیقت مخصوصہ علت ہے صفات کی باطل ہے اسواسطے کہ کسی شئی کی حقیقت مخصوصہ اور صفات سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں پس ہو سکتا ہے کہ خدا ایک شئی کی حقیقت مخصوصہ کے ساتھ انہیں ایسی صفات کردے جو حقیقت مخصوصہ سے مستفاد نہ ہوں۔

دوسرے۔ اس قاعدہ کا جو اشیاء ممکن میں مشہود ہو واجب الوجود پر عائد کرنا قیاس مع الفارق ہے اسواسطے کہ واجب میں صفات عین ذات ہیں نہ زائد بر ذات کہ ذات کو صفات کی علت کہا جاسکے۔

دوسرا قضیہ کہ "علم معلول کی علت علم علت ہے" یہ بھی اس معنی سے باطل ہے کہ علم معلول کی علت صرف علم علت ہے کیونکہ بسا اوقات معلول کا علم ہوتا ہے اور علت کا علم معلول کے علم سے حاصل ہوتا ہے۔

تیسرے۔ یہ بھی باطل ہے کہ صفات باری تعالیٰ کا علم اُنکی اصل سے نہیں ہے کیونکہ ابتک جسقدر صفات ہم نے ذات باری کی ثابت کی ہیں اُن سب کو اُسکی ذات مفہوم سے استخراج کر کے دکھایا ہے۔ اور باقی اور صفات کا اس مفہوم سے استنباط کرینگے۔

الحمدللہ سے دلیل وجود کا اتخاذ

الحمدللہ سے مراد خدا کا کامل مطلق ہونا۔

پس اس بیان میں وجود باری کی دلیل کیطرف اشارہ صریح ہے، اسواسطے کہ کامل مطلق کے مفہوم کا وجود خارجی سے متصف ہونا ضروری ہے کیونکہ وجود خارجی بمقابلہ وجود ذہنی کے کمال ہے۔ پس کامل مطلق کو وجود خارجی سے متصف نہ سمجھنا انکار ہے ایک کا، کامل مطلق کی ذات سے اور یہ خلف ہے لہذا کامل مطلق کا وجود خارجی سے متصف ہونا ضروری ہے یعنی ماہیت مفہوم سے حکم عقلی کامل کے وجود خارجی کا حاصل ہے۔ اور چونکہ ممکن الوجود ہونے کو احتیاج لازم ہے جو نقص ہے لہذا ذات کامل کا واجب الوجود ہونا ثابت ہوا۔

دلیل توحید

کامل مطلق ایک ہی ہو سکتا ہے

کیونکہ اگر کامل مطلق دو ہوں تو اُنکے دو ہونے کے لئے یا تو اُنکی ذات کے مکان جدا ہوں یا زمانے جدا ہوں لیکن کامل مطلق واجب الوجود ہے اسواسطے مکان و زمان کا اسکی ذات سے تعلق نہیں ہے۔

لہذا صرف ذات کی مغائرت باقی رہی۔ اور چونکہ واجب کے صفات عین ذات ہیں مغائرت صفات لازم آئی لیکن صفت یا تو کمال ہے یا نقص ہے۔

ہر کامل مطلق کو ہر ایک صفت کمال حاصل ہے۔ اور صفت نقص سے کامل مطلق متصف نہیں ہو سکتا لہذا مغائرت صفات محال ہے۔ لہذا مغائرت ذات بھی محال ہوئی لہذا کوئی امر ایسا نہیں ہو سکتا جو ایک کامل مطلق کیلئے دوسرے سے جُدا ہستی ہونے کی وجہ قرار پا سکے۔ لہذا ذات کامل کا واحد ہونا ضروری ہوا اور صفات کا حصر صفات کمال و نقص میں اسوجہ سے ہے کہ موجود یا تو ممکن ہے یا واجب یعنی کامل، اور ممکن کے صفات بھی ممکن و حادث ہیں اسواسطے ناقص۔ اور کامل مطلق کے صفات کامل۔

توحید خدا سے واحد حقیقی ہونا مراد ہے

واحد کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ ایک مقدار ہے جو اسواسطے مقرر کر لی گئی ہو کہ اُسی قسم کی دوسری مقدار کا اندازہ کیا جائے یہ ظاہر ہے کہ اس معنی سے واحد قابل تقسیم ہے اور واحد حقیقی نہیں ہے کہ وہ دوبارہ تقسیم نہ ہو سکے۔

کیونکہ وہ شئی حقیقتاً واحد ہوگی جو کثرت کو قبول نہ کرے اور نہ تغیر کو قبول کرے کہ تغیر سے متغیر میں دو حالتیں اور دو واحدتیں پیدا ہوئیں

واحد یا تو قابل تقسیم ہے یا نہیں ۔

جو واحد قابل تقسیم نہیں وہ یا تو قابل ہے اشارۂ حسیہ کے یا نہیں اور جو قابل اشارۂ حسیہ ہو وہ نقطہ ہے جو قابل اشارۂ حسیہ نہیں ہے جیسے روح وہ یا تو متغیر ہے جیسے روح یا نہیں ہے جیسے واجب الوجود پس واحد حقیقی خدا ہے جو اس معنیٰ سے واحد ہے کہ نہ وہ قابل تقسیم ہے نہ اشارۂ حسیہ کے قابل ہے نہ تغیر کے قابل ہے یہ تمام کلام جناب امیر علیہ السلام کی ایک حدیث میں وارد ہے ۔

چونکہ واجب الوجود کے لئے حدوث و فنا محال ہے لہذا نہ وہ ازلی و ابدی و سرمدی و باقی ہے اور لازال اللہ ہے

بعض حکما کا انکار صفات

بعض حکما اور معتزلہ نے اور حکمار ہند میں شنکراچاریہ نے اور تھیا سوفسٹ نے ذات باری کے لئے صفات کا انکار کیا ہے۔ اور اُن کے دلائل متعدد ہیں خلاصہ سب کا یہ ہے ۔

اگر ذات واجب کے لئے صفات ہوں تو اُس کا ذات و صفات سے مرکب ہونا لازم آیا اور یہ وجوب کے منافی ہے ۔

لہذا وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ ذات باری میں کوئی صفت نہیں ہے لیکن اگر یہ درست ہو تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ نہ وہ علیم ہے نہ قدیر نہ واجب الوجود ہے نہ موجود ہے ۔

اور اس صورت میں کسی ذات کا اثبات نہ ہوا اور قائل نے کچھ نہ کہا یعنی یہ کل کلام بمنزلہ سکوت کے ہے حالانکہ ذات کا اُن کے موجود ہونے پر دلیل سے قطع حاصل ہے اب تم یہ کہتے ہو کہ اُس ذات کو صفات سے موصوف قرار دو تو محال لازم آتا ہے ۔

اُسکا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ اُسکی معرفت ہم کو بحیثیت قدیر مطلق اور علیم مطلق کے ہے ۔ اور علیم ہونا بھی قدیر ہونے میں شامل ہے ۔

کیونکہ جب قدیر ہونا معلوم ہوا تو کسی امر کو جاننے کی قدرت بھی مسلم ہوئی اور اس قدیر مطلق ہی کو ایک ذات مانتے ہیں اور حی کہتے ہیں اور وہ اسطرح کہ اُسکی کوئی ذات جدا نہ تھی کہ اُس پر صفت قدرت کا اضافہ ہوا ۔ بلکہ وہ فی نفسہ و فی ذاتہ قدیر مطلق ہے ۔

اب تم یہاں یہ کہتے ہو کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی ذات اور ہے اور اُسکا علم اور ہے کیونکہ علم وہ بعد کو حاصل کرتا اور ذات پہلے سے موجود ہے ۔ پس محال ہے کہ ذات اور صفت ایک ہی ہو ۔ تو ہمارا جواب

یہ ہے کہ تمہارا استدلال کہ ممکن کی ذات و صفات کا ایک ہونا محال ہے ہمکو مسلم ہے۔ لیکن تمہاری غلطی یہ ہے کہ ممکن کی ذات پر واجب کا قیاس کرتے ہو۔ حالانکہ ایسا جائز نہیں کیونکہ ماہیت میں واجب کو ممکن سے مغائرت ہونا چاہیئے اسواسطے کہ وجوب اور امکان دو متضاد اوصاف اُن دونوں کی ماہیت سے متضاد ہیں لہذا ماہیتوں میں تضاد لازم ہے، اب تم یہ کہوگے کہ صفت اور ذات اپنی تعریف کی رد سے دو مغائر مفہوم ہیں جن میں عینیت محال ہے۔

تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اگر تم نے ذات اور صفات کی تعریف موجودات ممکنہ پر نظر کر کے قائم کی ہے تو اُس معنی سے اُنکا اطلاق واجب پر کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ذات و صفات جیسے کہ تم نے موجودات ممکنہ میں دیکھے ویسی ہی تعریف قرار دے لی۔

جب واجب الوجود پر اُنکا اطلاق کرو تو انکی تعریف کو درست کرو کہ اطلاق انکا ہر موجود پر ہو سکے۔ موجود کی تاثیر کی کیفیت صفت ہے اور ذات سے مراد مصدر اثر ہے۔ اور مصدر اثر ذات کامل میں قدرت ہے لہذا یہ قدرت اُسکی ذات ہوئی اور اُسکی تاثیر کی کیفیت بھی یہی ہے کہ وہ ایجاد کرتا ہے اور تاثیر فی الایجاد بھی قدرت ہے۔

لہذا ذات کامل میں ذات و صفت کا واحد ہونا ظاہر ہوا۔ چونکہ ذات کامل کو کوئی احتیاج نہیں اسواسطے اُسکو غنی اور صمد کہتے ہیں۔

معتزلہ اور اشاعرہ نے بداہت کے خلاف یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ مکوّن اور تکوین ایک ہے یعنی فاعل اور فعل ایک شئی ہے ان میں کوئی مغائرت نہیں ہے اور مراد انکی یہ ہے کہ فاعل سے فعل اضطراراً صادر ہوتا ہے۔

یعنی فاعل مضطر کے مفہوم میں اُسکا فعل جو اُس کا تقتضاء ذات ہوتا ہے شامل ہے۔ لہذا وہ فعل مفہوم ذات سے جدا نہیں ہے۔

لیکن فاعل مضطر کا فعل ایک معیّن ہوتا ہے اور اُس فعل کی ضد اُس سے صادر نہیں ہو سکتی یعنی آگ کا فعل جلانا ہے تو آگ ٹھنڈا نہیں کر سکتی لیکن خدا قدیر ہے لہذا ہر فعل پر قادر ہے۔

لہذا وہ فاعل مضطر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں اُس سے بعض افعال صادر ہونگے اور اُن کی ضدوں کا صدور اُس سے محال ہوگا اور یہ قدیر ہونے کے منافی ہے۔

معراج

عالیجناب سید افتخار حسین صاحب پلیڈر دبج غازی پور

نظر دوربین - رسُول کے زمانہ میں نظر مطلق دوربین نہ تھی - اب بھی نظر دوربین نہیں ہے - دوربین ضرور ایجاد کیگئی ہے - اسکی مدد بہت دور تک دیکھ سکتی ہے - مگر خود نظر دوربین نہیں ہے اسوقت بڑی سے بڑی دوربین امریکہ میں ہے جس کے شیشہ کا قطر ساڑھے سو لفٹ ہے - بہت طویل ہے لوہے کے ستونوں پر نصب ہے اور اُس میں سے دیکھیے تو نظر کئی لاکھ بلکہ کئی کروڑ گنا تیز ہوجاتی ہے مگر اب بھی آخر عوالم تک نہیں پہونچی - کہکشاں کو کل نہیں دیکھ سکے آخر میں پھر سفیدی باقی رہجاتی ہے - اسوقت نظر تو درکنار دوربین کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ اپنا عجز دکھا رہی ہے -

معراج میں کیا ہوا - رسُول عرش سے یعنی انتہائے عوالم سے دیکھ رہے ہیں اور دیکھ لیتے ہیں کہ علیؑ اپنے بستر پر عرش کی جانب دیکھ رہے ہیں - جیسے چند قدم سے کوئی دیکھ لے کہ فلاں کیا کر رہا ہے - نہ یہ کہ جیسے فاصلہ سے دیکھیں کہ شئی موہوم سی معلوم ہو اُسکی حالت صراحت سے نمایاں نہو - علیؑ نے بھی اپنے بستر سے دیکھا اور کل معراج کا حال دیکھ لیا - دوسری صبح کو علیؑ نے معراج کا حال بیان کیا یا رسُول نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ علیؑ تم معراج کا حال بیان کروگے یا میں بیان کروں - یہ دوربین نظریں تھیں - العظمۃ للہ -

ہم نے دوربین کی ایجاد سے بہت ترقی کی مگر وہ ایک آلہ دوربینی کا ہے خود نظر دوربین نہیں ہوئی - وہاں خود نظر اس قدر دوربین تھی کہ ہماری بڑی سے بڑی دوربین اسکی دوربینی کو نہیں پہونچتی اللہ اکبر - اس سے بھی بتانا تھا کہ نظر بہت دوربین ہوسکتی ہے اور اسکی یہ حد ہے - اسکی فکر کرو - لوگوں نے آلہ ایجاد کیا خود نظر تیز نہیں ہوئی - اب بتائیے کہ رسول کی نظر دوربین کا یا علیؑ کی دوربین نظر کا کیا مقابلہ کیا جا سکتا ہے -

ریاضت سے فقرا یا صوفیائے کرام کہا جاتا ہے کہ اپنی جگہ سے بہت دور دور کا حال دیکھ لیتے ہیں یہ صحیح ہے تو نظر دوربین مادی ذرائع سے نہیں ہوسکتی بلکہ روحانیت سے البتہ امکان ہے مگر ان فقرا یا صوفیائے کرام کی دوربینی کا رسول کی دوربینی سے کیا تعلق - کوئی بھی نسبت ہوسکتی ہے مطلق نہیں - رسُول تو حد قائم کر گئے ہیں - اُس سے بہت دور ہیں - وہاں تک رسائی مادی یا روحانی ذرائع سے ممکن نہیں -

ہر شئی سے گذرنے والی نظر - مادی کثیف اشیا نظر کی شعاعوں کو اگر بیچ میں حائل ہوں گذرنے

نہیں دیتیں روکتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ کوئی شئی سامنے حائل ہو تو اُسکے دوسری طرف کی کوئی شی صاف نظر نہیں آتی۔ اور اگر شعاع نظر گذر جاویں تو بیچ کی شئی نظر ہی نہ آئیگی یا بہ مشکل محسوس ہوگی اور اُسکے ادھر کی شئی صاف نظر آئیگی۔ شعاع نظر گذر جانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا شعاع نظر میں قوت ہو کہ وہ نہ رُکے سامنے کی شئی سے گذر جائے۔ یا خود اُس شی میں یہ صفت ہو کہ شعاع نظر اُس سے نہ رُکے۔ دوسری صورت کی بابت تجربہ ہوا ہے کہ ایک وارنش ایسی ایجاد ہوئی ہے کہ اُسے شیشہ پر لگا دیجئے۔ شیشہ میں سے عموماً ۹ حصہ نظر اور روشنی کی شعاع گذر جاتی ہے اور ایک رکتی ہے۔ تو ایک حصہ رُکے گی اور ۹۹ حصہ گذر جائے گی۔ وارنش لگانے کے بعد نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مشکل سے محسوس ہوتا ہے اور نیز اس شیشہ کا سایہ نہایت ہی خفیف رہ جاتا ہے بجلی کی مخصوص شعاع سے کام لیا گیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس شئی پر وہ شعاع ڈالی گئی اُسکا سایہ مفقود ہو گیا اور نیز وہ شئی بھی اگرچہ موجود تھی مگر نظر نہ آتی تھی صرف اسوجہ سے کہ شعاع نظر اور روشنی رُکتی نہ تھی۔ یہ صفت اُس شئی کی ہوئی نہ کہ نظر کی۔

مزید برآں مسمریزم والوں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ ایک پلیٹ میں کوئی شئی رکھی اسپر بلی بٹھا دی۔ معمول پر یہ عمل کیا کہ اسے بلی نظر نہ آئے۔ اب معمول سے پوچھا کہ پلیٹ میں کیا ہے وہ بتا رہا ہے اور بلی کو پوچھتے ہیں تو وہ نظر نہیں آتی کہتا ہے کہ پلیٹ میں کچھ نہیں ہے پلیٹ کی چیز بلی سے چھپی ہوئی ہے مگر وہ معمول دیکھ رہا ہے بلی اُسے دیکھنے سے مانع نہیں ہوتی اسکی بابت یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا معمول کی نظر میں یہ صفت پیدا ہو گئی کہ بلی کے جسم سے گذر جائے یا بلی میں یہ صفت پیدا ہو گئی کہ معمول کی نظر اُس سے نہ رُکے۔

شعاع نظر گذر جانے کی دو صورتیں عرض کیں ایک یہ کہ نظر میں یہ صفت ہو کہ جسم مادی سے گذر جائے نہ رُکے۔ اور دوسری یہ کہ جسم مادی میں یہ صفت ہو کہ اُس سے نظر نہ رُکے۔ اور اگر روشنی کی شعاع نہ رُک سکیگی نظر کی شعاع رُکے گی تو جسم نظر آئے گا مگر سایہ نہ ہو گا۔ اور اگر دونوں شعاعیں نہ رُک سکیں گی تو نہ جسم نظر آئے گا نہ سایہ ہوگا۔ اب رسُول اللہ کی حالت غور سے سنئے جسم میں یہ صفت تھی کہ نظر کی شعاع رُکتی تھی جسم نظر آتا تھا مگر روشنی کی شعاع نہیں رکتی تھی۔ اسلئے سایہ نہ تھا۔ اوپر کی بحث سے یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی بعید از عقل بات نہ تھی۔ یہی صورت ائمہ کے اجسام کی تھی۔ اسلئے کہ سب کی خلقت ایک ہی نور سے تھی۔ علامات ائمہ کی بابت امام رضا کا قول موجود ہے کہ لا یکون لہ ظل ائمہ کے بھی سایہ نہ تھا مگر لوگ اس سے عموماً واقف نہیں۔ نظر کی شعاع رکنا ضروری تھا ورنہ لوگ دیکھتے کیونکر اور کام ہی چلنا مشکل ہوتا۔ اسلئے قدرت نے جسم رسُول میں یہ صفت دی تھی کہ شعاع نظر رُکے اور روشنی کی شعاع نہ رُکے۔

رسُول کی نظر کو لیجئے۔ رسُول نے عرش سے علیؑ کو اُنکے بستر پر مدینہ میں دیکھا۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ

عرش سے فرش تک کوئی مادی جسم بیچ میں حائل نہ تھا۔ بیچ میں لاتعداد سیارے موجود تھے آفتاب کی نسبت زمین سے یہ ہے کہ ایک گھڑے میں مٹر کا دانہ گویا آفتاب مٹر زمین۔ بہت سے سیارے عالم میں ایسے ہیں جیسا کہ ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب سے کئی کروڑ گنا زیادہ ہیں۔ بہت مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے کہ جب رسولؐ نے عرش سے فرش کی جانب دیکھا اسوقت درمیان میں کوئی سیارہ حائل نہ تھا۔ ضرور کوئی حائل رہا ہوگا مگر رسولؐ کی نظر کی یہ صفت تھی کہ اُسکی شعاعیں اُن سیاروں کے اجسام سے نہیں رکیں اُن سے گذر کر زمین پر پہونچیں اور آپ نے علیؑ کو دیکھا۔ یہ صفت اُنکی نظر کے واقعۂ معراج سے معلوم ہوئی۔ ویسی ہی صفت علیؑ کی نظر کی تھی کہ وہ بھی بستر سے عرش کی جانب نظر کئے ہوئے کل حالات دیکھ رہے تھے اور کوئی جسم مادی کسی سیارے کا اُنکی نظر کو عرش کی حالت دیکھنے میں مانع نہ تھا۔

زمانہ ترقی کرکے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر یہ قدرت حاصل ہو کہ شعاع نظر کسی جسم سے نہ رُکے تو رسولؐ سے کوئی شخص بڑھ گیا۔ رسولؐ کے جسم و نظر کی حالت میں نے صراحت سے اوپر دکھا دی۔ اس معراج میں مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ جو باتیں سے انتہائے کمال کی۔ غالباً اسی وجہ سے معراج نام ہوا۔ مستقبل میں جو باتیں معرض ظہور میں آنیوالی تھیں اُنکی انتہائی حالت رسولؐ نے معراج میں بتا دی اور دکھا دی۔ اور اس انتہا کی کہ شاید ہی زمانہ ترقی کرکے وہاں تک پہونچ سکے۔

اب کون ترقی کرکے کہہ سکتا ہے کہ وہ بوجہ ترقی کے رسولؐ سے برتر پایہ پر واقع ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آئندہ کوئی نئی بات دریافت ہو اور انسان ترقی کرکے وہانتک پہونچے تو غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ رسولؐ میں وہ بات موجود تھی یا تو وہ بات خود موجود ملے گی یا غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ جو باتیں موجود ملیں تھیں اُنہیں میں سے کسی کا نتیجہ وہ نئی بات ہے۔

کوئی بات معراج کی خلاف عقل نہیں معلوم ہوتی۔ دنیا ترقی کرکے اُن باتوں کو ایک حد تک قرین عقل دکھا چکی اور دکھاتی جا رہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا نے جہانتک ترقی کرکے دکھایا اور ثابت کیا معراج میں وہ باتیں اُس حد کی ہیں جہانتک انسان مادی یا روحانی یا دونوں طریقہ سے ترقی کر سکتا ہے۔ یا اس کیلئے امکان ہے چاہے وہ ترقی کرے یا کسی وجہ سے نہ کر سکے۔ اس سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ رسولؐ اور اُنکے پیرو نہایت مکمل انسان تھے۔ اسلئے کہ اُنکا کمال اس حد پر واقع ہوا تھا کہ آج تک لوگ ترقی کرکے اُسکے عشر عشیر کو بھی نہیں پہونچ سکے۔ اور اُنکی حد کمال سے زائد وہم میں بھی نہیں آتا۔ لہذا رسولؐ آج بھی ویسے ہی نبی ماننے کے قابل ہیں اور آئندہ بھی رہینگے جیسے وہ اپنے زمانہ میں تھے۔ اسلام ہمیشہ کے لئے ہے۔ اسلام کا یہ دعویٰ اسی وقت رد ہو سکتا ہے جب یہ دکھا دیا جائے کہ جو بانیٔ اسلام نے بتایا وہ ایام جاہلیت کی باتیں تھیں

اور اب زمانہ اس سے بہت زیادہ ترقی کر گیا ہے۔ اور اگر زمانہ باوجود اپنے دعادی کے اور نجبال خود بے انتہا ترقی کرنے کے صرف ایک حد تک انھیں باتوں کی تصدیق کرتا ہے تو زمانہ کو کیا حق یہ کہنے کا ہے کہ وہ باتیں ایام جاہلیت کی تھیں۔

جب ایک حد تک تصدیق ہوئی اور کسی جزو کی حتمی اور یقینی دلائل سے رد نہیں ہوئی تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ جس جزو کی تصدیق نہیں ہوئی وہ غلط اور دوراز عقل بات ہے۔ ممکن ہے کہ جب آئندہ ترقی ہو اور مزید تصدیق ہو یا آپ کی تحقیقات جو اسوقت ظنی ہیں جب آئندہ یقینیات کی حد میں آویں تو تصدیق کریں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ ظن ہمیشہ صحیح ہو اکثر غلط بھی ہوتا ہے ورنہ وہ ظن ہی کیوں رہے۔ اور یہ متعدد بار ہو چکا ہے کہ زمانہ نے ایک رائے قائم کی اور اُسے یقینی صحیح سمجھے ہوئے ہیں لیکن آئندہ چل کر اُسکی بالکل رد ہو گئی اور وہ محض ظن ثابت ہوا۔ مشکل یہ ہے کہ انسان میں ایک یہ بھی صفت ہے کہ جب وہ ترقی کر کے کوئی بات معلوم کرتا اور دیکھتا ہے کہ پہلے کے زمانہ کے لوگ غلطی پر تھے تو اُسے غرور ہوتا ہے اور غرور اسکی اجازت نہیں دیتا کہ وہ یہ خیال کرے کہ آئندہ اس سے زائد بھی ترقی کا امکان ہے یا اسکے خلاف بھی ممکن ہے بس وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ جو اس نے سمجھا ہے وہ بالکل صحیح ہے اسکے خلاف یا آئندہ اس سے زیادہ اور بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔

سرعت سیر سے ایک امر کا حل۔ قرآن میں آیا ہے کہ جب دوبارہ صور کی آواز ہو گی تو مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکل پڑینگے اور محشر میں جمع ہونگے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کتنا زمانہ میدان حشر میں جمع ہونے میں صرف ہوگا۔ میدان حشر کیا کئی مقامات پر برپا ہوگا۔ قرآن سے تو نہیں معلوم ہوتا کہ میدان حشر متعدد ہونگے۔ ایک ہی کا پتہ چلتا ہے۔ ایک ہی ہوگا تو کسقدر وسیع ہوگا حشر سب کا ہوگا نہ صرف اس زمین والوں کا بلکہ کل عوالم کے مخلوق کا۔ قرآن میں صاف صاف ہے کہ قیامت میں زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائینگے۔ کواکب کی بابت بھی کچھ ایسے ہی الفاظ ہیں۔ سائنس کہتی ہے کہ ابتدا میں ایک بہت بڑا ضخیم مجموعہ مادہ کا تھا۔ رفتہ رفتہ اُن قوتوں سے جو اُس مجموعہ میں کام کر رہی تھیں اُسکے بہت بڑے بڑے حصے علیحدہ ہو گئے اور اُن حصوں سے سیارے اور اُنکے مجموعے اور مختلف ولاتعداد نظامات پیدا ہوئے، اُن میں سے ایک نظام شمسی ہے اور ایسے ایسے بہت سے نظام ہیں کتنے ہیں خدا ہی جانے۔ قرآن کہتا ہے کل من علیھا فان ہر شے فانی ہے۔ فنا کے معنی از روئے لغت سیری شدن کے ہیں یعنی لوٹنے کے یعنی یہ کہ قیامت میں ہر شے اپنی ابتدائی حالت پر آجاویگی۔ قرآن میں سترھویں پارہ میں ایک آیت موجود ہے کہ زمین و آسمان ابتدا میں بستہ تھے۔ خدا نے انھیں علیحدہ کیا لہذا سائنس کا یہ قول کہ ابتدا میں مادہ کا ایک مجموعہ تھا اور بعد کو اس حصہ سے علیحدہ ہو کر سیارے پیدا ہوئے از روئے قرآن صحیح ہے۔ فنا کے معنی

یہ ٹھہرے کہ ابتدائی حالت پر ہونا۔ لہذا آخر میں مثل ابتدا کے سب بستہ ہو جائینگے اور ایک مجموعہ مادہ ہوگا۔
میری غرض صرف یہ دکھانے کی ہے کہ قیامت صرف اس زمین کے لیے نہو گی بلکہ کل عوالم کے لئے۔
ہر سیارہ کی قیامت ہوگی اور سب ایک میں مل جائیں گے۔ یہ دکھانے سے کہ قیامت کیونکر ہوگی اور
اوس مجموعہ مادہ کا کیا حشر ہوگا بہت طوالت ہوگی اُسے یہاں غیر ضروری سمجھتا ہوں اُسے میری کتاب ہدایات
واحکامات فی القرآن میں دیکھئے۔ غرضکہ کل عوالم کی ایک ساتھ قیامت ہوگی اور کل عوالم کا حشر ایک
مقام پر ہوگا۔ اس سے وسعت میدان حشر کا اندازہ کیجیے۔ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ حشر سرزمین شام
یا بیت المقدس پر ہوگا۔ نہیں معلوم کہ اسکی بابت کوئی حدیث ہے یا نہیں اور ہے تو معتبر ہے یا نہیں۔
بظاہر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتی جسقدر انسان اسوقت روئے زمین پر موجود ہیں اگر آئندہ انکی تعداد اسیقدر
رہے بڑھے نہیں تو اسی ہزار برس میں اسقدر ہو نگے (گذشتہ زمانہ میں جسقدر ہو چکے اُن کا ذکر نہیں) کہ
تمام خشک و تر روئے زمین کا بھر جائے۔ پس یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ حشر ارض شام یا ارض بیت المقدس پر
ہوگا۔ قرآن میں خدا کہتا ہے کہ ہم اُس روز ارض و سماوات کو بدل دینگے اور زمین کی بابت ہے کہ وہ
نئی ہوگی سورۂ نزعت میں ہے فاذا ھم بالساھرۃ۔ ساہرہ اُس زمین کو کہتے ہیں کہ جسپر کوئی چلا نہ ہو
یہ بات بیت المقدس کی زمین میں کہاں حاصل ہے پس میدان حشر کی زمین نئی ہوگی۔ وہ نہایت
وسیع ہوگی اسلئے کہ اسکی ضرورت ہے۔ میدان حشر ایک ہی ہوگا اور نہایت وسیع۔
صرف یہ دیکھنا رہگیا کہ کتنے زمانہ میں لوگ وہاں پہونچیں گے۔ وسعت عالم دکھا چکا ہوں۔ میدان
حشر میں پہونچنے کے لئے کروروں برس چاہئیں۔ یہ کہنے سے جواب تسکین دہ نہیں ہوتا کہ اسوقت سیارے
اِس وقت کی طرح منتشر نہیں ہونگے۔ بلکہ جیسا اوپر کہا گیا سب مادہ ایک جگہ ہوگا پس کوئی وقت صرف
نہوگا۔ آفتاب و زمین کا تناسب معلوم ہے۔ ایک سیارہ ہے ایسلان آریگی۔ وہ آفتاب سے کئی کرور گنا
بڑا ہے۔ جب یہ حالت ہے اور سیاروں کی کوئی حد ہی نہیں معلوم ہوتی لاتعداد معلوم ہوتے ہیں تو ظاہر
ہے کہ وہ مجموعہ کل سیارگان کے مادہ کا بھی بہت بڑا ہوگا۔ اسکی وسعت بتانے کے لئے بھی ہمارے بنائے
ہوئے اعداد کے نام مثلاً کرور۔ ارب۔ سنکھ وغیرہ کافی نہیں ہوسکتے تو پھر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ میدان
حشر میں سب کے جمع ہونیکے لئے کتنی مدت صرف ہوگی۔
اس کا جواب رسُول کی سرعت سیر سے جو معراج میں ظاہر ہوئی ملتا ہے۔ رسُول نے انتہائے عوالم
کی سیر زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں میں طے کی۔ اسی طور سے جملہ مخلوق میدان حشر میں بہت ہی قلیل
وقفہ میں جمع ہو جائے گی۔ اگر مخلوق میں یہ قدرت نہوگی تو خدا میں تو قدرت رسول سے زیادہ ہے وہ

کل مخلوق کو بہت جلد میدان حشر میں جمع کردے گا۔ یہ سرعت سیر بغیر معراج کے اس زمین پر کیونکر ظاہر ہوتی۔ حق یہ ہے کہ معراج میں عجیب عجیب مصالح تھے۔ رسولؐ کی یہ سرعت سیر ظاہر نہ ہوتی تو اس سوال کا کہ مخلوق کو میدان حشر میں جمع ہونیکے لئے کتنی مدت چاہیے کوئی تسکین بخش جواب نہایت مشکل تھا۔

سرعت صوت سے ایک امر کا حل۔ قرآن میں ہے کہ قبل قیامت کے ایک آواز صور کی ہوگی اور کل مخلوق مرجائے گی اور کل سیارات وغیرہ فنا ہو جائینگے۔ سوال یہ ہے کہ یہ آواز صور کل عوالم میں کتنی مدت میں پہونچے گی۔ صور ایک جگہ پھونکا جائیگا یا ہر مقام پر اور اُسکی آواز ایک ہی وقت میں کل عوالم میں پیدا ہوگی۔ قرآن تو کہتا ہے کہ صور کی ایک آواز ہوگی۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صور ایک مقام پر پھونکا جائے گا۔ ایک آواز ہوگی اسکا نتیجہ بھی یہی کہ ایک مقام پر صور پھونکا جائیگا۔ لہذا اُسی ایک اواز کو کل عوالم میں پہونچنا چاہیئے۔ کتنی مدت میں پہونچے گی اور کسقدر سخت ہوگی کہ تمام عوالم میں پہونچے آواز کی حالت یہ ہے کہ بہت سست جاتی ہے۔ اور جیسے جیسے فاصلہ طے ہوتا ہے ویسے ویسے آواز کم ہوتی جاتی ہے۔ آواز کے انتقال کا ذریعہ معمولاً ہوا ہے۔ اس میں یہ کیفیت ہے کہ آواز فاصلہ طے کرنے پر کم ہوتی ہے ایک ذریعہ پانی ہے اس سے کام نہیں لیا جا سکا۔ ایکبار میں دریا کے کنارے پر تھا دوسری طرف دوسرے کنارے پر کچھ اور لوگ تھے معمولی طور سے بات دونوں طرف کر رہے تھے اور دریا کے پار آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ تیسرا ذریعہ ٹھوس اور سخت جسم ہے ایک لوہے کا تار دانت سے پکڑ لیجیئے فاصلہ پر کھڑے ہو جیئے۔ جو کچھ کہئے گا وہ دوسرا صاف سنے گا معمولی ٹیلیفون اسی اصول پر ہے۔ اس سے بھی بہت دور آواز نہیں جاتی بجلی کی مدد سے آواز بغیر کم ہوئے بہت دور تک جاتی ہے۔ لیکن بہت زیادہ فاصلہ ہو تو آواز جانے کے لئے ایک مدت چاہیئے۔ پھر بہت زائد فاصلہ طے کرنے کیلئے بجلی بھی بہت قوی ہونا چاہیے۔ ریڈیو سے جو بجلی سے کام کرتا ہے ہزاروں میل آواز بہت جلد بغیر کم ہوئے جاتی ہے۔ یہ ذرائع تو اب معلوم ہوئے ہیں پہلے تو نہ تھے پھر جیسا کہہ چکا ہوں بہت زائد فاصلہ کے لئے بہت قوی بجلی کی ضرورت ہے۔ پہلے زمانہ میں کوئی قیاس ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ کتنی مدت مدید تمامی عوالم میں آواز جانے کے لئے چاہیئے اب بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت مدت چاہیئے۔ اگر آواز بجلی سے جانے کے لئے روشنی کی سی تیزی اور سرعت درکار ہے تو اس سرعت پر بھی جو ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی ہے لاکھوں برس بلکہ شاید کروڑوں برس انتہائے عوالم تک پہونچنے کے لئے چاہئیں۔ اس سوال کا جواب بھی رسولؐ کی معراج سے مل گیا۔ رسولؐ تھے انتہائے عوالم پر یعنی عرش پر اور حضرت علیؑ تھے مدینہ میں اپنے بستر پر اور گفتگو ہو رہی تھی یعنی آواز انتہائے عوالم کا فاصلہ ایک لمحہ میں طے کر رہی تھی اور بغیر کم ہوئے پہونچ رہی تھی۔ اس سرعت صوت نے صور کی آواز کا مسئلہ بھی حل کر دیا۔ اس طور سے

صور کی آواز جو ایک مقام سے ہوگی اسے تمام عوالم میں پہونچنے کے لئے کوئی مدت صرف نہوگی ایک لمحہ میں پہونچ جائے گی اور جیسے آواز سخت ہو یا نرم بغیر کچھ بھی کم ہوئے بجنسہ تمام عوالم میں پہونچ جائے گی۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آواز کے انتقال کے ذرائع جو ہمکو اسوقت تک معلوم ہوئے ہیں انکے علاوہ اور بھی کچھ ہیں۔ معراج کے بغیر یہ سرعت صوت بھی بتائی نہیں جاسکتی تھی۔ معراج نے یہ بھی بتایا کہ سرعت صوت میں ترقی کی بہت گنجائش ہے لوگوں نے واقعی بہت ترقی کی مگر ابھی حد بہت دور ہے۔ شاید ہی اُس حد تک انسان پہونچ سکے۔

صور ہی کی آواز کا مسئلہ طے نہیں ہوا بلکہ اگر خدانخواستہ عرش خدا کا خاص مقام ہے اور خدا وہاں بیٹھا ہوا ہے تو اس سرعت صوت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر بندہ کی آواز نرم ہو یا سخت فوراً بغیر کسی وقفہ کے خدا تک پہونچ سکتی ہے۔
غور کرتے جائیے اور دیکھتے جائیے کہ کیا کیا باتیں ایک معراج کے واقعات سے طے ہوئیں اور جو باتیں طے ہوئیں وہ انتہائی پیچیدہ کے مسائل جنکے حل میں عقلاء زمانہ پریشان ہوکر رہ جاتے خدا جانے کسقدر وقت صرف ہوتا اور کیا کیا اصول غور کرنے پڑتے اور مسئلہ سمجھنے کے لئے طے کرنے ہوتے۔ اس ایک معراج نے اور اس میں جو واقعات پیش آئے انھوں نے کسقدر آسانی سے اور جلد طے کردیا۔ یہ عملی حل ان مسائل کا تھا۔
ان امور پر غور کیجئے اور سمجھئے کہ معراج کیا چیز ہے اور اسکی کسقدر اہمیت ہے یہ ہمارا آپ کا انتظام نہیں تھا۔ خدا کا انتظام تھا اور جو کچھ امور اس معراج سے طے ہوں وہ کم ہیں۔ ان مباحث سے وقعت معراج رسول کی ظاہر ہوتی ہے۔
میں تو معراج کے واقعات پر جتنا بھی غور کرتا جاتا ہوں مجھے حیرت ہوتی ہے کہ کیونکر دریا کوزہ میں خدا نے بند کردیا ہے۔
سرد تناسخ معتقدین تناسخ کا خیال ہے کہ انسان ... ہے۔ اور آخر میں خدا میں مل جائے گا۔ چونکہ گائے کا پیوند نخل میں نہیں لگتا لہذا لازمی ہے جب تک انسان خدا کا سا نہو جائے اس میں نہیں ملسکتا زندگی میں بہت ہی برے اعمال کئے خدا کے سے تو نہیں ہوے اس سے ملیں کیونکر لیکن ضروری ہے کہ صلاح اعمال کا موقع ملے اور خدا کے سے ہوں تاکہ اس میں مل جائیں اسلئے روح بار بار جسد میں آتی ہے اور جب آخر میں بالکل پاک وصاف ہو جائے گی تو خدا میں مل جائے گی۔ یہ مسئلہ کچھ جچتا نہیں۔ بقول ہنود جو جو تناسخ کے معتقدین ہیں۔ خدا۔ روح۔ مادہ تینوں قدیم ہیں جب یہ صورت ہے تو روح موجود تھی۔ مادہ موجود تھا اُس سے جسم بنا اب دونوں کے اتحاد سے انسان تیار ہوگیا اب باقی کیا تھا کہ خدا سے لاکر اس میں

ملا یا گیا اور انسان جزو خدا ہو گیا۔ لہٰذا ابتدا ہی غلط رسالہ جنت میں اسے کسیقدر صراحت سے میں نے دکھایا ہے کہ تناسخ کا مسئلہ صحیح نہیں ہے۔ معراج سے بھی اس کی رد ہوتی ہے۔ رسول اللہ معراج کے واقعات بتلاتے ہیں کہ انبیاء سابقین کی ارواح سے ملے اور ان سے گفتگو ہوئی۔ یا تو انبیاء سابقین گناہ کے مرتکب ہوئے تھے یا معصوم تھے اگر گناہ کے مرتکب ہوئے تھے تو انھیں پھر جسم انسانی میں اصلاح اعمال کے لئے آنا چاہئے تھا۔ اور اگر معصوم تھے کوئی گناہ نہیں کیا تھا تو وہ مثل خدا کے ہو چکے تھے اور انھیں خدا میں مل جانا چاہئے تھا۔ یہ علیحدہ اُنکی ارواح کیوں باقی تھیں۔ اُنکا علیحدہ باقی ہونا اور رسول سے گفتگو ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مسئلہ تناسخ غلط ہے۔ روح پھر جسم انسانی میں نہیں آتی بلکہ علیحدہ باقی رہتی ہے۔

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک بچہ کہتا ہے کہ میں فلاں ہوں۔ فلاں فلاں میرے اعزا ہیں اور کچھ پوشیدہ باتیں بتاتا ہے جو کسی کو نہیں معلوم۔ اسپر معتقدین تناسخ بہت شور وغل کرتے ہیں کہ یہ بدیہی ثبوت تناسخ کا ہے۔ کانپور میں ایک بچہ کوئی چار برس کا تھا۔ بولتا نہ تھا اسکا باپ اُسے لئے ہوئے ایک روز ایک مکان کے پاس سے گذرا۔ بچہ کہنے لگا کہ میں فلاں شخص ہوں۔ اس مکان میں رہتا تھا۔ یہیں میری ماں بیوی بچے ہیں۔ وہ اس گھر میں گیا اور متوفی کی ماں وغیرہ کو اپنی پہچان بتائی اور بالآخر متوفی کی ایک مدفون شئی بتائی جو کھودنے سے برآمد ہوئی۔ بہ مشکل بچے کا باپ اُسے گھر لے گیا اور آخر کار پریشان ہو کر اسے دیہات بھیجدیا۔ جب وہ دیہات سے کئی سال کے بعد واپس آیا تو سب بھول گیا۔ یہ آخر بچوں کا ایسا کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ میری رائے میں یا تو یہ وجہ ہوتی ہے کہ بچے نے کسی وقت کسی کو کچھ کہتے ہوئے سنا تھا۔ وہ بات اُسکے دماغ میں مرتسم ہو گئی۔ اب یاد آئی اُسکا اعادہ کرنے لگا مگر میرا خیال ہے کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ کسی سخت مرض کا اسکے دل و دماغ پر اثر ہے۔ روحانیت پر کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہوتا ہے کہ بچہ پر کسی خبیث روح کا تسلط ہو جائے اور وہ اپنی سرگذشت بیان کرے مگر شرعی لحاظ سے اسکی کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہے۔

کانپور کا جو واقعہ بیان ہوا اس میں یہ چیز قابل غور ہے کہ جب وہ روح علیحدہ ہو گئی تو بچہ سب باتیں بھول گیا ورنہ اگر یہ بچہ وہی متوفی تھا تو اُن باتوں کا بھول جانا کیا معنی۔

خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیے

امامباڑہ جنت مآب

نمبر ۲

آخری متولی کے دور حیات میں اس امامباڑہ کے وقار کو ختم کر دینے کے لئے ۸ سال تک مختلف طاقتیں اُٹھتی رہیں اور ہر شخص عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتا تھا مگر کبھی کو کامیابی نہوئی اسوقت ترکش کا آخری تیر گورنمنٹ کو مدعی قرار دیکر دفعہ ۹۲ کی کمان سے پھینکا گیا جس نے خطا نہ کی اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو یہ امام باڑہ چند قانون دان اصحاب کی کمیٹی کے سپرد ہوا مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ مجتہد مرحوم میں اب بھی ہمت باقی تھی کہ اپنی جان و مال سے مدافعت کریں مگر جو طاقت مقابل ہوئی تھی اُسکی سنی سالہ کوشش نے تمام ذاتی منقولہ و غیر منقولہ جائداد کو تلف کر دیا تھا اور سرمایہ کی آخری خشت بھی باقی نہ تھی ساری قوت ... فیصلہ کا اثر ہوا اور امامباڑہ کی مجلسیں بند ہوگئیں ایکسال آپ نے عشرہ محرم کے موقع پر لکھنؤ سے ہجرت کی دوسرے سال اپنے شریعتکدہ ہی پر رہے اور دل و دماغ نے صبر و شکیب کا وعدہ کیا تھا یہ وہ وقت تھا کہ آپ کے سرمایہ میں بجز نقد جان اور کچھ نہ تھا عشرہ محرم شروع ہوا تحمل کیا تاریخیں گذریں دل و دماغ پر اثر پڑا زبان سے اُف نہ کی ۳ محرم نصف شب کو بستر سے اُٹھکر امامباڑہ کی طرف نگاہ کی حسینی بارگاہ کی ویرانی اور جو مجلسیں تین پشت سے ناغہ نہوئی تھیں انکو بند دیکھکر آہ سرد بھری اور گر پڑے جسم سرد ہوگیا ۲۴ گھنٹہ کے بعد ۵ محرم ۱۳۴۱ھ کو دنیا چھوڑ دی آزاد خیال شعراء اصلیت پر پردہ کیونکر ڈالتے ہر قطعہ تاریخ میں ذاتی مصائب کا ذکر آیا مولانا مفتی سید محمد علی صاحب قبلہ مجتہد العصر پرنسپل عربی شیعہ کالج نے یہ مادہ تاریخ نظم کیا ؎ دردا کہ رفتہ سوئے جنان کشتہ محن

ایک اور تاریخ میں یہ اشعار بھی رہتی دنیا تک پڑھے جائیں گے ؎

ظلم اعدا کارا و کردہ تمام بس شہید ہیچ و غم اورا بگو شد برائے تیر ہائے غم ہدف آہ و وا ویلا و وا ویلا بگو

سید الشعراء ظفر صاحب لکھنوی نے یہ مصرع نظم کیا ؎ جان لی ہاں غم نے اونکی آج آہ

مجالس کا انجام

اسوقت امامباڑہ اسی کمیٹی کے قبضہ میں ہے اور آمدنی نہونے سے قبور مجتہدین سے صدا آتی ہے ؎

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے ——— نے پر پروانہ آید نے صدائے بلبلے

کمیٹی کے بعد شیعوں میں دو گروہ ہوگئے بعض اس خیال پر قائم ہیں کہ جبتک شخصی اختیارات نہوں

مجالس میں نہ جانا چاہیے۔

خوش قسمتی سے یہ وہ زمانہ نہیں تھا کہ لکھنؤ اکابر علمائے کرام سے خالی ہو وہ حضرات موجود تھے جو بذات خود ہر فتنہ کو دبا سکتے تھے اور قبلہ ان کا وقار مانتی تھی سرکار ناصر الملۃ اور حضرت باقر العلوم اور قدوۃ العلماء و نجم العلماء طاب ثراہم نے صرف مجالس کی بقاء کے لئے جناب مرحوم کی اولاد کو اجازت دی کہ وہ اس کمیٹی کی شرکت منظور کریں اور اس امامباڑہ کی وہ شہرۂ آفاق عزاداری قائم رہے جس پر لکھنؤ کیا پوری قوم کو فخر تھا مشورۂ مجتہدین طے پایا کہ جناب سلطان الواعظین مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ ان قدیم مجالس میں پڑھیں اور مجالس اپنی روایتی عظمت پر قائم رہیں۔

جناب مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ وائس پرنسپل جامعہ سلطانیہ نے جو واقف کے نواسے تھے جناب مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کو یہ خط لکھا۔

" دام فضلکم و زاد نبلکم بعد سلام باکرام و احترام ملتمس آنکہ چوں بنا مجالس حسینیہ جد مرحوم طاب ثراہ گویا برہم شدہ اگر بنظر ثواب زحمت گوارہ فرمودہ اقلاً دریک دو مجلس زینت دہ ممبر بشوند احیاء ایں حسینیہ و تجدید ایں مجالس بیمن و برکت جناب سامی می شود و اجرایں امر خیر کہ ابداً تاثیر ضرر ندارد بدست گرامی باشد البتہ باعث کمال امتنان خواہد بود والسلام محمد ہادی الرضوی بقلمہ

باسمہ سبحانہ

ایں مقصود محمود یقیناً خیلے مناسب و قرین مصلحت می باشد امید انست کہ جناب والا ضرر را نہ قبول فرمودہ در اقامت شعائر حقہ مساعدت خواہند فرمود واللہ یضاعف لکم الاجر الجزیل

ناصر حسین الموسوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ

تجویز مذکور بسیار مناسب بلکہ انسب است و موجب احیاء مجالس شریفہ منیفہ است مامول کہ قرین قبول خواہد شد۔ محمد باقر عفی عنہ

الامر کذالک حررہ السید آقا حسن عفی عنہ السید نجم الحسن

• جناب مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ نے اپنے اساتذہ کا پورا احترام کیا اور تاحیات عشرہ محرم کی دو مجلسیں پانچویں اور نویں پڑھتے رہے علماء کرام اور ان کے مخلصین اور عام پبلک اسی ولولہ اور دلچسپی سے مجالس میں شریک ہونا شروع ہوئے اور نویں کی مجلس کا وقار قائم رہا۔

امامباڑہ کی موجودہ حالت شہید انسانیت کی پارٹی نے جو لکھنؤ میں عرصہ سے حسینیت کے خلاف

داغ بیل ڈال رہے تھے اور ہمدردی کے پردہ میں عزاداری کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا چاہتے تھے امامباڑہ کی مخالفت کا بیڑا اوٹھایا تھا علماء کرام کے حکم کے بعد بھی وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور آجتک ان مجلسوں کی مخالفت کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں دوسری مجلس اسی وقت پر قائم کی ہے اور بڑے طمطراق سے ہر سال ان مجلسوں میں شرکت حرام ہے پکار کر عزائے حسین کو کمزور کرتے ہیں ضرورت ہے کہ شیعیان لکھنؤ منظم ہو کر اس عزاخانہ کو آباد کریں ورنہ امام باڑہ سوداگر، امامباڑہ اکرام اللہ خاں کی طرح خدانکردہ یہ مقدس بارگاہ بھی باقی نہ رہے گی شیعوں ہی کو امامباڑہ کا مخالف دیکھکر محلہ کے وہابیت پسند سنی طبقہ نے بھی دست ظلم دراز کیا اور امامباڑہ کے در و دیوار کو نقصان پہونچانے کی کوشش سے غافل نہیں ہیں کئی سال کا ذکر ہے کہ عین محرم کے موقع پر فرش امامباڑہ کا جلا دیا جس سے امامباڑہ کی عمارت کو بھی کچھ نقصان پہونچا کس نے یہ حرکت کی؟ واقعات سامنے ہیں اور منتقم حقیقی کا سامنا ہر تخریب کرنیوالے کو ہوگا افراد قوم کا فرض ہے کہ اس مقدس ترین یادگار کو دست تعدی سے بچائیں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں مجالس منعقد کر کے قوم کو حالت زار پر توجہ دلائیں اور وہ قطعات آراضی جو متعصب سنیوں اور ہندوؤں کے قبضہ میں جاچکے ہیں انکو واپس لیں اور غیر شیعہ آبادی کو اس جگہ سے ہٹا دیا جائے۔

دشمنی کر شراب سے پہلے

از جناب ایم اے اکمل صاحب منشی کامل شاہجا پوری

مر مٹے وہ عذاب سے پہلے
زندہ تھے جو شراب سے پہلے

مضطرب ہیں عذاب دوزخ سے
مست تھے جو شراب سے پہلے

جام کوثر کی آرزو کے لئے
پھیرے منھ شراب سے پہلے

لو لگانا اگر خدا سے ہو
دل ہٹا لو شراب سے پہلے

آل احمدؐ کی گر محبت ہے
دشمنی کر شراب سے پہلے

آخرت پر نظر نہیں کرتے
مست ہیں جو شراب سے پہلے

ہے خباثت کی ماں مئے گلگوں
محترز ہو شراب سے پہلے

زندگی نشاط گر چاہو
مجتنب ہو شراب سے پہلے

بادہ خوار کے دل جگر دونوں
جل رہے ہیں شراب سے پہلے

قرب داور کا شوق ہو اکمل
دور رہنا شراب سے پہلے

مدح سید الشہداء

از نتیجۂ فکر جناب سید علی افسر صاحب بجنور ضلع لکھنؤ

ماتم شبیر پہ ہر لحظہ دل تیار ہے
سوز غم سے ہر نفس اک آہِ شعلہ بار ہے

اے حسین ابن علی اے تاجدار انّما
مثل شاہِ لافتی تو دین کا سردار ہے

مصدر شرع متیں و خسرو اقلیم دیں
تو جہاں میں جانشین احمد مختار ہے

معدن جود و کرم شمع شبستان حرم
تیرے دم سے دین و دنیا مطلع انوار ہے

پشت پر سبط نبی اور محو سجدہ ہیں رسول
کھیل بھی انکا پسند ایزد غفار ہے

نو اماموں کے ہیں انوار مقدس صلب میں
نسل ختم المرسلیں کا تو امانت دار ہے

اشک آنکھوں سے رواں ہیں آگیا ماہِ عزا
پیکر رنج و الم ہر ایک ماتم دار ہے

ہر در و دیوار سے آتی ہے رونے کی صدا
ذرہ ذرہ سے غمِ شبیر کا اظہار ہے

رونیوالے تھے مگر کوئی نہ تجھکو رو سکا
ساری دنیا آج لیکن تیری ماتمدار ہے

اپنے خوں سے تو نے سینچا گلشن اسلام کو
تیرے دم سے دین حق پھولا پھلا گلزار ہے

تیرے دم سے رہ گئی روحانیت اسلام میں
حق تو یہ ہے تو بقائے دیں کا ذمہ دار ہے

ظالموں نے تیری ہستی کو مٹا ڈالا مگر
نام مٹ جائے ترا دشوار ہی دشوار ہے

اے مرے مولا دکھا دے اب مسیحائی کی شان
تیرا افسر اک زمانے سے بہت بیمار ہے

ششماہہ مجاہد

از نتیجۂ فکر رباب فاطمہ صاحبہ برادر زادی سید نصرت علی صاحب مجنوں لکھنؤ

اے مرے ننھے مجاہد السلام — السلام اے اصغر عالی مقام
السلام اے فدیۂ راہ خدا — السلام اے کشتۂ جور وجفا
اے مرے ننھے مسافر السلام — تشنہ لب فرزند سرور السلام
السلام اے میرے ششماہہ صغیر — تیری ہمت پر فدا برنا و پیر
تو نے رکھلی آبرو اسلام کی — دھوم ہے دنیا میں تیری کام کی
قطرۂ خوں تھا ترا آب بقا — دین حق کو جس نے زندہ کردیا
چھا گیا اسلام پر ابر کماں — تیری قربانی ہے بیشک بیمثال
تیر گردن کا ترا اے مہ جبیں — بنگیا ہے اک عمود رکن دیں
لے لیا جب نام تیرا اے صغیر — چھپنے لگتے ہیں دل مومن میں تیر

تجھ پہ صدقہ اے شہ عالیجناب
پیش حق مقبول ہو نظم رباب

نمازِ حاجت

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو یہ نماز تعلیم کی اور فرمایا کہ جس شخص پر کوئی مصیبت نازل ہو یا کسی آفت کا اندیشہ ہو تو چاہیے کہ دو دو رکعت کرکے چار رکعت ادا کرے اور بعد نماز یہ دعا پڑھے۔

يَا مَوْضِعَ كُلِّ شَكْوَىٰ وَيَا سَامِعَ كُلِّ نَجْوَىٰ وَيَا شَاهِدَ كُلِّ مَلَا وَيَا عَالِمَ كُلِّ خَفِيَّةٍ وَيَا دَافِعَ مَا يَشَاءُ مِنْ بَلِيَّةٍ يَا خَلِيلَ إِبْرَاهِيمَ وَيَا نَجِيَّ مُوسَىٰ وَيَا مُصْطَفِيَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ أَدْعُوكَ دُعَاءَ مَنِ اشْتَدَّتْ فَاقَتُهُ وَقَلَّتْ حِيلَتُهُ وَضَعُفَتْ قُوَّتُهُ دُعَاءَ الْغَرِيبِ الْغَرِيقِ الْمُضْطَرِّ الَّذِي لَا يَجِدُ لِكَشْفِ مَا هُوَ فِيهِ إِلَّا أَنْتَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ کوئی شخص یہ دعا نہ پڑھے گا مگر یہ کہ خدا اسکی بلا کو دفع کردے گا۔

برائے اطلاع زائرین مشہد مقدس

سکریٹری صاحب انجمن امامیہ اثنا عشری کوئٹہ سے اطلاع دیتے ہیں کہ ایران و عراق جانے والے زائرین کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے۔

۱- جو حضرات ان مقامات پر جانا چاہیں انکو چاہئے کہ پہلے اپنے ضلع کے حاکم سے پلگرم پاس ( ) برائے ایران و عراق حاصل کریں اور مبلغ ۱۲۰/- روپے ضمانت کے ڈیپازٹ کرائیں۔ پختہ پاسپورٹ نہیں بلکہ پلگرم پاس ہو۔

۲- کیونکہ ایرانی کونسل مقیمی کوئٹہ کے دفتر سے ویزہ حاصل کرنے میں بہت طوالت ہوتی ہے اور بے جا مصارف قیام برداشت کرنا پڑتے ہیں۔

۳- ہر زائر کے پاس دو فوٹو برائے ایرانی کونسل اور دو فوٹو برائے عراقی کونسل ہمراہ ہونے لازمی ہیں۔

۴- مندرجہ ذیل سرٹیفکیٹ ٹیکہ جات بھی ہمراہ لانے چاہئیں، چیچک، کالرا، ٹی اے بی (T. A. B.)

۵- سامان ضروری مثلاً پارچہ جات پوشیدنی کھانے پینے کے برتن اور بستر ہمراہ ہونا چاہیئے چار ایک پونڈ اور شکر ایک پونڈ فی کس اور کھانے پینے کی اشیاء پانچ پونڈ تک فی کس لے جا سکتے ہیں

۶- کوئٹہ سے زاہدان تک ہفتہ میں ایک مرتبہ ریل گاڑی بروز سہ شنبہ (منگل) جاتی ہے چونکہ یہاں ایرانی قونصل خانہ سے ویزہ حاصل کرنا پڑتا ہے اس لئے گاڑی کی روانگی سے چار یوم پہلے کوئٹہ میں پہونچ جانا چاہیے بوقت روانگی بندہ کو اطلاع دی جائے۔ تاکہ انکی رہائش کا انتظام بخوبی ہو سکے۔ ایرانی کونسل میں فیس ویزہ آجکل ۱۱/۲ فی پلگرام پاس ہے۔

۷- پلگرم پاس میں صرف اپنی بیوی اور بچے ۱۵ سال تک کے شامل ہو سکتے ہیں دوسرے لواحقین کا علٰحدہ پلگرام پاس ہونا چاہیئے۔

۸- ایران اور عراق آمدورفت کے لئے ہر زائر کے پاس کم از کم پانچ صد/ ۵۰۰ روپیہ ہمراہ ضرور ہونا چاہیئے۔

۹- عراق جانے کیلئے طہران سے عراقی قونصل خانہ سے ویزہ لینا پڑتا ہے فیس ویزہ ۱۱/۲/- روپے ہے۔

بھر دوبارہ تاکید کیجاتی ہے کہ پختہ پاسپورٹ حاصل نہ کریں بلکہ زیارت کیلئے پلگرام پاس لیویں۔ اور ۱۲۰/- روپے فی کس ضمانت کے طور پر ڈیپازٹ فرمائیں یہ رقم واپسی پر بغیر کسی دقت کے انگریزی کونسل خانہ سے واپس ملجاتی ہے۔ پلگرام پاس بھی کتابی صورت میں ہوتا ہے۔ ایران و عراق کے الفاظ پلگرام پاس میں ضرور درج ہونا چاہیئے۔

(خادم الزائرین:- فرمان علی صدر انجمن امامیہ اثنا عشریہ۔ کوئٹہ)

اہتمام سرسری اطلاعنامہ بنام دائنان

(دفعہ ۴، ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء)

بعدالت جج صاحب بہادر خفیفہ لکھنؤ

درخواست دیوالیہ نمبر ۲۰ سنہ ۱۹۴۶ء

بمقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ مسمی محمد علی ولد عباد علی عمر تخمیناً ۵۵ سال ساکن گوئن گنج تھانہ وارڈ و زیر گنج

بنام

(۱) لالہ بلدیو داس عمر تخمیناً ۴۲ سال ولد لالہ لچھمن داس قوم رستوگی ساکن محلہ نالہ بیگم گنج تھانہ چوک لکھنؤ

(۲) مہتری داس ولد گوبردھن قوم رستوگی ساکن باغ مکا لکھنؤ

(۳) جوگل کشور ولد لالہ موہچند ساکن باغمکا لکھنؤ

(۴) گردھر گوپال ولد نرائن ساکن رستوگی ٹولہ لکھنؤ

اطلاع دیجاتی ہے کہ بتاریخ ۲۹ ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۶ء مدیون مذکور الصدر نے ایک قطعہ درخواست اس عدالت میں بدیں غرض پیش کی ہے کہ وہ دیوالیہ قرار دیا جائے اور یہ کہ بتاریخ ۲۹ ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۶ء عدالت ہذا نے اس امر کا اطمینان کرکے کہ مدیون کی جائداد غالباً مبلغ پانچ سو روپیہ سے زائد نہو گی ہدایت کی ہے کہ مدیون کی جائداد کا اہتمام سرسری طریقہ پر کیا جاوے اور تاریخ ۶ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۴۶ء بنابر مزید سماعت دیوالیہ درخواست و اظہار مدیون مذکور مقرر کی ہے۔ اس امر کی بھی اطلاع دی جاتی ہے کہ عدالت تاریخ مذکور الصدر پر تصفیہ و تقسیم جائداد مدیون مذکور کی فوراً کارروائی شروع کرسکتی ہے۔ تم کو اختیار ہے کہ تم حاضر ہو کر اس تاریخ پر ثبوت دو۔ ثبوت کسی دعوی کا جو تم کرنا چاہو تاریخ مذکور پر یا اس کے قبل داخل عدالت کرنا لازمی ہوگا۔

میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۲۹ ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۶ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط جج

وقت حاضری عدالت دس سے چار تک۔

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیمہ و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالۂ شبہات
(۱۲) اکتشافات جدیدہ و حقائق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوا کریگا۔
۲۔ ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳۔ نمونہ کا پرچہ ۴؍ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہو سکتا ہے
۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵۔ اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے
(۶) علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
(۷) مشرح قیمت روسا، و والیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ غربا، و طلباء سے بشرط تصدیق عہ؍

پتہ صاف دفتر الواعظ، مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ھدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ [illegible] رکھا جائے ورنہ درج نہ ہو سکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیے، اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا۔
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

انجمن العلوم موئد مدرسۃ الواعظین کی قابل قدر کتابیں

...مانہ پرآشوب میں لامذہبیت کی تیز و تند ہوائیں قصر ایمانی کو متزلزل
...وہ اسکی بنیادوں پر مثل سابق مضبوط و مستحکم کرنیکی سعی امکانی سے دریغ
...کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ دنیا کے مختلف مذاہب کے پورے حالات بہ نظر غائر مطالعہ
...رمائیں ادارہ آپ کے حکم کی شکریہ کیساتھ تعمیل کرے گا۔

...وم مدرسۃ الواعظین نمبر ۱۶ کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
۴ر	مناظرہ معاد وتناسخ	۱/۶	کشف حقیقت	۴ر
۳ر	الاعجاز	۱/۶	در تصوف	
۵ر	فلسفۃ المذاہب	۱/۶	اسلامی بچوں کی	
	النبی	۱/۶	پہلی کتاب	۱/۶
۲ر	خصوصیات اسلام	۱ر	قرآن السعدین	۴ر
۳ر	اسلام وجہاد	۳ر	شان حیدر	۶ر
۳ر	قرآن اور بائبل	۲ر		
	رد الاباطیل	۱/۶		
۸ر	رسالہ متعہ	۱/۶		
۱/۶	سرادق عدت	۴ر		
۱/۶	شریعت الاسلام		حقیقت سادات	۶ر
۱/۶	حصہ اول	۳ر	فریاد مسلمانان عالم	۳ر
/	شریعت الاسلام		تجلیات تاریخ اردو	للعہ
۲ر	حصہ دوم	۸ر	منہاج الافکار عربی	۴ر
	شریعت الاسلام		ارشاد مفید رح	عہ
۲ر	ضمیمہ حصہ دوم	۳ر	محیط الدائرہ	عہ
۸ر	کارنامہ محرم	۳ر	نصر المومنین فارسی	۱۲ر
۲ر	اسلامی صحیفہ	۴ر	بردہ بہ نظم	ر
[illegible]	سوانح عمری حضرت مسلم بن عقیل	عہ		

نام کتاب	قیمت	نام کتاب
ترجمہ قرآن مجید حصہ	/	حقوق نسواں
دوم مجلد	[illegible]	اور اسلام
صحیفہ کاملہ حصہ		تحقیق البداء
اول مجلد	[illegible]	راز شہادت
صحیفہ کاملہ حصہ دوم مجلد	[illegible]	القول الجمیل فی
المودۃ القربی غیر مجلد	عہ	التوراۃ والانجیل
دی پرافٹ اینڈ خلافت	۸ر	اسلام اور رواداری
اسلام اِن ہسٹری اینڈ ٹرتھ	[illegible]	کربلا کا مجاہد
یونٹی آف گاڈ	۲ر	مولود حرم
اسلام اِن دی لائٹ آف شیعزم	۱۲ر	
مین اینڈ ہز کنگ	۲ر	تعلیم اسلام
ٹریجڈی آف کربلا	۱/۶	ید بیضا در [illegible]
پیرپریس	۲ر	مثیل موسیٰ
اسلام ان دس	۲ر	قرآن [illegible] کی تعلیم
[illegible]	۲ر	تنقید [illegible]
جائزۃ الانوار جلد اول	[illegible]	جائزۃ الانوار جلد دوم

بادشاہ مرزا شر لکھنوی پرنٹر و پبلشر نے الواعظ صفدر پریس سے چھپوا کر شائع کیا